اسلامی قلمرو میں

اِقرأ اور عَلَّمَ بالقلم

کے

ثقافتی جلوے

(عہدِ عباسی)







جلد اوّل

- ☆ کتب خانوں کی نشوونما اور ارتقاء پر ایک جامع نظر۔
- ☆ املاء کے عہد بہ عہد تاریخی سفر کی معلومات آفریں روئیداد۔
- ☆ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ اشخاص کے کتب خانوں کا علم ریز تذکرہ۔
- ☆ کیٹلاگ سازی، علوم کی درجہ بندی اور کتاب سازی کے بنیادی مباحث کا خوبصورت مرقع۔
- ☆ نامور کتابیات نگار، کتابیاتی سرگرمیوں اور فن کتابیات کی اصطلاحات پر تفصیلی روشنی۔
- ☆ تشکیل، ترتیب و نظام کتب خانہ کی قیمتی معلومات پر ایک اچھوتی تحریر۔
- ☆ تحفظ کتب کی احتیاطی تدابیر اور ناظم کتب خانہ کے لئے رہنما سنہری اصول۔
- ☆ اقراء و علم بالقلم کے صفحہ عالم پر ثبت تاریخی و علمی نقوش کا مختصر جائزہ۔
- ☆ فن کتب خانہ کی اہم، دلچسپ اور نادر مباحث پر مشتمل تاریخی و تحقیقی دستاویز۔

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

رئیس شعبہ تخصص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ الحدیث جامعۃ الرشید ۰ احسن آباد ۰ کراچی

مکتبۃ الکوثر

اسلامی قلمرو میں

اِقرأ اور عَلَّمَ بالقلم

کے

ثقافتی جلوے

(عہدِ عبّاسی)

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی

رئیس شعبہ تخصص علومِ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

اُستاذ الحدیث جامعۃ الرشید ○ احسن آباد ○ کراچی

○

مکتبۃ الکوثر

سلسلہ مطبوعات مکتبۃ الکوثر (۴)

☆جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں☆

کتاب : اسلامی قلمرو میں اقرأ اور علّم بالقلم کے ثقافتی جلوے (عہدِ عباسی)

مؤلف : مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

تعداد جلد : ۲

اشاعت : اوّل

ضخامت جلد اوّل : ۵۸۵ صفحات۔

ضخامت جلد ثانی : ۴۲۱ صفحات۔

سن طباعت : ۱۴۳۶ھ-۲۰۱۵ء

تعداد : ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

ناشر : مکتبۃ الکوثر، بلاک B، سیکٹر 11، مکان نمبر: 121، جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی۔ 0331-3298552

﴿ملنے کے پتے﴾

مکتبۃ الکوثر : بلاک B، سیکٹر 11، مکان نمبر: 121، جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی۔

مکتبۃ الشیخ : 445/3، بہادر آباد، کراچی۔

اسلامی کتب خانہ : بالمقابل جامع مسجد نیوٹاؤن، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی۔

مکتبہ سلطان عالمگیر : 5، لوئر مال بالمقابل گامے شاہ، اردو بازار، لاہور۔

مکتبہ سید احمد شہیدؒ : اردو بازار، لاہور۔

مکتبہ رحمانیہ : اردو بازار، لاہور۔

مکتبہ رشیدیہ : سرکی روڈ، کوئٹہ۔

دارالاخلاص : محلہ جنگی، پشاور۔

انتساب

یہ تحقیقی مقالہ والد ماجد محمد عبدالرحیم خاطرؔ المتوفی ۱۳۷۲ھ کے نام معنون کرتا ہوں، جو جے پور (راجستھان) کے نامور خوشنویس تھے۔ یہاں موصوف نے چھاپہ خانہ "رحیمی پریس" قائم کیا، اردو میں کتابیں چھاپیں، مجھے علم کے راستے پر ڈالا اور میں اس لائق ہوسکا کہ برِصغیر پاک کی جامعات میں سب سے پہلے جامعہ کراچی کے شعبۂ علم و کتب خانہ سے اسلامی کتب خانے کے موضوع پر تحقیقی مقالہ نگاری کا فتحِ باب کرسکا۔

فللہ الحمد

عہدِ عباسی (۱۳۲ھ-۶۵۶ھ/۷۴۹ء-۱۲۵۸ء) میں حکمِ اقرأ کے ثقافتی جلووں کے مظاہر: مقاماتِ املاء ومجالسِ املاء، کتب خانوں کا قیام، انفرادی و عوامی، فنی و خصوصی، ادارہ جاتی وعوامی اور علمی کتب خانوں کا تذکرہ، کتاب سازی، درجہ بندی و ہمنسقی، کیٹلاگ سازی، کتابیات اور ہیئتِ انتظامیہ سے اس مقالہ میں بحث کی گئی ہے۔ یہ مقالہ اِن مباحث سے متعلق قیمتی و نادر، تاریخی وتحقیقی معلومات کا جامع ہے۔

فہرست

دوسرا حصہ

دوسرا باب ۱۶۹-۲۶۹

پہلا حصہ

تیسرا باب　۲۷۰-۳۴۶

پہلا حصہ

دوسرا حصہ

(۳) خلفاءِ بغداد سے الحاق رکھنے والے فرمانرواؤں کے کتب خانے

چوتھا باب　　۴۷۳-۳۴۷

پہلا حصہ

دوسرا حصہ

فنی وخصوصی کتب خانے

پانچواں باب　　۴۷۴-۵۶۹

پہلا حصہ

دوسرا حصہ

پیش لفظ

یہ مقالہ ''اسلامی کتب خانے'' کے نام سے پہلی بار جنوری ۲۰۰۲ء میں الفیصل (ناشران وتاجران) اردو بازار لاہور سے شائع ہوا تھا۔اللہ تعالی کے فضل وکرم سے یہ کتاب بلاتبصرہ دو چار برس میں ہی بازار سے ختم ہوگئی اوراب اسے ''اسلامی قلمرو میں اقرأ وعلّم بالقلم کے ثقافتی جلوے عہدِ عباسی'' کے نام سے مکتبۃ الکوثر سے شائع کیا جارہا ہے۔اور یہ کوئی نیا نام نہیں بلکہ پہلے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۹ میں اس کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

کتب خانہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر بڑے بڑے بالغ نظر محدث اور دانشوروں نے انیسویں بیسویں صدی میں قلم اٹھایا ہے،ان میں حافظ العصر عبدالحی الکتانی التوفی ۱۳۸۲ھ۔۱۹۶۴ء بھی ہیں،جنہوں نے ''تاریخ المکتبات الاسلامیہ ومن الف فیہ الکتب'' لکھی جو ان کے دو شاگردوں ڈاکٹر احمد شوقی بنبین اور ڈاکٹر عبدالقادر سعود کی تحقیق وحواشی اور اضافے کے ساتھ دوبارہ ''دارالامان للنشر والتوزیع'' سے ۱۴۳۴ھ۔۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں ہندوستان کے آخری دور کے کثیر التصانیف مولفین کا بھی ذکر آ گیا ہے۔علامہ کتانی کی مذکورہ کتاب میں اسلامی قلمرو کے مشہور کتب خانوں کا ذکر تو آ گیا ہے لیکن کتب خانوں کے شناخت کے اصول کتابوں کی فنی درجہ بندی (کلاسیفیکیشن) علوم کی تقسیم،فہرست سازی (کیٹلا گنگ) بجٹ،کتب خانوں کی عمارتوں وغیرہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے،ان کے دور میں سب سے پہلے علمی کتب خانیں میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری جس نے حاصل کی، وہ ڈاکٹر یوسف العش (۱۳۲۹۔۱۳۸۷ھ۔۱۹۱۱۔۱۹۶۷م) ہے،جس نے ۱۹۴۹ء میں جامعہ سارا بون فرانس سے ڈاکٹریٹ کیا،ان کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ۱۹۶۷ء میں فرانسیسی زبان میں چھپا اور اس کا عربی ترجمہ ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا۔

کتب خانے کی پہچان،معرفت اور شناخت کے اصول میں گوناگوں الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، جس کی تفصیل کتاب میں موجود ہے،اس کے علاوہ کبھی ''تعلیق التعلیق'' کے الفاظ لکھے جاتے ہیں،کبھی ''سارت به الرکبان'' (کتابوں کو سوار لے اڑے) وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور کبھی من جملۃ مصنفاتہ کہہ کر ان کی چند تالیفات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے،ان کی تمام کتابوں کے نام نہیں ذکر کیے جاتے۔اور بعض اوقات ان

کے فضل و کمال، تبحرِ علمی، دقتِ نظر اور علمی کاوشوں کو بیان کرنے کے لیے ان کی کتابوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوریؒ (۳۲۱ھ۔ ۴۰۵ھ) نے اپنی کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں علی بن مدینیؒ المتوفی ۲۳۴ھ کی فہرستِ کتب کے موضوع کے تحت ان کی کتابوں کے نام ذکر کیے ہیں۔ اس سے کتابوں کی فہرست سازی کی تاریخ معلوم ہوگئی کہ اس کام کی بنیاد تیسری صدی ہجری کی تیسری دہائی میں پڑ گئی تھی۔

موضوعی فہرست سازی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے اس موضوع کی جملہ کتابوں کے ناموں سے واقفیت ہی نہیں ہوتی بلکہ مصنف کے فضل و کمال، علمی پایہ اور علم میں اس کی برتری اور مقام بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حاکم ''علی بن مدینیؒ'' کی کتابوں کی فہرست نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''انما اقتصرنا علی فهرست مصنفاته في هذا الموضع ليستدلّ به علی تبحره و تقدمه و كماله''

مطلب یہ ہے کہ اس جگہ ان کی تصانیف کی فہرست پر اکتفاء کیا جا رہا ہے، اس لیے کہ یہ فہرست ہی موصوف کی تبحرِ علمی، برتری اور کمال فن کی دلیل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جو محقق و دانشور کتابیں لکھتے تھے، وہ ان تین صفات سے آراستہ ہوتے تھے۔

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور جلد ۵۴ شمارہ ۳۶ میں ''اسلامی کتب خانے'' کے ناشر و مصنف اور اس علمی خدمت کے اعتراف و اعزاز میں ایک نشست منعقد کرنے کا ذکر جن الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے:

''گذشتہ سال لاہور کے ایک معروف اور برق رفتار ناشر ''الفیصل'' (ناشران) نے ملک عزیز کی ایک فاضل شخصیت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی حفظہ اللہ کی ایک خالص علمی تصنیف اسلامی کتب خانے شائع کی تو کارکنان المکتبۃ السلفیہ کی طرف سے ان کی اس خدمتِ علمی کے اعتراف کے طور پر دار الدعوۃ السلفیہ کے لائبریری ہال میں ایک نشست کا اہتمام کیا گیا، جس میں لاہور کے ناشران کتب دینیہ کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تا کہ ان میں بھی علمی کتب کی اشاعت کے ''جراثیم'' یا حوصلہ پیدا کیا جائے''۔

اس سے اس کتاب کی علمی و تحقیقی حیثیت ظاہر و باہر ہے۔

اب اس کتاب کی اول تا آخر مزید تحقیق وتصحیح کی گئی اوراس کے ساتھ ساتھ دوسرے باب میں دواہم اور نہایت مفید عنوان کا اضافہ بھی کیا گیا:

ایک: دورِ جاہلی کے کتب خانے اور دوسرا: املاء ہے۔جس کے ذریعے نت نئی معلومات،تحقیقات اور تخلیقات بیک وقت ہزاروں لوگوں کوملتی رہتی اوران کے ذریعے قریب وبعید کے شہروں اورملکوں میں ہی نہیں ہر جگہ یہ معلومات وتحقیقات بسہولت پہنچتی اور اشاعت پذیر ہوتی رہتی تھی اور گوناگوں تازہ بہ تازہ معلومات وتحقیقات سے اسلامی معاشرہ، کتب خانے اور علمی درسگاہیں فائدہ اٹھاتی رہتی تھیں۔

املاء کا ایک طریقہ درس وتدریس ،لیکچر لکھوانا اور انہیں قلمبند کروانا تھا،املاء کے ذریعے دانشوروں، محققین زمانہ اورارباب فن اورصاحب کمال لوگوں کے علوم ومعارف اورنت نئی تحقیقات اورتخلیقات کی سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں بیک وقت قلمبند کی جاتیں اورشائع ہوتی رہتی تھیں اور دور دراز ممالک اوراسلامی قلمرو کے شہروں اوردیہاتوں کے کونے کونے میں ان لکھنے اورقلمبند کرنے والوں کے ذریعے عام ہوجاتی تھیں۔

کسی عالم واستاد،مصنف اور دانشور محقق کا کسی شاگرد کواپنی اوراپنے شیوخ واساتذہ کی سند دینادر حقیقت اسے اپنی سند میں مذکورہ بالاتمام ہزار شیوخ کی بیک وقت جملہ تصانیف کی حقِ اشاعت پر مامور کرنا ہوتا تھا،اوراس سے اس شاگرد کواپنی سند میں مذکورتمام شیوخ وارباب ِ کمال کی جملہ تصانیف کا حقِ اشاعت حاصل ہوجاتا تھااوراسے دوسروں تک پہنچانا اس کے فرائضِ منصبی میں داخل تھا؛اس لیے وہ درس وتدریس اور املاء و تصنیف کے ذریعے اپنے شاگردوں کو بہرہ ورکرتارہتااورانہیں بھی اس کی ترغیب دیتارہتا تھا؛چنانچہ کوئی مسجد،کوئی مدرسہ،کوئی خانقاہ،کوئی میدان، بیت الحکمت،گھروں کی چھت، بازار، چوک،کنوئیں(جیسا کہ مبسوط سرخسی وغیرہ سے ظاہر ہے)،شاہراہیں اورکوئی کوچہ ان کے فیضِ علمی سے خالی نہیں رہا۔اس طرح ان کے دریائے علم کا فیض ہمہ وقت رواں دواں رہتا تھااور ہرفن کے ارباب کمال، دانشور، محققین اوران کی علمی کاوشوں اورسرگرمیوں کا ذکر کتب سیر وتذکرہ میں کیا جاتا تھا،چنانچہ ان کا جہاں سے گزر ہوا، یا کہیں املاء کروایا، یا قیام فرمایاان کاذکراس علاقے یا شہر کی تاریخ میں اربابِ تاریخ وتذکرہ نے کیااور کم وبیش ہر تاریخ ان باتوں سے مالا مال ہے، جیسا کہ خطیب بغدادیؒ المتوفی ۴۶۳ھ نے امیر المؤمنین فی النحو امام فرّاء ابو زکریا یحییٰ بن زیادؒ (۱۴۴۔۲۰۷ھ/۷۶۱۔۸۲۲م) کا ذکراپنی شہرہ آفاق تصنیف تاریخ بغداد میں اس وجہ سے کیا کہ موصوف

بغداد میں امیر المؤمنین مامون الرشید کے ایماء پر مجلس املاء منعقد کراتے تھے، موصوف کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ فقہی مسائل کا نحو سے جواب دیا کرتے تھے۔ ان کی مجلس املاء میں بڑے بڑے ارباب کمال شریک ہوتے تھے اور ان کی تعداد اتنی ہوتی تھی کہ شمار کرنا مشکل تھا، غیر فقہاء کی تعداد کا تو شمار ہی نہیں تھا، صرف فقہاء کی تعداد جب شمار کی گئی تو اسی ۸۰ فقہاء اور قاضی شریک تھے۔(۱) امام فراءؒ اگر چہ امام النحو تھے، لیکن فقہاء ان کی مجلس میں اس لیے شریک ہوا کرتے تھے کہ نحو کی بحث میں فقہی مباحث بھی زیر بحث آجائیں تو فقہاء کو زیادہ فائدہ ہوگا، چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ امام محمدؒ المتوفی ۱۸۹ھ (جن کے متعلق علامہ ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ نے لکھا ہے: ''كَانَ مِنْ أَذْكِيَاءِ الْعَالَمِ'' ترجمہ: امام محمد دنیا کے ذہین ترین انسانوں میں سے تھے)(۲) سے امام فراءؒ نے جو کہ امام محمدؒ کے خالہ زاد تھے، کہا کہ اگر کوئی شخص کسی علم وفن میں مہارت حاصل کرلے تو اس کے لیے اس علم کی بدولت دوسرے علوم تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ آپ عربیت ونحو میں گہری نظر رکھتے ہیں، کیا آپ سے میں فقہ کا ایک مسئلہ پوچھوں؟ انہوں نے کہا کہ پوچھیے۔ امام محمدؒ نے پوچھا کہ سہو پر سہو ہو جائے تو نمازی کیا کرے؟ انہوں نے جواب دیا: ''الْمُصَغَّرُ عِنْدَنَا لَا يُصَغَّرُ''، جب ایک دفعہ کسی لفظ کی تصغیر ہو جائے تو دوبارہ اس کی تصغیر نہیں کی جاتی، امام محمدؒ ان کی ذہانت وفقاہت پر حیران رہ گئے اور فرمایا: ''مَا ظَنَنْتُ آدَمِيًّا يَلِدُ مِثْلَكَ'' میں سمجھتا ہوں کہ کسی عورت نے آپ جیسا کوئی نہیں جنا۔(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سہو پر سہو ہو جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی لیے فقہاء ان کی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے، معلوم نہیں کہ کونسا مسئلہ حل ہو جائے۔

بعض کتابوں میں امام فراء کی بجائے امام کسائیؒ المتوفی ۱۸۹ھ کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان سے امام محمدؒ نے مذکورہ سوال کیا تھا۔(۴)

انہیں وجوہ سے علامہ سخاویؒ (۸۳۱ھ۔۹۰۲ھ) نے اسلامی قلمرو کے ہر شہر کی تاریخ کا تذکرہ اپنی کتاب ''الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ'' میں کیا ہے، بلکہ ایسے ہی اربابِ کمال کے تذکرے کے لیے کتابیں لکھی جاتی تھیں، یہاں تک کہ ان کی نسبتوں سے خواہ پیشے کی نسبت ہو، مکانی نسبت ہو، مسلکی نسبت

۱-تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۵۰۔　۲-العبر: ۱/ ۲۴۴۔　۳-ایضاً: ۱۴/ ۱۵۲، المنتظم: ۱۰/ ۱۸۰، البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۳۶۔
۴-البحر الرائق: باب سجود السہو، ۲/ ۹۲۔

ہو، قیام کی نسبت ہو وغیرہ، چھوٹی سے چھوٹی نسبت سے بھی ان کا تذکرہ قلمبند کیا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ سمعانیؒ (۵۰۶ھ۔۵۶۲ھ) کتاب الانساب کی وجہِ تالیف میں الجوزی کی نسبت کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

پہلے شخص جو اس نسبت سے مشہور ہیں: وہ ہمارے لئے استاد، امام اور شیخ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا نام حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن فضل علی بن احمد بن طاہر طلحی جوزی ہے۔

مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ اس نسبت کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے کہ جوزی درحقیقت اہلِ اصبہان کی زبان میں چھوٹے پرندے کو کہتے ہیں، اور مرو میں چوزے کو عجمی زبان میں ''جوزہ'' کہتے ہیں، چنانچہ اہلِ اصبہان کے عرف میں یہ شیخ اسماعیل جوزی کے نام سے مشہور تھے، اگر یہ اپنے شہر والوں کے یہاں اس نسبت سے مشہور نہ ہوتے تو میں ان کا تذکرہ نہ کرتا۔

شیخ جوزی تفسیر، حدیث، لغت اور ادب کے فنون میں امام کا درجہ رکھتے تھے، یہ مثالی حافظے اور بلند شان کے مالک تھے، نیز متون اور اسانید پر بھی ان کی نظر گہری تھی، بہت سے شیوخ سے حدیثیں سنیں اور اپنے پاس لکھ کر محفوظ کی تھیں، اور اخیر عمر میں اصل نوشتے اہلِ علم کو ہبہ کر دیے تھے۔

حافظ جوزی نے، جامع مسجد اصبہان میں تقریباً تین ہزار املاء کی مجالس قائم کی تھیں اور ان کی مجلسِ املاء میں جوانوں اور بوڑھوں کی ایک کثیر تعداد حاضر ہوتی اور احادیث لکھتی رہتی تھیں، جب تک میں اُدھر مقیم رہا تو میں نے تمام امالی لکھی تھیں، اسکی ترتیب یوں تھی کہ ہفتے میں ایک دن اپنے گھر کی خاص مجلس میں مجھے املاء کراتے تھے، اور ہفتے میں ۲ دن، میں انہیں سناتا تھا۔

موصوف نے احادیث کا سماع جن حضرات سے کیا تھا: ان میں، عائشہ بنت الحسن (ابراھیم الورکانیہ (المتوفاۃ ۴۶۰ھ) بھی تھیں، لیکن ان سے سماع ضائع ہو گیا تھا، اور ابوعمرو عبدالوھاب بن ابوعبداللہ بن مندہ الحافظ (المتوفی ۴۷۵ھ) سے، بغداد میں ابونصر محمد بن محمد بن علی الزینبی (المتوفی ۴۷۹ھ) اور ابوالحسن عاصم بن الحسن العاصمی (المتوفی ۴۸۳ھ) سے، نیشاپور میں ابوالمظفر موسیٰ بن عمران انصاری (المتوفی ۴۸۶ھ) اور ابوبکر احمد بن علی بن خلف الشیرازی (المتوفی ۴۸۷ھ) سے، رے میں ابوبکر اسمٰعیل بن علی اور ایک بڑی جماعت سے احادیث کا سماع کیا جن کی فہرست لمبی ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: میں نے موصوف سے بہت لکھا اور خوب استفادہ کیا، اور یہ میرے والدؒ کے شیوخ میں سے ہیں، ان کی ولادت ۴۵۷ھ اور وفات ۵۳۵ھ عید الاضحیٰ کے دن اصبہان میں ہوئی۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔(الأنساب للسمعاني: ۱۲۰/۲)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علم اور فیض ہر زمانے میں ہر جگہ جاری و ساری رہا اور اسلامی قلمرو میں ہمیشہ اہل علم کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ ع

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

چونکہ اب یہ کتاب مکتبۃ الکوثر سے چھاپی جارہی ہے۔ لہٰذا اس خالص علمی و تحقیقی کتاب کی اشاعت کے جملہ حقوق مکتبۃ الکوثر ہی کو حاصل ہیں۔ عابد صاحب (لاہور والے) اور شاگرد رشید مولوی رضوان سعید (مظفر گڑھ، جتوئی والے) بڑے مخلص اور میرے کرم فرما ہیں، انہوں نے بھی اس میں خوب تعاون کیا، اللہ تعالیٰ ان کے مساعی کو قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت عامہ سے نوازے اور ہمارے والدین، شیوخ و اساتذہ اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرمائے اور لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائے، آمین۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۲۰ رجب ۱۴۳۶ھ بمطابق ۱۰ مئی ۲۰۱۵ء

تقریظ

از

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی

الحمد للہ وحدہ والصّلوٰۃ علیٰ من لا نبی بعدہ

یہ گراں قدر تحقیقی وعلمی مقالہ مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی ایم-اے، پی-ایچ-ڈی کا وہ مقالہ ہے جس پر جامعہ کراچی نے لائبریری سائنس میں انہیں ڈاکٹریٹ کی سند دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ مقالہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں نہیں لکھا ہے، بلکہ اس وقت لکھا ہے جب کہ تعلیم اور وسیع مطالعہ کے ساتھ انہوں نے مختلف کتب خانوں میں تقریباً بیس سال تک عملی تجربہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ انہوں نے اسلامی کتب خانوں کی تاریخ سے اچھی واقفیت حاصل کر لی تھی اور کتب خانوں میں کام کی طویل مدت میں ہزاروں کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں ان کے سامنے تھیں۔ کتابیں انہیں میسر تھیں، وہ ان کتابوں کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔ عربی، اردو، فارسی اور انگریزی میں اب تک جو کچھ اس سلسلے میں لکھا گیا ہے، مطبوعات، مخطوطات اور مصوّرات، سب ہی ان کی دسترس میں تھے، انہوں نے ان سے پوری طرح استفادہ کیا اور بہت سی کتابوں سے بیش بہا موتیوں کو حاصل کر کے یہ نولکھا ہار گوندھ کر تیار کیا ہے، جو شخص بھی اس مقالہ کو بالاستیعاب دیکھے گا، وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہا: ؎

سات دریاؤں سے مہیا کیے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

میں نے اس مقالہ کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے۔ اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عہدِ عباسیانِ بغداد (۱۳۲ھ-۶۵۶ھ) میں اسلامی کتب خانوں کا یہ سب سے بڑا تذکرہ ہے، جو سلیقہ کے ساتھ اور بڑی تلاش و تفحص کے بعد لکھا گیا ہے۔ یہ کہنا تو کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس سے بہتر اور وسیع پیمانہ پر کوئی اور تذکرہ

نہیں لکھا جا سکتا۔ تحقیق و تفحص کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور نہ عنوان و بیان کا کوئی اختتامی نکتہ ہوتا ہے، لیکن یہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے علمِ ناقص میں اس سے بڑی اور اس سے زیادہ محققانہ کوئی اور کتاب خاص اس موضوع پر نہیں ہے۔

قوموں کی انتہائی تاریخ میں تین ادوار بڑے نمایاں نظر آتے ہیں۔

پہلا دور:

دورِ استقرار ہوتا ہے: اس دور میں قومیں اپنے وجود کو مخالف کے حملوں سے محفوظ کرتی ہیں۔ باہمی نظم و ضبط کو استوار کر کے اپنے لیے سامانِ استقرار مہیا کرتی ہیں۔ اُمتِ اسلامیہ کا یہ دور ''۱ھ/ ۶۲۲ء سے ۱۴ھ/ ۶۳۴ء'' تک ہے جس میں عہدِ رسالتؐ و عہدِ صدیقی واقع ہے۔

دوسرا دور:

دورِ وسعت: اس دور میں قوموں کی سرحدیں وسعت اختیار کرتی ہیں، اس دور میں دوسری قومیں اس قوم میں شریک ہوتی ہیں، ممالک مفتوح ہوتے ہیں، اور جو مفتوح نہیں ہوتے ان میں قوم کی آواز گونجتی اور پھیلتی ہے۔ اُمتِ مسلمہ کا یہ دور ''۱۴ھ/ ۶۳۴ء سے ۱۳۲ھ/ ۷۸۸ء'' تک ہے۔ اگرچہ اس کے بعد بھی تھوڑی بہت فتوحات ہوئیں مگر فتوحات کا حقیقی اور آوازۂ تبلیغ کے دُور و نزدیک گونجنے کا یہی دور ہے، یہ خلافت بنی مروان کے آخری خلیفہ مروان بن محمد پر ختم ہو جاتا ہے۔

تیسرا دور:

دورِ تمدن ہوتا ہے: یہ وہ دور ہوتا ہے جب کوئی قوم اپنا نیا تمدن پیدا کرتی ہے، مختلف علوم و فنون میں اس کے کارنامے وجود میں آتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں تمدن آفرینی کا رنامہ ہوتا ہے۔ اس دور میں روایاتی علوم منقولات کے علاوہ قوموں میں تجرباتی و تطبیقی علوم پر بھی بکثرت کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ اُمتِ اسلامیہ کا یہ دور خلافتِ عباسیہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کا سب سے سخت اور افسوس ناک واقعہ ''۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء'' میں خلافتِ عباسیہ کی بربادی اور بغداد کی ویرانی ہے۔ اس واقعہ سے یہ دور ختم تو نہیں ہوا مگر اس میں طویل فاصلہ پڑ گیا۔ اس کے بعد، ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

صرف دو سال کے بعد ہی "۶۵۸ھ/ ۱۲۶۰ء" میں معرکۂ عینِ جالوت ہوا، جس میں تاتاری فوج شکست کھا کر برباد ہوگئی۔ اس کے بعد ظالم ہلاکو خان کا پوتا احمد اللہ کا بندہ مسلمان ہوگیا اور صدق دل سے مسلمان ہو کر اُمتِ اسلامیہ کا حامی و مددگار ثابت ہوا۔ اسلامی تہذیب، تبلیغ و تمدن کا قافلہ پھر جادہ پیما ہوگیا۔ جہاں تک تصنیف و تالیف اور علوم و فنون کا تعلق ہے، یہ دوسرا دور جو تاتاری فتنہ کی وجہ سے ایک قلیل مدت کے فترہ کے بعد شروع ہوا، پہلے دور سے کمتر نہیں بلکہ برتر ثابت ہوا۔ اگر اسی دور میں ہندوستان، ملیشیا، انڈونیشیا اور لاوس وغیرہ میں اسلام پھیلا اور ہندوستان کے سوا سب جگہ بغیر فوجی فتوحات یا فوج کشی کے پھیلا تو بڑے فنکار بھی اس دور میں بہت سے پیدا ہوئے، بڑے بڑے مصنفین مثلاً: امام ابنِ تیمیہؒ، امام ابنِ حجرؒ، امام سخاویؒ، امام سیوطیؒ وغیرہ سب اسی دور میں پیدا ہوئے تھے۔ بڑے بڑے کتب خانے قائم ہوئے، بڑی بڑی درسگاہیں بنیں، یادگار اور عجوبہ عالم عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ غرض یہ کہ ہلاکو خان نے بغداد کے کتب خانے تو جلا دیے مگر مسلمانوں کے ذوقِ علمی کو نہ دبا سکا۔

ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی کا یہ مقالہ دورِ تمدن کے پہلے حصہ کی تاریخ کتب خانہ ہے، اور مسلمانوں کے دورِ تمدن آفرینی کے پہلے دور کی ایک دلچسپ اور سبق آموز کہانی ہے۔ یہ کہانی خاصی طویل ہے۔ مسلمانوں میں نسلی حد بندی ایسی سخت نہ اُس زمانہ میں تھی اور نہ آج ہے، جو بڑے بڑے پبلک کتب خانوں کے قیام میں حائل ہوتی۔ یہودیوں، پارسیوں اور برہمنوں کے تصورِ نسلیت سے اُمتِ اسلامیہ ہمیشہ متنفر رہی ہے، اور آج بھی متنفر ہے۔ نہ برہمنوں کی طرح "وید" پڑھنے کا حق اس کے نزدیک برہمن تک محدود ہے، اور نہ یہودیوں کی طرح بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کو اصلی کتاب سے روشناس کرانا مسلمانوں کے نزدیک جرم ہے۔ اس لیے مسلمانوں نے اپنے دورِ تمدن آفرینی میں بڑی کثرت سے بڑے بڑے پبلک کتب خانے قائم کیے، جن سے استفادہ کا حق مسلم اور غیر مسلم سب ہی کو یکساں حاصل ہوتا تھا، اور اس عمل کی وجہ سے انتظامِ کتب خانہ اور کتاب داری کا ایک فن پیدا ہوا، جس میں کتابوں کے تحفظ، نقل، فن وار تقسیم اور فہرست سازی میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہی۔ اُمتِ اسلامیہ کے دورِ تمدن آفرینی کے حصۂ اول میں مسلمانوں کے ذوقِ علمی کو سمجھنے کے لیے یہ مقالہ ان شاء اللہ بڑا کارآمد ثابت ہوگا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اہلِ علم ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی کے اس گراں قدر مقالہ سے بیش از بیش فائدہ اٹھائیں۔

وماتوفیقنا الا باللہ

عبدالقدوس ہاشمی کراچی۔

یکم شعبان المعظم، ۱۴۰۱ھ- مطابق ۴- جون-۱۹۸۱ء

اِظہارِ تشکر

اس تحقیقی مقالہ کی تیاری میں جن کتب خانوں سے میں نے فائدہ اٹھایا، اور جن شخصیات نے قدمے، سخنے میری مدد کی ہے، ان کا شکریہ ادا کرنا میرا دینی اور اخلاقی فرض ہے۔ ان میں جامعہ کراچی کا کتب خانہ، مجلسِ علمی کا کتب خانہ، مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کا کتب خانہ، آل پاکستان اسٹاریکل سوسائٹی کا کتب خانہ، ہمدرد فاؤنڈیشن کا کتب خانہ، کراچی سے باہر پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کا کتب خانہ موخرالذکر دو کتب خانوں سے چند کتابیں منگائی گئی تھیں، بیرون پاکستان بیرو یونیورسٹی (Bayero University)، کانو نائیجیریا کا کتب خانہ میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ذاتی کتب خانوں میں علامہ عبدالعزیز میمن کا کتب خانہ قابلِ ذکر ہے۔ علامہ عبدالعزیز میمن کی اس عاجز پر عنایات بہت رہی ہیں، انہیں جب اس کا علم ہُوا کہ میں اس موضوع پر کام کر رہا ہوں تو مجھے بطور خاص بلوا کر المُنجد کی کتاب "قَوَاعِدُ الفَهرِسَتِ المَخطُوطَاتِ العَرَبِيَة" اور عبدالغافر فارسی کی "السیاق" گھر پر مطالعہ کے لیے عنایت کیں، جس پر میں ان کا ممنون ہوں۔ لیکن مذکورۂ بالا کتب خانوں میں سے اصل فائدہ میرے عزیز دوست بشیر محمد صاحب کے "خزانۃ الکتب النوریہ" (یہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کی طرف نسبت ہے) سے پہنچا۔ یہ حدیث، تفسیر، تاریخ، اسماء الرجال، ادب، لغت اور دیگر علوم کی اہم اور نادر کتابوں پر مشتمل اور تازہ کتابوں کا جامع ہے۔ مولانا میمن جیسے بالغ نظر عالم کی نظر میں کم ہی کوئی کتب خانہ جچتا ہے۔ جب میں نے انہیں یہ کتب خانہ دکھایا تو انہیں اس کتب خانے کی تعریف کرتے پایا، اس کا استعمال بشیر محمد صاحب شارق المتوفی ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء کی ذاتی ضروریات تک محدود ہے، اس کا محل وقوع بھی ایسا ہے کہ اہلِ علم کو آنے میں اور انہیں بلانے میں بہت زحمت ہوتی ہے، اس لیے اس سے استفادے کا دائرہ بہت ہی محدود ہے، لیکن اس باب میں میرے ساتھ ان کا طرزِ عمل وہی رہا ہے، جو ثعالبی کے ساتھ ابوالفضل عبیداللہ میکالی (المتوفی ۴۳۶ھ) کا رہا تھا۔ اب یہ کتب خانہ وارثوں میں تقسیم ہو کر پارہ پارہ ہو گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے اس دور میں عہدِ عباسی کی روایات کو زندہ کر دیا، میں اس پر موصوف کا بہت ممنون ہوں۔ جزاہ اللہ خیرا۔

یہ تحقیقی مقالہ میرے مشفق استاد ڈاکٹر عبدالمعید صاحب (المتوفی ۱۳ جنوری ۱۹۸۵ء) سابق لائبریرین کتب خانہ جامعہ کراچی، پروفیسر وصدر شعبۂ علمِ کتاب داری جامعہ کراچی کی نگرانی میں تیار کیا گیا، جن کی حیثیت پاکستان میں ''اُستَاذُ الکُلِّ فِی الکُلِّ'' اور ''مُلْحِقُ الأحْفَادِ بِالأجْدَادِ'' (سند میں پوتوں کو دادوں سے ملانے والے) کی ہے۔ ان کی نظرِ انتخاب نے پاکستان میں اس اہم موضوع کے لیے مجھے منتخب کیا اور جب تک ان کا پاکستان میں قیام رہا میں مواد جمع کرنے میں لگا رہا، جب لکھنا شروع کیا تو وہ زاریا، نائجیریا، افریقہ تشریف لے گئے، لیکن ان کی محبت، ہمت افزائی اور مشورے میری برابر رہنمائی کرتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں جب پاکستان آئے تو جو لکھا تھا وہ پیش کیا، فرمایا: ''ٹھیک ہے، اسے مختصر کرو''۔ میں نے اسے مختصر کیا مگر موضوع سے متعلق مزید جستجو اور مسلسل غور وفکر کرتا رہا، جس کی وجہ سے اس تحقیقی مقالہ میں فنی نقطۂ نظر سے اسلامی کتب خانوں سے متعلق ایسے گوناگوں علمی مباحث زیرِ بحث آ گئے ہیں جن کا سراغ ہمیں اس سے قبل نہ عربی ادبیات میں کہیں ملتا ہے اور نہ کسی یورپی زبان کے ادب میں نظر آتا ہے، اس لیے اس تحقیقی مقالہ کا حجم بڑھ جانا ایک طبعی امر تھا بلکہ اردو ادبیات میں دینی نوع کا یہ پہلا اضافہ اور اُردو ادب کے لیے ایک اچھا شگون ہے۔

بلاشبہ اگر میں نے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر عمل کیا ہوتا تو مجھے بار بار آنکھوں پر آتشیں شیشے نہ بدلوانے پڑتے۔ اس لیے کہ اتنا مواد بھی ڈاکٹر صاحب کی نظر میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لیے کافی تھا، مگر مقالہ میں وہ جامعیت وتنوع نہ آ سکتا تھا جس کا میں متمنی تھا۔ مفتی صدرالدین آزردہ نے سچ کہا ہے ؎

تمام تر نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

غرض اس ہوش رُبا گرانی میں مزید جستجو اور مقالہ کی تیاری دونوں ساتھ ساتھ جاری رہیں، پھر موصوف ۱۹۷۷ء کے آخر میں ڈیڑھ ماہ کی چھٹی میں پاکستان تشریف لائے تو اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اسے دوبارہ ملاحظہ فرمایا اور بعض مفید مشوروں سے سرفراز کیا جس کا میں صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کے بعد دوسرے میرے استاد ڈاکٹر انیس خورشید صاحب Associate Professor شعبۂ علم کتب خانہ جامعہ کراچی نے میری حوصلہ افزائی کی، مشورہ سے رہنمائی کی، مصروفیات کے باوجود مقالہ کے ابواب اور ثمرات ونتائج کو سنا اور اپنے ذخیرے سے بعض انگریزی آرٹیکل کی فوٹو کاپی کرانے کی

اجازت بھی دی جس پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ میرے بڑے بھائی وقت کے نامور فاضل، محقق عصر، (سابق پروفیسر) جامعہ اسلامیہ بہاولپور، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ (التوفی ۱۴۲۰ھ)، میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں، انہوں نے اس مقالہ کو سنا اور مفید معلومات کی طرف رہنمائی کی۔

ایم اے لائبریری سائنس کے میرے ساتھی محمد سعید الدین صاحب فاروقی لائبریرین بلدیہ کراچی کا اخلاص اور مشورے بھی اس لائق ہیں کہ انہیں شکر گزاری کے موقع پر فراموش نہیں کیا جا سکتا، اس طرح میری رفیقۂ حیات کی رفاقت و اعانت میری دم ساز رہی اور میں شب و روز پورے انہماک سے یہ تحقیقی کام کرتا رہا۔ نیز میرے خویش مولانا نعیم الدین صدیقی (التوفی ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء) بھی اس لائق ہیں کہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے۔ انہوں نے سعودی سفارت خانہ کراچی میں فرائضِ منصبی کی انجام دہی و تدریسی خدمات کے باوجود وقت نکال کر اس مقالہ کی تصحیح کی اور اس کے سلسلے میں یونیورسٹی کے تمام مراحل طے کیے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنہوں نے اس امر میں مدد کی ہے، دنیا و آخرت میں اپنی شایان شان جزا دے۔ آمین۔

عجیب حسن اتفاق ہے کہ ۱۹۷۷ء کے آخر میں یہ مقالہ ٹائپ کے منازل سے گزر رہا تھا کہ میرا تقرر بیرو یونیورسٹی، کانو میں ہو گیا، میں مقالہ کی تصحیح کیے بغیر ہی کانو (نائجیریا) آ گیا، یہاں مراجعت کے وقت مجھے بعض کتابوں کے وہ ایڈیشن نہ مل سکے جو پاکستان میں میرے پیش نظر رہے تھے، اس لیے مجبوراً دوسرے ایڈیشنوں کے حوالے دیئے گئے، لیکن ایسے مقامات پر مطبع کی صراحت کر دی گئی ہے۔

ایک مصنف کی کئی کتابوں کے حوالوں کی صورت میں جلدوں سے امتیاز برقرار رکھا گیا ہے۔

طباعت وتصحیح کا مرحلہ

اس مقالہ پر مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ۱۹۸۱ء میں ملی۔اس زمانے میں اس کی طباعت واشاعت کا خیال آیا،لیکن میں بیرونِ ملک یونیورسٹی کانو، نائجیریا میں رہا۔دس برس کے بعد ۱۴۱۹ھ میں کراچی آیا، حالات بدلتے رہے اور اس کی طباعت کا جذبہ بھی سرد ہوتا گیا،لیکن اس مقالہ سے میرا رشتہ جب سے قائم ہوا، اب تک قائم ہے۔یہی وجہ ہے کہ دورانِ مطالعہ مجھے جب کبھی اور جہاں کہیں اس سلسلہ کی کوئی بات یا معلومات مل سکیں انہیں حرزِ جاں بناتا رہا اور مناسب جگہ ٹانکتا رہا،بعض مقام سے بعض پیراگراف نکالتا، بدلتا اور بڑھاتا رہا۔مشکلاتِ فن کے حل کی تگ ودو کرتا رہا۔اور بقولِ غالب:

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

زندگی کی منزلیں طے ہوتی رہیں اور مقالہ کا حجم بھی بڑھتا رہا، میں گھٹتا رہا اور بقولِ شاعر حالت یہ ہے:

تنم سوخت، دلم سوخت، استخوانم سوخت
تمام سوختم، ذوق سوختن باقی است

ایک دن مولانا حافظ محمد ثانی فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، ایم-اے، مؤلف ''تجلیاتِ سیرت ﷺ'' (جو روزنامہ جنگ میں حافظ محمد ثانی کے نام سے لکھتے رہتے ہیں) کہنے لگے: ''ابا میاں! آپ کو اس مقالہ کی طباعت کا خیال نہیں، میں اور حافظ حقانی میاں قادری لاہور جارہے ہیں، کسی سے بات کریں گے کہ جلد چھپ جائے'' فوٹو کاپی کرا کر لے گئے، آکر کہنے لگے: ''مولانا سعید الرحمن علوی صاحب سے بات کی ہے، جلد چھپ جائے گا''، میں خاموش رہا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ علوی صاحب نے یہ مقالہ افضل حق قریشی، چیئرمین شعبۂ علمِ کتب خانہ دانشگاہ پنجاب کو دکھایا اور بالتفصیل اشاعت کے لیے تیار ہوگئے۔اس کی کمپوزنگ سے پہلے اس عاجز کو ان حضرات سے کبھی نہ خط وکتابت یاد ہے، نہ ملاقات۔قریشی صاحب کی علم دوستی، فن سے محبت، قدر شناسی واخلاص اس مقالہ کی

اشاعت کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ ان علم دوستوں کو بہتر جزا دے۔ آمین۔

میں مطمئن تھا کہ مقالہ لاہور میں ہے اور علوی صاحب بھی، تصحیح کا کام ہو جائے گا لیکن مولانا ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۹۴ء میں انتقال کر گئے۔ تصحیح کا کام جن صاحب کے سپرد کر گئے تھے وہ اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ ناچار مجھے اس مرحلے سے بھی گزرنا پڑا۔ اس لیے کہ تاجروں کے یہاں مصنف جب تک جان نہ کھپائے، علمی و تحقیقی کتاب کی تصحیح ہوتی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اداروں کے علاوہ تاجروں کے یہاں صحت کے ساتھ کم ہی کتابیں چھپتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ صحیح چھپ جائے۔ آمین۔

میں نے مولانا علوی مرحوم کو ٹیلی فون کیا: ''کہ یہ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے الفیصل میں کیسے چلا گیا''؟ مولانا علوی فرمانے لگے: ''ادارہ مقالہ چھاپنے کے لیے تیار تھا، اس کی طباعت میں تاخیر ہوتی، میں نہیں چاہتا کہ مقالہ کی طباعت میں تاخیر ہو، اسے تو بہت پہلے شائع ہو جانا چاہیے تھا، آپ مطمئن رہیں، جلد اور اچھا چھپ جائے گا''۔ یہ ان کی پہلی اور آخری آواز تھی جو میرے کانوں نے سنی، پھر مولانا کا خط آیا: ''میں آئندہ ہفتہ کراچی آ رہا ہوں، آپ سے ملاقات رہے گی''۔ مجھے بھی خوشی تھی کہ ایک علم دوست سے ملاقات ہوگی، مگر کراچی آمد سے دو دن پہلے دل کی حرکت بند ہوئی اور ۱۴ ر اکتوبر ۱۹۹۴ء کو موصوف اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ع

رفتید ولے نہ از دل ما

میں نے اس مقالہ کی Magnifier استعمال کر کے بار بار تصحیح کی، چوتھی بار مولانا حافظ محمد ثانی پی-ایچ-ڈی سلمہ نے پروف پڑھے۔ غلطیاں درست کر دی جائیں تو ان شاء اللہ کتاب صحیح چھپ سکے گی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ افسوس ہے کہ یہ کوشش پوری طرح بار آور نہ ہو سکی۔

مولانا سعید الرحمن علوی علم دوست و مخلص انسان تھے، ان کا علم کتب خانہ سے بظاہر کوئی تعلق نہ تھا، وہ یہ مقالہ چھپوا کر علم کتب خانہ سے جس دلی وابستگی کا مظاہرہ کر گئے، وہ قابلِ رشک ہے، یہی نہیں وہ اس مخلصانہ عمل سے علم کتب خانہ سے وابستہ اہلِ علم، طلبہ و طالبات اور اس مقالہ سے بہرہ مند افراد کے قلوب میں خصوصاً اور اسلامی ثقافت کے شیدائیوں کے دلوں میں عموماً اپنی یاد کا نقش ثبت کر گئے۔ بقول غالب: ؎

سرمۂ مفتِ نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

اللہ تعالیٰ ثانی میاں اور حقانی میاں قادری کو بھی خوش وخرم رکھے، کہ ان کی مساعی بھی بار آور ہوئیں اور مقالہ چھپ کر اہلِ علم کے ہاتھوں میں پہنچا۔

اس موقع پر مجھے استاد الکل فی الکل ڈاکٹر عبدالمعید، (التوفی ۱۳ جنوری ۱۹۸۵ء) جو پاکستان میں علم کتب خانہ کے علمی وعملی ہر دو پہلوؤں میں یکتائے زمانہ اور ڈاکٹر سید عبداللہ نگران اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانشگاہ پنجاب، التوفی ۷ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ / ۱۴ راگست ۱۹۸۶ء، مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی، لائبریرین مرکزی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، التوفی ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء اور میرے عزیز دوست سعیدالدین فاروقی لائبریرین بلدیہ لائبریری کراچی، التوفی ۱۲ راگست ۱۹۸۵ء جنھوں نے اس مقالہ کو حرف بحرف پڑھا تھا۔ اب گوناگوں فراواں نادر معلومات، نئے عنوانات اور نئی ترتیب سے آراستہ دیکھ کر انھیں جو خوشی ہوتی، وہ کم لوگوں کو ہوگی۔ ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ اس نے ایک تاریخی خلا کو مجھ سے پُر کرا دیا جو اب تک باقی تھا، میں اس قابل نہ تھا اس کی دستگیری سے یہ سب کچھ ہُوا۔ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ (ترجمہ: اگر خدا ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پا سکتے) (الاعراف۔ ۴۳)

اس انعام واکرام پر اس کے حضور میں سر بسجود ہوں، کہ اسے قبول فرما اور میری خطاؤں سے درگزر فرما۔ میرے اور میرے والدین وجملہ عزیزوں نیز تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما۔ آمین۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اسلامی کتب خانے کی چوتھی کڑی ''اسلامی کتب خانے عہدِ عباسی میں'' جو ایک زمانہ دراز پر محیط ہے، پہلے شائع ہو رہی ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی ''دورِ جاہلی میں عربوں کے کتب خانے''، ان کے مختلف پہلوؤں پر عاجز کے مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری کڑی ''دورِ رسالت'' اور تیسری کڑی ''دورِ

اموی'' کے اسلامی کتب خانے ہیں۔ ان کا مواد تیار ہے۔ صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی فرصت درکار ہے۔ وہ عطا فرمائیں تو اسلامی کتب خانوں کا یہ سلسلہ عہدِ عباسی تک مکمل ہو جائے اور اس سلسلے کا وہ تاریخی خلاء جواب تک باقی ہے، پُر ہو جائے گا۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴ راگست ۱۹۹۶ء

بوقتِ سحر، کراچی، پاکستان

بابِ اوّل

تمہید و تعارف

فسانہ گشت و کہن شد حدیث اسکندر
سخن نو آر کہ نو را حلاوتے است دیگر
(فرخی)

یہ تحقیقی مقالہ جس کا موضوع ''اسلامی کتب خانے'' پورے عہدِ عباسی ۱۳۲۔۶۵۶ھ/ ۷۴۹۔۱۲۵۸ء کو محیط اور گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

بابِ اوّل، تمہید و تعارف کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ جس کی سرخی تمہید ہے، اس میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ کتب خانے تمدن کی پیداوار اور ذہنی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی ترقی، کثرت و تنوع، حکمِ اقراء و علم بالقلم کی عالمگیر تحریکِ کتب خانہ سازی کے نقوش و اثرات کا مرہونِ منت ہے۔ دورِ عباسی میں کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کے آٹھ اور کتب خانوں کی نشاندہی کے تین اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز پہلی مرتبہ کتب خانوں کی شناخت کے پینسٹھ (۶۵) بنیادی رہنما اصول اور ایک سو دو (۱۰۲) فروعی جن کی مجموعی تعداد (۱۶۷) ایک سو سڑسٹھ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور عہدِ عباسی میں کتب خانوں کے ذخائر کی عددی حیثیت کو بتایا گیا ہے۔

دوسرا حصہ ''تعارف'' پر مشتمل ہے، جس میں: ۱۔ مقصدِ مطالعہ ۲۔ انتخابِ موضوع، ۳۔ سابقہ مطالعہ اور ۴۔ ماخذوں کا سرسری جائزہ، ۵۔ وسعت و طریق کار کی وضاحت کی گئی ہے۔

تمہید

۱- کتابت وحی:

اسلام میں تصنیف و تالیف، کتابوں کی ہم نسقی و صنف وار ترتیب و تبویب اور کتب خانوں کے حالات کے پیشِ نظر کبھی واجب، کبھی مستحب اور کبھی مباح ہے، اس لیے کہ جب وحی اتری تو رسول اللہ ﷺ نے اسے قلم بند کرایا، یہ امر واجب تھا، اسی حکم میں دینی کتابیں داخل ہیں۔ حالات کے پیشِ نظر ان کا ذخیرہ کرنا ان کی تبویب و ترتیب کرنا بھی واجب، مستحب و مباح ہے۔ (۱)

۲- عجمی لٹریچر:

اقوامِ عالم کا علمی ورثہ بھی ائمہ مجتہدین کی دُور رس نگاہوں سے اوجھل نہیں رہا۔ انہوں نے اس کا بھی شرعی نقطۂ نگاہ سے جائزہ لیا، اسے عربی میں ترجمہ کرانے کا حکم دیا، چنانچہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کتاب الأم میں رقمطراز ہیں:

''عجمیوں کی جو کتابیں ملیں وہ سب مالِ غنیمت ہیں، خلیفۂ وقت کو چاہیے کہ ترجمہ کرنے والوں کو بلائیں ان کا ترجمہ کرائیں، اس لیے کہ طب وغیرہ علوم میں کوئی کراہت نہیں ہے، انہیں فروخت کریں، جس طرح دوسری غنیمت کی اشیاء فروخت کی جاتی ہیں، شرک کی کتابیں پارہ پارہ کی جائیں اور ان کے ظروف و آلات سے فائدہ اٹھائیں، انہیں فروخت کریں، کتابوں کی حقیقت کو جانے بغیر جلانے اور دفن کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔'' (۲)

اسلام معیشت کے لیے مادی ضروریات کے فراہم کرنے پر اکتفاء نہیں کرتا، بلکہ تہذیب و ثقافت کے وسائل و مظاہر کو فراہم کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کا ضامن ہے اور اس امر پر زور دیتا ہے، چنانچہ رسول اللہ

۱- الطرق الحکمیہ: ۲۳۰۔ ۲- کتاب الأم: ۴/ ۲۶۳۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کی تعلیم وتربیت کے لیے مختلف اطراف میں علماء بھیجے۔ خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول رہا، عہدِ عثمانی میں مصحف کے ساتھ مقری (جو قراءت ومعانی کی طرف رہنمائی کرتا تھا) اسلامی مرکزوں میں بھیجا گیا۔ (۱)

۳-اسلام میں دارالمصاحف سے کتب خانے کا آغاز:

اسلام میں دارالمصاحف کی پہلی اینٹ خفیہ نظام تعلیم ۶۱۰ء کے بعد رکھی گئی تھی، لیکن بیت المصاحف سے دارالکتب کا باقاعدہ آغاز عہد عباسی میں ہوا اور کتب خانہ تہذیب وثقافت کا وسیلہ ومظہر اور عہدِ تمدن کی یادگار قرار پایا۔

امام شافعی کی مذکورۂ بالا تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا الزام مسلمانوں کے سر دھرنا قطعی بے بنیاد ہے۔ اگر ایسا کیا جاتا تو صحابہؓ کا یہ طرزِ عمل امام شافعی کے لیے دلیل بنتا اور وہ مذکورۂ بالا فقہی حکم کیوں کر لگاتے۔

۞ ۞۞

۱-الشریعۃ الاسلامیۃ: ۴۸-۴۹۔

پہلا باب

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ کتب خانے عہدِ تمدن کی یادگار۔

☆ ذہنی طاقت کا سرچشمہ۔

☆ کتب خانہ ایک تہذیبی وثقافتی ورثہ کی اساس۔

☆ حکمِ ''اقرأ وعلم بالقلم وقیدوا العلم بالکتاب'' کے ثقافتی جلوے۔

☆ عہدِ عباسی میں عالمگیر تحریکِ کتب خانہ سازی کے اثرات۔

☆ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی ترویج واشاعت کے اسباب۔

☆ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی نشاندہی کے اسباب۔

☆ عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی اشاعت کے رہنما اصول۔

☆ عہدِ عباسی میں عوامی، شاہی و انفرادی کتب خانوں کے ذخائر کی کیفیت وکمیت۔

پہلا حصہ

(۱) کتب خانے عہدِ تمدن کی یادگار

تعلیم اور کتب خانے دورِ تمدن کی یادگار ہوتے ہیں، جو قوم جتنی متمدن ہوتی ہے، اسی نسبت سے اس کے علوم وفنون کی ترقی ہوتی ہے، صنعتوں اور حرفتوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ابنِ خلدون کہتا ہے:

''علوم کی تعلیم بھی منجملہ اور پیشوں کے ایک پیشہ ہے، جب معاشی آسودگی حاصل ہوتی ہے تو انسانوں کی زندگی میں مزید لطافت آتی ہے اور انہیں علوم وفنون اور صنعتوں سے شغف ہوتا ہے۔''(۱)

اسلام کے تمدن کی پہلی اینٹ مکہ میں رکھی گئی، سب سے پہلا مدرسہ مکہ میں کوہِ صفا پر دارِ ارقم میں بنا۔ اس میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کا نزول ہوا، اسی درسگاہ میں رسالت مآب ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسلام کی دعوت اور قرآن کی تعلیم دی۔(۲) افراد کی سیرت وکردار کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے قرآن کی تفہیم کو ذہنوں میں اتارا جس نے شعور کو بیدار کیا۔ ابلاغ اور کتب خانوں کی تحریک کی داغ بیل ڈالی، علم وکتاب کا چرچا شروع ہوا یہاں تک کہ عباسی دورِ خلافت میں کتب خانوں کی تحریک اتنی عام ہوئی کہ کتب وکتب خانے مسلم معاشرے کے لوازمِ حیات بن گئے۔

مکہ کے بعد اسلام کے تمدن کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا، یہ شہر سب سے پہلے اسلام میں عوامی تعلیم کا مرکز بنا، مسجدِ نبوی کو اسلام کی پہلی درسگاہ بننے کا شرف حاصل ہوا، پھر مدینہ کی نو مسجدوں میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا،(۳) مدینہ سے علوم کی سوتیں پھوٹیں، یہی شہر مرکزِ علم بنا اور ''دارالسنہ'' کے لقب سے ممتاز ہو۔(۴)

مذکورۂ بالا اصول کے مطابق اسلامی عہد میں جو شہر تمدنی حیثیت سے ممتاز وفائق رہے، وہ تعلیم کے مرکز بھی رہے، چنانچہ عہدِ صحابہؓ میں مدینہ منورہ کو سب سے پہلے ''مدینۃ العلم'' کا لقب ملا، پھر حجاز مرکزِ علم قرار پایا، دورِ مرتضویؓ میں مرکزِ خلافت جب عراق منتقل ہوا تو یہ شرف کوفہ وبصرہ کو حاصل ہوا، اس کے بعد دورِ اموی میں دارالخلافہ جب سرزمینِ شام میں لے جایا گیا تو مرکزِ علم دمشق بن گیا، زوالِ بنی اُمیہ کے بعد مشرق میں دورِ عباسی

۱- تاریخ ابن خلدون (المقدمۃ): ۱/ ۷۵۴۔
۲- کنوز العلم فی اُم القریٰ: ۲۲۔
۳- صحیفہ ہمام ابن منبہ: ۱۹۔
۴- وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۱/ ۱۵۔

میں بغداد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تو بغداد معدنِ علم بنا، پھر یہ فضیلت و امتیاز مصر و نیشاپور (ایران) وغیرہ کو اور مغرب میں قیروان و قرطبہ کو حاصل ہوا۔ ابنِ خلدون لکھتا ہے:

''بغداد، قرطبہ، قیروان، بصرہ، کوفہ کو دیکھو جب یہاں اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تمدن پھیلا اور عمرانی ترقی درجہ کمال کو پہنچی تو ان شہروں میں علم کے سمندر جوش مارنے لگے، یہاں کے باشندے تعلیمی اصطلاحات و مسائل کے استنباط میں تفننِ طبع دکھانے لگے اور متقدمین سے بھی گوئے سبقت لے گئے، جب یہاں تمدن کو زوال آیا اور حالت ابتر ہوئی تو بساطِ علم الٹ گئی اور علم و تعلیم یہاں سے ختم ہو کر دوسرے شہروں میں منتقل ہو گیا۔''(۱)

''جب بغداد، بصرہ اور کوفہ جیسی علم کی کانیں مٹ گئیں تو ان سے بڑے بڑے شہر آباد ہوئے اور علم کا مرکز عراق عجم سے منتقل ہو کر خراسان و ماوراء النہر میں قائم ہوا پھر قاہرہ میں پروان چڑھا، قاہرہ کی تمدنی حیثیت چونکہ مسلسل قائم رہی، اس بناء پر یہ ہر زمانے میں علم کا مرکز رہا، اس لیے جو لوگ دیارِ مغرب سے علم حاصل کرنے کے بعد دیارِ مشرق میں آتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اہلِ مشرق کی عقل و ذہانت اہلِ مغرب سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ فطری طور پر ان سے زیادہ عقل مند و تیز ہوتے ہیں۔ اس طریقہ سے وہ مغرب (یورپ، ہسپانیہ) اور مشرق (ایشیا و افریقہ) کے باشندوں کی انسانی خصوصیتوں میں فرق سمجھنے لگے ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے...... اہلِ مشرق تمدنی ترقیوں اور مسلسل مشق جاری رکھنے کے باعث اہلِ مغرب سے بڑھ گئے ہیں۔ ان کی تمام عقلی ترقیوں کا حقیقی سبب یہی ممارست و انہماکِ علمی (تدریسِ کتب و کتب خانے) ہیں۔''(۲)

عہدِ رسالت ﷺ سے تعلیم کا آغاز ہوا لیکن سو سال کی مختصر سی مدت میں تعلیم کو ایسی ترقی ہوئی کہ فتوحاتِ اسلامی کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا گیا تعلیم کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع تر ہوتا گیا، چنانچہ علامہ ابنِ حزم فرماتے ہیں:

''جسے تاریخ کا تھوڑا سا علم ہے، وہ یقیناً یہ بات جانتا ہے کہ تابعین نے سندھ، خراسان، آرمینیہ، آذربائیجان، موصل، دیارِ ربیعہ، دیارِ مصر، شام، افریقہ، اندلس، حجاز، یمن، پورا جزیرہ عرب، عراق، فارس، کرمان، سجستان، کابل، طبرستان، جرجان، جبال میں اسلام پھیلایا اور نورِ علم سے گوشہ گوشہ کو منور کر دیا تھا، الحمدللہ

۱- تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۷۸۴-۷۸۵، عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء: ۲۰۔

۲- تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۷۸۴-۷۸۵۔

ان مذکورہ شہروں میں کوئی بستی ایسی نہ تھی جس میں ''مفتی'' ''مقری'' نہ ہو، اکثر بستیوں میں تو ایک سے زیادہ ''مفتی'' (حلال وحرام کو بتانے والا) و''مقری'' (معلم اور قران پڑھانے والے) موجود تھے۔'' (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھی کئی کئی مقری (معلم اور لائبریرین) اور مفتی موجود تھے۔ مؤرخ شمس الدین ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں طبقہ ثانیہ کے اختتام پر ۱۰۱ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

''پہلی صدی ہجری میں اہلِ علم اور ائمہ اجتہاد، زہاد، عبّاد، اقطاب، غوث اور ابدالوں کی ایک بہت بڑی خلقت بلادِ اسلامی میں آباد تھی، ممکن ہے ہم نے ان میں سے جن کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے، وہ ان سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے علم وفضل، عبادت وریاضت اور کارناموں میں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوں۔ پہلی صدی ہجری میں اسلام کا خوب بول بالا ہوا اور گوشہ گوشہ میں اسلام پھیل گیا تھا۔'' (۲)

مؤرخ موصوف نے تیسرے طبقہ کے خاتمہ پر مختلف بلاد کے فقہاء، محدثین وحفاظ کے نام پانچ صفحوں میں گنائے ہیں، جن کی مساعیٔ جمیلہ سے علوم وفنون کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ (۳) تعلیم کا جہاں اتنا رواج اور چرچا ہو وہاں ممکن نہ تھا کہ کتب خانے نہ ہوں، انہی وجوہ سے ہم نے عہدِ رسالت، خلافتِ راشدہ ودورِ اموی میں کتب خانوں کا سراغ لگایا اور اس دور کے کتب خانوں کا تذکرہ ''عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء'' میں پیش کیا ہے۔'' (۴)

بلاشبہ عہدِ رسالت، خلافتِ راشدہ ودورِ اموی میں بعض علوم کی تدوین کا آغاز ہوا۔ انفرادی، عوامی اور شاہی کتب خانوں کی داغ بیل پڑی، لیکن عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک خالص عربی تمدن جلوہ فگن رہا، عربوں کو اپنی قوتِ حافظہ پر جیسا اعتبار واعتماد اور فخر وناز تھا، وہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ اپنا پورا علمی وثقافتی ورثہ نسب نامے، جنگی کارنامے، بڑے بڑے خطبے، لمبے لمبے قصیدے سب حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے اور انہیں قیدِ تحریر میں لانا عار سمجھتے تھے، (۵) مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے یہاں کوئی کتابی مواد ہی نہ تھا، رسول اللہ ﷺ کے معاہدات، فرامین، ذاتی وسرکاری خطوط اور قرآن وسنت کا تحریری سرمایہ موجود تھا، جس کا تذکرہ مذکورہ بالا مقالہ میں کیا گیا ہے۔ عربوں کے اپنے قوتِ حافظہ پر غیر معمولی اعتماد اور

۱- احکام فی اصول الأحکام: ۵/ ۱۰۴۔ ۲- تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۷۰۔ ۳- ایضاً: ۱/ ۱۰۲-۱۰۷۔
۴- ایضاً: ۱/ ۷۰۔ ۵- تقیید العلم: ۱۱۰۔

تحریری مواد کی قلت کی وجہ سے ان کے تحریری سرمایہ میں تنوع وکثرت نہیں آسکی تھی اور نہ ہی بہت اعلیٰ پیمانے پر ان کے علوم وفنون کی تدوین کی جاسکتی تھی، اس لیے اس دور کے کتب خانوں کے ذخیرہ میں جامعیت، تنوع اور کثرت پیدا نہ ہوسکی تھی۔ اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ صرف ابلاغ اور کتب خانوں کی تحریک کا وہ آغاز ہے جس سے علم وکتاب کے سلسلے کا احیاء ہوا تھا، اس کو ترقی دینا کتب اور کتب خانوں کے متنوع اقسام کے ترقی پذیر سلسلے کو نئی اور مضبوط بنیادوں پر فروغ دینا عباسی خلفاء کا کارنامہ ہے۔

کتب خانے کی دو قسمیں:

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ عہدِ رسالت سے چوتھی صدی ہجری تک مسلم معاشرے میں دو قسم کے کتب خانوں کی ہر جگہ کثرت رہی ہے، ایک وہ کتب خانے تھے جنہیں عرفِ عام میں زندہ کتب خانہ کہا جاتا تھا۔ یہ سامانِ کتابت کی قیود سے آزاد تھے۔

دوسرے وہ کتب خانے تھے جن کا وجود سامانِ کتابت کا مرہونِ منت ہے۔ آج اصطلاحِ فن میں اس کو چند قیود کے ساتھ کتب خانہ کہا جاتا ہے، یہ اسلام کا فیضان ہے، اس نے صدیوں تک دونوں قسم کے کتب خانوں کا سلسلہ برقرار رکھا۔

وہ زندہ کتب خانے (مکتباتِ حَیّۃ) جن سے بلا قیدِ زمان ومکان ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا، یہ علوم ومعارف کے گنجہائے گراں مایہ ناز علماء ومحدثین، فقہاء ومفسرین، ادباء وائمہ لغت کے صدور (سینے) تھے جن میں وہ سب کچھ محفوظ تھا جو انہوں نے رسالت مآب ﷺ، معاصرینِ صحابہؓ سے سنا اور شب وروز غور وفکر نے کے بعد خود سمجھا تھا، چنانچہ خلفاء اربعہ وعبادلہ ثلاثہ (عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ وعبداللہ بن عمرؓ) مجتہدین حفاظ اور مکثرین (کثرت سے روایت کرنے والے) صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت (۱) اس قسم کے کتب خانوں کی نظیر تھے، اس لیے کہ جب ان سے کچھ پوچھا جاتا یہ بلا کم وکاست اسے بیان کرتے تھے۔

ان کے بعد ان کے نامور شاگردوں کی بھی یہی شان تھی، چنانچہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری (۵۸-۱۲۴ھ/۶۷۸ء-۷۴۲ء) کا واقعہ کتب تاریخ وتذکرہ میں محفوظ ہے، کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی (۷۱-۱۲۵ھ/۶۹۰-۷۴۳ء) نے امام زہری کو بلایا اور فرمائش کی کہ صاحبزادوں کو کچھ حدیثیں املاء کرائیں،

۱-۱ اسماء الصحابۃ الرواۃ: ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، اصحاب الفتیا من الصحابۃ: ۳۱۹۔

اس نے پسِ پردہ کاتب کو بٹھایا تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں اور ہدایت کی کہ جو املاء کرائیں قلم بند کرتا جائے، موصوف نے چار سو حدیثیں املا کرائیں، کچھ عرصہ بعد ہشام نے زہری سے عرض کیا وہ ذخیرہ جو املاء کرایا گیا تھا گم ہو گیا، امام موصوف دوبارہ املاء کرانے پر آمادہ ہو گئے۔ ہشام نے کاتب پس پردہ بٹھا کر ہدایت کی کہ جو موصوف بیان کریں لکھتا جائے۔ امام زہری وہی حدیثیں املاء کرا کر رخصت ہو گئے، خلیفہ ہشام نے خود اس کا مقابلہ کیا تو سرِ مو فرق نہیں پایا۔(۱)

حفظ کا یہ انداز عربوں کی طبیعت و مزاج کے عین مطابق تھا، وہ جب کچھ سنتے اسے حافظہ کی قید میں محفوظ رکھتے تھے۔ ان وجوہ سے ابتدائی دور میں اس قسم کے زندہ کتب خانوں کو مسلم معاشرے میں پسند کیا جاتا تھا، چنانچہ مورخ شمس الدین الذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں رقم طراز ہیں:

''إِنَّ عِلْمَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ فِي الصُّدُوْرِ، فَهِيَ كَانَتْ خَزَائِنَ الْعِلْمِ لَهُمْ''(۲) (ترجمہ): صحابہؓ و تابعینؒ کا علم سینوں میں محفوظ تھا، ان کے سینے ان کے علم کے خزانے اور سفینے تھے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلم معاشرے میں ابلاغِ علم و کتب خانوں کی یہ وہ زندہ تحریک تھیں جس نے مادی کتب خانوں کی تحریک کو ابتداء میں بہت سہارا دیا، اس لیے کہ ابتداء میں وسائل و سامانِ کتابت کی اتنی فراوانی نہیں تھی کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسے بآسانی حاصل کیا جا سکتا، جیسا کہ قرآن مجید کی جمع و تدوین کی تاریخ کے واقعات سے عیاں ہے کہ اسے کبھی کھال پر، کبھی پتھر پر، کبھی ہڈی وغیرہ پر لکھوا کر محفوظ کیا گیا تھا۔(۳)

دوسرے وہ کتب خانے تھے جو حکمِ ''اِقْرَأْ وَعَلَّمَ بِالْقَلَمِ'' کی تحریک کا فیضان تھے، جس نے عربوں کی طبیعت و مزاج کو بدل کر کتاب کا خوگر و شیدا بنایا اور اس حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرایا کہ علم ایک ثقافتی ورثہ ہے اور یہ بنی نوعِ انسان کی مشترک میراث ہے۔ معلوم نہیں موت کب انسان کو اپنی آغوش میں لے لے۔ پھر حافظہ گو کتنا ہی قوی ہو اور یادداشت خواہ کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو، عوارض اسے لاحق ہوتے ہیں:- حافظہ بعض اوقات نسیان کا شکار ہو جاتا ہے، ان وجوہ سے علوم و معارف کو جلد از جلد کتابی صورت میں منتقل کیا جانا چاہیے، تاکہ زیادہ

۱-تہذیب التہذیب:۹/۴۴۹، تہذیب الکمال:۳/۱۲۷۱۔ ۲-تذکرۃ الحفاظ:۱/۱۵۱، تاریخ ابن خلدون (المقدمۃ):۴۸۰۔

۳-فتح الباری:۱۰/۳۸۸، عمدۃ القاری:۲۰/۱۶،۱۷، غریب الحدیث:۳/۱۵۶، مجمع بحار الأنوار:۳/۲۵۰،۲۵۱۔

سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے چنانچہ علوم وحِکَم کو صدور سے اَسفار (کتابوں) میں اور سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا گیا (اور کتب خانے معرضِ وجود میں آنے لگے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۷ ق ھ ۶۵ھ-۶۱۶-۶۸۴ء)(۱) اور ابوہریرہ (۲۱ ق ھ-۵۹ھ- ۶۰۲-۶۷۹ء)(۲) اور عبداللہ بن عباس (۳ق ھ-۶۸ھ-۶۱۹-۶۸۷ء) رضی اللہ عنہم کے کتب خانے (۳) اس کی بہترین مثال ہیں۔

اسلامی فتوحات کا دائرہ جب زیادہ وسعت اختیار کر گیا، اقوامِ عالم جوق در جوق حلقۂ بگوشِ اسلام ہوئیں، وہ عربوں کی طرح ہر بات کو یاد رکھنے کی عادی نہ تھیں، نہ ان کا حافظہ ان کی طرح قوی تھا، پھر اس مدت میں علوم وفنون میں تنوع وکثرت آ گئی تھی، کھرے سکوں کے ساتھ کھوٹے سکے بھی بازارِ علم میں آنے لگے تھے، چنانچہ امام لیث بن سعد (۹۳-۱۷۵ھ) کا بیان ہے:

''اسکندریہ میں ایک شیخ آیا جو نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے روایت بیان کرتا تھا میں نے بھی اس سے دو فنداق (بڑی بڑی کاپیاں) نقل کیں اور انہیں نافع کو بھیجا، موصوف نے ان روایات سے انکار کیا۔'' (۴)

پھر اسلام کی بدولت علمی سیادت وقیادت بھی موالی (غلاموں) کو حاصل ہو گئی تھی، وہ علمی مسندوں پر جلوہ افروز ہو کر علم کی تشریح واشاعت اور تصنیف وتالیف میں سرگرمِ عمل تھے، (۵) لوگوں کی ہمتیں جواب دینے لگی تھیں- ائمۂ فن کو علم کے برباد ہونے کا خطرہ ہوا اور انہوں نے سینوں سے سفینوں میں علوم ومعارف کو منتقل کرنا شروع کیا- انہوں نے عربوں سے علم حاصل کیا تھا، اس لیے ان کے اندازِ فکر ونظر اور طریقۂ تعلیم کے دل دادہ ہو گئے، چنانچہ وہ بھی عربوں کی طرح حافظہ سے پڑھانے لگے تھے۔ (۶)

اس طرح اسلامی تاریخ میں علوم وفنون کی تدوین شروع ہوئی، یہی وہ زمانہ تھا جب وسائلِ کتابت و سامانِ نوشت وخواند بآسانی میسر ہونے لگا۔ کاغذ کے کارخانے اسلامی قلمرو میں لگنے شروع ہوئے، وہ سہولت سے ملنے لگا تو اسلامی قلمرو میں ہر شہر اور بستی بلکہ گلی گلی مادی کتب خانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور سینوں سے کاغذ وقرطاس میں علم کو منتقل کیا جانے لگا، اس طرح مسلم معاشرہ میں ہر دو قسم کے کتب خانوں کا باہمی سفر شروع ہوا، جہاں ایک پایا جاتا وہاں دوسرا بھی ساتھ ہی ملنے لگا تھا، ہر دو نوع کے کتب خانوں کے تلازم کا یہ سلسلہ

۱- فتح الباری: ۱/ ۲۱۷، ۲۱۸۔ ۲- ایضاً۔ ۳- الطبقات الکبریٰ: ۵/ ۲۱۶۔ ۴- تحذیر الخواص: ۱۶۷۔

۵- العقد الفرید: ۳/ ۴۱۵، تاریخ ابن خلدون: ۱۰۲۲۔ ۶- فتح الباری: ۱/ ۲۱۸۔

چوتھی صدی ہجری تک اپنے عروج پر رہا پھر پہلے نوع کے کتب خانوں کی کثرت میں انحطاط آنے لگا، تاہم عہدِ عباسی تک یہ سلسلہ برابر قائم رہا جیسا کہ کتب طبقات سے عیاں ہے۔

عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں میں درج ذیل کتب خانہ کے وسائل فراواں تھے:

۱- کاغذ سازی کے کارخانوں اور ۲- سوق الکتب کا قیام ۳- علوم وفنون کی ترتیب و تدوین اور ۴- تنوع و کثرت، ۵- ترویج و اشاعت، ۶- تصنیف و تالیف، ۷- دوسری زبانوں سے ترجمۂ کتب کے عالمگیر سلسلہ کا آغاز، ۸- عالمی ادب کی حفاظت اور ۹- ترجمہ کے ذریعے عمومی طور پر اس کی نشر و اشاعت، ۱۰- اسلامی شہروں میں وَرّاقوں کے کوچوں اور مستقل محلوں کی آبادکاری، ۱۱- کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کا اِحیاء اور ۱۲- ہمہ اقسام کے کتب خانوں کا قیام اور ان کی فنی تنظیم، اس دور کی برکات ہیں۔

ان مذکورۂ بالا وجوہ سے اسلام کی تاریخ میں کتب و کتب خانوں کی تشکیل و ترویج کا سب سے زیادہ روشن و تاباں دور، عباسی دور ہے اور اس دور کے اسلامی کتب خانے ہمارے اس تحقیقی مقالہ کا موضوع ہیں۔

(ب) ذہنی طاقت کا سرچشمہ

موجودہ دور میں ملکی طاقت کا سرچشمہ حسب ذیل تین طاقتوں کو تسلیم کیا گیا ہے، ان کی تشکیل و تنظیم بھی عہد عباسی میں بدرجہ اتم ہوئی ہے۔

۱-فوجی طاقت: (Military Power) جس کے متعلق قرآن نے کہا "وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ" (الانفال ۶۰) (ترجمہ) اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور ہتھیار بندر ہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے میں مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعے سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے"۔

۲-اقتصادی طاقت: (Economic Power) اقتصادی طاقت کے بقاء وارتقاء کے لئے اسلام نے زکوۃ، صدقات، غنائم و جزیہ وغیرہ کا مستقل نظام قائم کیا ہے۔

۳-ذہنی فکر و دانش کی طاقت: (Intelectual Power) جس کو پروان چڑھانے کے لیے نبی کے فرائض منصبی میں يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرۃ) (وہ ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے) کو داخل کیا گیا قرآن نے علم وحکمت سے بہرہ ور افراد کا ذکر بڑے ہی امتنان کے مواقع پر کیا ہے، چنانچہ حضرت طالوت علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے "وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ" (البقرۃ ۲۴۷) (اور اللہ نے ان کو جسمانی اور دماغی دونوں قسم کی صلاحیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھیں) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق کہا ہے "آتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ" (صاد ۲۰) (اس کو حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی) حضرت لقمان علیہ السلام کے بارے فرمایا ہے "وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ" (لقمان ۱۲) (اور ہم نے لقمان علیہ السلام کو حکمت عطا کی) اور سورۂ حدید میں فرمایا گیا ہے "لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ" (الحدید ۲۵-۵۷) (ہم نے اپنے رسولوں کو صاف نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور

اور لوگوں کے منافع ہیں یہ اس لیے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ اقوام عالم میں قوت کا توازن اور اعتدال کو قائم رکھنے کے لیے انہی تین طاقتوں کی ضرورت ہے لیکن ذہنی فکر ودانش کی طاقت اصل طاقت ہے اور فارسی والوں کا تو مقولہ یہ ہے "توانا بود ہر کہ دانا بود" اس اصل ذہنی طاقت کا سرچشمہ کتب کتب خانہ ہیں۔ فکر ودانش کی طاقت مذکورہ بالا ہر دو طاقتوں کی بقاء وارتقاء اور ان کے برمحل اور صحیح استعمال کی ضامن ہے، اس لیے اس کو ان دونوں طاقتوں سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، موجودہ ترقی یافتہ دور میں اس سے اندرون ملک قومی عزم واستقلال کی تعمیر کی جاتی ہے اور بیرون ملک نفسیاتی جنگ (Psychological Warfare) لڑی جاتی ہے۔

زمانہ امن میں اس سے قومی وقار میں اضافہ اور جنگ صورت میں اس سے Morale حوصلہ، ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ بیرونی ممالک کو اپنا ہمنوا بنانے اور دشمن کو کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بڑی بڑی کامیابیاں اسی طاقت کے ذریعے حاصل کی جاتی ہیں؛ اس لیے اس کو نہایت موثر اور اہم قوت تصور کیا جاتا ہے فکر ودانش کی طاقت کے پروان چڑھنے کا مرکز کتب وکتب خانہ ہے۔

موجودہ سائنسی دور میں طاقت کے حسب ذیل سات عناصر مانے گئے ہیں: (۱)

(۱) جغرافیہ	Geography
۲- قدرتی وسائل اور خام اشیاء	Natural resources.taw materia
۳- آبادی	Population
۴- ٹیکنالوجی	Technology
۵- نظریات	Ideologies

1-Haralad and Margaret Sprout , Foundations of National Power, 2nd Edn (new york) D.Van Nastand Co., 1952).pp 43-50.

Ibid P. 111-138........ Hans J.Morgenthen, Policits Among Natoins the struggle for paower and peace ,5ed.(New york , Alfred A. Knope, Inc , 1964)pp. 112-128.

۶-عزم واستقلال Morale

۷-قیادت Leadership

فکرودانش کی طاقت کا ان مذکورہ بالا سات عناصر میں سے آخری چار عناصر سے نہایت گہرا اور ابتدائی تین عناصر سے عمومی ربط و تعلق ظاہر ہے۔ فکرودانش کے سرمایہ کی حفاظت اشاعت وترقی کا مرکز کتب وکتب خانہ ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ملک وملت کی فلاح و بہبود کا کتب وکتب خانوں سے نہایت قریبی اور انتہائی گہرا رشتہ ہے اور قومی بقاء وارتقاء میں کتب وکتب خانوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

چنانچہ کسی خطہ ومملکت میں آباد قوموں کو زیرنگیں رکھنے کے لیے حکمران قوم کا محکوم اقوام سے ذہنی سطح میں بلند تر ہونا لازمی امر تھا اور ہے، تاریخ اسلام اس امر کی شاہد عدل ہے کہ حجاز ونجد کے رہنے والے حاملین کتاب بدووں کا سلطنت روما، شام وایران جیسی متمدن اقوام کی مملکتوں پر اپنا دبدبہ وشوکت قائم کرنے میں کامیابی ان کی ذہنی سطح کی رفعت وبلندی کا بین ثبوت ہے جو انہیں اس کتاب سے نصیب ہوئی تھی۔

اسلام نے فکرودانش کی طاقت کے سرچشمہ کتب وکتب خانہ کی ترویج واشاعت اور تحفظ وتوسیع پر بہت زور دیا ہے۔ عہد عباسی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ تاریخ کے اس سنہری دور میں کتب وکتب خانوں کی سب سے زیادہ کثرت رہی ہے۔

(ج) کتب خانہ تہذیبی وثقافتی ورثہ کی اساس

حقائق اشیاء سے فراہم کی ہوئی معلومات پر ہر قوم اپنے علمی، معاشرتی، تاریخی وثقافتی نظریات کی تعمیر و تشکیل کرتی اور انہیں افکار ونظریات کے مطابق اپنا نظامِ فکر وعمل مرتب کرتی ہے اور وہی اس قوم کی خاص تہذیب کہلاتی ہے، انہی افکار ونظریات پر مبنی فلسفۂ زندگی کے مطابق وہ ہر شعبۂ علم کو ترتیب دیتی اور تشکیل کرتی ہے،(۱) اس علمی سرمایہ وثقافتی ورثہ کے مظاہر کتب خانے ہیں، اس لیے کتب خانوں کو ہمیشہ ثقافتی مرکز کہا جاتا ہے۔ ہر قوم کے نظامِ فکر وعمل کی بدولت ان کے علوم وفنون میں تنوع، کثرت، وسعت پیدا ہوتی اور علوم و معارف کو اہمیت حاصل ہوتی ہے، اس قوت کے سہارے اس قوم کے علوم وفنون اور کتب خانے فروغ پاتے رہے ہیں۔

شاہانِ عباسی کی علمی وثقافتی سرگرمیوں اور ایرانی، کلدانی، مصری، یونانی وہندی تہذیب وتمدن کی رنگ آمیزیوں سے عباسی تمدن مشرق میں اسلامی تمدن بنا،(۲) مشرق ومغرب میں جہاں کہیں کوئی نئی حکومت قائم ہوئی یا کوئی نئی قوم برسرِ اقتدار آئی، وہ بھی ان کی علمی وثقافتی سرگرمیوں سے متاثر ہوئی اور علم نوازی، معارف پروری میں انہی کے نقشِ قدم پر چلی۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے دنیا کی تمام متمدن اقوام پر محض سیاسی یا فوجی غلبہ ہی حاصل نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اپنے علمی افکار، نہایت مدلل نظریات، نادر تحقیقات یافت ودریافت، بیش بہا معلومات، تجربات و انکشافات کو اپنے طرزِ فکر وعقیدے کے مطابق مرتب کر کے پیش کیا، جس کی وجہ سے ایک ایسی پاکیزہ وشاندار تہذیب وجود میں آئی جس کے رنگ میں دنیا رنگتی چلی گئی اور صدیوں دنیا اس تمدن، تہذیب وثقافت کی تقلید کو فخر سمجھتی رہی، ان کے مرتب ومدوّن کیئے ہوئے ثمرات ونتائج کی روشنی میں یورپ کے مفکر اور دانشور قدم بڑھاتے آگے بڑھتے رہے۔(۳)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی کا علمی وتحقیقاتی ادب اور اس کے ثقافتی مظاہر بے طالب علموں، استادوں، دانشوروں اور محققوں کے لیے علم وبصیرت، دانش وآگہی کے لیے سب سے زیادہ کشش وجاذبیت کا باعث رہے، اس دانشورانہ طاقت کے سہارے مسلمان اپنے اور اپنے زیرِ نگیں اقوامِ عالم کے اخلاق، سیرت و

۱-علمی تحقیقات کیوں اور کس طرح: ۴/۵۔ ۲-تاریخ الاسلام: ۲/۲۔ ۳-تمدن عرب: ۳۹۹-۴۰۱، ۴۲۲، ۴۴۵۔

کردار سنوارتے، اذہان وافکار کی تعمیر وتشکیل کرتے اور تحقیقاتی ادب کو پروان چڑھانے میں سرگرم عمل رہے۔ وہ علماء ومحققین جو اس سلسلہ میں ان کی مدد کرتے یہ ان کی ہمت افزائی کرتے، ان کی تحقیقاتی سرگرمیوں، علمی کاوشوں اور ذہنی ثمرات ونتائج کے سونے کی بھاؤ قیمت ادا کر کے علمی سرمایہ میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔(۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ثقافتی مظاہرے مسلمانوں کی علمی بقاء وارتقاء کا سب سے مؤثر واہم سبب بنے رہے۔

مذکورۂ بالا وجوہ سے عباسی دور کو مسلمانوں کے علم وآگہی کا سنہری دور ہونے کا فخر حاصل ہے، اس کی نقش آرائیاں اور علمی وکتابی سرگرمیاں ہر دور میں اہلِ علم ودانش کی مرکز توجہ رہی ہیں؛ اس لیے مسلمان اہلِ قلم اور مستشرقین نے اس دور کے کتب خانوں کو اپنا موضوعِ بحث بنایا ہے۔

۞ ۞۞

۱- عیون الأنباء: ۲/ ۱۴۳، ۲۶۰۔

(د) حکمِ ''اِقْرَأْ وَعَلَّمَ بِالْقَلَمِ وَقَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ'' کے ثقافتی جلوے اور عہدِ عباسی میں اس عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات

غارِ حراء میں اقرأ کے حکم اور رسالت مآب ﷺ کے فرمان: '' قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ'' نے مسلمانوں کو الکتاب کی ۱-قرأت، ۲-املاء و کتابت، ۳-حفاظت اور ۴-اشاعت کا پابند کر کے علم و عرفان کا والہ و شیدا بنایا، پھر انکی دعوت پر جس قوم و ملت نے اقرأ کے نور اور قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ (علم کو قیدِ تحریر میں لاؤ) کی معرفت کو دل میں جگہ دی وہ بھی مذکورہ بالا چار باتوں کی خوگر ہوگئی اس طرح حکم الٰہی اور فرمان رسول اللہ ﷺ سے عالم میں علمی دور کا آغاز ہوا اور علوم و فنون کی کتب کے احیاء کا ایسا ترقی پذیر سلسلہ شروع ہوا کہ جب تک اس عالم میں اقرأ و املاء کا سلسلہ قائم ہے اس کی تحریک احیاء علوم و کتب کا دریائے فیض رواں رہے گا۔

''اقراء و علم بالقلم'' اور ''قیدوا العلم بالکتاب'' کی اس تحریکِ احیاء علوم و کتب سے کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا، پھر شاہانِ عباسی نے خزانۃ الحکمۃ، بیت الحکمۃ وخزانۃ الکتب قائم کر کے بنی نوعِ انسان کے تمدنی و ثقافتی مشترکہ ورثہ کی حفاظت کے جذبہ کو مزید توانائی بخشی، ان کے دور میں عالمگیر تحریک اور کتب خانہ سازی کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا، عہدِ عباسی میں اس کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کے دیرپا و دُور رس اثرات حسب ذیل تھے۔

۱-عرب جو اپنے حافظہ پر غیر معمولی اعتماد کی وجہ سے اپنے علمی و ثقافتی ورثہ کو ضبطِ تحریر میں لانا عار سمجھتے رہے تھے (۱)، اس تحریک نے ان کے ذہن کو ایسا بدلا کہ وہ اس کو فخر سمجھنے لگے، چنانچہ اوائلِ عہدِ عباسی میں پورے اسلامی قلمرو میں تصنیف و تالیف اور تدوینِ علوم کے ترقی پذیر سلسلہ کا نہایت سرعت کے ساتھ آغاز ہوا۔(۲) مجالسِ علم و املاء میں دوات اور کاغذ کے ساتھ حاضری اہلِ علم کا دستور بن گئی تھی۔(۳)

یہ عالمگیر و اجتماعی تحریک پورے اسلامی قلمرو میں پروان چڑھی اور ایسی مقبولِ انام ہوئی کہ اس کے چلانے اور کتب خانوں کو فروغ دینے کے لیے نہ مرکزی نہ صوبہ جاتی و بلدیاتی اداروں کی مدد درکار ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک نے مسلم معاشرے کے احساسات اتنے بیدار کیے تھے کہ کتب خانوں کا

۱-تقیید العلم: ۱۱۰۔ ۲-الحدث الفاصل: ۶۱۱-۶۱۶، تاریخ الخلفاء: ۲۶۱، النجوم الزاہرۃ: ۱/۳۵۱۔ ۳-توالی التاسیس: ۷۲۔

قیام واہتمام مسلم معاشرے کے ثقافتی آداب ولوازم سے سمجھا جانے لگا تھا۔

۲- عہدِ عباسی میں کتب خانہ مسلمانوں کی تمدنی زندگی کا لازمی جز بن گیا تھا، اس لیے تذکرہ کی کتابوں میں کتابوں کے شوقین بادشاہوں، امیروں، وزیروں اور عالموں وغیرہ کے کتب خانوں کے ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ تذکرہ وتاریخ کی کتابوں میں کتب خانوں کا ذکر شاذ ونادر ہی ملتا ہے۔

شاہِ دمشق الملک المعظم جو ایک عالم اور نہایت فاضل مصنف تھا، تذکرہ نگاروں نے اس کے سب ہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، لیکن اس علم دوست، معارف پرور، شیدائے کتب بادشاہ کے کتب خانہ کا کسی نے تذکرہ نہیں کیا، یاقوت نے ابوسعد محمد بن احمد عمیدی نحوی المتوفی ۴۲۲ھ کی کتاب "تنقیح البلاغۃ" کا مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دیکھا تھا۔ (۱) اس لیے عمیدی کے ذکر میں اس کے کتب خانہ کا نام آ گیا ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ اس کا بھی کوئی کتب خانہ تھا۔

۳- عہدِ عباسی میں بادشاہ، امیر، وزیر کے محل سرا و ہر ذی حیثیت اور پڑھے لکھے کے مکان میں کتب خانہ ہونا لوازم زندگی سے شمار کیا جاتا تھا، چنانچہ شاہانِ عباسی میں سے ہر ایک خلیفہ کے پاس کتب خانہ موجود تھا، لیکن تذکرہ نگاروں نے دو چار کے سوا کسی خلیفہ کے کتب خانے کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ عوام وخواص میں ان کے کتب خانوں کی بہت شہرت ہوتی تھی، چنانچہ مورخ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ المعروف صولی ۳۳۵ھ نے ایک موقع پر خلیفہ راضی باللہ سے یہ بات کہی تھی:

"يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِأَنَّ سَيِّدَنَا مَعَ جَلَالَةِ عِلْمِهِ، وَعُلُوِّ نِعْمَتِهِ عَمِلَ خِزَانَةَ كُتُبٍ كَمَا عَمِلَ مُتَقَدِّمُو الْخُلَفَاءِ" (۲)

(ترجمہ): عوام میں چرچا ہے کہ ہمارے بادشاہ نے جلالتِ علمی اور علوِ نعمت کے باوجود خزانۂ کتب بنایا ہے، جیسا کہ پیشرو بادشاہ کتب خانے بناتے چلے آئے ہیں۔

مذکورۂ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ راضی باللہ کے تمام پیشرو بادشاہوں:

۱- منصور ۱۳۶ھ-۱۵۸ھ/ ۷۵۴ء-۷۷۴ء

۲- مہدی ۱۵۸ھ-۱۶۹ھ/ ۷۷۵ء-۷۸۵ء

۱- معجم الأدباء: ۶/ ۳۶۸۔ ۲- أخبار الراضی باللہ: ۹، ۳؛ خزائن الکتب القدیمۃ فی العراق: ۱۱۶۔

۳- ہادی ۱۶۹ھ-۱۷۰ھ/۷۸۵ء-۷۸۶ء

۴- رشید ۱۷۰ھ-۱۹۳ھ/۷۸۶ء-۸۰۹ء

۵- امین ۱۹۳ھ-۱۹۸ھ/۸۰۹ء-۸۱۳ء

۶- مامون ۱۹۸ھ-۲۱۸ھ/۸۱۳ء-۸۳۳ء

۷- معتصم ۲۱۸ھ-۲۲۷ھ/۸۳۳ء-۸۴۱ء

۸- واثق ۲۲۷ھ-۲۳۲ھ/۸۴۲ء-۸۴۴ء

۹- متوکل ۲۳۲ھ-۲۴۶ھ/۸۴۷ء-۸۶۱ء

۱۰- منتصر ۲۴۷ھ-۲۴۸ھ/۸۶۱ء-۸۶۲ء

۱۱- مستعین ۲۴۸ھ-۲۵۱ھ/۸۶۲ء-۸۶۵ء

۱۲- معتز ۲۵۱ھ-۲۵۵ھ/۸۶۶ء-۸۶۹ء

۱۳- مہتدی ۲۵۵ھ-۲۵۶ھ/۸۶۹ء-۸۷۰ء

۱۴- معتمد ۲۵۶ھ-۲۷۹ھ/۸۷۰ء-۸۹۲ء

۱۵- معتضد ۲۷۹ھ-۲۸۹ھ/۸۹۲ء-۹۰۳ء

۱۶- مکتفی ۲۸۹ھ-۲۹۵ھ/۹۰۲ء-۹۰۸ء

۱۷- مقتدر ۲۹۵ھ-۳۲۰ھ/۹۰۸ء-۹۳۲ء

۱۸- قاہر ۳۲۰ھ-۳۲۲ھ/۹۳۲ء-۹۳۴ء

کے پاس کتب خانے تھے، لیکن تاریخ کی کتابوں میں منصور، ہارون اور مامون کے سوا کسی کے کتب خانہ کا ذکر نہیں ملتا۔

یہ اس امر کا نہایت بیّن ثبوت ہے کہ عباسی دور میں کتب خانہ مسلمانوں کی ثقافتی زندگی کا ایک لازمی جز بن گیا تھا۔ ہر پڑھے لکھے کا گھر چھوٹے بڑے کتب خانے سے خالی نہیں تھا، اس امر میں بڑے لوگوں کی بڑی شہرت تھی اور ان کے کتب خانے شہرت کی بناء پر ذکر سے بے نیاز سمجھے جاتے تھے، اس لیے ان کے کتب خانوں کے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔

۴-مسلم معاشرے میں عوام کے لیے کتب خانے بنانے کا معمول بن گیا تھا، چنانچہ ابونصر احمد بن حامد اصفہانی المتوفی ۵۲۶ھ جو سلطان محمود سلجوقی کے خزانۂ شاہی کا نگران تھا، تذکرہ نگاروں نے اس کا تذکرہ لکھا(۱) لیکن اس کے دارالکتب کا ذکر نہیں کیا؛ وجہ یہ ہے کہ عہدِ عباسی میں عوام کے لیے کتب خانے بنانے کا عام معمول تھا، اس لیے اس کے بانی و مؤسس کے ذکر کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، اگر کوئی بہت ہی غیر معمولی کارنامہ ہوتا تو اس کا ذکر گاہ بگاہ تذکرہ نگاروں کی زبان پر آجاتا تھا۔

اہلِ خیر عموماً مسجدیں بنواتے اور ان میں کتب خانے قائم کرتے تھے، بعض اہلِ خیر مختلف شہروں میں کئی کئی مسجدیں تعمیر کراتے تھے، چنانچہ حسان بن سعید منیعی المتوفی ۴۶۳ھ نے بہت سی مسجدیں مختلف شہروں میں بنوائی تھیں(۲) ان میں کتب خانے بھی قائم کیے تھے، لیکن ان کے غیر معمولی کارنامے کی وجہ سے تذکرہ نگار صرف جامع منیعی نیشاپوری کا ذکر کرتے ہیں اور ''بیت الکتب'' کا ذکر صرف عبدالغافر فارسی نے کیا(۳) اور کسی نے نہیں کیا، جس سے ہمارے مذکورۂ بالا دعوے کی مزید تائید ہوتی ہے۔

۵-عہدِ عباسی میں تیسری صدی ہجری کے نصفِ اول میں علم کی سہولت و افادہ کی خاطر بغداد میں گھروں میں (انفرادی) اور راستوں پر (عوامی) کتب خانے موجود تھے۔(۴)

٦-اسلامی قلمرو کے بعض شہروں میں صرف عوامی کتب خانوں کی تعداد دس (۱۰) تک پہنچ گئی تھی، چنانچہ یاقوت نے مرو شاہجہاں کے بیان میں دوسرے اقسام کے کتب خانوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف دس (۱۰) ایسے مشہور عوامی کتب خانوں کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے جن سے دوسو (۲۰۰) مجلدات بلا زرِ ضمانت بآسانی مل جاتی تھیں۔(۵)

۷-سلاطین بھی عوامی کتب خانوں کے قیام کو خیر و برکت اور عزت و شرف کا کام سمجھتے اور اس میں مسابقت کو پسندیدہ اور نہایت شریفانہ اقدام خیال کرتے تھے، چنانچہ عضد الدولہ نے بصرہ میں جب ابن سوار کے دارالکتب کو دیکھا تو کہا تھا: ''هٰذِهٖ مَكْرُمَةٌ سَبَقْنَا اِلَيْهَا''(٦)

۱-وفیات الأعیان:۱/ ٦۰-٦۱۔ ۲-کتاب الأنساب:۴/ ۵۴۴، اللباب فی تہذیب الأنساب:۳/ ۲٦٦۔

۳-المنتخب من السیاق:۱۷، The History of Neshapur ۴-حیاۃ الحیوان:۱/ ٦۰-٦۱۔

۵-معجم البلدان:۵/ ۱۱۴ (مرو)۔ ٦-الکامل فی التاریخ:۱۰/ ۱۸۴۔

(ترجمہ): یہ ایسا خیر کا کارنامہ ہے جس میں ابنِ سوار ہم سے گوئے سبقت لے گیا۔

عضد الدولہ کے مذکورۂ بالا جملہ میں عوامی کتب خانوں کے قیام کا ایک گونہ عزم وارادہ بھی پایا جاتا ہے۔

۸- ہر جامع مسجد اور ہر اس مسجد میں جس میں درس کا حلقہ قائم ہوتا تھا، عوامی کتب خانہ بنایا جاتا تھا اور اسے باعثِ فخر بھی سمجھا جاتا تھا۔(۱)

پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں، جب خلیفہ ناصر لدین اللہ نے ''روح العارفین'' نامی کتاب لکھی تو بغداد کی سو سے زیادہ مسجدوں میں اس کا درس دیا جاتا تھا۔(۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بغداد کی سو سے زیادہ مسجدوں میں عوامی کتب خانے قائم تھے، کیوں کہ ہر جامع مسجد اور ایسی مسجد میں جہاں تعلیمی حلقے قائم ہوتے تھے، عوامی کتب خانہ قائم کیا جاتا تھا۔(۳)

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے، کہ عہدِ عباسی میں عوامی اور نصابی کتب خانوں کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔

۹- دوسری صدی ہجری کے نصفِ آخر میں کتب خانوں میں انہماک اتنا بڑھ گیا تھا، کہ اہلِ علم اس کو بلند ترین عہدہ ومنصب اور شاہوں کی قربت ومصاحبت سے بہتر وبرتر سمجھنے لگے تھے۔ نامور ادیب جاحظ کا بیان ہے:

''میں جب اسحاق بن سلیمان ہاشمی المتوفی ۱۹۴ھ کے پاس ان کی گورنری سے معزولی کے بعد گیا اور انہیں کتب خانہ میں کتابوں میں منہمک دیکھا، تو کہا کہ آج کے دن سے زیادہ پُروقار، بلندتر، بارعب اور باعظمت میں نے ہاشمی کو کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لیے کہ اس نے ہیبت کے ساتھ محبت کو اور عظمت کے ساتھ حلاوت کو اور سیادت کے ساتھ عظمت کو جمع کر دیا تھا۔''(۴)

۱۰- زمانۂ طالب علمی میں طلبہ کتب خانہ بنانے کی دھن میں لگ جاتے تھے، چنانچہ الصولی المتوفی ۳۳۵ھ نے جب راضی باللہ اور اس کے بھائی ہارون کو پڑھانا شروع کیا اور انہیں کچھ منتخب، فقہ وادب، لغت و تاریخ کی کتابیں خرید کر دیں تو ''عَمِلَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خِزَانَةً لِکُتُبِهٖ''(۵)

۱- وفیات الأعیان: ۱/ ۴۴، الحضارۃ الاسلامیۃ: ۱/ ۲۴۳۔ ۲- المختصر المحتاج: ۱/ ۱۸۰۔ ۳- وفیات الاعیان: ۱/ ۹۴، تمدن عرب: ۳۹۱، الحضارۃ الاسلامیۃ: ۱/ ۲۴۳۔ ۴- حیاۃ الحیوان: ۱/ ۶۱-۶۲، الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ: ۶-۷۔

۵- أخبار الراضی باللہ: ۳۹-۴۰۔

(ترجمہ): ''ہر ایک نے اپنا کتب خانہ بنانا شروع کیا تھا''۔

۱۱- کتابیں پڑھے لکھے لوگوں کی زندگیاں بدلتی، ان کے اذہان کو جلا بخشتی، ان کے افکار میں ندرت و وسعت پیدا کرتی تھیں اور بے پڑھے لکھے لوگوں کے محل سراؤں اور زرین بسیروں کی سجاوٹ اور زینت کا بھی کام دیتی تھیں، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے کتب اور کتب خانوں سے تطہیر قلب ونظر اور تزکیۂ ذہن وفکر کے علاوہ آرائشِ مکین ومکان کا بھی کام لیا تھا، چنانچہ اس کا عملی مظاہرہ عباسی قلمرو سے باہر مشرق: ایشیا وافریقہ کے علاوہ مغرب: یورپ، اندلس میں بھی ہوتا رہتا تھا-حضرمی کا بیان ہے:

''قرطبہ کے سوق الکتب میں اپنی مطلوبہ کتاب کی طلب وجستجو میں مدت سے منتظر تھا، ایک وقت ایسا آیا کہ وہ کتاب روشن خط اور عمدہ تشریح کے ساتھ نظر آئی، مجھے بہت خوشی ہوئی، میں اس کی قیمت بڑھا کر لگانے لگا، لیکن بڑھ کے بولی دینے والا میری زیادہ قیمت پر بھی بڑھتا رہا، میں نے آواز لگانے والے سے پوچھا ذرا بتاؤ کون ہے جو اس کتاب کی بولی بڑھانے سے اتنا بڑھ گیا ہے کہ مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، اس نے ایک امیر آدمی کی طرف اشارہ کیا، میں نے اس سے جا کر کہا: ''جناب فقیہ اگر آپ کو اس کی ضرورت ہو تو میں اس کو چھوڑتا ہوں، اس کی قیمت انتہا کو پہنچ گئی ہے''، اس نے کہا جناب: ''میں کوئی فقیہ نہیں، نہ مجھے یہ علم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے، میں نے کتب خانہ بنایا ہے تاکہ شہر کی سربرآوردہ شخصیتوں میں میرا شمار ہونے لگے، اب میرے کتب خانہ میں بس اس کتاب کے رکھنے کی گنجائش ہے، میں نے جب اس کی ظاہری آرائش وزینت دیکھی تو یہ قلب ونظر میں سما گئی، زیادہ قیمت کی میں نے کوئی پرواہ نہیں کی، اللہ تعالی کا احسان ہے اس نے رزق ودولت فراواں دے رکھی ہے''۔

اس کے اس جملے نے مجھے یہ کہنے پر آمادہ کیا، کہ بلاشبہ دولت آپ ہی جیسوں کے پاس آتی ہے، وہ اخروٹ انہی کو کھلاتا ہے جن کے دانت نہیں ہوتے، جو کچھ کتاب میں ہے اس کو میں جانتا ہوں اور اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں، لیکن میرے پاس پیسہ اتنا نہیں ہے کہ اسے لے سکتا۔(۱)

۱۲- مسلم معاشرہ کی ذہنی سطح اتنی بلند ہو چکی تھی کہ قیادت وسیادت اپنا بھرم رکھنے کے لیے کتب خانوں کی محتاج تھی۔ کسی شخص کی قیادت وسیادت کے متعلق رائے قائم نہیں ہو سکتی تھی، جب تک یہ نہیں معلوم ہو جاتا کہ اس کی ملکیت میں کتب خانہ ہے، جیسا کہ مذکورۂ بالا واقعہ سے ثابت ہے۔

۱- نفح الطیب: ۲/۱۰-۱۱۔

اس حقیقت کا انکشاف بھی مذکورۂ بالا واقعہ سے ہوا، ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ مسلم معاشرے میں عزت و شرف کی خاطر جاہلوں کو بھی قابلِ رشک کتب خانہ بنانا پڑتا تھا۔

۱۳- عہدِ عباسی میں مسلم معاشرے میں اہلِ علم کو کتابوں کے دیکھنے، مطالعہ کرنے اور خریدنے کا ذوق و شوق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ ہر عالم اپنی بساط واستطاعت کی حد تک کتاب کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ جب کتاب کی قیمت اس کے بوتے سے باہر ہوجاتی وہ خاموشی اختیار کرتا تھا، حضرمی کا واقعہ اس امر کا واضح ثبوت ہے۔

۱۴- عہدِ عباسی میں دربار سے وابستہ اہلِ علم کے لیے کتب خانہ رکھنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ان کے پاس حکمرانوں کی طرف سے علمی سوالات آتے رہتے تھے، جن کے جوابات کے لیے کتابوں سے مراجعت ضروری ہوتی تھی، چنانچہ ابوعلی قالی کا بیان ہے:

''میں امام لغت ابنِ خالویہ المتوفی ۳۷۱ھ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ سیف الدولہ کا فرستادہ لغت سے متعلق کچھ سوالات لایا، ابنِ خالویہ انہیں پڑھ کر پریشان نظر آئے، اپنے کتب خانہ میں آئے، کتابیں نکالیں، تقسیم کیں تاکہ ان باتوں کا جواب دیا جائے۔''(۱)

۱۵- عہدِ عباسی میں مشرق سے مغرب تک کتابوں کی ظاہری زیب و زینت بھی بڑھنے لگی اور جمالیاتی نقطۂ نظر سے تزئین وآرائش پر بھی خوب زور دیا جانے لگا تھا، جیسا کہ حضرمی کے مذکورۂ بالا واقعہ سے ظاہر ہے۔

عہدِ عباسی میں کتابوں کی آرائش وزیبائش کا فن اتنا ترقی کر گیا تھا کہ اس دور کے سو صفحے کی کتاب کی سجاوٹ پر دس دس تولہ سونا کھپا دیا جاتا تھا، چنانچہ فقیہ ابواللیث سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ کی کتاب ''بُستانُ العَارِفِیْنَ'' کے نسخہ کی زرکوبی، طلاکاری میں دس دینار، دو دانق اور ایک حبہ کے بقدر زرِ خالص استعمال کیا گیا تھا۔(۲)

۱۶- اہلِ علم اپنے لیے نہیں اپنی اولاد کے لیے بھی کتب خانہ علیحدہ بنانے لگے تھے، چنانچہ ابوالحسن علی بن عبداللہ انطا کی المتوفی ۳۴۱ھ نے جو بہت اچھے خطاط تھے، تین خزائنِ کتب بنائے تھے- ایک کتب خانہ اپنے

۱- رسالہ ابن القارح: ۲۳، رسالۃ الغفران: ۴۸، مراتب النحویین (مقدمۃ المحقق): ۱۵۔

۲- مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان: ۲۶۲، مدارس بغداد فی العصر العباسی: ۱۶۷۔

لیے، دوسرا اپنے فرزند ابوالبرکات عبدالقاہر کے لیے اور تیسرا ابوعبداللہ حسن کے لیے بنایا تھا تاکہ خود بھی اور دوسرے بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔(۱)

۱۷-عہدِ عباسی میں اساتذہ تلامذہ کو اپنے ذخائرِ کتب سے کتابیں نقل کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتے، بلکہ بعض اوقات خوش ہو کر اپنے قلم سے کتاب نقل کر کے تلامذہ کے ذخائرِ کتب میں اضافہ کرتے تھے، چنانچہ شیخ زاہد محمد بن ابی بکر خطیب بوشنجی نے علامہ واحدی کی تفسیر [التفسیر الوسیط] کا ایک نسخہ خود نقل کر کے صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ کو دیا تھا۔(۲)

۱۸-بعض عوامی کتب خانوں میں کتابوں کے علاوہ شائقینِ کتب کو نقد رقم بھی دی جاتی تھی، چنانچہ ابن سوار، بصرہ ورامہرمز کے کتب خانے میں استفادہ کرنے والوں کو نقدی بھی دیتا تھا۔(۳)

ابوالقاسم جعفر موصلی المتوفی ۳۱۳ھ موصل میں اس طرح کی داد و دہش کرتا تھا،(۴) تاکہ کتب خانوں سے ذوق وشوق میں مزید اضافہ ہوتا رہے اور عوام کتاب اور کتب خانوں سے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ عہدِ عباسی میں سرکار ہی نہیں دولت مند طبقہ بھی غیر سرکاری طور پر کتب اور کتب خانوں کے فروغ کے لیے ان عوامل کو پیشِ نظر رکھتا تھا، جو استفادۂ کتب کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ وہ افلاس اور روٹی کا مسئلہ ہے جو آج بھی ایک دین اور نظامِ حیات بنا ہوا ہے اور اس تحریک نے دولت مندوں کے ذہن کو ایسی جلا دی تھی کہ وہ کتب و کتب خانوں کے شائقین اور استفادہ کے خواہش مندوں کی وابستگی و شیفتگی کو برقرار رکھنے کے لیے ان کی ضروریاتِ زندگی بھی نقدی کی صورت میں مہیا کرنے لگے تھے، تاکہ کتب اور کتب خانوں سے دلچسپی ووابستگی کا سلسلہ دائم وقائم رہے۔

۱۹-اس تحریک نے ایک ایسے نظامِ کتب خانہ کو جنم دیا جس نے ان تمام کڑیوں کو جن کے قیام واہتمام کے لیے آج مملکتوں کا سہارا لیا جاتا ہے، ٹیکس لگائے جاتے ہیں، محض ایک اخلاقی وروحانی نظام ''صدقۂ جاریہ'' کے ذریعہ مربوط واستوار کیا ہوا تھا۔

۱-معجم الأدباء: ۶/ ۲۲، اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء: ۴/ ۲۶۷۔

۲-الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ: ۲/ ۳۵۔

۳-احسن التقاسیم: ۴۱۳، الحضارۃ الاسلامیۃ: ۱/ ۲۴۹۔

۴-معجم الأدباء: ۲/ ۴۲۰۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نظام میں چھوٹے سے چھوٹے پائنٹ اور ڈپو (مستقر) سے بیت الحکمت تک ہر ایک، ایک ہی سلسلہ میں منسلک نظر آتا ہے، حالانکہ آج کے دور میں ان کڑیوں کو باہم پیوست رکھنے کے لیے مالیاتی سرچشمہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔ اس لیے ریٹ سپورٹیڈ (Ratet Suptage Ported) اور ٹیکس سپورٹیڈ (Taxt Suptage Ported) لائبریریاں قائم کی جاتی ہیں، (۱) اس مالیاتی سرچشمہ سے دیگر کتب خانوں کو منسلک کرنے کے لیے کبھی بل ایکٹ اور کبھی آرڈیننس منظور کیے جاتے ہیں، اس کے باوجود بھی خدمت کی کمی کا احساس شدت سے کیا جاتا ہے۔

اسلام نے اشاعتِ علوم کی جو تحریک چلائی اور جو نظام قائم کیا، اس نے اس قسم کے جبری مالیاتی نظام کے ذریعہ ان مختلف کڑیوں کو مربوط و منسلک رکھنے کے بجائے ایک اخلاقی وروحانی نظریہ سے اس کا رشتہ قائم کیا، جو صدقۂ جاریہ کے نام سے آج بھی عالم میں جاری و ساری ہے، صدقۂ جاریہ کے پیچھے جو قوتِ نافذہ سرگرمِ عمل نظر آتی ہے، وہ قرآن و سنت کا پیدا کردہ یقین ہے، وہی دراصل وہ قوتِ نافذہ ہے جو ہمیشہ اپنے مظاہر دکھاتی رہی ہے، اس کی فیض بخشیاں بلا قیدِ زمان و مکان آج بھی ہر جگہ جاری ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ تملیکی نشاط (Possesive Happiness) کا بھرپور مظاہرہ بھی اس نظام میں نظر آتا ہے، چنانچہ عہدِ عباسی میں ذاتی کتب خانوں کا بلاامتیاز مذہب و ملت، رنگ و نسل، مسلک و عقیدہ ہر شخص کے لیے کھلا رکھنا اس اخلاقی قوتِ نافذہ کا عمل واثر تھا۔ انفاق فی سبیل اللہ کی تعریف و تائید نے صدقۂ جاریہ کی حدود کو بہت وسیع کردیا، اس کی جڑیں بہت مضبوط کردیں اور بہت دُور تک پھیلا دی تھیں۔

۲۰۔ ذاتی کتب خانوں نے عوامی کتب خانوں کی خدمات انجام دینا شروع کردی تھیں، وہ بھی اہلِ علم کی علمی تشنگی دُور کرنے، روحانی اور دماغی سامان فراہم کرنے لگے تھے، چنانچہ ابوالفضل عبیداللہ میکالی المتوفی ۴۳۶ھ نے اپنے نہایت نادر و بیش قیمت خزانۂ کتب سے علامہ ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ کو بہت بڑی تعداد میں کتابیں دیہات میں لے جانے کی اجازت بھی دی تھی، جس کا تذکرہ علامہ ثعالبی نے حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''مجھے امیر موصوف نے اجازت دی تھی کہ میں ان کی کتابوں کے خزانوں سے زادِ راہ کے لیے پھلوں

1. p:7,Encyclopadia Britannica,vol:14

کو ساتھ رکھوں، تاکہ جس کام کے میں درپے ہوں اس سے اس میں مدد لیتا رہوں۔ یہ امیر رہنما کی طرح ہیں، جو مسافر کی توشہ سے مدد کرتا ہے اور طبیب کی طرح ہیں، جو مریض کو دوا کے ساتھ غذا بھی دیتا ہے۔ اس طرح گویا مجھے ادبی کتابوں کے ساتھ چھوڑ دیا گیا، میں ان سے مطلب کی باتیں نکالتا، اقتباس لیتا، ابواب بندی کرتا، فصلیں قائم کرتا، نوع بنوع ترتیب دیتا تھا اور ائمہ فن: خلیل، اصمعی، ابوعمرو شیبانی، کسائی، فراء، ابوزید، ابوعبید، ابوعبیدہ، ابن الاعرابی، نضر بن شمیل، ابوالعباس مبرد، ابوالعباس ثعلب، ابن درید، نفطویہ، ابن خالویہ، خارزنجی، ازہری اور ان کے علاوہ ظریف ادیب جو فصاحت و بلاغت کے جامع تھے، جیسے: صاحب ابوالقاسم، حمزہ بن حسن اصبہانی، ابوالفتح مراغی، ابوبکر خوارزمی، قاضی ابوالحسن علی بن عبدالعزیز، جرجانی، ابوالحسن احمد بن فارس، زکریا قزوینی کے انوار و فیوضات سے مستفید ہونے لگا۔"(۱)

علامہ ثعالبی نے امیر موصوف کا مقابلہ اس طبیب سے کیا ہے، جو اپنے دواخانہ سے جسمانی امراض کے لیے دوا غذا دونوں مریضوں کو پہنچاتا ہے۔ امیر موصوف نے بھی روحانی و دماغی تسکین کے لیے کتب خانہ بنایا تھا، یہ کتب خانہ بہمہ وجوہ یہ خدمت انجام دیتا تھا، یہ خود بھی محققین کی رہنمائی کرتے، ان کی علمی تشنگی کو دُور کرنے کے لیے زبان و قلم سے عالم کو فائدہ پہنچاتے اور اپنے کتب خانے سے نادر کتابیں بے تامل شہر ہی میں نہیں دیہات میں لے جانے کے لیے دیتے تھے، اس طرح ان کے کتب خانے سے دُور و نزدیک ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ گویا اس تحریک نے ذاتی کتب خانوں کو اپنی ہیئت و خدمات میں عوامی کتب خانوں کے ہمسر بنا دیا تھا اور انہیں ادارہ جاتی اور عوامی کتب خانوں کی خدمات میں تبدیل کر دیا تھا جیسا کہ مذکورۂ بالا واقعہ سے عیاں ہے۔

۲۱- اس تحریک نے کتب خانوں کو ایسا مرغوبِ خاطر بنایا تھا، کہ رشتۂ ازدواج کے انتخاب کے لیے مال و منال اور حسب و جمال کی طرح کتب خانے کے وجۂ انتخاب بننے کا رجحان بھی اہلِ علم میں ہونے لگا تھا، چنانچہ امام اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۸ھ نے سلیمان بن عبداللہ زغندانی المتوفی ۲۲۱ھ کی بیٹی سے شادی اس لیے کی تھی کہ انہیں اس سے امام شافعی کی جملہ تصانیف پر مشتمل کتب خانہ مل گیا تھا۔(۲)

اسے بالفاظِ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں عقدِ نکاح صرف شرعی اور سماجی ضرورت نہیں سمجھی جانے لگی تھی، بلکہ وہ علمی ضرورت بھی بننے لگی تھی۔ علم، کتب اور کتب خانے ایک مقام سے دوسرے مقام پر اس

۱- فقہ اللغۃ وسر العربیۃ: ۱۹۹۔ ۲- الأنساب: ۲۷۶، اللباب: ۲/۷۱۔

نسبت سے منتقل ہوتے تھے اور یوں اس مقام کو بھی شہرت و بقائے دوام حاصل ہوتا تھا۔(۱)

اس واقعہ کو چنداں حیرت و استعجاب سے نہیں دیکھنا چاہیے، اس ترقی یافتہ دور میں بھی کتب خانہ جہیز میں دینے کا رجحان پایا جاتا ہے، چنانچہ اس دور کی نامور علم دوست شخصیت و حکیمانہ اخلاق و شرافت کی یادگار ہمدرد دواخانہ کے سربراہ حافظ حکیم محمد سعید صاحب دہلوی نے اپنی لڑکی کے جہیز میں ذاتی کتب خانہ دے کر اسلاف کی یاد از سرِ نو تازہ کی ہے۔

۲۲- تیسری صدی ہجری کے اوائل میں وراقوں کی دکانیں علمی اکیڈمیاں بننے لگی تھیں، یہاں اہلِ علم کی مجلسیں جمتی تھیں اور ان کے جوہر کھلتے تھے۔(۲)

۲۳- قبۃ الاسلام بغداد کے سوق الورّاقین (بازارِ کتب) میں دن کو کتابوں کی خرید و فروخت ہوتی اور جو محققین و مصنفین تصنیف و تالیف سے علوم و معارف عام کرتے اور نت نئے علوم و فنون میں کتابیں لکھتے اور شائع کر کے ذخائرِ کتب میں اضافہ کرتے تھے انہیں دکانیں رات بھر کے لیے کرایہ پر بھی دی جاتی تھیں۔(۳)

۲۴- عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی اہمیت و افادیت اتنی بڑھ چکی اور عام ہو چکی تھی، کہ علم کے رسیا اور جویا، معذور و محتاج ہونے کے باوجود علم و حکمت کے خزانوں کی جستجو میں سفر کرنے لگے تھے، وہ ان کی علمی ثروت سے بہرہ مند ہوتے، ان کی خدمات کا برملا اعتراف کرتے عملہ کی تعریف کرتے، ان کی ثقافتی سرگرمیوں کا اشعار و خطوط میں تذکرہ کرتے تھے۔ چنانچہ عربی زبان کا نامور فلسفی و نابینا شاعر ابوالعلاء معری (۳۶۲-۴۴۹ھ) نے معرہ سے بغداد کا سفر مشہور کتب خانہ دارالعلم سابور سے استفادہ کی خاطر کیا تھا۔(۴)

وہ دارالعلوم کے خازن عبدالسلام بصری المتوفی ۴۰۵ھ کی ہفتہ وار ادبی مجلسوں میں شرکت کرتا تھا، اس نے اپنے اشعار میں عبدالسلام بصری کا ذکر کیا ہے۔(۵) اور اپنے ماموں کو ایک خط میں بغداد کے سفر کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "أَقَدَّ مَنِیْ تِلْکَ الْبِلَادَ مَکَانُ دَارِ الْکُتُبِ بِهَا"(۶) (ترجمہ): "بغداد میں دارالکتب کا قیام ہی مجھے یہاں کھینچ لایا ہے" - اس نے اس کو سب سے بہتر جگہ قرار دیا ہے۔ اس مکتوب میں پھر لکھتا ہے:

۱- الانساب: ۱/ ۲۲۳۔ ۲- الفہرست: ۸۴۔ ۳- ایضاً: ۱۶۹۔ ۴- انباہ الرواۃ: ۱/ ۵۰۔

۵- ایضاً، سقط الزند: ۶/ ۱۷، تجدید ذکری ابی العلاء: ۱۴۱۔ ۶- خزائن الکتب القدیمۃ: ۱/ ۱۴۱۔

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے سفر مال سمیٹنے کے لیے نہیں کیا، نہ میرا مقصد اہلِ علم سے زیادہ سے زیادہ ملاقات کرنا ہے، میں نے دار العلم کے قیام کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ مجھے سب سے زیادہ عمدہ جگہ نظر آئی، (ایک برس اور سات مہینے قیام کے باوجود میری سیری نہیں ہوئی پھر کہتا ہے) زمانے نے میرے یہاں کے قیام میں میری حاجت پوری نہ ہونے دی، میں اپنی علمی تشنگی دُور نہیں کر سکا۔''(۱)

یہاں کے قیام نے معری کو بہن بھائی اور ماں کی یاد سے بھی بے پرواہ کر دیا تھا اور وہ اس کی صورت کو ترس گئے تھے، چنانچہ اس کے بھائی نے اسے بلانے کے لیے بڑا لمبا قصیدہ لکھ کر بھیجا-اس میں کہا کہ:'' آپ کی دار العلم بغداد سے شیفتگی بہت بڑھ گئی، اب آپ کا دل و دماغ علوم اور دار العلم کی منزل کا ہو کر رہ گیا ہے اور اسے چھوڑنے کو آپ کا جی نہیں چاہتا''۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتب خانے اس زمانے میں کیسے دلوں کو موہ لیتے تھے۔(۲)

۲۵-عہدِ عباسی میں کتابوں سے محبت، ان کی اہمیت و افادیت اہلِ علم کے دل و دماغ میں ایسی بیٹھ گئی اور علمی و کتابی ضروریات کے ترقی پذیر سلسلہ کی تعمیر و تشکیل ان کے قلب و نظر میں ایسی سما گئی تھی کہ وہ اپنی اور بیوی بچوں کی جان پر فقر و فاقہ برداشت کرتے، لیکن کتابوں کی جدائی اور اپنے علمی ذخیروں میں کمی کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ کا مندرجہ ذیل واقعہ اس امر کا شاہد عادل ہے۔

ایک مرتبہ ان پر کئی دن فاقے سے گزر گئے، بیوی نے آ کر عرض کیا:''میں اور آپ تو صبر سے بیٹھے رہیں گے، لیکن ان دو بچیوں کو کہاں تک بھوکا ماروں، اپنی کتابوں میں سے کچھ دیجیے انہیں بیچیں یا گروی رکھیں'' موصوف کا بیان ہے کہ میں نے ذرا بخل سے کام لیا اور کہا:''ان کے لیے تم کہیں سے قرض لے لو، مجھے ایک دن کی اور مہلت دو، میرے مکان کی دہلیز کے پاس میرا بیت الکتب تھا، جہاں بیٹھ کر لکھتا پڑھتا تھا، رات کو ایک شخص نے آ کر دستک دی، میں نے کہا کون! وہ بولا، آپ کا پڑوسی، میں نے کہا آیئے، اس نے کہا پہلے چراغ بجھا دیجیے پھر آؤں گا، میں نے چراغ مدہم کر دیا، وہ آیا، ایک رومال میں پانچ سو درہم اور کھانے کا سامان رکھ کر چلا گیا، میں نے بیوی کو بلایا اور کہا بچیوں کو کھلا دو۔''(۳)

ابراہیم حربی نے فقر و فاقہ، پیٹ کی آگ سب کچھ اپنے اور بیوی پر ہی نہیں بچیوں پر بھی گوارا کیا، لیکن

۱-رسائل ابی العلاء المعری: ۳۴، تعریف القدماء بابی العلاء: ۹۲- ۲۲۳، ۵۱۶، ۵۳۵، ۵۴۷۔ ۲-ایضاً۔ ۳-تاریخ بغداد: ۶/ ۳۲۔

کتابوں کو بیچنا یا گروی رکھنا ذخیرہ میں کمی کرنا گوارا نہیں کیا،(۱) اس لیے کہ انہی کتابوں نے ان کی کتابِ زندگی کو سنوارا تھا، فکر کی تربیت کی تھی، ان کے ذہن کو جلا بخشی تھی اور ان کے مذاق و مزاج پر حاوی ہو گئی تھیں۔ بھلا ایسے محسن رفیق کو کون جدا کر سکتا ہے!

۲۶- عہدِ عباسی میں کتابوں سے محبت و شیفتگی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اگر کسی کو اپنی زندگی میں کبھی بحالتِ مجبوری اپنی کچھ کتابیں جدا کرنی پڑتیں تو اہلِ علم کے دل و دماغ پر جو گزرتی وہ زبانِ قلم پر اشعار کی صورت میں آجاتی، پھر جو اسے پڑھتا وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور ان کتابوں کی خریداری پر پچھتاتا، اس کا جی چاہتا کہ کاش وہ یہ کتابیں اس کے مالک کو واپس کر سکتا، چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ نامور محدث، مصنف، ادیب و شاعر، راوی کتاب [المحدث الفاضل] ابوالحسن علی بن احمد بن علی ایذیجی فالی بغدادی المتوفی ۴۴۸ھ کے ساتھ پیش آیا تھا، گردشِ ایام سے موصوف کو کچھ کتابیں اپنے ذاتی کتب خانے سے نکالنی پڑیں، ان میں الجمہرۃ لابن دُرید کا نسخہ بھی تھا، قاضی ابوبکر بن بدیل تبریزی نے اسے پانچ دینار میں ان سے خریدا اور تبریز آ گئے، اس نسخہ سے ابوبکر زکریا تبریزی نے الجمہرۃ کا نسخہ نقل کیا دورانِ نقل انہیں اس کی ایک جلد میں فالی کا رقعہ ملا جس پر فالی کے وہ شعر لکھے ہوئے تھے جو اس نے اس کتاب کی جدائی پر کہے تھے وہ کہتا ہے: ؎

أَنِسْتُ بِهَا عِشْرِيْنَ حَوْلاً وَبِعْتُهَا
فَقَدْ طَالَ شَوْقِيْ بَعْدَ هَا وَ حَنِيْنِيْ

(ترجمہ): میں بیس برس نسخہ الجمہرۃ سے محبت کرتا رہا اور جب میری محبت و اشتیاق بڑھ گیا اس موقع پر مجھے اسے بیچنا پڑا۔ ؎

وَمَا كَانَ ظَنِّيْ أَنَّنِيْ سَأَ بِيْعُهَا
وَلَوْ خَلَّدَ تْنِيْ فِي السُّجُوْنِ دُيُوْنِيْ

(ترجمہ): مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ میں اس کو بیچوں گا، اگرچہ مجھے اس کی وجہ سے دائمی قرض کی قید میں رہنا پڑتا۔

۱- تاریخ بغداد: ۶/ ۳۲۔

وَلٰكِنْ بِضُعْفٍ وَ افْتِقَارٍ وَصِبْيَةٍ
صِغَارٍ عَلَيْهِم يَسْتَهِلُّ شُؤُوْنِيْ

(ترجمہ): لیکن کمزوری، احتیاج اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے جن پر میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

فَقُلْتُ وَلَمْ أَمْلِكْ سَوَابِقَ عَبْرَةٍ
مَقَالَةَ مَشْوِيِّ الْفُؤَادِ حَزِيْنٖ

(ترجمہ): اب میں کہتا ہوں اور مجھے اب آنسوؤں پر قابو نہیں رہا ایک غمگین اور سوختہ جگر کی بات۔

وَقَدْ تُخْرِجُ الْحَاجَاتُ يَا أُمَّ مَالِكٍ
كَرَائِمَ مِنْ رَبٍّ بِهِنَّ ضَنِيْنٖ

(ترجمہ): اے ام مالک حاجتیں نفیس چیزیں مالکوں سے نکلوا دیتی ہیں جنہیں وہ جدا کرنا نہ چاہتے مگر نکالنا پڑتی ہیں۔

زکریا تبریزی نے جب یہ رقعہ قاضی ابوبکر تبریزی کو دکھایا، اس نے یہ شعر پڑھے تو کہنے لگا: ''اگر اس کو پہلے دیکھا ہوتا تو میں یہ نسخہ فالی کو واپس کر دیتا، لیکن اب فالی دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔(۱)

اس دور میں کتابوں سے گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ بعض اہلِ علم بعض نامور ادباء کی کتابوں پر جی جان سے فدا تھے، ان کی کتابیں اگر جنت میں بھی میسر آ جائیں تو وہ انہیں نعیمِ جنت کا بدل سمجھتے تھے، چنانچہ ابو محمد زبیدی اندلسی المتوفی ۳۷۹ھ نامور ادیب ابو عمرو جاحظ کی تالیفات کے ایسے ہی عاشقوں میں تھے۔ یہ امر بھی کتب خانہ سازی میں محرک رہا ہے۔(۲)

۲۷۔ اس تحریک نے عہدِ عباسی میں کتابوں کی قدر ایسی بڑھائی تھی اور ذخیرۂ کتب کو ایسا بیش قیمت سرمایہ بنا دیا تھا کہ اسے گروی رکھا جاتا تھا۔(۳)

گویا کتابیں عہدِ عباسی میں زرِ خالص کی حیثیت رکھتی تھیں، اس لیے چور انہیں چراتے تھے اور اوباش انہیں لُوٹا کرتے تھے۔(۴)

۱۔معجم الادباء: ۵/ ۸۳۔ ۲۔الوافی بالوفیات: ۱۷/ ۱۵۱۔ ۳۔تاریخ بغداد: ۶/ ۳۲۲، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۳۱۴۔ ۴۔معجم الادباء: ۳/ ۱۷۲۔

۲۸-عہدِ عباسی میں بعض بلادِ اسلامی کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ وہاں اہلِ علم و صاحبِ تصانیف (اربابِ کتب خانہ) و افتاء میں بھی بعض مخصوص نام کے اربابِ کمال و اہلِ علم کو ایک جداگانہ قبرستان میں دفن کیا جاتا اور اس میں کسی اور نامور اہلِ علم اربابِ تصانیف (کتب خانہ رکھنے والوں) کو دفن کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، چنانچہ سمرقند کے شہر ماکروین میں ''تربۃ المحمدین'' (قبرستان) میں جہاں چار سو سے زیادہ محمد نام کے اربابِ تصانیف یعنی وہ اہلِ علم جو کتب خانہ رکھتے تھے، دفن کیے گئے تھے۔

شیخ الاسلام برہان الدین علی مرغینانی کو یہاں دفن کرنے کی کوشش کی گئی لیکن نام کی شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے اس قبرستان میں تدفین کی اجازت نہیں ملی۔(۱)

ذرا نظر کو بلند کیجیے جس معاشرے میں علم و اہلِ علم اور ان کی تصانیف ذخائرِ کتب کو یہ فخر و امتیاز حاصل رہا ہو، اس میں گلی گلی اور گھر گھر کتب خانے موجود ہوں تو تعجب کی کیا بات ہے۔

یاد رہے یہ سمرقند کے اس غیر معروف شہر کے قبرستان کا ذکر ہے، جس شہر کا علامہ سمعانی ''کتاب الانساب'' میں اور یاقوت ''معجم البلدان'' میں تذکرہ ہی نہیں کرتے، معلوم نہیں عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو میں اور کتنے ایسے بلاد اور قبرستان ہوں گے جن کے ذکر سے تذکرہ و تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں۔

۲۹-کتب خانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ عمارتیں بنوائی جاتی تھیں، چنانچہ سابور بن اردشیر المتوفی (۴۱۶ھ) نے ۳۸۱ھ میں محلہ کرخ بغداد میں علیحدہ عمارت تعمیر کرا کر کتب خانہ قائم کیا تھا۔(۲)

اصفہان میں ابوالشیخ بن محمد نطنزی المعروف بذی البراعتین المتوفی ۵۴۹ھ نے دارالکتب کی نہایت عالیشان عمارت تعمیر کرانی شروع کی تھی، جو پوری بن جاتی تو اصفہان کی عمارتوں میں سب سے زیادہ خوشنما و پائیدار ہوتی مگر ذی البراعتین کی سیاحت اور اس کے باہر رہنے کی وجہ سے ہمیشہ بنتی اور ٹوٹتی رہتی تھی، اس واقعہ کی اتنی شہرت ہوگئی کہ ابوفراس عامری المتوفی ۵۷۳ھ نے اس پر حسب ذیل شعر کہے:

دَارٌ كُتُبٍ بِغَيْرِ كُتُبٍ وَ مَالٌ

مِنْ تُرَابٍ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ تُرَابٍ

(ترجمہ): یہ دارالکتب بغیر کتابوں کے ہے، مال جو زمین سے حاصل کیا تم نے زمین میں لگا دیا۔

۱-الجواہر المضیئۃ: ۱/ ۳۸، مقدمۃ الہدایۃ: ۲۔ ۲-المنتظم: ۷/ ۱۷۲، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۳۱۲، الکامل فی التاریخ: ۹/ ۱۰۱۔

أَنْتَ فِيْ (عَامِرٍ) بِزَعْمِكَ

مِنْهَا وَاللّٰهِ كُلَّ سَاعَةٍ فِيْ خَرَابٍ(۱)

(ترجمہ): تم اپنے زعم میں اسے آباد کر رہے ہو، بخدا وہ تو ہر آن برباد و خراب ہوتا رہتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کو کتب خانوں کی عمارت تعمیر کرنے کا شوق بھی اس تحریک سے پیدا ہوا تھا۔

۳۰- کتب خانہ کے ساتھ رصد گاہ کا سامان بھی رکھا جاتا تھا، چنانچہ ابو طاہر خاتونی ساوی المتوفی ۵۴۷ھ نے جامع خاتونی میں جو کتب خانہ قائم کیا تھا اس میں تجربات کے لیے رصد گاہ کا سامان بھی محفوظ کر دیا تھا۔(۲)

۳۱- اہلِ علم نہایت عسرت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود قابلِ رشک کتب خانہ بناتے تھے، چنانچہ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ فقر و فاقہ سے بسر کرتے، لیکن ذخیرۂ کتب بڑھاتے رہتے تھے، دولت مند، ان کی تنگ دستی اور ان کے کتب خانے کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے- چنانچہ ایک موقع پر کسی سے نہ رہا گیا اور اس نے موصوف سے پوچھا کہ آپ نے اتنی کتابیں کیسے جمع کیں، ان کو غصہ آ گیا، وہ فرمانے لگے: "بِلَحْمِيْ وَ دَمِيْ"(۳) (ترجمہ): "خون پسینہ ایک کر کے جمع کی ہیں"۔

۳۲- عہدِ عباسی میں فکری قوتوں کو پروان چڑھانے اور دماغی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا منبع و مخزن کیف و سرور اور سیر و تفریح کا مرکز، کتب و کتب خانہ بن گیا تھا- چنانچہ شیخ ابو نصر احمد بن حسین میکالی کا بیان ہے: "ہم بیٹھے ہوئے ایک دن تفریح گاہوں کا ذکر کر رہے تھے بعض کہتے تھے کہ بہترین جگہ غوطۂ دمشق ہے، بعض نہر اُبلہ کو اچھا بتاتے تھے، بعض کا خیال تھا کہ سغد سمرقند تفریح کی اچھی جگہ ہے، بعض نہروان بغداد کے قائل تھے بعض شعب بوان کو پسند کرتے تھے اور بعض نو بہار بلخ کو ترجیح دیتے تھے"۔ ابن درید بولے: "یہ مقامات آنکھوں کی تفریح کے لیے خوب ہیں، بتاؤ تمہارے قلوب کی تفریح کے لیے کون سے مقامات اچھے ہیں؟ ہم نے پوچھا ابوبکر (ابن درید) وہ کیا ہیں؟ تو بتایا ابن قتیبہ کی "عیون الاخبار" ابن داؤد کی "کتاب الزہرۃ" اور ابن ابی طاہر کی کتاب "خلق المشتاق" اور پھر یہ شعر پڑھے:

۱- خریدۃ القصر ۱/۳۰ (مقدمہ) دق: ۲/۱۶۷۔ ۲- آثار البلاد و اخبار العباد: ۳۸۷۔ ۳- تاریخ بغداد: ۶/۳۳۔

وَمَنْ تَکُ نُزْهَتُهٗ قَيْنَةٌ

وَكَأْسٌ تُحَثُّ وَكَأْسٌ تُصَبُّ

(ترجمہ): اور بعض وہ ہیں جن کی تفریح جام وسبو ہیں، ایک جام انڈیلا جاتا اور دوسرا بھرا جاتا ہے۔

فَنُزْهَتُنَا وَ اسْتِرَا حَتُنَا

تَلاقِي الْعُيُوْنِ وَ دَرْسُ الْكُتُبِ(۱)

(ترجمہ): ہماری تفریح اور آرام وراحت کا سامان آنکھوں سے دیکھنا اور کتابیں پڑھنا ہیں۔

ابوبکر ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ نے تحقیق وتدقیق، بحث ونظر اور دل ودماغ کی فرحت کا سامان اور فکری قوتوں اور دماغی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا سرچشمہ کتابوں کو قرار دیا تھا۔

۳۳- عہدِ عباسی میں طلبہ، محققین وشائقینِ کتب کو "فیض بخش مراکزِ علم" درسگاہوں، علمی اداروں اور کتب خانوں سے جہاں وہ اوران کے اساتذہ واہلِ علم استفادہ اور افادہ کرتے تھے، ان سے ان کی شیفتگی ودل بستگی اتنی ہوجاتی تھی کہ وہ مراکز عقیدت ومحبت اور احترام وعزت سے دیکھے جاتے تھے، ان کی ویرانی وبربادی پر وہ آبدیدہ ہوتے، بعض اوقات وفورِ غم سے ان کے جذبات شعر کی صورت میں ڈھل کر زبان پر آتے تھے، جو عہدِ عباسی میں مراکزِ علم اور کتب خانوں سے پڑھے لکھوں کی عام دلچسپی کا روشن ثبوت ہے۔ مشہور متکلم عبدالکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ نے فلاسفہ کی ناکامی ومحرومی پر جو قطعہ نقل کیا ہے اس سے بھی اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

لَقَدْ طُفْتُ فِيْ تِلْكَ الْمَعَاهِدِ كُلِّهَا

وَسَيَّرْتُ طَرْفِيْ بَيْنَ تِلْكَ الْمَعَالِمِ

(ترجمہ): میں ان تمام علمی اداروں میں گھوما پھرا اور میں نے اپنی نظریں ان درسگاہوں میں دوڑائیں۔

فَلَمْ أَرَ إِلاَّ وَاضِعاً كَفَّ حَائِرٍ

۱- معجم الأدباء: ۶/ ۴۹۳-۴۹۴، زهر الآداب وثمرة الالباب: ۴/ ۱۳۵۔

عَلٰی ذَقْنٍ أوْ قَارِعاًسِنَّ نَادِمٍ(۱)

(ترجمہ): جس کو بھی دیکھا حیران، ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے ہوئے یا شرمسار یا دانتوں سے انگلی کاٹتے ہوئے۔

۳۴- عہدِ عباسی میں مراکزِ علم کی عظمت اہلِ علم کے قلوب میں گھر کر گئی تھی، چنانچہ شارح صحیح مسلم یحییٰ بن شرف نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ) دارالحدیث الاشرفیہ میں حدیث کا درس دیتے تھے، ان کی تعلیمی وتدریسی خدمات اور علمی عظمت وشہرت کی وجہ سے اس دارالحدیث الاشرفیہ کو بھی یہ مرتبہ مل گیا تھا کہ علامہ تاج الدین عبدالوہاب سبکی کے باپ فقیہ علامہ زماں تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی التوفی ۷۵۶ھ کا جب یہاں قیام رہا تو وہ رات کو اس کے ایوان میں آتے، تہجد پڑھتے اور اس آرزو میں اس کے فرش پر جبیں سائی کرتے کہ جہاں امام نووی نے قدم رکھے ہیں وہاں میری جبیں لگ جائے اور میں ان کی برکات سے بہرہ ور ہوسکوں، چنانچہ وہ اپنے فرزند تاج الدین سبکی سے اس عقیدت وحقیقت کا اظہار کرتے ہوئے حسبِ ذیل اشعار پڑھتے تھے: ؎

وَفِيْ دَارِالْحَدِيْثِ لَطِيْفُ مَعْنًى

عَلٰی بُسُطٍ لَهَا أَصْبُوْ وَ آوِیْ

(ترجمہ): دارالحدیث اشرفیہ میں ایک لطیف معنیٰ پنہاں ہیں، میں اس کے فرش پر اٹھتا اور لیٹتا رہتا ہوں۔

عَسٰی أَ نِّيْ لِيْ أَمُسُّ بِحَرِّ وَ جْهِيْ

مَكَاناً مَسَّهٗ قَدَمُ النَّوَاوِیْ(۲)

(ترجمہ): امید ہے کہ میرے چہرے کی گرمی اس جگہ کو چھو سکے جسے نواوی کے قدم نے چھوا ہے۔

مذکورۂ بالا واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں فیض بخش مراکزِ علم کو کیسا بلند مقام حاصل تھا۔

عربی شاعر کہتا ہے: ؎

كُلُّ امْرِئٍ يُوْلِيْ الْجَمِيْلَ مُحَبَّبٌ

۱- نہایۃ الأقدام: ۳، نقض المنطق: ۶۱-۶۲۔ ۲- الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۵/۱۶۶۔

وَكُلُّ مَكَانٍ يُنْبِتُ الْعِزَّ طَيِّبُ

(ترجمہ): ہر وہ شخص جو اچھا کام کرتا ہے محبوب بنتا ہے اور ہر وہ جگہ جو عزت بڑھاتی ہے پسند کی جاتی ہے۔

۳۵- عہدِ عباسی میں ذاتی کتب خانے عوامی کتب خانوں کے تمام وظائف: تحقیق، تعلیم، معلومات، ذوقِ جمال کی تسکین اور تفریح کا سامان بھی بہم پہنچاتے، اس کی سہولتیں مہیا کرتے تھے، عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے کتب خانے فکری قوتوں کو پروان چڑھانے کے ساتھ تفریحِ طبع کا سامان بھی مہیا کرنے لگے تھے، چنانچہ فخر الدین مبارک شاہ بن حسین مرورودی المتوفی ۶۰۴ھ کے کتب خانۂ بغداد میں اہلِ علم کے لیے کتابیں اور جاہلوں کے لیے شطرنج رکھی گئی تھی، (۱) تا کہ جہلاء کو کتابوں سے قریب لا کر علمی رغبت پیدا کی جا سکے۔

۳۶- اس تحریک نے عوام وخواص میں معاشرتی توانائیوں میں بھرپور حصہ لینے کا ذوق وشوق پیدا کیا اور انہیں سرگرمِ عمل بنایا تھا، اس لیے ہر جگہ معاشرتی توانائیاں پروان چڑھنے لگی تھیں۔ (۲)

۳۷- مسلم معاشرہ میں خواتین بھی مردوں کی طرح ذوقِ کتاب داری اور فروغِ کتب وکتب خانوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگی تھیں۔ (۳)

۳۸- اس تحریک نے متمدن اقوامِ عالم کے ثقافتی ورثہ کی حفاظت کو تصنیف وتالیف اور ترجمہ کے ذریعے ان کی علمی تحقیقات کے بلاغِ عام کو مسلم دانشوروں اور مفکروں کا نہایت مقدس فریضہ بنا دیا تھا۔ (۴)

۳۹- بادشاہ وامیر بھی علماء وائمہ فن کے کتب خانوں کے حاصل کرنے کے آرزومند وکوشاں رہتے، گو وہ حاصل کرنے میں مشکل ہی سے کامیاب ہوتے تھے، چنانچہ خلیفہ المتوکل المتوفی ۲۴۶ھ نے امام احمد بن حنبل کی وفات کے بعد اپنا خاص ایلچی ان کے فرزند صالح کے پاس حصول کتب کے لیے بھیجا تھا، لیکن ان کے فرزند نے یہ کہلا بھیجا کہ ان کتابوں کی نقول درکار ہوں تو ہمارے پاس کرائی جائیں۔ یہ کتابیں ہمارے پاس رہنی چاہئیں ہمیں ان کی روایت کی اجازت حاصل ہے، اس کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ (۵)

عہدِ عباسی میں فرمانرواوں کے خفیہ ہاتھ قیمتی ذخیرہ کتب کے لیے برابر کام کرتے تھے، اس لیے مالک

۱- الکامل فی التاریخ: ۱۲/ ۲۴۳۔ ۲- مرآۃ الزمان: ۲۴۲، ۲۴۸، ۲۵۴، ۲۵۶۔ ۳- ایضا: ۸/ ۲-۷-۲۳۔

۴- الفہرست: ۳۴۰-۴۹۳-۵۰۰۔ ۵- ترجمۃ الامام احمد من تاریخ الاسلام: ۸۲۔

وہ ذخیرہ کسی کو دکھاتا نہیں، جونہی آنکھ مچلتی وہ ذخیرہ ایسا نظروں سے اوجھل ہوتا کہ پھر اس کا سراغ نہیں ملتا، چنانچہ بنوحمدان ہر قیمت پر ابن ابی بعرہ کا کتب خانہ حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ اس ڈر سے اپنا کتب خانہ کسی کو دکھاتا نہیں تھا، لیکن اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کا بڑا قمطر ایسا غائب ہوا کہ پھر کبھی نظر نہیں آیا۔(۱)

۴۰-کتب خانہ جو اجتماعی و انفرادی ہر حیثیت میں بنی نوع انسان کا ایک نہایت قیمتی تمدنی و ثقافتی ورثہ ہے، عہدِ عباسی میں اس کی حفاظت بنی نوع انسان کا نہایت مقدس فرض سمجھا جانے لگا تھا۔ حوادثِ روزگار و آسمانی آفتوں سے اس ورثہ کا بچاؤ ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، گاہ بگاہ نقصان ہو جاتا تھا۔ کتابیں ضائع ہو جاتی تھیں جب کبھی کسی عالم کو اس صورت سے دوچار ہونا پڑتا، اسے اور دوسرے علماء کو اس سے جو صدمہ ہوتا تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، عوام کو جیسا کچھ دکھ اس سے پہنچتا تھا، اس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

ابو موسیٰ عبد الرحمن بن موسیٰ استجی، امام مالک، سفیان بن عینیہ اور اصمعی وغیرہ کے شاگرد تھے۔ فقہ، حدیث، لغت و ادب کے امام و حافظ تھے، موصوف نے اندلس سے مشرق کا سفر کیا، کتابیں جمع کیں، لے جاتے وقت وہ بحرِ تدمیر میں ڈوب گئیں جب استجہ پہنچے، لوگوں کو اس حادثۂ جانکاہ کا علم ہوا تو پورا شہر اس کی تعزیت کے لیے امنڈ آیا، اہلِ استجہ ان کی بخیر و عافیت واپسی پر مبارک باد پیش کرتے اور ان کی کتابوں کے تلف ہو جانے پر ان کی تعزیت کرتے۔ یہ ان سے فرماتے تھے: "ذَهَبَ الْخُرْجُ وَبَقِيَ الدَّرْجُ" (۲) (ترجمہ): "کتابوں کے بورے چلے گئے، دفینہ بہہ گیا، جو سینہ میں تھا وہ رہ گیا"۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ عباسی میں بنی نوع انسان کے علمی و ثقافتی ورثہ سے محبت ہر ایک کے دل میں کیسی رچ بس گئی تھی کہ ہر ایک کو اس ذخیرہ کے تلف ہو جانے کا صدمہ تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک سے علمی و کتابی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذوق و شوق معاشرہ کے ہر فرد میں کتنا فروغ پا چکا تھا، کسی کی کتابیں ضائع ہو جاتیں تو اس کے ضیاع پر لوگ اس کے گھر پہنچتے، اس کے غم میں شریک ہوتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تحریک شاہ سے گدا تک عام ہو گئی تھی۔

اس تحریک نے اس دور کے مسلم معاشرہ کو اتنا حساس بنایا اور افراد کے تحت الشعور میں کتب و کتب خانوں کی قدر و منزلت اتنی بٹھائی تھی کہ ابو موسیٰ عبد الرحمن کے ذخیرۂ کتب کے ضیاع کو عبد الرحمن کی آپ بیتی نہیں

۱-الفہرست:۶۱۔ ۲-تاریخ العلماء والرواۃ:۱/۳۰۰۔

بلکہ جگ بیتی سمجھا گیا تھا، دنیا کی کسی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ کسی غیر مسلم معاشرہ میں کبھی کتب خانہ کے فروغ کا اتنا شعور پیدا ہوا ہو جتنا عباسی دور میں پیدا ہو چکا تھا۔

۴۱۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بغداد کے عوامی کتب خانوں میں متمدن اقوامِ عالم کے علوم وفنون کے ایسے بیش بہا نوادر جمع کیے گئے تھے کہ ان علوم وفنون کا دلدادہ جب انہیں دیکھ پاتا، وطن اور اہل وعیال ہی کو نہیں حقیقی کعبہ کو بھی بھول جاتا اور یہاں اپنا مقصود پا کر اسی کا ہو رہتا تھا۔ چنانچہ ابومعشر فلکی جو خراسان میں بلخ کا باشندہ تھا حج کے لیے جاتے ہوئے جب راستے میں بغداد سے گزرا اور علی بن یحییٰ المنجم المتوفی ۲۷۵ھ کا کتب خانہ دیکھا تو اس کو دل دے بیٹھا اور کعبۃ اللہ کو جانا ہی بھول گیا تھا۔(۱) بقول شیخ ناسخ بادنیٰ تصرف ؎

مبارک ہو کعبہ تمہیں شیخ جی
یہ بندہ تو بیت الکتب کو چلا

یاقوتِ رومی جب مرو پہنچا اور یہاں کے عوامی کتب خانوں کو اور ان سے استفادہ کی سہولتوں کو دیکھا تو اہل وعیال کو بھول گیا، یہاں سے نکلنا ہی نہ چاہا، چنانچہ کہتا ہے کہ: ”بلادِ اسلامی پر تاتاریوں کی مسلسل یورش نے مجھے مرو شاہجہان کو خیرباد کہنے پر مجبور کیا، ورنہ میں مرو سے زندگی بھر نہ نکلتا، اس کی یاد میں یاقوت کی زبان وقلم سے جو درد انگیز شعر نکلے ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں کتب وکتب خانے ہوتے تھے، اہلِ علم اس سرزمین کے گرویدہ رہتے اور وہیں زندگی کے دن پورا کرنے کی آرزو کرتے تھے۔(۲)

۴۲۔ کتب خانوں کی ترقی اور علمی کارناموں کی وجہ سے مشرق ومغرب (یورپ اور ایشیا) کے نامور خلفاء میں باہم موازنہ ومقابلہ کیا جاتا اور ایک کو دوسرے کا نظیر ومثیل قرار دیا جاتا تھا، چنانچہ ابنِ خلدون نے مشرق میں خلیفہ الناصر بن المستضی عباسی کو حکم ثانی کا نظیر ومثیل بتایا ہے۔(۳)

۴۳۔ علم وکتاب کی اشاعت، اسلام کی اشاعت سے عبارت تھی، اس لیے اربابِ سیف اور اصحابِ قلم میں مقابلہ رہتا تھا، چنانچہ قرطبہ میں اسلام کی خدمت میں ”اصحاب الکتب“ (کتب خانے والوں) اور ”اصحاب الکتائب“ (لشکر والوں) میں مقابلہ رہتا اور ہر ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتا

۱۔ معجم الأدباء: ۵/ ۴۶۷۔ ۲۔ معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔ ۳۔ تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۳۱۷۔

تھا۔(۱)

۴۴-عربوں کو اپنے ثقافتی مرکز اور علمی سرمایہ سے بہت محبت تھی، وہ اپنی اولاد کو ہتھیاروں اور کتابوں کے بازاروں میں جانے کی تاکید کرتے تھے۔(۲)

اس سے یہ وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور انہی کی طرف لوگوں کو جانے کی ترغیب دی جاتی تھی، یہ ترغیب کتب خانوں کی نشر واشاعت اور شہرت کا باعث رہی ہے۔(۳)

۴۵-عالم، جاہل، امیر، غریب، بادشاہ اور فقیر کے کتب خانے کے ذخائر کی کمیت و کیفیت کا تذکرہ کتب تاریخ وتذکرہ میں کیا جانا بھی عوام وخواص میں قیامِ کتب خانہ کی ترغیب کا موجب رہا ہے۔(۴)

۴۶-عہدِ عباسی میں عوامی کتب خانوں کا قیام عام ہو گیا تھا-مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''تمام ممالک اسلامیہ میں سینکڑوں، ہزاروں کتب خانے قائم ہو گئے، کتب خانوں کی کثرت کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ اسی زمانہ کے قریب مدرسوں اور یونیورسٹیوں کی بنیاد پڑی اور ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ہونا ایک لازمی بات قرار پائی۔''(۵)

۴۷-اہلِ علم اپنی تخلیقات کو عوامی کتب خانوں میں وقف کرنے پر اس لیے بھی آمادہ ہوتے تھے کہ اس سے ان کی تخلیقات محفوظ ہو جاتی ہیں اور اس طرح ان کے ضائع نہ ہونے اور آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے رہنے کا اطمینان ہو جاتا تھا۔(۶)

۴۸-مسلمانوں کو کتب و کتب خانوں سے عقیدے کی سی والہانہ محبت تھی، انہوں نے ان کو اس طرح حرزِ جان بنائے رکھا جس طرح انسان عقیدے کو حرزِ جان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اس حقیقت کا ذکر ڈاکٹر اولگاپنٹو نے Cult of Books (کتابی تہذیب) کے الفاظ سے کیا ہے۔(۷)

۴۹-وزراء، امراء اور کتابوں کے شوقین دولت مند کتابوں کے ملنے پر کتاب پیش کرنے والے کو انعام

۱-نفح الطیب: ۲/۹۔ ۲-رسالۃ فی مدح الکتب: ۸/۲۴۰، الآثار: ۲/۲۱۰۔ ۳-کتاب المواعظ والاعتبار: ۲/۱۰۲۔

۴-تاریخ الاسلام: ۳/۱۰۳۵، نفح الطیب: ۲/۱۰-۱۱۔ ۵-اسلامی کتب خانے، مقالات شبلی: ۶/۱۶۷۔

۶-four Gread Libraries of Medieved baghadad Library Qurertery:vol:11

۷-Pakistan Library The Libraries of the Arabs during the time of Abbassies Reveiw.vol:11, no:1، 2

وخلعت سے بھی سرفراز کرتے تھے۔ چنانچہ وزیر کمال الدین امین الدولہ، دمشقی المتوفی ۶۴۸ھ نے ابن ابی اصیبعہ کو ''طبقات الاطباء'' کے پہنچانے پر انعام وخلعت سے سرفراز کیا تھا۔(۱)

۵۰- بادشاہوں کی ریس میں وزیر، امیر بھی اپنے کتب خانوں میں محققین اور شائقینِ کتب کی سہولت و استفادہ کی خاطر دوسری صدی ہجری سے کتب خانہ میں کتاب کے تین تین نسخے رکھنے لگے تھے، تاکہ تحقیق، تصحیح و نقل میں ان مختلف نسخوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاسکے، چنانچہ وزیر ابوالفضل یحییٰ بن خالد برمکی المتوفی ۱۹۰ھ کے خزانۃ الکتب وبیت المدارسۃ میں اس امر کالحاظ رکھا جاتا تھا۔(۲)

محمد بن عبدالملک الزیات کے کتب خانہ میں بھی کتابوں کے متعدد اور اہم نسخے رکھے جانے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔(۳)

۵۱- اوائلِ عہدِ عباسی سے اہلِ ثروت کتب خانوں میں ذخائر میں اضافہ کی خاطر وراق رکھتے تھے، اہلِ علم کو ان کے کتب خانوں سے استفادہ کی سہولت حاصل ہوتی تھی، اس کے باوجود نادار اہلِ علم اپنا کتب خانہ بنانے اور اپنے ذخائر کتب میں تنوع وکثرت کے لیے خود اہل ثروت کے کتب خانوں سے کتابیں نقل کرتے تھے، چنانچہ عامر بن ابراہیم بن واقد مولیٰ ابوموسیٰ اشعری المتوفی ۲۰۱ھ یا ۲۰۲ھ ہیزم فروش، علم وکتب کے شیدائی تھے، موصوف نے یعقوب قمی کے پاس ایک ماہ قیام کیا اور ان کے کتب خانے سے کتابیں نقل کیں پھر نعمان بن عبدالسلام کے کتب خانے میں جا کر ان کی کتابیں نقل کیں۔ لوگوں نے ان سے پوچھا: ''آپ کتابیں کیوں نقل کرتے ہیں''؟ جواب دیا: ''میں جن کے ذخیرۂ کتب سے کتابیں نقل کرتا ہوں ان کے پاس کتب خانہ ہے، وراق ہیں میرے پاس وراق نہیں، میں اپنے لیے خود کتابیں نقل کر کے ذخیرہ کرتا اور کتب خانہ بناتا ہوں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ہی اہلِ علم کو ذاتی کتب خانوں سے نقل و استفادہ کی سہولت حاصل تھی۔(۴)

۵۲- تعلیم، کتابت وقرأت اور کتابوں میں انہماک ہی کو ریاست وسیاست اور زہد و پرہیزگاری کی اصل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ابوعلی صالح بن محمد المتوفی ۲۹۴ھ کا بیان ہے: ''بغداد میں محدث اور معتزلی دو شاعر تھے،

۱- الفہرست: ۷۵-۷۶، تاریخ ابن خلدون: ۴/۳۱۶-۳۱۷۔ ۲- عیون الانباء: ۳/۳۸۶-۳۸۷۔ ۳- کتاب الحیوان: ۱/۶۰۔
۴- معجم الأدباء: ۶/۸۵-۸۶، وفیات الأعیان: ۲/۵۴-۵۵، ذکر أخبار اصبهان: ۲/۳۶۔

معتزلی میرے پاس سے گزرا اور مجھے لکھتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا، صاحبزادے کتنا لکھو گے آنکھیں جاتی رہیں گی، کبڑے ہو جاؤ گے اور وقت سے پہلے چل بسو گے پھر اس نے مجھ سے کتاب لے کر اس پر حسب ذیل شعر لکھے:

إنَّ الْقِرَائَةَ وَالتَفَقُّهَ وَالتَشَاغُلَ بِالْعُلُوْمِ

(ترجمہ): پڑھنا فقہی بصیرت حاصل کرنا اور تحصیلِ علوم میں لگے رہنا،

أَصْلُ الْمَذَلَّةِ وَالْإِضَا قَةِ وَالْمَهَانَةِ وَالْهُمُوْمِ

(ترجمہ): ذلت، فقر و فاقہ، مشقت اور غموں کی جڑ ہے۔

اس کے بعد محدث کا گزر ہوا اور اس نے فوراً یہ کہا: "بَلْ يَرْتَفِعُ ذِكْرُكَ، وَيَنْتَشِرُ عِلْمُكَ، وَيَبْقَى اسْمُكَ مَعَ اسْمِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" بلکہ یہ انہماکِ علمی اور لکھنا پڑھنا تو تمہاری شہرت کا، تمہارے علم کی نشر و اشاعت کا اور تمہارے نام کو آنحضرت ﷺ کے نامِ نامی کے ساتھ تا قیامت باقی رکھنے کا باعث ہے، پھر اس نے یہ شعر پڑھے:

إنَّ التَشَاغُلَ بِالدَّفَا

تِرِ وَ الْكِتَابَةِ وَالدِّرَاسَةِ

(ترجمہ): بلاشبہ کتابوں میں، نقل و کتابت میں اور تعلیم و علم میں انہماک و سرگرمی،

اَصْلُ التَقِيَةِ وَالتَزَ

هُدِ وَالرِيَاسَةِ وَالسِيَاسَةِ(۱)

(ترجمہ): زہد و پرہیزگاری اور ریاست و سیاست کی اصل و بنیاد ہے۔

۵۳- عہدِ عباسی میں تصنیف و تالیف اور کتابت و وراقت، کتب خانہ سازی و ذخیرہ میں اضافہ کا سبب رہی ہیں۔ ان کا شمار علومِ نافعہ میں کیا گیا، ان کا دائمی نفع ہے، یہ دنیا و آخرت میں اجر و مسرت کا موجب ہیں، اس لیے اس کی طرف توجہ دلائی جاتی اور ترغیب دی جاتی تھی۔ عرب کا شاعر کہتا ہے:

مَامِنْ كَاتِبٍ إلاَّسَتَبْقَى كِتَابَتُهُ، وَإنْ فَنِيَتْ يَدَاهُ

۱- تاریخ بغداد: ۹/ ۳۲۳۔

(ترجمہ): ہر کاتب کی تحریر باقی رہ جائے گی اگرچہ اس کے ہاتھ فنا ہو جائیں گے،

فَلاَ تَكْتُبْ بِكَفِّكَ غَيْرَ شَيْئٍ

يَسُرُّكَ فِي الْقِيَامَةِ أَنْ تَرَاهُ (۱)

(ترجمہ): اس لیے تم اپنے ہاتھ سے ایسی یادگار چھوڑو جسے تم قیامت کے دن دیکھ کر خوش ہو جاؤ۔

۵۴- عہد عباسی میں چوتھی صدی ہجری میں علم، مدرسہ، قلم، دوات اور کتابوں کی طرف دلچسپی بڑھائی، عزیزوں اور نوجوانوں کو رغبت دلائی جاتی، تاکہ ان کی علمی ترقی برقرار رہے اور کتب و کتب خانوں میں اضافہ ہوتا رہے، چنانچہ صاحب مقامات، نامور ادیب بدیع الزماں ہمدانی المتوفی ۳۹۸ھ اپنے بھانجے کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

”أَنْتَ وَلَدِي مَادُمْتَ، وَالْعِلْمُ شَانُكَ وَالْمَدْرَسَةُ مَكَانُكَ وَالْمِحْبَرَةُ حَلِيفُكَ وَالدَّفْتَرُ أَلِيفُكَ، فَإِنْ قَصَّرْتَ لاَ أَخَالُكَ“۔ (۲)

(ترجمہ): تم میرے بیٹے ہو جب تک علم تمہاری شان، مدرسہ تمہارا مکان ہے اور دوات قلم تمہارا ساتھی ہے، تم اس میں کوتاہی کرو پھر تمہارا کوئی اور مددگار نہ ہو۔

۵۵- تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں علماء و اہلِ ثروت کی حویلیوں اور محل سراؤں نے عارضی علمی اداروں کی صورت اختیار کر لی تھی۔ وہ علوم و کتب کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کرتے تھے،

ان میں اہلِ علم اور وراقوں کے شب میں قیام کے لیے چالیس، پچاس بستر ے تیار رکھتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ سدوسی نزیل بغداد (۱۸۲-۲۶۲ھ/۷۹۸-۸۷۵ء) کے یہاں چالیس بستر ے صرف وراقوں کے لیے رات میں استعمال کے لیے مخصوص تھے، (۳) دوسرے اہلِ علم کے لیے کتنے بستر ے تھے، اس کا ذکر ہی نہیں، مشہور امام لغت ازہری کا بیان ہے:

”موصوف نے اپنی ”مسند“ صحیح وصاف نقل کرانے پر وراقوں کو دس ہزار دینار اپنے پاس سے ادا کیے تھے“۔ (۴)

۱- العقد الفرید: ۲/ ۲۰۸۔ ۲- الرسائل: ۳۲۰۔ ۳- تاریخ بغداد: ۱۴/ ۲۸۱، المنتظم: ۵/ ۴۳۔

۴- مسند امیر المؤمنین عمر بن الخطاب: ۱۲-۱۴-۱۸۔

ذرا غور فرمائیں اس دور میں ایک ضخیم کتاب پر کتنا خرچہ آتا تھا۔

نامور مصنف وادیب ابوعبید محمد بن عمران مرزبانی (۲۹۲۔۳۸۱ھ/۹۰۹۔۹۹۴ء) نے اپنی حویلی میں پچاس بستر ے اہلِ علم کے لیے رات میں قیام کے لیے رکھے تھے۔(۱)

مورخ صفدی نے اس تفصیل میں جائے بغیر موصوف کی حویلی کے متعلق اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا: ''كَانَ دَارُهُ مَجْمَعَ الْفُضَلَاءِ'' (۲) (ترجمہ): ''مرزبانی کی حویلی اہلِ علم کی اکیڈمی تھی''۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ تذکرہ نگار ومورخین اس قسم کے عارضی علمی اداروں کے لیے جو علوم وکتب کی نشرواشاعت میں سرگرمِ عمل تھے اور جہاں شب گزاری کے لیے بستر ے بھی کثیر تعداد میں رکھے جاتے تھے۔مذکورۂ بالا الفاظ لکھتے ہیں۔

۵۶- تیسری صدی ہجری میں جو قضاۃ وعلماء، پرورش لوح وقلم کرتے، اہلِ علم ومصنفین کی اعانت وحاجت روائی کر کے فروغِ کتب وکتب خانوں کی راہ ان کے لیے ''مالف'' کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا، چنانچہ قاضی ابوعبداللہ احمد بن ابی داؤد بصری ثم بغدادی معتزلی المتوفی ۲۴۰ھ کا شمار اس قسم کے معارف پروروں میں تھا، چنانچہ مشہور عالم لغت ابوبکر بن درید المتوفی ۳۲۱ھ حسن بن خضر سے ناقل ہیں:

''كَانَ ابْنُ أَبِي دَاوُدَ مَأْلَفاً لِأَهْلِ الْأَدَبِ مِنْ أَيِّ بَلَدٍ كَانُوا، وَكَانَ قَدْ ضَمَّ إِلَيْهِ جَمَاعَةً يَعُولُهُم وَيَمُونُهُمْ'' (۳)

(ترجمہ): ابن ابی داؤد ائمہ لغت اور ادیبوں کی محبت والفت کا مرکز تھا، خواہ وہ کسی شہر اور کسی دبستان فکر سے تعلق رکھتا ہو، ایسی ایک جماعت اس سے وابستہ تھی، وہ ان کی حاجت روائی اور کفالت کرتا تھا۔

نامور فقیہ ابوالفرج احمد بغدادی المعروف ابن المسلمہ (۳۳۷۔۴۱۵ھ) کا مکان شرقی بغداد درب سلیم میں واقع تھا، ان کے متعلق مؤرخ خطیب بغدادی کا بیان ہے:

''كَانَ دَارُهُ مَأْلَفاً لِأَهْلِ الْعِلْمِ'' (ترجمہ): ''موصوف کا مکان اہلِ علم کی اکیڈمی تھا''۔(۴)

کبھی تذکرہ نگار لفظ ''مالف'' نہیں لکھتے صرف اتنا لکھنے پر اکتفاء کرتے: ''كَانَ يَحْضُرُ دَارَهُ

۱-مسند امیر المؤمنین عمر بن الخطاب: ۳/۱۳۶، میزان الاعتدال: ۳/۶۷۲۔　　۲-الوافی بالوفیات: ۴/۲۳۶۔

۳-تاریخ بغداد: ۴/۱۵۰، الطبقات السنیۃ: ۱/۳۴۷۔　　۴-تاریخ بغداد: ۵/۶۷، النجوم الزاهرة: ۴/۲۶، ذیل وفیات: ۴۱۵۔

فُصَحَاءُ الْأَعْرَابِ وَعُلَمَاءُ كَذَا وَكَذَا" (ترجمہ): "اس کے گھر فصیحانِ عرب اور ایسے ایسے علماء، فضلاء آتے تھے"، یہ تعبیر ادا بھی معارف پروری اور عظیم کتب خانوں کی نشاندہی کرتی ہے، چنانچہ ابن الندیم الورّاق، وزیر متوکل فتح بن خاقان المقتول کے متعلق رقم طراز ہے:

"كَانَ يَحْضُرُ دَارَهُ فُصَحَاءُ الْأَعْرَابِ وَعُلَمَاءُ الْكُوفِيِّيْنَ وَالْبَصْرِيِّيْنَ" (۱)

(ترجمہ): "اس کے دولت کدہ پر فصحائے عرب اور کوفی و بصری علماء آتے رہتے تھے"۔

یعنی اہلِ علم اس سے وابستہ رہتے اور وہ ان کی ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔(۲)

عہدِ عباسی میں کبھی ایسے مربیانِ علم وفن کے دولت کدہ کی نسبت مقیل (آرام گاہ) کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا، چنانچہ مورخ القفطی نے نامور منطقی ابوسلیمان محمد سجستانی التوفی ۳۰۸ھ (تقریباً) کے متعلق لکھا ہے:

"كَانَ مَنْزِلُهُ مَقِيلاً لِأَهْلِ الْعُلُوْمِ الْقَدِيْمَةِ" (۳)

(ترجمہ): "ابوسلیمان کا مکان شائقینِ علوم قدیمہ کی آرام گاہ تھا"۔

ایسے ہی قدردان علم وفن کے لیے مورخین "دَارُهُ مَجْمَعُ الْفُضَلَاءِ" "دَارُهُ مَجْمَعُ الْعُلَمَاءِ" (اس کا مکان فضلاء کا ٹھکانا اور صلحاء کا مرکز) کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔(۴)

۵۷- عہدِ عباسی میں اہلِ علم کتب خانہ اس لیے بھی رکھتے تھے کہ وہ کتب خانے میں انہماک کو صحابہؓ و تابعینؒ کی صحبت و ہمنشینی سمجھتے تھے، چنانچہ نامور عالم وزاہد شقیق بن ابراہیم بلخی کا بیان ہے:

"عبداللہ بن مبارک ہمارے ساتھ نماز پڑھتے مگر ہماری مجلس میں بیٹھتے نہ تھے، ان سے اس کی وجہ پوچھی فرمایا": "میرا وقت صحابہؓ وتابعینؒ کی مجلس میں گزرتا ہے۔" ہم نے ان سے عرض کیا: "یہاں صحابہؓ وتابعینؒ کہاں ہیں، فرمایا میں کتابیں دیکھتا ہوں، ان کے آثار واقوال اور اعمال کا مشاہدہ کرتا رہتا ہوں پھر تمہارے ساتھ بیٹھ کر کیا کروں!" (۵)

۵۸- عہدِ عباسی میں بعض نابینا عالم جن کا تعلق دیارِ مشرق سے نہ تھا دیارِ مغرب سے تھا، جب کوئی تالیف کرتے ان کے پیشِ نظر سو سے زیادہ کتابیں رہتی تھیں۔ چنانچہ حافظ ابوالقاسم عبدالرحمن سہیلی

۱- الفہرست: ۲۹۔ ۲- ایضاً: ۲۱۲۔ ۳- تاریخ الحکماء: ۱۸۵۔
۴- المنتظم: ۶/۲۸۸۔ ۵- حلیۃ الاولیاء: ۸/۱۶۲-۱۶۵۔

(۵۰۸-۵۸۱ھ/ ۱۱۱۴-۱۱۸۰ء) نے ''الروض الانف'' تالیف کی، اس میں ایک سو بیس سے زیادہ کتابوں سے استفادہ کیا تھا- موصوف کا بیان ہے:

''مَاھُوَ مُستَخرَج مِنْ نَیِّف عَلٰی مِائَۃٍ وَّ عِشرِیْنَ دِیْوَاناً، سِوَیٰ مَا اَنْتَجَہٗ صَدْرِیْ وَ نَقَّحَہٗ فِکْرِیْ، نَتِیْجَۃُ نَظْرِیْ وَ لَقَّنْتُہٗ عَنْ مَشِیْخَتِیْ''(۱) (ترجمہ): ''اس کتاب میں جو پیش کیا گیا وہ ایک سو بیس کتابوں سے لیا گیا ہے، میں نے اپنی بصیرت سے جو حاصل کیا وہ غور و فکر کی تنقیح کا نتیجہ وژرف نگاہی کا ثمرہ ہے اور میں نے اپنے استادوں سے جو حاصل کر کے زینتِ کتاب کیا ہے، وہ اس کے علاوہ ہے-

۵۹- اس تحریک کا یہ اثر وفیض تھا کہ مشرق ہی نہیں مغرب (اندلس) میں بھی بعض نامور عالم کو اس وسیع ذخیرۂ علمی سے جو اس نے اپنے شیوخ و استاذوں سے جن کی تعداد ہزار سے زیادہ تھی، پڑھا، سنا تھا اور وہ اس کی دسترس میں تھا، اس پر اُسے آگہی حاصل تھی، روایت کرتا اور اپنے شاگردوں کو اس سے استفادہ وافادہ کی اجازت دیتا تھا، ان کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد تیرہ چودہ سو کے مابین ہوتی تھی، چنانچہ حافظ ابن خیر اشبیلی (۵۰۲ھ-۵۷۵ھ- ۱۱۰۹ء-۱۱۷۹ء) کی ''فَہرِستُ مَارَوَاہُ عَنْ شُیُوْخِہٖ مِنَ الدَّوَاوِیْنِ الْمُصَنَّفَۃِ فِیْ ضُرُوْبِ الْعِلْمِ وَ اَنْوَاعِ الْمَعَارِفِ'' میں کم وبیش (۱۴۰۰) کتابوں کا ذکر ہے-(۲)

۶۰- اس تحریک کا اثر ہے کہ ابن الندیم کی کتاب ''الفہرست'' جو صرف دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری کے نامور محققین و مصنفین کی تالیفات کی ایک مختصر و مجمل اور نامکمل کتابیات ہے، اس میں بھی مغرب (اندلس) کے مشہور و معروف مصنفین کی تصانیف سے بہت کم اعتناء پایا جاتا ہے- تاہم دیارِ مشرق میں وہ مختلف علوم و فنون میں تصانیف کی کثرت وتنوع اور وسعت کی شاہدِ عدل ہے- بیسویں صدی عیسوی میں کوئی مستشرق دیکھتا اور مسلم معاشرہ میں کتابوں کی نشر و اشاعت کو استفادہ وافادہ کا حال پڑھتا ہے- اس کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:

The Ink of the Learned is as Precious as the Blood of the Martyrs(۳)

۱- الروض الانف: ۳- ۲- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (کتاب) فہرست ابن خیر: ۱:۱-

p:2,The fihuirit of Al.Nadim.vol:1-۳

اہلِ علم کے قلم کی سیاہی ایسی ہی بیش قیمت ومقدس چیز ہے جیسے شہداء کا خون ہے۔

اس مقدس جذبہ نے اربابِ فضل وکمال کو تدوینِ علم اور ہر موضوع پر کتابیں لکھنے پر آمادہ کیا، چنانچہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ کتابیں مرتب کیں اور ہر فن میں مفید ترین کتابیں یادگار چھوڑیں۔

مذکورہ بالا حدیث کو حافظ مغرب، ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے "جامع بیان العلم وفضلہ" (ج۱/۳۰-۳۱) میں یہ روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے، لیکن بیشتر محدثین نے اسے ضعیف ہی نہیں موضوع قرار دیا ہے۔(۱)

تدوینِ علم اور کثرتِ تصانیف حقیقت میں حکم "اِقْرَأْ وَعَلَّمَ بِالْقَلَمِ" اور قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ کا فیضان ہے۔

عہدِ عباسی میں علمی وکتابی ضرورت کی تحریک کے فروغ اور اس کے بنیادی عوامل کو جنہیں ہم نے حکمِ "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" اور "قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ" کے تمدنی جلوے اور عہدِ عباسی میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات کے عنوان سے سطورِ بالا میں پیش کیا ہے۔

یہ ایک ایسا جامِ جم ہے جس کے اندر عہدِ عباسی کی پوری علمی زندگی صاف صاف نظر آتی ہے۔ کتب خانوں کی تاریخ میں اسلامی دور سے پہلے اس طرح کے عوامل نہ کہیں رومیوں میں نظر آتے ہیں نہ ایرانیوں میں، نہ یہ ہندوستانیوں اور چینیوں میں کارفرما دکھائی دیتے ہیں نہ ان کی روشنی سے یونان ومصر روشن ہوا ہے، نہ نینوا و بابل میں یہ عوامل کبھی سرگرمِ عمل دیکھے گئے، اگر ایسا ہوتا تو کتب خانے (Clay Tablates) گلی گلی (Streets) نظر آتے۔

یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ابلاغ کو اتنا عام کیا اور علم کی ایسی اشاعت کی کہ گلی گلی تو کیا گھر گھر کتب خانہ نظر آنے لگا، چنانچہ کتب خانہ سازی عہدِ عباسی میں ایک عالمگیر تحریک کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ امیر، غریب، چھوٹا، بڑا، عورت، مرد ہر ایک اس تحریک سے متاثر ہوا اور اس نے اپنی استطاعت کے مطابق اس

۱-جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/ ۳۰، ۳۱، تاریخ بغداد: ۳/ ۱۹۳، الفردوس الاختبار: ۵/ ۴۸۵، العلل المتناھیہ: ۱/ ۸۰-۸۱، زھر الفردوس: ۴/ ۳۱۷، میزان الاعتدال: ۳/ ۵۱۷، الدرر المنتثرہ: ۵۹، الشذرۃ: ۱/ ۱۲۲، تذکرۃ الموضوعات: ۲۳، تمییز الطیب من الخبیث: ۱۷۰، ۱۷۹، مختصر المقاصد الحسنہ: ۱۷۳، فیض القدیر: ۶/ ۳۶۷، کشف الخفاء: ۱/ ۲۰۰، الفوائد المجموعہ: ۳۸۷، اسنی المطالب: ۱۹۹۔

کے پروان چڑھانے میں حصہ لیا۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ تک یہ تحریک بار آور ہوئی، ہر جگہ پھولی پھلی، شاہی محلات میں بسیرا کیا، وزیروں کے ایوانوں میں رہی، امیروں کے محلوں میں پروان چڑھی، فقیروں کی جھونپڑیوں میں پلی بڑھی، عالم، ادیب، فقیہ، مفسر، شاعر، مفکر، حکیم، صوفی، لغوی، نحوی، مورخ، مہندس، خطاط، وراق، فنکار، صنعت کار، تاجر، مسلمان، عیسائی، یہودی، دیندار، دنیادار، دھریہ، زندیق، پڑھے لکھے، حتیٰ کہ بعض بے پڑھے لکھے کے ٹھکانے میں اپنا ٹھکانہ بنایا۔ نظریاتی طور پر مخالف و برسرِ پیکار گروہوں کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔ ہر ایک کے دل ودماغ کو اس تحریک نے شعوری وغیر شعوری طور پر متاثر کیا۔ عہد عباسی میں ہر شہر، قریہ، بستی، محلہ، گلی، کوچہ، معبد، مسجد، تکیہ، سرائے، محل سرا، مہمان خانہ، خانقاہ، سیرگاہ، گلستان، قبرستان، دریا کے کنارے، مدرسے، ادارے، بازار، دکان، ہر چھوٹی بڑی مرکزی جگہ میں اس نے اپنا علمی مظاہرہ کیا اور کتب خانہ قائم کر دکھایا۔ بادشاہ سے فقیر تک ہر ایک کے یہاں اس کا بول بالا رہا، اس لیے مذکورہ بالا ہمہ اقسام کے کتب خانوں کا تذکرہ اس مقالہ میں کیا گیا ہے۔

❁ ❁❁

(ہ) عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی ترویج واشاعت کے اسباب

عہدِ اسلامی میں عباسی دور کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس دور کے اوائل میں کتابوں اور کتب خانوں کا رواج ہو چکا تھا، چنانچہ کم وبیش ہر نامور عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہوتا تھا۔ ہمارے اس خیال کی تائید حسب ذیل امور سے ہوتی ہے۔

۱- اس دور کے ائمہ فن ایک دوسرے کی کتابوں کا تنقیدی نگاہ سے مطالعہ کرتے اور ایک دوسرے کی تردید میں کتابیں لکھتے تھے۔ یہ امر ان کے پاس ذاتی کتب خانہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے، چنانچہ عبداللہ بن نافع کا بیان ہے:

ابنِ ابی ذئب (۸۰-۱۵۸ھ/ ۶۹۹-۷۷۵ء) عبد العزیز ماجشون (۰۰-۱۶۴ھ/ ۰۰-۷۸۰ء)

ابنِ ابی حازم (۱۰۷-۱۸۴ھ/ ۷۲۵-۸۰۰ء) محمد بن اسحاق (۰۰-۱۵۱ھ/ ۰۰-۷۶۸ء)

امام مالک بن انس (۹۲-۱۷۹ھ/ ۷۱۲-۷۹۵ء) پر تنقید کرتے تھے، ان میں زیادہ سخت محمد بن اسحاق تھا، وہ کہتا تھا میرے پاس ان کی کتابیں لاؤ میں ان کی خامیاں بتاؤں، میں ان کی کتابوں کا سالوتری ڈاکٹر ہوں۔(۱)

امام اوزاعیؒ (۸۸-۱۵۷ھ/ ۷۰۷-۷۷۴ء) نے امام اعظم ابوحنیفہؒ (۸۰-۱۵۰ھ/ ۶۹۹-۷۶۷ء) کی کتاب السیر (جنگی قوانین) کی تردید میں کتاب لکھی تو امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ نے ان کی تردید میں الرد علی سیر الاوزاعی لکھی۔(۲) پھر امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ (۷۴-۱۴۸ھ/ ۶۹۳-۷۶۵ء) کے اختلافاتِ فقہی پر "اختلاف ابی حنیفہؒ وابن ابی لیلیٰ" لکھی۔(۳) امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ نے امام مالکؒ کی تردید میں "کتاب الحجۃ" تصنیف کی۔(۴) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک عالم کا ذخیرۂ کتب دوسرے عالم کے پیش نظر رہتا تھا۔

۲- یہ ائمہ فن اور علماء ایک دوسرے سے کتابیں مستعار لیتے تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ مورخ ابن

۱- تاریخ بغداد: ۴/ ۲۲۴۔ ۲- الرد علی سیر الاوزاعی (المقدمۃ لابی الوفاء)۔ ۳- اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ: ۳ (المقدمۃ لابی الوفاء)۔ ۴- الحجۃ علی اھل المدینۃ: ۱۲-۱۳۔

سعد کاتب واقدی المتوفی ۲۳۰ھ سے مورخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ کی تصانیف مستعار لے کر مطالعہ کرتے تھے۔(۱)

امام شافعی امام محمد سے کتابیں لے کر پڑھتے تھے۔(۲) امام مالک امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔(۳)

۳- ائمہ فن اور اکابر علماء، اہلِ علم کو دوسرے ائمہ فن کے ذخیرہ علمی کو پیشِ نظر رکھنے، حاصل کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کرنے کی ترغیب دیتے اور تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ امام شافعیؒ امام اعظم کے سرمایہ علمی کے متعلق فرماتے تھے: "اَلنَّاسُ فِی الْفِقْهِ عِیَالٌ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ" (۴)

(ترجمہ): "فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں"۔

۴- رحلہ: (Travel for resarch work) جس کی تاسیس اور ترویج و اشاعت کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے، تمام علوم، خاص طور پر تین اسلامی علوم: تفسیر، حدیث، فقہ وہ علوم تھے اور ہیں جن میں استنباطِ مسائل و استخراجِ معانی کا سلسلہ برابر قائم ہے اور اس کا میدان بھی بہت وسیع ہے- عہدِ عباسی میں ہر بڑا عالم اپنی زندگی کا قیمتی حصہ اس کے معانی پر غور کرنے، سمجھنے اور ان سے مسائل استنباط کرنے میں صرف کرتا تھا، ان کے علمی ذخائر کو حاصل کرنے کے لیے سفر نہایت ضروری تھا، اس لیے عہدِ عباسی میں مفسرین، محدثین، فقہاء، مشرق و مغرب کے دور دراز ممالک کا سفر کرتے تھے، پھر دوسرے علوم کی تکمیل و تحصیلِ کتب کے لیے بھی اس طرح سفر کیا جانے لگا تھا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اس سفر (رحلہ) کی غرض و غایت علوم وفنون میں تحقیق و تدقیق (باریک بینی)، استادانِ فن کے ذخیرۂ کتب و کتب خانوں کی تحصیل اور ان کی نشر و اشاعت تھی۔ یہ رحلہ اس مقصد سے کیا جاتا تھا، چنانچہ ابوسفیان محمد یشکری معمری المتوفی ۱۸۲ھ کے متعلق علامہ سمعانی رقمطراز ہیں:

"اِنَّمَا اشْتُهِرَ بِهٰذِهِ النِّسْبَةِ لِرِحْلَةِ اَبِیْ مَعْمَرِ بْنِ رَاشِدٍ بِصَنْعَاءَ وَلِتَحْصِیْلِهٖ کُتُبَهٗ وَحَدِیْثَهٗ" (۵)

موصوف کو معمر بن راشد صنعانی کی طرف نسبت سے شہرت اس لیے حاصل ہے کہ موصوف نے یہ سفر

۱- تاریخ بغداد: ۵/ ۳۲۲۔ ۲- البدایہ والنھایہ: ۱۰/ ۲۰۲-۲۰۳۔ ۳- تانیب الخطیب: ۳۔

۴- مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ: ۱۹۔ ۵- الانساب: ۵۳۶-۵۳۷، معری: ۵/ ۳۴۵، اللباب: ۳/ ۲۳۶-۲۳۷/ ۱، العبر: ۲۱۴۔

ان کی کتابیں اور حدیثیں جمع کرنے کے لیے ان کی طرف کیا تھا اور خالد بن نزار ایلی کا بیان ہے:

"رَحَلْتُ بِكُتُبِ ابْنِ جُرَيْجٍ سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةٍ فَوَجَدْتُهُ قَدْ مَاتَ"۔(۱)

(ترجمہ): میں نے ابنِ جریج کی طرف ۱۵۰ھ میں سفر کیا جب ان کے پاس پہنچا تو اس وقت ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

رحلہ نے ایشیا، افریقہ اور یورپ (اندلس) کے اسلامی ممالک و بلاد و قصبات میں علوم وفنون کے باہمی ربط وامتزاج پر گہرا اثر چھوڑا، مختلف موضوعات پر ایک خطہ کے اہلِ علم کو دوسرے خطہ کے اہلِ علم کی گونا گوں علمی و تحقیقی سرگرمیوں اور ان کے علمی ذخائر سے باخبر رکھا۔(۲)

اس سے ۱- اسلامی قلمرو میں علوم وکتب کی نشر واشاعت میں اضافہ ہوا، ۲- طرق (اسانید) احادیث بڑھ گئیں، ۳- نامور اہلِ علم کو ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مدد ملی، ۴- ایک کے دوسرے پر جوہر کھلے، ۵- اسلامی قلمرو کے ہر خطہ میں علوم وفنون کی بڑھ چڑھ کر خدمات کرنے کا جذبہ ابھرا اور ۶- ہر طرف علوم و فنون کی گرم بازاری ہوئی۔(۳)

رحلہ سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی قلمرو کے مرکزی قلمرو میں ہی نہیں، بعض چھوٹے شہروں اور قصبوں میں بھی مدارسِ علم وفقہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو چکی تھی، اس لیے تکمیلِ علوم وتحصیلِ کتب کے لیے ان کی طرف سفر کرنا ناگزیر ہو گیا تھا، جیسا کہ: یاقوت کی "معجم البلدان" اور علامہ سمعانی کی "کتاب الانساب" کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔

رحلہ کی بدولت شاگردوں کے استادوں سے تعلقات استوار تر ہو جاتے تھے، پھر وہ مراسلت ومکاتبت کے ذریعے پیش آمدہ علمی اشکالات بآسانی حل کرتے رہتے تھے۔(۴)

اسلامی قلمرو کے بلاد وقصبات میں اربابِ کمال وائمہ فن کی بکثرت سکونت کی وجہ سے ان کی طرف علمی سفر کیا جاتا تھا، جس سے ان بلاد کو شرف وشہرت حاصل ہو جاتی تھی۔ چنانچہ عربی شاعر کہتا ہے:

وَمَا شَرَفُ الْأَوْطَانِ إِلاَّ رِجَالُهَا
اَلاَّ فَلَاَ فَضْلَ تُرْبٍ عَلٰى تُرْبٍ

۱- العبر ۱/۲۶۷۔ ۲- احسن التقاسیم: ۵۔ ۳- الامام الأوزاعی: ۴۲-۴۳۔ ۴- ایضاً۔

(ترجمہ): بلدان و اوطان کو شرف صرف اہلِ علم سے حاصل ہوتا ہے ورنہ کسی خطہ کو کسی خطہ پر کوئی فضیلت و برتری نہ ہو۔ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مقدس سفر علوم وفنون میں اختصاص حاصل کرنے اور اساتذۂ فن کے فیوض علمی، ان کی کتابوں اور ان کے کتب خانوں کی ترویج واشاعت کے لیے کیا جاتا تھا۔

۵- عہدِ عباسی میں ہر طالب علم اپنے استادوں کی امالی (Lectures) قلمبند کرتا، ان کی کتابیں جمع کرتا، انہیں جی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، اس لیے انہی کتابوں کے نسخے اس کے لیے سند ہوتے تھے، اکثر ان پر اس کے شیوخ واساتذہ کے دستخط ہوتے یا ان سے پڑھنے کی صراحت ہوتی تھی۔

اس قسم کے نسخوں کو ''الاصول'' کہا جاتا تھا، اس دور میں ہر فن کا طالب علم اس نوع کا ذخیرۂ کتب دورِ طالب علمی سے جمع کرنے لگتا تھا، جو اس کے پاس تحصیلِ علوم کے زمانے تک بہت بڑی تعداد میں جمع ہو جاتا تھا اور آئندہ اہلِ علم کو نقل کرنے، پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے لیے عاریۃً دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مؤرخ ابنِ سعد کاتب واقدی کے مذکورۂ بالا واقعہ سے ثابت ہے کہ یہ علماء ''الاصول'' کو اشاعت کے لیے اپنے پاس رکھتے تھے، چنانچہ نامور محدث ابو سہیل ہارون بن احمد الاستر آبادی المتوفی ۳۶۴ھ جن کے متعلق حاکم نیشاپوری نے لکھا ہے: ''کَانَ صَحِیْحَ الْأُصُوْلِ، کَثِیْرَ الْحَدِیْثِ'' (۲) (ترجمہ): ''موصوف کے پاس کتابوں کے اصل صحیح نسخے تھے، بہت حدیثیں تھیں''۔ مورخ مستغفری نے ''تاریخ نسف'' میں لکھا ہے کہ یہ روزانہ ظہر کی نماز کے بعد مقصورہ پر املاء کراتے تھے جن میں عام اہلِ علم اور امیر زادے شرکت کرتے تھے، میں بھی اپنے بھائی، چچا، خدام اور اتالیق ابو علی منصور بن محمد کے ہمراہ ان کی کئی مجلسوں میں شریک ہوا تھا، اس وقت میری عمر دس برس کی تھی، میرے سماع اَحادیث کا آغاز انہی مجالس املاء سے ہوا تھا، موصوف جامع مسجد اور ابو القاسم عبداللہ کی محل سرا میں جو انہیں اپنے فرزند ابو نصر کی تعلیم کے لیے بخارا میں لایا تھا ''اَحَادِیْثُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ أَبِیْ الْوَلِیْدِ الطَّیَالِسِیْ وَ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ بَشَّارٍ وَ غَیْرِهِمَا'' نیز ''اخبار مکہ'' اور اپنے فوائد پڑھاتے تھے، جو کچھ لوگوں نے ان سے سنا اور حاصل کیا تھا وہ ''خان بزازین'' کے فتنہ صفر ۳۷۴ھ میں برباد ہوا اور اس کی مسموعات میں سے لوگوں کے پاس بہت تھوڑا رہا تھا۔ (۳)

۱- المنوع المغربی: ۸۹۔ ۲- الانساب: ۱/ ۲۰۲۔ ۳- ایضاً: ۱/ ۲۰۳۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عام اہلِ علم استاد سے جو پڑھتے وہ لکھ لیتے تھے۔ ان کا ذخیرۂ علمی کتابوں کی صورت میں ان کے پاس محفوظ ہوتا تھا، وہ گاہ بگاہ حوادثِ روزگار سے ضائع ہوتا تھا، جیسا کہ ابوسہیل کا املاء کرایا ہوا ذخیرۂ کتب بلوے میں برباد ہوا تھا۔ ابوموسیٰ ہارون بن محمد جوینی المتوفی ۳۱۳ھ بلند پایہ ادیب وفقیہ تھے، نیشاپور میں پڑھا اور بغداد میں لکھا تھا موصوف کے متعلق حاکم نیشاپوری کا بیان ہے:

"اِذَا وَرَدَ الْبَلَدَ يَهَشُّ مَشَايِخُنَا" (۱) (ترجمہ): "موصوف کا جب نیشاپور میں ورود ہوتا تو ہمارے مشائخ کو ان کی آمد سے خوشی ہوتی تھی"۔ موصوف کی آمد سے خوشی کا اصل سبب ان کا علم اور ان کا وہ علمی ذخیرہ تھا جو عام اہلِ علم کے علم میں اضافہ کا سبب ہوتا تھا۔

۶- اساتذہ کا اپنے شاگردوں کو کتابوں کی روایت کی اجازت دینے کا چلن شروع سے تھا، ان اقسامِ اجازت میں سے جن کا رواج فروغ علم کی وجہ سے عہدِ عباسی میں زیادہ تھا، چوتھی قسم "مناولہ" بھی ہے: اس میں شیخ اپنا اصلی نسخہ یا اس کی نقل شاگرد کو دیتا، خواہ مالک بنا دیتا، خواہ عاریۃً دیتا تاکہ طالب علم اس کو نقل کرکے اس کا مقابلہ کرے۔ (۲) اس سے بھی استاد، شاگردوں کے ذخیرۂ علمی میں اضافہ کرتا تھا۔ دستور کے مطابق ہر پڑھا لکھا ذخیرۂ کتب رکھنے کا پابند ہوتا تھا۔

۷- عہدِ عباسی میں اپنے نوشتہ کے علاوہ بیان کرنا بھی عالم کی غلطی سمجھی جاتی تھی، (۳) اس لیے بھی ذاتی کتب خانوں کا اس دور میں بکثرت قیام عمل میں آیا اور انہیں غیر معمولی فروغ حاصل رہا۔

۸- یہ بھی حقیقت ہے کہ عہدِ عباسی میں تاریخ، تذکرہ اور طبقات کی کتابوں میں بلند پایہ شخصیتوں، صاحبِ فن اور مشہور ومعروف عالموں کا تذکرہ ہی قلمبند کیا جاتا تھا، جن کے علوم کا دریائے فیض علمی وکتابی اور تدریسی خدمات کی صورت میں رواں تھا، چنانچہ ابوالطیب عبدالواحد نحوی المتوفی ۳۵۱ھ "مراتب النحویین" میں رقمطراز ہیں:

"ہم نے کتاب میں جس ترتیب پر علماء اہلِ عراق کا ذکر کیا ہے، ان پر علمِ اعراب ختم ہوا ہے اور یہ وہ

۱- الأنساب: ۱/۷۶۔ ۲- الالماع: ۸۸، الکفایۃ فی علوم الروایۃ: ۳۳۰، علوم الحدیث: ۱۴۶-۱۴۷، فتح المغیث: ۲/۹۹-۱۱۱، الباعث الحثیث: ۱۲۳، ۱۲۴، الخلاصہ فی اصول الحدیث: ۱۱۰-۱۱۱، تدریب الراوی: ۲/۴۴-۵۱، توضیح الأفکار: ۱/۳۲۹۔ ۳- عیون الأخبار: ۲/۱۳۰۔

اصحاب کتب و مرجع علم وفن تھے جن سے علمِ اعراب میں رجوع کیا جاتا اور مشکل مسائل کو حل کیا جاتا تھا، اس سلسلے کے علماء میں ہم نے اگر کسی کو چھوڑا ہے تو اس کی حسب ذیل تین وجوہ ہیں''۔

۱- یا تو وہ امامِ فن نہیں تھا، اس کے قول پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔

۲- یا اس کا کوئی ایسا شاگرد نہیں نکلا جو اس کے نام کو زندہ رکھتا۔

۳- یا اس نے کوئی ایسی تالیف نہیں چھوڑی جس کی نشر و اشاعت اہلِ علم ضروری سمجھتے ہوں، جیسا کہ ہمارا یزیدیوں کے تذکرہ سے صرف نظر کرنا، حالانکہ ان کا گھرانہ ایک علمی خانوادہ تھا، یہ سب اپنے جدامجد ابو محمد یحییٰ بن مبارک یزیدی کی طرف نسبت رکھتے ہیں اور وہ ابوزید، اصمعی، ابوعبیدہ اور کسائی کے طبقہ کا عالم تھا، اس نے علوم کی تحصیل ابوعمرو عیسیٰ بن عمرو یونس اور ابوالخطاب سے کی ہے، انہوں نے ابوعمرو سے قراءات مشہورہ روایت کی ہے جو لوگوں میں متداول ہے، مگر اس کا علم رواۃ میں قلیل ہے، البتہ اس کی اولاد اور اس کے خانوادہ میں اس کا چرچا زیادہ ہے، وہ ثقہ، امین اور قدیم و بلند رتبہ عالم تھے۔(۱) موصوف نے ایک مقام پر لکھا: ''اِنَّ شُهْرَةَ الْعَالِمِ بِمُصَنَّفَاتِهٖ وَالرِّوَايَةِ عَنْهُ.''(۲)

(ترجمہ): ''عالم کی شہرت ہی اس کی تصانیف اور اس سے روایت کرنے والوں (شاگردوں) سے ہوتی ہے''۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں کسی عالم کی شہرت اس کی تصانیف (علمی ذخیرہ) اور شاگردوں سے ہوتی تھی۔

اس لیے تذکرہ نگار جب کسی عالم کا تذکرہ لکھتے ہیں تو اس کے حالات میں تصریح کرتے ہیں کہ:

۱- اس نے کن سے پڑھا، ۲- کہاں پڑھا، ۳- کن فنون میں کمال پیدا کیا، ۴- کہاں املاء کرایا، ۵- کہاں وعظ کہا، ۶- کہاں مناظرہ کیا، ۷- کیا کیا لکھا، ۸- کن اہلِ علم اور اربابِ فن کو اس سے تلمذ کا فخر حاصل رہا، ۹- کن مسجدوں، مدرسوں، سرایوں، تکیوں میں پڑھایا، ۱۰- کن خانقاہوں اور مشہدوں میں فروکش رہا، ۱۱- کن اہم مقامات میں وہ سفر کرتے ہوئے ٹھہرا، یہ وہ مقامات تھے جہاں عموماً کتب خانے قائم کیے جاتے تھے۔

چنانچہ ابوسلمہ نصر شاشی ایلاقی المتوفی بعد ۳۹۰ھ جو ایلاق کے قائدین میں سے تھے شاش میں رہتے

۱- مراتب النحویین: ۸۵۔ ۲- ایضاً: ۹۸۔

تھے۔ ہیثم بن کلیب سے پڑھا تھا، امام بخاریؒ سے بیک واسطہ حدیث روایت کرتے تھے، لوگوں نے ان سے بہت حدیثیں لکھی تھیں۔(۱) مؤرخ ابوسعد ادریسی کا بیان ہے:

''موصوف حج کے لیے جاتے ہوئے سمرقند آئے اور ''باب دستان'' کے پاس ''رباط انا میر'' میں اترے تو ہمارے اصحاب نے ان سے لکھا اور میں نے موصوف سے شاش میں ۳۰۷ھ سے پہلے لکھا تھا'' (۲)

۹- عہدِ عباسی میں کم وبیش ہر عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہونا مبالغہ نہیں حقیقت ہے، کیوں کہ اوائلِ عہدِ عباسی میں ایسے ایسے ائمہ فقہ، ائمہ حدیث، ائمہ لغت، ائمہ نحو وادب کے پاس ذاتی کتب خانوں کا سراغ ملا ہے جن کے پاس کتب خانوں کا نام سن کر لوگوں کو تعجب ہوگا۔(۳)

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ/ ۶۹۹-۷۶۷ء)

امام مالک (۹۲-۱۷۹ھ/ ۷۱۲-۸۰۴ء)

امام اوزاعیؒ (۸۸-۱۵۷ھ/ ۷۰۷-۷۷۴ء)

امام ابویوسف (۱۱۳-۱۸۲ھ/ ۷۳۱-۷۹۸ء)

امام محمد (۱۳۱-۱۸۹ھ/ ۷۴۸-۸۰۴ء)

امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ/ ۷۶۷-۸۲۰ء)

امام احمد (۱۶۴-۲۴۱ھ/ ۷۸۰-۸۵۵ء)

امام بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ/ ۸۱۰-۸۷۰ء)

امام مسلم (۲۰۴-۲۶۱ھ/ ۸۲۰-۸۷۵ء)

امامِ فن جرح وتعدیل ابوزرعہ عبیداللہ رازی (۲۰۰-۲۶۴ھ/ ۸۱۵-۸۷۸ء)

امامِ لغت وادب خلیل بن احمد بصری (۱۰۰-۱۷۰ھ/ ۷۱۸-۷۸۲ء)

امامِ نحو ثعلبؒ (۲۰۰-۲۹۱ھ/ ۸۱۶-۹۰۴ء) وغیرہ کے پاس ذاتی کتب خانے موجود تھے۔ یہ ائمہ فن اپنی خداداد و مجتہدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے سرچشمۂ علوم تھے، ان کی مہارتِ فن، جلالتِ شان اور زبردست حافظہ کے پیشِ نظر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ابتدائی دور میں یہ اپنے ذاتی کتب خانوں کے ذریعے علوم وفنون کی

۱- الانساب: ۱/ ۴۱۳۔　۲- ایضاً۔　۳- انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۳۸۔

تدوین کرتے، انہیں فروغ دیتے، اور کتب و کتب خانوں کے ترقی پذیر سلسلہ کو پروان چڑھانے کی سعی پیہم کر رہے تھے۔ ان میں بعض ائمہ فن ایسے بھی تھے مثلاً: ثعلب جن کے متعلق ان کے معاصرین نے تصریح کی ہے کہ درس اور ملاقات کے وقت ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی، اس کے باوجود ان کے پاس کتب خانہ تھا یعنی ذاتی کتب خانہ نہ ہونے کی دلیل کے باوجود ان کے پاس ذاتی کتب خانہ موجود تھا۔(۱) ابو بکر محمد بن قاسم انباری نحوی (۲۷۱-۳۲۸ھ/ ۸۸۲-۹۴۰ء) جن کے متعلق تذکرہ نگاروں کا بیان ہے:

"كَانَ يُمْلِيْ مِنْ حِفْظِهٖ وَمَا كُتِبَ عَنْهُ الْإِمْلَاءُ قَطُّ إِلَّا عَنْ حِفْظِهٖ" (۲)

(ترجمہ): "موصوف اپنے حافظہ سے املاء کراتے تھے ان سے املاء زبانی ہی لکھی گئی ہے"۔

یہ مذکورۂ بالا بیان موصوف کے پاس کتب خانہ نہ ہونے کی دلیل ہے حالانکہ ان کے پاس زبردست کتب خانہ تھا(۳) ان حقائق کی روشنی میں مذکورہ بالا دعویٰ کہ "عہدِ عباسی میں کم و بیش ہر عالم کے پاس نجی کتب خانہ تھا، کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں۔

امام ثعلب کے مذکورۂ بالا واقعہ سے یہ امر بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ دوسری تیسری صدی ہجری میں درس اور ملاقات کے موقع پر کسی عالم کے ہاتھ میں کتاب کا نہ ہونا موجب حیرت و تعجب تھا۔ یہ اس حقیقت کا نہایت بیّن ثبوت ہے کہ اس دور میں اہلِ علم کا اپنے پاس کتابیں اور کتب خانہ رکھنا معمول بن گیا تھا اور ان کو کتابوں سے ایسا شغف ہو گیا تھا کہ درس کے وقت ہی نہیں ملاقات کے وقت بھی ان کے ہاتھ سے کتاب نہیں چھوٹتی تھی۔ یہ تاریخی شہادتیں دائی کتب خانوں کے وجود کو ہی ثابت نہیں کرتیں، بلکہ ذاتی کتب خانوں کی کثرت کی بھی شاہد عدل ہیں۔

مشہور مؤرخ محمد بن عمر واقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ/ ۷۴۷-۸۲۳ء) جن کے ذاتی کتب خانہ میں ایک سو بیس بار شتر کتابیں تھیں، مورخین و تذکرہ نگاروں نے صرف واقدی کے کتب خانے کا ذکر بھی ایک خاص واقعہ کی وجہ سے کیا ہے کہ انہیں بغداد کے مغربی حصہ سے مشرقی حصہ میں مکان تبدیل کرنا پڑا تو کتابیں ایک سو بیس اونٹوں پر لے جانی پڑی تھیں، ورنہ ان کے معاصرین میں سے ہر ایک کے پاس اس سے بھی زیادہ کتابوں پر مشتمل کتب

۱- طبقات النحویین واللغویین: ۱۲۶، انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۴۸، معجم الأدباء: ۲/ ۱۴۴-۱۴۵۔ ۲- الأنساب: ۱/ ۳۵۴۔

۳- تاریخ بغداد: ۳/ ۱۸۲، نزھۃ الألباء: ۱۸۷، طبقات الحنابلۃ: ۲/ ۷۰۔

خانہ موجود تھا، چنانچہ مورخ واقدی کا بیان ہے:

"مَامِنْ أَحَدٍ اِلاَّ وَ کُتُبُهٗ أَکْثَرُ مِنْ حِفْظِهٖ وَ حِفْظِیْ أَکْثَرُ مِنْ کُتُبِیْ"(۱)

(ترجمہ): "میرے معاصرین میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی کتابیں اس کے حفظ سے زیادہ نہ ہوں البتہ میرا حفظ میری کتابوں سے زیادہ ہے"۔

مورخ واقدی کے مذکورۂ بالا بیان میں "مامن أحد" کے الفاظ عام ہیں جو شاہانِ عباسی کے زیرِ نگیں پورے اسلامی قلمرو کے معاصر علماء پر یکساں صادق آتے اور منطبق ہوتے ہیں، لیکن کسی وجہ سے اگر اس کا دائرہ خاص علماء اور نامور اربابِ فن تک محدود رکھا جائے تو بھی دوسری تیسری صدی ہجری میں بغداد میں ذاتی بڑے کتب خانوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہونا چنداں بعید نہیں۔

مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے مورخ واقدی کے تمام مشہور معاصرین کا تذکرہ قلمبند کیا ہے، لیکن معدودے چند کے سوا کسی کے کتب خانے کا ذکر ان کے یہاں نہیں ملتا، جو ہمارے اس دعوے کی نہایت قوی دلیل ہے کہ عہدِ عباسی میں کتب خانے مسلم معاشرے کے لوازمِ زندگی بن چکے تھے اور کم وبیش ہر ایک عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہوتا تھا، اس لیے ہر ایک کے تذکرہ میں اس کے کتب خانے کے ذکر کرنے کا چنداں اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اہلِ علم کا ذخیرۂ علمی اتنی وسعت اختیار کر گیا تھا کہ اتفاق سے اگر کسی نامور عالم یا اہلِ فن کے یہاں گھر کے کسی کونے میں رکھا ہوا ذخیرۂ کتب دکھائی دیتا تو اہلِ علم کی نظروں میں سماتا نہیں تھا، حیرت وتعجب سے پوچھا جاتا کہ کیا جناب کے پاس کل اتنا ہی کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن سفیان زیادی المتوفی ۲۴۹ھ کا بیان ہے:

"ایک شخص خراسان سے اصمعی المتوفی ۲۱۶ھ کے پاس آیا جب وہ اصمعی سے مانوس ہوگیا تو اس نے ان سے ایسے موقع پر پوچھا جب وہ گھر تشریف فرما تھے کہ جناب کی کتابیں کہاں ہیں؟ اصمعی نے "زاویہ بیت" گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا، اس نے اسے بہت تھوڑا سمجھا اور کہا بس اتنا ہی ہے، اصمعی نے کہا حقیقت میں یہ (اپنی قدرو قیمت کے اعتبار سے) بہت ہے۔"(۲)

۱- تاریخ بغداد: ۳/۶، معجم الأدباء: ۷/۵۷، عیون الأثر: ۱/۱۸۔ ۲- مراتب النحویین: ۴۹-۵۰۔

اس دور میں ارباب کمال کی اسلامی قلمرو میں جیسی کثرت تھی، اس کا اندازہ صرف بصرہ میں ارباب فن کی تعداد سے کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ واقدی کے معاصر اور خلیل بن احمد بصری کے نامور شاگرد نضر بن شمیل (۱۲۲-۲۰۳ھ/ ۷۴۰-۸۱۹ء) نے اپنی تنگ دستی کی وجہ سے جب بصرہ کو خیر باد کہا اور خراسان کا رخ کیا تو تین ہزار اہلِ علم انہیں رخصت کرنے مربد تک گئے تھے، ان کے متعلق ابوعبیدہ کا بیان ہے:

''نضر بن شمیل کو رخصت کرنے والوں میں کوئی، ۱- جلیل القدر محدث، ۲- کوئی نحوی، ۳- کوئی لغوی، ۴- کوئی عروضی اور ۵- کوئی اخباری تھا''۔(۱) مربد میں نضر نے ان اربابِ کمال سے کہا تھا کہ مجھے بصرہ میں ایک دوروٹی بھی پیٹ بھر کر کھانے کو ملتی تو میں بصرہ کو چھوڑ کر نہ جاتا۔ نضر بن شمیل کا کتب خانہ تھا اور جو علماء علم وکتب اور کتب خانوں کے فروغ وترقی میں سرگرمِ عمل تھے، انہیں وطن سے نکلنے نہیں دیا جاتا تھا، اس لیے نضر بن شمیل نے اہلِ بصرہ سے یہ بات کہی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی نامور عالم کسی شہر میں اقامت پذیر ہوتا اور اس کی مساعئ جمیلہ سے اس بستی یا شہر میں علم اور کتابوں کو فروغ وترقی ہوتی تو اس کا وہاں سے نکلنا اہلِ شہر کو گوارا نہ تھا۔ چنانچہ معمر بن راشد صنعانی المتوفی ۱۵۳ھ جو بصری تھے صنعاء کو چھوڑ کر بصرہ آنا چاہا تو اہلِ صنعاء نے صنعاء میں ان کی شادی کر دی اور پھر ان کا صنعاء سے نکلنا نہ ہوسکا۔(۲)

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ جن اربابِ فن سے شہر، بستی اور کوچہ کو فخر حاصل ہوتا تھا، ان کو شہر اور بستی میں رکھنے کی ہر تدبیر کی جاتی تھی، انہیں جمالیاتی اور سماجی بندھنوں میں باندھا جاتا تاکہ رفاقت کی وجہ سے داغِ مفارقت نہ دے سکیں۔

ابوعبیدہ نے نضر بن شمیل کا مذکورۂ بالا واقعہ کتاب ''مثالب اہلِ بصرہ'' میں اہلِ بصرہ کی مذمت بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے، جس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوئی، ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ بصرہ جیسا چھوٹا سا شہر تین ہزار ایسے گوناگوں باکمال علماء سے آباد تھا، وہ علماء جو نضر بن شمیل کو رخصت کرنے نہیں گئے یا نہیں جاسکے تھے، ان کی تعداد کا تو کوئی علم نہیں۔ ظاہر ہے ایسے علم دوست اور علماء کے قدر دانوں کے متعلق واقدی کی مذکورۂ بالا

۱-طبقات النحویین واللغویین: ۵۳، معجم الأدباء: ۷/ ۲۱۹۰، انباہ الرواۃ: ۳/ ۳۴۹، وفیات الأعیان: ۲/ ۱۶۱، الفلاکۃ والمفلوکون: ۸۷۔

۲-تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۲۴۵۔

شہادت کی موجودگی میں یہ کہنا درست ہے کہ ان تین ہزار علماء وفضلاء کے پاس نجی کتب خانوں کا ہونا ظاہر و باہر ہے۔

علماء اور ارباب کمال کی اتنی بڑی تعداد جہاں آباد ہوتی تھی، ایسے شہر اور ایسی بستی کے لیے بلادِ اسلامی کے جغرافیہ نویس علامہ سمعانی لکھتے ہیں:

"هٰذِهِ النِّسْبَةُ إِلَى الْبَصْرَةِ وَشُهْرَتُهَا اَغْنَى عَنْ ذِكْرِهَا لٰكِنْ ذَكَرْتُهَا لِكَيْ لَا يَخْلُوَا الْكِتَابُ عَنْهَا" (۱) (ترجمہ): "یہ بصرہ کی طرف نسبت ہے اور اس کی شہرت نے مجھے اس کے ذکر سے مستغنی کر دیا ہے، لیکن میں نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ کتاب اس کے ذکر سے خالی نہ رہے۔"

"وَالْمَنْسُوْبُوْنَ اِلَيْهَا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَحْصَوْنَ" (۲) (ترجمہ): "اور بصرہ کی طرف اہلِ علم کی اتنی بڑی تعداد منسوب ہے کہ شمار نہیں کی جا سکتی۔ اسی علمی ثروت کی وجہ سے بصرہ کو "خزانۃ العرب" کہا جاتا تھا۔" (۳)

اس قسم کی معلومات مذکورہ تاریخ وطبقات کی کتابوں کے علاوہ انساب وجغرافیۂ بلاد کی کتابوں میں بھی بکثرت ملتی ہیں، ان کی اصل غایت: ۱- اس عالم کے حدودِ استفادہ وافادۂ علمی کو بیان کرنا، ۲- اس کے حلقۂ اثر کو بتانا، ۳- اشاعتِ علم، ۴- کتابوں اور کتب خانوں کے فروغ وترقی میں اس کی مساعیٔ جمیلہ کو بیان کرنا، ۵- اس کے ذخیرۂ کتب سے اس خطہ کے اہلِ علم کے استفادہ وفیضِ عام کی صراحت کرنا ہوتا تھا، اس لیے تذکرہ نگار اس عالم کا جو پہلی مرتبہ کسی امامِ فن کے ذخیرہ سے کسی خاص خطۂ ارضی اور کسی خاص اسلامی شہر کو روشناس کراتا تھا، اس کا تعارف "اَوَّلُ مَنْ اَدْخَلَ كُتُبَ فُلَانٍ" (۴) (ترجمہ): "موصوف سب سے پہلے فلاں کی کتاب لے کر پہنچے تھے" کے شاندار الفاظ سے کراتے تھے۔

۱- الانساب: ۱/ ۲۵۳۔ ۲- معجم البلدان: ۱/ ۴۴۰۔ ۳- الانساب: ۱/ ۲۵۳۔
۴- تاریخ الاسلام: ۳/ ۷۸۰، المذاہب الفقہیۃ الاربعۃ: ۶۵، ۸۲، ۸۳۔

عہدِ عباسی میں مورخین اور تذکرہ نگاروں کا طبقات، (۱) مکاتبِ فکر، (۲) ادوار، (۳) اقالیم وممالک، (۴) انساب، (۵) القاب، (۶) اور کنی (۷) پر کتابیں لکھنے، کتبِ تاریخ میں ہر سن کے بعد مشاہیر کی وفیات ذکر کرنے کی غرض وغایت ہی مشاہیر عصر، نامور اربابِ فن، اہلِ علم واہلِ قلم کے فیضان واثر کو بیان کرنا اور ان کی تحقیقات سے علمی دنیا کو متعارف کرانا ہوتا تھا۔ (۸) جس سے سوانح حیات وکتابیات کو بھی تنوع، وسعت اور فروغ حاصل ہوتا رہا۔

یہاں یہ امر بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ خلیفہ بن خیاط اور مؤرخ ابن سعد کاتب واقدی (۱۸۶-۲۳۰ھ) نے ''الطبقات الکبیر'' کو اسلامی صوبوں پر مرتب کیا، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد پہلی دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اسلامی قلمرو کے مختلف صوبوں اور شہروں کی علمی ترقی، علماء واہلِ فن کی علمی وفنی سرگرمیاں بیان کرنا، کتب وکتب خانوں کی نشاندہی کرنا تھا۔

انہی حقائق کی وجہ سے علامہ سمعانی اور یاقوت رومی وغیرہ اسلامی قلمرو کے ایک ایک کوچے، بستی، قصبے، شہر، صوبے اور ملک کے متعلق اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ یہ بستی محدثین سے آباد تھی، اس محلے میں ادباء رہتے تھے۔ یہ بڑا مردم خیز خطہ تھا، یہاں سے ہر فن میں اربابِ کمال نکلے ہیں۔

اس سرزمین سے گزشتہ وموجودہ ہر دور میں علماء وفضلاء نکلتے رہے ہیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس خطے کو فروغِ علم، فروغِ کتب اور کتب خانوں کی ترویج واشاعت میں امتیاز حاصل رہا ہے۔ سمعانی کی ''کتاب الانساب'' اور یاقوت کی ''معجم البلدان'' سے بطور نمونہ حرف الف کی تقطیع سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، اس سے حقیقتِ حال واضح ہو جائے گی۔ علامہ سمعانی اصفہان کی ایک بستی ''آبی'' کے متعلق رقمطراز ہیں:

''خَرَجَ مِنهَا جَمَاعَةٌ مِنَ الْمَشَاهِيرِ'' (۹) (ترجمہ): ''اس بستی سے نامور اہلِ علم کی ایک جماعت نکلی ہے۔''

آجری جو بغداد کے غربی گوشہ میں نہر طابق کا ایک محلہ ہے، اس کے متعلق یاقوت لکھتے ہیں: ''اس میں

۱- کتاب مشاہیر علماء الأمصار: ۱، طبقات الفقہاء: ۱:۳۔ ۲- مراتب النحویین: ۳، طبقات النحویین واللغویین مقدمۃ المحقق: ۳۔
۳- العبر: ۱/ ۲، شذرات الذہب: ۱/ ۸، مروج الذہب ومعادن الجوہر: ۱/ ۱۷۔ ۴- یتیمۃ الدہر: ۱/ ۴-۹۔
۵- الأنساب: ۱/ ۴۔ ۶- تلخیص مجمع الآداب۔ ۷- تاریخ بغداد: ۳/ ۳۶۲-۸۔
الکامل فی التاریخ: ۱/ ۴، المؤتلف والمختلف: ۳، وفیات الأعیان: ۵/ ۳۴۵۔ ۹- الأنساب: ۱/ ۲۹۔

بہت سے علماء رہتے ہیں۔"(۱)

اسکاف کے متعلق موصوف کا بیان ہے: "نامور علماء، ادباء، حکام، محدثین کی بہت بڑی تعداد یہاں سے نکلی ہے۔"(۲)

آمد، ایک بہت پرانا چھوٹا مضبوط شہر تھا، اس کے متعلق سمعانی فرماتے ہیں: "یہاں سے ہر فن کے علماء نکلے ہیں۔"(۳)

آمل طبرستان کے متعلق لکھتے ہیں: "قدیم وجدید اہلِ علم کی ایک جماعت اس کی طرف منسوب ہے، یہاں سے ہر فن کے علماء نکلے ہیں۔"(۴)

علامہ سمعانی نے "کتاب الانساب" میں چار ہزار پانچ سو چھبیس (۴۵۲۶) مشہور نسبتوں کا ذکر کیا ہے، جن میں ابتدائی چراسی (۸۴) نسبتوں میں دو سو نامور علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ اس حساب سے صرف "کتاب الانساب" میں تقریباً چودہ پندرہ ہزار نامور علماء وفضلاء کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔(۵)

ایک نسبت میں اگر صرف ایک ہی قابلِ قدر کتب خانہ شمار کیا جائے تو چھٹی صدی ہجری میں اسلامی دنیا میں کم از کم ساڑھے چار ہزار عوامی، شاہی اور ذاتی کتب خانوں کی تعداد پہنچتی ہے ورنہ دس بارہ ہزار سے کسی طرح کم نہیں قرار دی جاسکتی، تاہم اس تعداد سے کتب خانوں کی کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور مسلم معاشرہ میں کتب خانوں سے عام دلچسپی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

یہ بھی دراصل عہدِ عباسی میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کا اثر تھا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کتابی سرگرمی اور کتب خانوں کی ترقی میں عہدِ عباسی کو خصوصیت حاصل ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس دور کے کتب خانوں کی تاریخ پر علمی وتحقیقی انداز میں اب تک ایسا کام نہیں ہوا جس میں اصل ماخذوں کو زیادہ سے زیادہ کھنگالا گیا ہو، فنی نقطۂ نگاہ سے ان کے اسباب وعلل کا کھوج لگایا گیا ہو اور ان کے ارتقاء کو عہد بعہد بتایا گیا ہو۔

۱-معجم البلدان:۱/۵۱۔ ۲-ایضاً:۱/۱۸۱۔ ۳-الانساب:۱/۸۲۔ ۴-ایضاً:۱/۸۲۔
۵-مقالات عرشی:۲۳۸۔

(و) عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی نشاندہی کے اسباب

مؤرخین وتذکرہ نگاروں نے طبقات وسیر کی کتابوں میں حسب ذیل تین اہم اسباب کی وجہ سے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

۱- نہایت غیر معمولی کتب خانوں کو بیان کیا ہے۔(۱)

۲- کسی خاص واقعہ کے ضمن میں اتفاقاً کتابوں اور کتب خانوں کا ذکر ان کی زبان وقلم پر آ گیا جیسا کہ: مورخ واقدی کے بغداد میں نقل مکانی کی وجہ سے اس کی کتابوں اور اس کے کتب خانوں کا ذکر تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں آ گیا۔(۲)

۳- کسی عالم، بادشاہ، امیر، وزیر وغیرہ کے کتابوں سے غیر معمولی شغف کی وجہ سے ضمنی طور پر اس کے کتب خانہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔(۳)

ان اسبابِ ثلاثہ کی روشنی میں اس موضوع پر لکھنے والوں نے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

۞ ۞ ۞

۱- کتاب صبح الأعشیٰ فی صناعۃ الانشاء:۱/۴۶۶۔

۲- تاریخ بغداد:۳/۵، معجم الأدباء:۷/۸۵۔

۳- الفہرست:۱۶۹، ۲۰۵، ۳۸۲، معجم الادباء:۵/۶۶-۱۵۹۔

(ز) عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی شناخت کے رہنما اصول

عہدِ عباسی کے مؤرخین وتذکرہ نگاروں نے کتب خانوں کی رہنمائی ونشاندہی جن اشاروں اور فقروں سے کی ہے وہ کتب خانوں کی شناخت کے اساسی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی روشنی میں عہدِ عباسی کے کتب خانوں کی تعیین کی گئی ہے، وہ رہنما اساسی اصول حسب ذیل ہیں۔

۱- کسی خاص نام سے کتب خانہ قائم کرنا یا کسی کے ذخیرۂ کتب کے لیے خزانہ کا لفظ لکھا جانا، مثلاً:

۱- لَہٗ خِزَانَۃٌ (۱)
۲- خِزَانَۃُ کُتُب (۲)
۳- خَزَائِنُ الْکُتُب (۳)
۴- خِزَانَۃُ الْحِکْمَۃِ (۴)
۵- خِزَانَۃُ الْعُلُوْم (۵)
۶- بَیْتُ الْحِکْمَۃِ (۶)
۷- دَارُ الْحِکْمَۃِ (۷)
۸- صَوَانُ الْحِکْمَۃِ (۸)
۹- بَیْتُ الْکُتُب (۹)
۱۰- بُیُوْتُ الْکُتُب (۱۰)
۱۱- دَارُ الْکُتُب (۱۱)
۱۲- مَکْتَب (۱۲)
۱۳- دَارُ الْعُلُوْم (۱۳)
۱۴- دَارُ الْمَعْرِفَۃِ (۱۴)

۱- الفہرست: ۲۰۔ ۲- آثار البلاد: ۳۸۷۔ ۳- فقہ اللغۃ: ۹، المنتظم: ۱۰/ ۱۳۔ ۴- الفہرست: ۳۸۲۔
۵- جمہرۃ انساب العرب: ۱۰۰۔ ۶- الفہرست: ۱۵۴، معجم الأدباء: ۵/ ۲۶۔ ۷- کتاب المواعظ والاعتبار: ۲/ ۳۴۲۔
۸- کشف الظنون: ۱/ ۶۸۳۔ ۹- کتاب تتمۃ صوان الحکمۃ: ۳۴-۵۶-۱۲۸۔ ۱۰- ایضاً: ۴۳۔ ۱۱- النجوم الزاهرة: ۶/ ۱۳۲۔
۱۲- الانساب: ۵/ ۵۴۔ ۱۳- کتاب المواعظ والاعتبار: ۱/ ۴۵۸۔ ۱۴- تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۷۹۔

۲-کتابیں جمع کرنا، جیسے تذکرہ نگاروں کا یہ لکھنا:

۱۔ کَانَ الْمُبَشِّرُ بْنُ فَاتِکٍ اقْتَنٰی کُتُباً کَثِیْرَۃً جِدّاً۔(۱)

مبشر بن فاتک نے بہت کتابیں حاصل کی تھیں۔

۲۔ جَمَعَ مَالَمْ یَجْمَعْہُ أَحَدٌ مِنْ أَقْرَانِہٖ مِنَ الْکُتُبِ الْکَثِیْرَۃِ(۲)

ابن الحداد نے اتنی زیادہ کتابیں جمع کیا تھا کہ ہم عصروں میں سے کسی نے نہیں کی تھیں۔

۳۔ جَمَعَ مِنَ الْحَدِیْثِ مَالَمْ یَجْمَعْہُ اَحَدٌ(۳)

نصر طوسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ جمع کیا تھا کہ کسی اور نے نہیں کیا۔

۴۔ جَمَعَ مِنَ الْکُتُبِ مَالَمْ یَجْمَعْہُ غَیْرُہٗ(۴)

صاحب ابن العباد نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ کسی اور نے نہیں کی تھیں۔

۵۔ جَمَعَ مِنَ الْکُتُبِ مَالَمْ یَجْمَعْہُ أَحَدٌ فِیْ وَقْتِہٖ(۵)

محمد بن العباس نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ اس کے زمانے میں کسی نے جمع نہیں کی تھیں۔

۶۔ جَمَعَ کُتُباً عَظِیْمَۃً(۶)

صاحب ابن العباد نے بڑی کتابیں جمع کی تھیں۔

۷۔ جَمَعَ کُتُباً کَثِیْرَۃً جِدّاً(۷)

البرقانی نے بہت زیادہ کتابیں جمع کی تھیں۔

۸۔ جَمَعَ الْکُتُبَ الْحِسَانَ(۸)

عبداللہ بن علی نے عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔

۹۔ جَمَعَ وَ کَتَبَ مَالاَ یُحْصَرُ(۹)

ابن مندہ نے اتنی کتابیں لکھی اور جمع کیں کہ شمار نہیں کی جاسکتیں۔

۱-عیون الأنباء:۵۶۰-۵۶۰۔ ۲-تاریخ الاسلام:۴/۱۲۶۵۔ ۳-النجوم الزاھرۃ:۴/۱۶۶۔ ۴- نفح الطیب:۹/۱۱۰۔
۵- المنتظم:۷/۱۷۶۔ ۶- ایضاً:۷/۱۸۰۔ ۷- البدایہ والنھایہ:۱۲/۳۶۔ ۸- المنتظم:۱۰/۱۲۲۔
۹- العبر:۳/۵۹۔

۱۰-جَمَعَ كُتُباً كَثِيرَةً لَمْ يَسْبِقْ إِلَى جَمْعِ مِثْلِهَا (۱)

ابو سعد مبارک نے بہت زیادہ ایسی کتابیں جمع کی تھیں کہ اس جیسی کتابیں جمع کرنے میں اس سے کوئی آگے نہیں نکلا۔

۱۱-جَمَعَ عِدَّةَ دَوَاوِينَ كُتُبٍ... وَ كَتَبَ بِخَطِّهِ كَثِيراً (۲)

ابو الحکیم الحبیری نے بہت کتابوں کے مجموعے جمع کیے اور اپنے قلم سے بہت لکھا۔

۱۲-جَمَعَ وَ صَنَّفَ... وَ جَمَعَ كِتَاباً كَبِيراً أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِمِائَةِ مُجَلَّدٍ (۳)

محمد الزاغونی نے کتابیں جمع کیں، تصنیف کیں اور ایک بڑی کتاب مرتب کی جو چار سو سے زیادہ جلدوں میں تھی۔

۱۳-جَمَعَ فَأَوْعَى (۴)

ابن الفرات نے کتابیں جمع کیں اور انہیں حفاظت سے رکھا اس کا مطلب تھا اس نے سینکڑوں کتابیں جمع کیں چنانچہ مورخ خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے کہ ابن الفرات کے پاس ایک ہزار جزء علی بن محمد مصری واعظ کی حدیثوں کے موجود تھے اور سو جزء میں تفسیر اور سو جزء میں تاریخ لکھی ہوئی تھی۔

۱۴-كَانَ جَمَّاعَةً لِلْكُتُبِ (۵)

ابن ابی بعرۃ بہت زیادہ کتابیں جمع کرنے والا تھا۔

۱۵-أَبُوبَكْرٍ الصُّولِيُّ مِنَ الْأُدَبَاءِ الظُّرَفَاءِ وَالْجَمَّاعِينَ لِلْكُتُبِ (۶)

ابو بکر الصولی ظریف ادیبوں اور بہت زیادہ کتابیں جمع کرنے والوں میں تھا۔

۱۶-کسی عالم کا ملک اور شہر کی دولت مند اور سربر آوردہ شخصیات سے بڑھ کر کتب خانہ بنانا مثلاً تذکرہ نگار کا کسی کی نسبت یہ لکھنا:

كَانَ جَمَّاعاً لِلْكُتُبِ، فَجَمَعَ أَكْثَرَهَا، كَمَا يَجْمَعُ أَحَدٌ مِنْ عُظَمَاءِ الْبَلَدِ (۷)

ابن بشکوال کتابیں جمع کرنے کا شوقین تھا اس نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں جتنی شہر کی عظیم شخصیتوں میں

۱- المنتظم: ۹/۲۱۶۔　۲- الوافی بالوفیات: ۱۷/۵۔　۳- تاریخ الاسلام: ۴/۱۳۳۸۔　۴- ایضاً: ۳/۱۰۱۵۔
۵- الفہرست: ۲۵۲،۶۱۔　۶- ایضاً: ۲۱۵۔　۷- کتاب الصلۃ: ۱/۱۵۳۔

سے کوئی سربرآوردہ شخصیت جمع کرتی ہے۔

۳۔ کتابیں حاصل کرنے کے لیے سعی بلیغ کرنا:

۱۔ هُوَ کَانَ جَمَّاعاً لِلْکُتُبِ (۱)

مرہف بن اسامہ بہت زیادہ کتابیں جمع کرنے والا تھا۔

چھٹی صدی ہجری میں اس فقرہ کا یہ مطلب تھا کہ اس نے ہزاروں کتابیں جمع کی تھیں اس کا بہت بڑا کتب خانہ تھا، چنانچہ مرہف بن اسامہ المتوفی ۶۱۷ھ کے متعلق حافظ منذری نے یہی الفاظ لکھے ہیں، یاقوت نے موصوف کا جو بیان نقل کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے کتب خانہ میں کتابوں کی اتنی بڑی تعداد موجود تھی کہ انہیں بھی اس کا صحیح علم نہ تھا۔ ایک افتاد میں موصوف نے چار ہزار کتابیں فروخت کیں پھر بھی پتہ نہ چلا کہ کتب خانہ سے کچھ نکلا ہے۔ (۲)

۲۔ حَصَلَ عِنْدَهٗ مِنَ الْأُصُوْلِ وَالْأَجْزَاءِ مَالَا یُوْصَفُ کَثْرَةً۔ (۳)

ابواسحاق ابراہیم الحباد نے اصل نسخے اور اجزاء اتنے جمع کیے تھے کہ ان کی تعداد حیطۂ بیان سے باہر ہے۔

۳۔ حَصَلَ کُتُباً کَثِیْرَةً وَصَنَّفَ تَفْسِیْراً فِیْ سَبْعِمِائَةِ مُجَلَّدٍ۔ (۴)

ابو یوسف قزوینی نے بہت کتابیں جمع کی تھیں اور ایک تفسیر تالیف کی تھی جو سات سو مجلدات میں تھی۔

۴۔ حَصَلَ کُتُباً نَفِیْسَةً۔ (۵)

سعد الخیر نے نفیس کتابیں فراہم کی تھیں۔

۵۔ حَصَلَ مِنَ الْکُتُبِ الطِّبِّیَّةِ وَغَیْرِهَا مَالَا یَکَادُ یُوْجَدُ عِنْدَ غَیْرِهٖ۔ (۶)

عمران بن صدقہ نے طب وغیرہ کی اتنی کتابیں جمع کی تھیں جو اس کے سوا کسی اور کے پاس ملنی مشکل ہیں۔

۱۔ معجم الادباء: ۱۹۶/۲۔ ۲۔ معجم الادباء: ۱۹۶/۲۔ ۳۔ تاریخ الاسلام: ۱۱۹۲/۲۔ ۴۔ البدایۃ والنہایۃ: ۱۵۰/۱۲۔
۵۔ المنتظم: ۱۲۱/۹۔ ۶۔ عیون الانباء: ۶۹۶۔

۴-علم اور کتابوں کی طلب میں سفر کرنا اور تکلیفیں اٹھانا:

۱-رَحَلَ فِیْ طَلَبِ الْحَدِیْثِ وَ تَعِبَ وَ جَمَعَ وَ نَسَخَ وَ صَنَّفَ التَّصَانِیْفَ۔(۱)

سلیمان بن ابراہیم نے حدیث کی طلب میں سفر کیا، تکلیف برداشت کی، حدیثیں جمع کیں، کتابیں نقل کیں، تصنیف کیں۔

۲-رَحَلَ وَتَعِبَ وَبَالَغَ فِی الطَّلَبِ وَ جَمَعَ مَالَمْ یَجْمَعْهُ غَیْرُهٗ وَ اَرْبٰی عَلٰی اَقْرَانِهٖ۔(۲)

ابن عساکر نے سفر کیا تکلیف اٹھائی، حدیث کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ محنت کی اور اتنی کتابیں اور حدیثیں جمع کیں جو اس دور میں اس کے سوا کسی اور نے نہیں کی تھیں اور وہ اس امر میں اپنے معاصرین سے بڑھ گئے تھے۔

۳-رَحَلَ فِیْ طَلَبِ الْحَدِیْثِ وَ عَنِیَ بِجَمْعِهٖ وَ تَعِبَ فِیْ کِتَابَتِهٖ۔(۳)

ابن الفرات نے حدیث کی طلب میں سفر کیا، اسے جمع کرنے پر توجہ دی اور اسے قلمبند کرنے میں زحمت اٹھائی۔

۵-حدیثیں سننا اور اس کے اصل و بنیادی نسخے حاصل کرنا:

۱-سَمِعَ الْحَدِیْثَ الْکَثِیْرَ وَ حَصَّلَ الْاُصُوْلَ(۴)

علی ابن ابی سعد نے زیادہ حدیثیں سنیں اور اصل نسخے حاصل کیے۔

۲-سَمِعَ بِهَا لَایُوْصَفُ کَثْرَةً وَ حَصَّلَ اُصُوْلاً کَثِیْرَةً(۵)

ضیاء مقدسی نے اصفہان میں حدیثوں کا اتنا زیادہ سماع کیا کہ بیان سے باہر ہے اور بہت زیادہ اصل نسخے حاصل کیے۔

۳-سَمِعَ مَالَایُوْصَفُ کَثْرَةً وَ نَسَخَ بِخَطِّهِ الصَّحِیْحِ السَّرِیْعِ(۶)

حافظ سلفی نے اتنا زیادہ سماع کیا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اور اپنے تیز قلم سے صحیح نقل کیا۔

۱-المنتظم:۹/۷۸۔ ۲- تاریخ الاسلام:۴/۱۳۳۰۔ ۳- المنتظم:۷/۱۷۶۔ ۴-ایضا:۱۰/۲۲۱۔

۵- تاریخ الاسلام:۴/۴۰۵۔ ۶- ایضا:۱۲۹۹۔

۶- کتابوں کا ذخیرہ بڑھانے کے لیے نقل نویسوں کی خدمات حاصل کرنا:

۱ - كَانَ يَصِلُ اِلَى النَّقَلَةِ مِنْ مَالِهٖ وَ اَفْضَالِهٖ شَيْئٌ كَثِيْرٌ جِدًّا (۱)

کتابیں نقل کرنے اور لکھنے والوں کو ابن المدبر الکاتب کے مال اور اس کی عنایات سے بہت زیادہ فیض پہنچتا تھا۔

۲ - كَانَ يُقَارِبُ عَطَاؤُهٗ لِلنَّقَلَةِ وَالنُّسَّاخِ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ اَلْفَيْ دِيْنَارٍ (۲)

ہر مہینہ عبدالملک زیات کی داد دہش سے نقل نویس اور خوشنویسوں کو دو ہزار دینار ملتے تھے۔

۳- كَانَتِ النَّقَلَةُ يَحْصُلُوْنَ مِنْ جَانِبِهٖ وَيَمْتَازُوْنَ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (۳)

نقل نویسوں کو علی الفیوم کی طرف سے اجرت ملتی اور اس کے لطف وکرم سے بہرہ مند ہوتے تھے۔

۴- كَانَ النُّسَّاخُ اَبَدًا يَكْتُبُوْنَ لَهٗ (۴)

امین الدولہ کے لیے نقل نویس برابر کتابیں نقل کرتے رہتے تھے۔

۵- كَانَ فِيْ خِدْمَتِهٖ ثَلَاثَةُ نُسَّاخٍ يَكْتُبُوْنَ لَهٗ اَبَدًا وَلَهُمْ مِنْهُ الْاُجْرَةُ (۵)

تین نقل نویس موفق الدین ابن مطران کی خدمت میں ہمیشہ لکھتے رہتے تھے ان کی تنخواہ اور وظیفہ اس کی طرف سے انہیں ملتا رہتا تھا۔

۶- كَانَ الْوَرَّاقُوْنَ يَكْتُبُوْنَ لَهٗ (۶) علی بن عاصم کے یہاں وراق کتابیں لکھتے تھے۔

۷- كَانَ لَهٗ بَيْتٌ عَظِيْمٌ مَمْلُوْءٌ كُتُبًا (۷)

ابوبکر الصولی کا عظیم الشان مکان کتابوں سے بھرا تھا۔

۷- کتابوں کا حریص ہونا:

۱ - كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى طَلَبِ الْكُتُبِ (۸)

پادری ثادرس کتابیں حاصل کرنے کا حریص تھا۔

۱- عیون الانباء: ۲۸۴۔ ۲- ایضاً: ۲۸۴۔ ۳- ایضاً: ۲۸۳۔ ۴- ایضاً: ۷۲۵۔ ۵- ایضاً: ۶۵۵۔ ۶- تاریخ بغداد: ۱۱/ ۴۴۸۔ ۷- المنتظم: ۶/ ۳۵۹۔ ۸- عیون الانباء: ۲۸۳۔

۲- کَانَ کَثِیْرَ الْعِنَایَةِ بِتَحْصِیْلِ الْکُتُبِ الْقَدِیْمَةِ وَ الْعُلُوْمِ الْیُوْنَانِیَّةِ (۱)

عیسیٰ بن یونس کاتب کی زیادہ تر توجہ یونانی علوم اور قدیم کتابوں کے حاصل کرنے کی طرف ہوتی تھی۔

۳- کَانَ حَرِیْصاً عَلٰی نَقْلِ الْکُتُبِ وَ تَحْصِیْلِهَا (۲)

عبداللہ بن اسحاق کتابیں نقل کرنے اور انہیں حاصل کرنے کا گرویدہ تھا۔

۴- کَانَ حَرِیْصاً عَلٰی نَقْلِ کُتُبِ الْیُوْنَانِیِّیْنَ إِلٰی لُغَةِ الْعَرَبِ (۳)

ابراہیم بن محمد کاتب یونانیوں کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرانے کا بہت آرزومند تھا۔

۸- کتابیں تصنیف کرنا اور کرانا:

کَانَ الزِّیَادِیُّ یُصَنِّفُ الْکُتُبَ وَ یُصَنَّفُ لَهٗ (۴)

ابوحسان الزیادی خود کتابیں تیار کرتا اور اس کے لیے کتابیں تیار کرائی جاتی تھیں۔

۹- ہمہ وقت کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہنا:

۱- وَلَمْ یَکُنْ یُفَارِقُ الْمَدْرَجَ وَ النُّسَخَ، مَا دَخَلْتُ عَلَیْهِ قَطُّ إِلَّا رَأَیْتُهٗ یَنْسَخُ أَوْ یُسَوِّدُ أَوْ یُبَیِّضُ (۵)

رازی مخلوطات اور لپٹی ہوئی کتابوں سے جدا نہیں ہوا، میں جب اس کے پاس گیا اسے لکھتے ہوئے دیکھا یا اسے مسودے کو صاف کرنے میں مصروف پایا۔

۲- کَانَ الشَّیْخُ مُوَفَّقُ الدِّیْنِ عَبْدُ اللَّطِیْفِ کَثِیْرَ الْإِشْتِغَالِ لَا یُخْلِیْ وَقْتاً مِنْ أَوْقَاتِهٖ مِنَ النَّظْرِ فِی الْکُتُبِ وَ التَّصْنِیْفِ وَ الْکِتَابَةِ (۶)

شیخ موفق الدین عبداللطیف علم میں زیادہ منہمک رہتے تھے کوئی وقت بھی کتابوں میں غور و فکر سے، تصنیف و تالیف اور لکھنے پڑھنے سے خالی نہیں رکھتے تھے۔

۱- عیون الانباء: ۲۸۳۔ ۲- ایضاً: ۲۸۴۔ ۳- ایضاً: ۱۶۰۔
۴- معجم الادباء: ۲/۱۶۵۔ ۵- الفہرست: ۴۱۶۔ ۶- عیون الانباء: ۶۸۳۔

۳- كَانَ كَثِيْرَ الْمُطَالَعَةِ لِلْكُتُبِ لَا يَفْتُرُ عَنْ ذَالِكَ فِي أَكْثَرِ أَوْقَاتِهِ (۱)

موفق الدین ابن مطران کثرت سے کتابوں کا مطالعہ کرتا بیشتر اوقات میں سستی اور کاہلی کو راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتا تھا۔

۱۰- علمی ذخیرہ کا مطالعہ اور کتابوں کی دیکھ بھال کرتے رہنا مثلاً کسی کا یہ لکھنا:

۱- مَادَخَلْتُ عَلَيْهِ إِلَّا رَأَيْتُهُ يَنْظُرُ فِي كِتَابٍ (۲)

میں جب فتح بن خاقان کے یہاں گیا اسے کتاب پر نظر جمائے دیکھا۔

۲- أَوْ يَقْلِبُ كُتُباً (۳) یا کتابیں الٹ پلٹ کرتے پایا۔

۳- أَوْ يَنْفُضُهَا (۴) یا انہیں جھاڑتے اور صاف کرتے دیکھا۔

۱۱- کتابوں کا فریفتہ و دلدادہ ہونا:

۱- كَانَ مُحِبًّا لِلْكُتُبِ (۵) علی بن رشید کتابوں کا دل دادہ تھا۔

۲- كَانَ مِنَ الْمُحِبِّيْنَ لِلْكُتُبِ وَاقْتِنَائِهَا وَالْمُبَالِغِيْنَ فِي تَحْصِيْلِهَا وَشِرَائِهَا (۶)

ابن حمدون کتابوں کے شیدائیوں میں سے تھا، وہ انتخاب کرنے، حاصل کرنے اور خریداری کرنے میں انتہا کرنے والوں میں سے تھا۔

۳- أُغْرِيَ بِجَمْعِ الْكُتُبِ (۷) وہ کتابیں جمع کرنے کا شیفتہ تھا۔

۱۲- ائمہ فن کی کتابوں کا راوی ہونا اور ان کی تالیفات کو کبھی جدا نہ کرنا:

رَوَى كُتُبَ أَبِي عُبَيْدَةَ وَالْأَصْمَعِيِّ وَكَانَ لَا يُفَارِقُهَا (۸)

اثرم، ابوعبیدہ اور اصمعی کی تالیفات کا راوی تھا اور ان کی تصانیف کو اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔

۱۳- سائنس دان اور حکماء کی کتابوں کا فریفتہ و عاشق ہونا جیسے:

كَانَ مَفْتُوْناً بِكُتُبِ زَكَرِيَّا (۹) ابن بسکویہ، زکریا رازی اور جابر بن حیان کی کتابوں کا فریفتہ و عاشق تھا۔

۱- عیون الانباء: ۶۸۳۔ ۲- الفہرست: ۱۶۹۔ ۳- ایضاً۔ ۴- ایضاً۔ ۵- معجم البلدان: ۲/ ۲۳۷-۲۳۸۔ ۶- معجم الادباء: ۳/ ۲۰۹۔
۷- عیون الانباء: ۲/ ۱۷۶، ۲۱۷، ۲۱۸، تاریخ الاسلام: ۴/ ۱۳۰۳۔ ۸- الفہرست: ۸۳۔ ۹- معجم الادباء: ۲/ ۸۹۔

۱۴- کتابوں سے محبت اور شیفتگی کے باوجود کتابیں عاریۃً دینا:

۱- كَانَ مِنِ اغْتِبَاطِهِ بِالْكُتُبِ وَمُنَافَسَتِهِ فِيهَا جَوَّاداً بِأَعَارَتِهَا (۱)

احمد بن حمدون کتابیں جمع کرنے، انہیں حاصل کرنے میں دوسروں سے بازی لے جانے میں رشک کا شکار ہونے کے باوجود کتابیں عاریۃً دینے میں بہت سخی تھا۔

۲- هُوَ سَخِيٌّ بِكُتُبِهِ وَأُصُولِهِ (۲) دبیثی اپنی کتابیں اور اصل نسخے دینے میں سخی تھے۔

۳- كَانَ يُعِيرُنِي (۳) ابو اللیث محمد مجھے عاریۃً کتابیں دیتا تھا۔

۴- كَانَ سَهْلَ الْعَارِيَةِ (۴) محمد البرزالی بہت آسانی سے عاریۃً کتابیں دیتا تھا۔

۱۵- کسی عالم کا کسی سے کتابیں عاریۃً لینا۔ (۵)

۱۶- کسی کا اپنے ذخیرۂ کتب سے کسی کو نقل کی سہولت دینا۔ (۶)

۱۷- اپنے شاگردوں کو کتابیں ہبہ کرنا:

كَانَ ابْنُ مَطْرَانَ يَهِبُ لِتَلَامِذَتِهِ الْكُتُبَ وَيُحْسِنُ إِلَيْهِمْ (۷)

ابن مطران اپنے شاگردوں کو عاریۃً کتابیں دیتا، ہبہ کرتا اور ان کے ساتھ احسان کرتا۔

۱۸- سفر میں کتابیں ساتھ رکھنا۔ (۸)

۱۹- علمی ذخیرہ بنانے اور اس میں اضافہ کرنے کے لیے خود کتابیں نقل کرنا:

۱- كَانَ مِنَ الْمُكْثِرِينَ فِي الْحَدِيثِ كِتَابَةً وَسَمَاعاً (۹)

عبدالعزیز کتانی حدیث کی بکثرت کتابت وسماعت کرنے والوں میں سے تھے۔

۲- كَتَبَ بِخَطِّهِ الْكَثِيرَ وَحَصَّلَ الْأُصُولَ (۱۰)

ابو المعالی نے اپنے قلم سے بہت کچھ لکھا اور اصل نسخے حاصل کیے تھے۔

۱- معجم الأدباء: ۳/۲۱۰۔ ۲- تاریخ الاسلام: ۴/۱۴۱۵۔ ۳- الجواہر المضیئۃ: ۱/۸۶۔ ۴- تاریخ الاسلام: ۴/۱۴۲۴۔
۵- الفہرست: ۱۰۲۔ ۶- ایضاً: ۲۵۱۔ ۷- عیون الأنباء: ۶۵۵۔ ۸- تاریخ بغداد: ۶/۳۴۰۔
۹- المنتظم: ۸/۲۸۸۔ ۱۰- الوافی بالوفیات: ۸/۲۳۲۔

۳- کَتَبَ وَ حَصَلَ الْأُصُوْلَ الْكَثِيْرَةَ (۱)

علی بن احمد طوسی نے لکھا اور بہت زیادہ اصل نسخے جمع کیے یہاں تک کہ وہ بہت سے مصنفات، مسانید اور اجزاء کے مالک ہو گئے۔

۴- كَتَبْتُ وَ كُتِبَ لِيْ عَشْرَ رَوَاحِلَ (۲)

میں (ابومسلم اللیثی) نے لکھا اور میرے لیے دس بار شتر کتابیں لکھی گئی تھیں۔

۵- كَتَبَ بِخَطِّهِ مَالَا يُحْصٰى كَثْرَةً

محمد بن داؤد نے اپنے قلم سے اتنا زیادہ لکھا جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

۶- كَتَبَ بِخَطِّهِ مَالَا يُوْصَفُ كَثْرَةً (۳) ابن الجوزی نے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۷- كَتَبَ مَالَا يُوْصَفُ كَثْرَةً وَمَا زَالَ يَنْسَخُ وَيُصَنِّفُ (۴)

عبدالغنی مقدسی نے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان سے باہر ہے، وہ برابر نقل کرتا اور تصنیف کرتا رہا ہے۔

۸- كَتَبَ بِخَطِّهِ الْمَلِيْحِ الرَّشِيْقِ مَالَا يُوْصَفُ كَثْرَةً (۵)

اسماعیل انماطی نے اپنے عمدہ خوبصورت خط سے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۹- كَتَبَ بِخَطِّهِ الرَّائِقِ الْكُتُبَ الْكَثِيْرَةَ الْكِبَارَ وَالصِّغَارَ (۶)

ابن حمدون نے اپنے خوشنما خط میں بہت زیادہ بڑی، چھوٹی کتابیں لکھی ہیں۔

۱۰- كَتَبَ بِخَطِّهِ السَّرِيْعِ الرَّفِيْعِ مَالَا يُوْصَفُ كَثْرَةً (۷)

ابونصر الصباغ نے اپنے اونچے تیز خط میں اتنا زیادہ لکھا ہے کہ دائرۂ بیان سے باہر ہے۔

۱۱- كَتَبَ بِخَطِّهِ شَيْئًا كَثِيْرًا (۸) ابوموسیٰ مقدسی نے اپنے قلم سے بہت کچھ لکھا ہے۔

۱۲- (كَتَبَ الْكُتُبَ)... وَنَسَخَ الْكُتُبَ الْكِبَارَ (۹)

عبدالوہاب انماطی نے کتابیں لکھیں اور بڑی بڑی کتابیں نقل کیں۔

۱- تاریخ الاسلام: ۴/ ۱۳۶۱۔ ۲- ایضاً: ۱۲۳۶۔ ۳- الفہرست: ۱۸۵۔ ۴- تاریخ الاسلام: ۴/ ۱۳۴۲۔
۵- ایضاً: ۴/ ۱۳۷۳۔ ۶- ایضاً: ۴/ ۱۴۰۴۔ ۷- معجم الأدباء: ۳/ ۲۱۱۔ ۸- تاریخ الاسلام: ۴/ ۱۲۵۲۔
۹- ایضاً: ۴/ ۱۴۰۸۔

۱۳ - کَتَبَ الْکُتُبَ الطِّوَالَ (۱) ابوسعد مالینی نے لمبی لمبی کتابیں لکھیں ہیں۔

۱۴ - کَتَبَ بِخَطِّهٖ... وَاسْتَنْسَخَ وَحَصَّلَ الْأُصُوْلَ (۲)

عزالدین مقدسی نے اپنے قلم سے بہت زیادہ لکھا اور نقل کرایا نیز اصل نسخے حاصل کیے۔

۱۵ ۔ کَتَبَ بِیَدِهٖ عِدَّةَ اَحْمَالٍ (۳) ابن مندہ نے اپنے ہاتھ سے کئی بار شتر کتابیں نقل کی ہیں۔

۲۰- مرتے دم تک اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھتے رہنا:

۱۶ - کَانَ یَکْتُبُ بِیَدِهٖ اِلٰی اَنْ مَاتَ (۴) ابوعمرو شیبانی مرتے دم تک اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھتا رہا۔

۱۷ - کَانَ مِنَ الْکَتَّابِیْنَ لِلْحَدِیْثِ وَالْجَمَّاعِیْنَ لِلْعِلْمِ وَالرَّحَّالِیْنَ (۵)

ابن لہیعہ علم حاصل کرنے اور جمع کرنے کی خاطر سب سے زیادہ سفر کرنے والوں میں تھا۔

۱۸ - لَوْ اَنَّهٗ یُنْشِدُنِیْ کَمَا یُنْشِدُکُمْ لَمَلَأْتُ کُتُبِیْ مِنْ اَمَالِیْ شِعْرِهٖ (۶)

اگر بحتری نے مجھے اس طرح شعر سنائے ہوتے جس طرح وہ تمہیں سناتا تھا تو میں اپنی کتابیں اس کے شعروں سے بھر لیتا۔

۱۹ - نَسَخَ وَاسْتَکْتَبَ وَصَنَّفَ وَجَمَعَ (۷)

ابومسلم لیثی نے کتابیں نقل کیں اور کرائیں تصنیف کیں اور کتابیں جمع کیں۔

۲۰ - نَسَخَ لِنَفْسِهٖ وَلِغَیْرِهٖ (۸) ابوطاہر السلمی نے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے کتابیں نقل کی تھیں۔

۲۱ - نَسَخَ وَحَصَّلَ الْأُصُوْلَ الثَّمِیْنَةَ (۹)

ابن الاخضر نے کتابیں نقل کیں اور اصل قیمتی نسخے حاصل کیے۔

۲۲ - نَسَخَ الْکَثِیْرَ وَحَصَّلَ الْأُصُوْلَ (۱۰)

ابن نقطہ نے بہت نقل کیا اور کتابوں کے اصل نسخے حاصل کیے۔

۲۳ - نَقَلَ بِخَطِّهِ الْمَلِیْحِ مَا لَا یَدْخُلُ تَحْتَ الْحَصْرِ (۱۱)

۱- تاریخ الاسلام: ۳/۱۲۸۲-۱۲۸۳۔ ۲- العبر: ۳/۱۰۷۔ ۳- العبر: ۳/۱۴۰۱۔ ۴- میزان الاعتدال: ۳/۷۹۴۔

۵- المعمر بیت: ۱۰۲۔ ۶- النجوم الزاهرة: ۲/۷۷۔ ۷- الموازنہ بین شعر ابی تمام والبحتری: ۱/۲۲۔

۸- تاریخ الاسلام: ۴/۱۲۳۵۔ ۹- ایضاً: ۴/۱۳۱۲۔ ۱۰- تاریخ الاسلام: ۴/۱۳۸۴۔ ۱۱- ایضاً: ۱۴۱۳۔

ابوالحجاج دمشقی نے اپنے پاکیزہ خط سے اتنا لکھا ہے کہ شمار سے باہر ہے۔

۲۱-کتابت کے ساتھ کسی کے متعلق کثیر التصانیف لکھنا۔(۱)

۲۲-یا کسی کے متعلق سینکڑوں کتابیں اور مجلدات لکھنے کی صراحت کرنا۔(۲)

۲۳-مورخین وتذکرہ نگاروں کا کسی عالم ونامور دانشور کی کتابوں کی فہرست کو پیش کرنا اس کے تبحر و برتری اور کمال کو ثابت کرتا ہے اور اس کے پاس زبردست کتب خانہ ہونے کی نہایت روشن دلیل ہے۔(۳)

۲۴-موقع ملنے پر آستین یا پاپوش سے کتاب نکال کر پڑھتے رہنا:

أَخرَجَ كِتَاباً مِنْ كُمِّهِ أَوْ خُفِّهِ (۴)

فتح بن خاقان کو جب موقع ملتا وہ آستین یا اپنی پاپوش سے کتاب نکال کر پڑھتے۔

۲۵-مقدار کتب کی صراحت کرنا: مثلاً یہ لکھنا:

۱-حَمَلَ أَحمَالاً مِنَ الْكُتُبِ (۵)

عبدالسلام قزوینی نے کئی اونٹ کے بوجھ برابر کتابیں جمع کی تھیں۔

۲-حَمَلْتُ عَنْهُ وَقْرَ بُخْتِيّ كُتُباً (٦)

میں (امام شافعیؒ) نے (امام محمدؒ) سے دو بختی اونٹ کے بوجھ برابر کتابیں حاصل کی تھیں۔

۳-حَمَلْتُ عَنْهُ حِمْلَ بُخْتِيّ (۷) ایضاً

۴-كَتَبْتُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وَقْرَ بَعِيرٍ (۸)

۱-تاریخ الاسلام:۱۱/۱۴۔ ۲-تاریخ بغداد:۲/۲۸، المنتظم:۶/۶۴، ۶/۱۹۹۔ ۳-معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: (تذکرہ علی بن المدینی) ص:۷۲۔ ۴-المنتظم:۶/۳۵۷-۳۵۸، ۶/۳۶۴، تاریخ الاسلام:۴/۱۳۴۴۔ ۵-الفہرست:۱۶۹۔

۶-ایضاً۔ ۷-لسان المیزان:۴/۱۱۔ ۸-تاریخ بغداد:۲/۱۷۶، النجوم الزاهرة:۲/۱۳۱، الوافی بالوفیات:۲/۳۳۳، العبر:۱/۳۰۳، مناقب الامام ابی حنیفۃ:۵۷۔

میں نے محمد بن الحسن سے ایک اونٹ کے بوجھ برابر لکھا ہے۔

۵- كَانَتْ كُتُبُهُ سِتَّمِائَةِ حَمْلَةٍ (۱)

ابن عقدہ کے پاس (۶۰۰) چھ سو اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں تھیں۔

۶- كَانَ لِلْوَاقِدِيْ سِتَّمِائَةِ قِمَطْرٍ كُتُبٍ (۲)

واقدی کے پاس چھ سو (قمطر) بورے کتابیں تھیں۔

۲۶- بازار کتب سے کتابیں خریدنا: مثلاً کسی کے متعلق تذکرہ نگار کا یہ لکھنا:

إِنَّ الْمِصْرِيَّ كَانَ يَشْتَرِيْ مِنَ الْوَرَّاقِيْنَ الْكُتُبَ الَّتِيْ لَمْ يَكُنْ سَمِعَهَا (۳)

محمد مصری بازار کتب سے ایسی کتابیں خریدتا تھا جن کا اسے سماع حاصل نہ تھا۔

۲۷- عوامی کتب خانہ بنانے کے لیے بڑی تعداد و مقدار میں کتابوں کی خریداری کرنا:

أَبُوْ الْمَعَالِيْ سَافَرَ إِلَى غَزْنَةَ	ابو المعالی بزار نے غزنہ کا سفر کیا،
وَأَقَامَ بِهَا مُدَّةً وَاشْتَرَى كُتُباً	ایک مدت یہاں رہا، بہت زیادہ
كَثِيْرَةً وَرَجَعَ إِلَى مَرْوَ فَبَنَى	کتابیں خریدیں اور واپس مرو آ کر
خِزَانَةَ الْكُتُبِ فِيْ رِبَاطٍ بَنَاهُ	اپنی رقم سے ایک رباط "اصحاب
بِاسْمِ "أَصْحَابِ الْحَدِيْثِ وَ	حدیث وطلبۂ حدیث" کے نام سے
طُلَّابِهِ" مِنْ خَاصَّةِ مَالِهِ وَوَقَفَ	بنوائی، اور اس میں کتب خانہ وقف کیا۔
كُتُبَهُ فِيْهِ (۴)	

۲۸- اپنے ذخیرۂ کتب کی قیمت بتانا: جیسے کہنا:

كُتُبِيْ بِعَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ (۵)	میری (ابو بکر الخرازی) کتابیں دس ہزار درہم کی ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے نصف آخر میں اونٹ کے بوجھ برابر کتابوں کی نقل کرانے پر کم و بیش ساٹھ دینار

۱- الاتقان: ۶۹۔ ۲- ایضاً: ۱۷۴۔ ۳- تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۸۴۰، تاریخ بغداد: ۳/ ۶۔ ۴- المنتظم: ۶/ ۳۷۰۔
۵- المنتظم: ۱۰/ ۱۱۳۔

خرچ ہوتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ کا بیان ہے:

أنفقت على كتبه ستين دينارا (۱) میں (امام شافعی) نے امام محمدؒ کی کتابوں پر ساٹھ دینار خرچ کیے تھے۔

۲۹-کتابوں کے بہتر اور اصل نسخوں کے ہونے کی نشاندہی کرنا:

كَانَتْ لَهُ أُصُوْلٌ حَسَنَةٌ (۲) ابن الطحان کے پاس اچھے اور عمدہ نسخے موجود تھے۔

۳۰-زندگی میں اپنا ذخیرۂ کتب فروخت کرنا۔(۳)

۳۱-پسماندگان کے لیے کتب خانہ چھوڑ جانا:

خَلَّفَ عِنْدَهَا اثْنَيْ عَشَرَ عِدْلاً مِنَ الْكُتُبِ (۴)	ابوعبداللہ صوری المتوفی ۴۴۱ھ نے اپنی بہن کے پاس بارہ شتر کتابیں چھوڑیں تھیں۔
خَلَّفَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ صُنْدُوْقاً مَمْلُوْءَةً كُتُباً، أَكْثَرُهَا بِخَطِّهِ وَكِتَابَتِهِ، هُوَ الْحُجَّةُ فِيْ صِحَّةِ النَّقْلِ وَجَوْدَةِ الضَّبْطِ (۵)	ابن الفرات نے کتابوں سے بھرے ہوئے اٹھارہ صندوق پیچھے چھوڑے تھے جن میں سے بیشتر کتابیں اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، موصوف صحت نقل اور اچھی طرح کلمہ پر زبر وزیر لگانے میں سند وحجت تھے

۳۲-مرنے کے بعد کسی کے ذخیرۂ کتب کا بکنا۔(۶)

۳۳-کسی کے حق میں اپنے ذخیرۂ علمی کی وصیت کرنا۔(۷)

۳۴-وراقوں اور نقل نویسوں کے لیے مکان میں طعام وقیام اور موسم سرما میں لحاف وغیرہ تیار رکھنا، چنانچہ صرف مسند ابوبکر ابنِ ابی شیبہ کی نقل پر دس ہزار دینار خرچ آیا تھا۔(یہ نسخہ مصر میں دوسو جزء میں موجود تھا)(۸)

۱-تاریخ بغداد:۵/۸۲،المنتظم:۷/۱۶۵و۵/۴۳۔ ۲-مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ:۵۱۔ ۳-معجم الادباء:۲/۱۹۶۔

۴-المنتظم:۸/۱۴۴،البدایہ والنھایہ:۴/۹۔ ۵-المنتظم:۷/۱۷۷۔ ۶-انباہ الرواۃ:۲/۶۴،تاریخ بغداد:۶/۳۳۔

۷-معجم الادباء:۵/۸۱۔ ۸-المنتظم:۵/۴۳۔

۳۵-کسی مؤلف ومصنف کا اپنی لکھی ہوئی مجلدات کی تعداد بیان کرنا مثلاً:

كَتَبْتُ بِاِصْبَعِيْ أَلْفَيْ مُجَلَّدٍ (۱) میں (ابن الجوزی) نے اپنے ہاتھ سے دو ہزار مجلدات لکھے ہیں۔

۳۶-اپنی کتابیں وقف کرنا: (۲)

۳۷-کسی خانوادۂ علمی میں علم وفضل کا نسلاً بعد نسل رہنا اس خانوادۂ علمی میں کتب خانہ کی نشاندہی کرتا ہے جیسے: خانوادہ سمعانی (۳)

۳۸-کسی کے مکان کو علماء اکیڈمی اور مجلس کی حیثیت حاصل ہونا، جیسے:

كَانَتْ دَارُهُ مَجْمَعَ الْعُلَمَاءِ (۴) ہارون بن محمد کے مکان کو علماء کی اکیڈمی کی حیثیت حاصل تھی۔

۳۹-ارباب کتب خانہ کے متعلق اپنا مشاہدہ پیش کرنا۔ مثلاً یہ کہنا کہ:

مَا رَأَيْتُ فِيْمَنْ رَأَيْتُ أَكْثَرَ كُتُباً وَسَمَاعاً مِنْهُ (۵)

میں نے جن اہلِ علم کو دیکھا ہے ان میں ابو محمد طاہر نیشاپوری سے زیادہ کتابیں کسی کے پاس نہیں دیکھیں اور نہ اس سے زیادہ حدیثوں کو سننے والا کوئی پایا۔

۴۰-کسی شوقین کی کتاب کا چوری ہونا۔ (۶)

۴۱-کسی کے پاس کسی نامور عالم کی تالیفات کا ہونا۔ مثلاً:

كَانَتْ عِنْدَهُ كُتُبُ أَبِيْ عُبَيْدٍ قَاسِمِ بْنِ سَلَامٍ (۷)

ابو محمد سیرافی مصری کے پاس ابو عبید قاسم بن سلام کی تالیفات کا ذخیرہ موجود تھا۔

۱-تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۴۴۔ ۲-المنتظم: ۸/ ۲۱۶، و ۸/ ۲۳۹، و ۲۶۹-۱۰/ ۵۲۔
۳-الانساب: ۳/ ۳۰۲، معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴، المنتظم: ۵/ ۸۹۔ ۴-الکامل فی التاریخ: ۶/ ۳۵۶، ۲۸۸-۱۰/ ۱۴۱۔
۵-تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۲۲۳۔ ۶-تاریخ بغداد: ۳/ ۱۲۳، الوافی بالوفیات۔ ۷-المنتظم: ۶/ ۲۷۵۔

۴۲-کسی کا ذخیرۂ کتب میں اضافے کی خاطر بڑی تعداد میں سامانِ کتابت سیاہی وغیرہ خریدنا(۱)

۴۳-کسی کا ذخیرۂ کتب میں اضافے کی خاطر وراق رکھنا(۲)

۴۴-یا کسی کا وراق ہونا(۳)

۴۵-حدیث کی کتابوں کے بہترین نسخے حاصل کرنے میں معاصرین سے بڑھ جانا، مثلاً تذکرہ نگار کا کسی کے متعلق یہ لکھنا:

اَرْبیٰ عَلٰی اَهْلِ زَمَانِهٖ فِیْ کَثْرَةِ	ابوالعلاء ہمدانی حدیثیں کثرت سے سننے اور شنیدہ
السَّمَاعَاتِ مَعَ تَحْصِیْلِ	اصل اور بہترین نسخوں کے حاصل کرنے میں
اُصُوْلِ مَا سَمِعَ وَجَوْدَةِ النُّسَخِ (۴)	ہم عصروں سے آگے نکل گئے تھے۔

۴۶-کسی عالم کا دینی کتابیں زیرزمین دفن کرنا۔(۵)

۴۷-یا زیرِزمین دفن کرنے کی وصیت کرنا۔(۶)

۴۸-کسی شوقین کے ذخیرۂ کتب کو نذرِ آتش کرنا۔(۷)

۴۹-کسی شوقین کے ذخیرۂ کتب کو نذرِ آتش کرانا۔(۸)

۵۰-کتابوں کا جلنا۔(۹)

۵۱-کسی عالم کی کتابوں کا پانی میں ڈوب جانا اور سیلاب کی نذر ہوجانا۔(۱۰)

۱-ایضاً:۷/۱۸۳۔ ۲-معجم الادباء:۵/۸۱۔ ۳-تذکرۃ الحفاظ:۴/۱۳۲۴،۱۳۲۵۔
۴-تذکرۃ الحفاظ:۴/۱۳۲۴،۱۳۲۵۔ ۵-معجم الادباء:۵/۳۸۹۔ ۶-معجم البلدان:۳/۹۴۔
۷-معجم الادباء:۵/۳۸۶۔ ۸-تذکرۃ الحفاظ:۱/۵۔ ۹-ایضاً:۲/۲۳۹۔ ۱۰-معجم الادباء:۳/۲۶۳۔

۵۲- کسی کے خزانہ کتب یا کتابوں کو دھوڈالنا، مٹادینا۔(۱)

۵۳- کسی عالم کا اپنی کتابوں کو غار میں پھینکنا۔(۲)

۵۴- کسی عالم کا اپنی کتابوں کو پھاڑ کر ہوا میں اڑانا۔(۳)

۵۵- کسی عالم کی کتابوں کا لوٹا جانا۔(۴)

۵۶- کسی عالم کی تالیفات کا اس شہر یا اطراف شہر میں یا بلاد اسلامی میں پھیلنا، اس کے پاس کتب خانہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے مثلاً، مورخین کا کسی کی نسبت یہ لکھنا:

نُشِرَتْ هٰذِهِ الْكُتُبُ فِي سَائِرِ الْبِلَادِ (۵) (موصوف کی) یہ کتابیں تمام بلادِ اسلامی میں پھیل گئی تھیں۔

۵۷- محدثین کے لیے زبانی نقل روایات میں ان روایتوں کا ان کی کتابوں اور نوشتوں سے جنہیں انہوں نے اپنے کتب خانے میں محفوظ کیا تھا مطابق ہونا ناگزیر امر تھا، چنانچہ مورخین کا کسی محدث کے تذکرہ میں یہ لکھنا:

أَوْ قَيَّدَهُ فِي كِتَابِهِ وَصَانَهُ فِي خَزَائِنِهِ (۶)

اس کا لکھا ہوا اور اپنے خزانہ کتب میں محفوظ کیا ہوا نسخہ اس کی یادداشت کے مطابق ہوگا۔

یہ بات ایک محدث کے پاس کتب خانہ ہونے کا بین ثبوت ہے۔

۵۸- کسی خطۂ زمین کے اہل علم کو پہلی مرتبہ کسی نامور عالم کی تصانیف سے روشناس کرانا مثلاً تذکرہ نگار کا یہ لکھنا:

أَوَّلُ مَنْ أَدْخَلَ كُتُبَ الشَّافِعِيِّ رحمه الله بِاسْفَرَائِينَ (۷)

ابوعوانہ سب سے پہلے امام شافعیؒ کی کتابیں اسفرائین لے کر آئے ہیں۔

۱- معجم الادباء: ۵/۳۸۶۔ ۲- ایضاً: ۵/۳۸۹۔ ۳- ایضاً۔ ۴- الفہرست: ۲۹۰، الجواہر المضیئۃ: ۱/۸۸۔
۵- المعجب فی تلخیص أخبار المغرب: ۳۸۵۔ ۶- الاللباع: ۱۳۵۔ ۷- تذکرۃ الحفاظ: ۳/۷۸۰۔

۵۹-اپنے ذخیرۂ علمی کو اس کے ہم وزن سونے سے زیادہ عزیز وقیمتی سمجھنا، محبوب رکھنا اور یہ کہنا:

هٰذِهٖ كُتُبِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ وَزْنِهَا ذَهَبًا (۱)

مجھے (محمد بن احمد الانباری) میری کتابیں اس کے ہم وزن سونے سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں۔

مذکورۂ بالا اعلام وصفاتی نام اوصاف اور فقرے جو بطور نمونہ نقل کیے گئے ہیں یہی دراصل وہ معنی خیز اشارے کنائے ہیں جنہیں مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے کتب خانوں کی طرف رہنمائی کے لیے اصول کلیہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔

کتب خانوں کی شناخت کے یہ قیمتی موتی اسلامی ادب کے نہایت گہرے اور وسیع سمندر میں بکھرے پڑے تھے، کتب خانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہیں ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے، یہ (۵۶) چھپن اصول ہیں اور فروعی (۱۰۲) ایک سو دو ہیں، اصولی اور فروعی کی مجموعی تعداد ایک سو اٹھاون (۱۵۸) ہے جو ہم نے تاریخ و تذکرے کی کتابوں کے مسلسل مطالعہ وتجسس وتتبع سے اخذ کیے ہیں۔

یہ کتب خانوں کی شناخت کے وہ مختصر، جامع، اساسی وفطری رہنما اصول ہیں جو اسلامی دور کے کتب خانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ دنیائے قدیم وجدید کے تمام چھوٹے بڑے کتب خانوں میں بلا قید زمان و مکان ہر جگہ کارفرما رہے ہیں، البتہ فنِ کتب خانہ کی تاریخ میں ان کا استنباط واستخراج، تعیین وانضباط اس سے پہلے کہیں نہیں کیا گیا، ان اصول کو اس لیے منضبط کیا گیا کہ آئندہ ان رہنما اصول کی روشنی میں کتب خانوں کی تعیین اور تشخیص بآسانی کی جا سکے گی۔

کتب خانوں کے مذکورۂ بالا اعلام وصفاتی نام، گوناگوں اوصاف اور ان کے لیے نئے نئے فقروں کا استعمال، اچھوتا نادر اور نیا اسلوبِ بیان، مسلمانوں کے علمِ کتاب داری، کتب وکتب خانوں سے غیر معمولی شغف، دلچسپی، ان کی وسعت، تنوع وکثرت کا نہایت بیّن ثبوت اور اسلامی کتب خانوں کی نہایت شاندار تاریخ کا شاہدِ عدل ہے۔

۱-المنتظم:۹/۹۔

کسی مؤرخ اور تذکرہ نگار نے جب تک کسی کتب خانے کے لیے خزانے کا لفظ نہیں بولا یا مذکورہ بالا اشاروں میں سے کوئی اشارہ استعمال نہیں کیا، اسے کتب خانہ کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ ''کتب الکثیر'' میں بھی ہم نے اس امر کا خیال رکھا ہے کہ اگر تذکرہ نگاروں نے ان کی کتابوں کے وقف کی یا نقل کی سہولت مہیا کرنے کی صراحت نہیں کی اسے کتب خانوں کے زمرہ میں داخل نہیں کیا۔

(ح) عہدِ عباسی میں عوامی، شاہی وانفرادی کتب خانوں کے ذخیروں کی کیفیت وکمیت

عہدِ عباسی میں کتب خانہ میں کتابوں کی کثرت کی کوئی مقدار متعین اور مقرر نہ تھی، مؤرخین نے بیس لاکھ کتابیں بھی کتب خانوں میں بیان کی ہیں (۱) چوتھی صدی ہجری میں بڑے عوامی کتب خانوں کا آغاز دس ہزار کتابوں کے ذخیرہ سے کیا جاتا تھا۔ (۲) اور بعض اوقات ایک ہزار کتابوں کے ذخیرہ سے بھی کیا گیا تھا۔ (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوامی کتب خانہ کے آغاز کے لیے کم سے کم ایک ہزار کتابوں کا ذخیرہ اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار کتابوں کا ذخیرہ کافی سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں واقف کے پاس جتنی کتابیں محفوظ رہتی تھیں، اس سے کتب خانہ کا آغاز کیا جاتا جن کی مقدار کا انحصار واقف کی حیثیت سے زیادہ اس کے مذاق کے مطابق نوعیتِ کتب پر ہوتا تھا (۴) قاضی فاضل کا کتب خانہ اس کی بہترین مثال ہے جس کا ذخیرۂ کتب ایک لاکھ سے زیادہ کتابوں پر مشتمل تھا۔ (۵)

شاہی کتب خانہ:

شاہی کتب خانوں میں کتابوں کا نہایت عظیم الشان ذخیرہ محفوظ رکھا جاتا تھا، کیونکہ یہاں سے اہلِ علم کو کتابیں نقل کرنے کی سہولت فراہم کی جاتی تھی، جیسا کہ خلیفہ ہارون رشید اور مامون کے بیت الحکمۃ میں رواج و معمول تھا۔ (۶)

ان کتب خانوں سے دوسرے عوامی کتب خانوں اور ملک کی سربرآوردہ شخصیتوں میں بھی کتابیں مفت تقسیم کی جاتی تھیں۔ (۷) جامعہ نظامیہ (۸) اور جامعہ مستنصریہ وغیرہ کو شاہی کتب خانوں سے کتابیں دی گئی تھیں

۱- تاریخ الدولۃ الفاطمیۃ: ۴۳۱۔ ۲- المنتظم: ۷/ ۱۷۲، ۸/ ۲۳، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۳۱۲، دلیل خارطۃ بغداد: ۱۴۶۔

۳- المنتظم: ۸/ ۲۱۶۔ ۴- ایضاً: ۱۰/ ۵۲، ذیل طبقات الحنابلہ: ۲/ ۱۸۶-۱۸۷، شذرات الذھب: ۴/ ۹۳ منہج ۱ احمد: ۲/ ۲۴۳۔ ۵- الخطط المقریزیۃ: ۲/ ۳۶۷، شذرات الذھب: ۴/ ۳۲۵۔ ۶- الفہرست: ۱۵۴۔

۷- اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ: ۴۰، مرآۃ الزمان: ۸/ ۷۳۹، ق: ۲، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۱۶۔ ۸- مرآۃ الزمان: ۸/ ۳۲۱، ۳۲۲، البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۶، الکامل: ۱۲/ ۱۰۴، النجوم الزاھرۃ: ۶/ ۱۳۲، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۸۹، المفصل فی تاریخ العرب: ۱۸۵۔

(۱) ان وجوہ سے شاہی کتب خانوں کا ذخیرۂ کتب لاکھوں کی تعداد میں محفوظ رکھا جاتا تھا۔

ذاتی کتب خانہ:

ذاتی کتب خانوں میں کتابوں کی اوسط تعداد ایک بار شتر بھی کافی سمجھی گئی، چنانچہ مؤرخین نے البیرونی اور ابنِ حزم کے کتب خانہ کے سلسلے میں اسی تعداد کو کافی سمجھا ہے۔ (۲) دوسری اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ بہت ترقی نہ کر سکا تھا مذکورۂ بالا معیار ہی برقرار رہا۔ (۳)

اس سے اسلامی دور کے کتب خانوں کے تاریخ کی ارتقائی منازل کا بخوبی اندازہ کیا جا سکے گا۔

ہم نے ذاتی کتب خانوں کے انتخاب میں اس اصول کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔

ذاتی کتب خانوں کے سلسلہ میں کم سے کم مقدارِ کتب جس پر خزانہ کا لفظ بولا گیا ہے، وہ ایک قمطر کبیر (بڑا بورا) ہے چنانچہ ابن الندیم نے ابن ابی بعرہ کے کتب خانہ پر جو ایک بڑے قمطر میں رکھا ہوا تھا، لفظ خزانہ کا اطلاق کیا ہے۔ (۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں نادر ذخیرہ کے ایک بڑے قمطر پر بھی کتب خانہ کا لفظ بولا جاتا تھا، عہدِ عباسی میں انفرادی کتب خانے اس اعتبار سے کہ ان کا مالک فردِ واحد ہوتا اور اسے ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوتا تھا، بلاشبہ شخصی اور انفرادی کتب خانے کہے جانے کے مستحق ہیں۔

عہدِ عباسی میں اس قسم کے شخصی وانفرادی کتب خانے اپنی ہیئت میں ذاتی کتب خانوں کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ ادارے تھے بلکہ ادارہ جاتی کتب خانے کہے جانے کے مستحق تھے۔ اس لیے کہ یہ جن کے کتب خانے تھے وہ کم وبیش عوامی کتب خانوں کے تمام وظائف ادا کرتے تھے۔ ان میں ۱۔ تعلیم، ۲۔ تحقیق اور ۳۔ ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان سب ہی کچھ مہیا تھا۔ مثلاً ابوزرعۃ عبیداللہ رازی کا کتب خانہ اس نوع کا تھا (۵) حسن نوبختی المتوفی (۹۲۲ء/ ۳۱۰ھ) کا محل سرا جس میں کتب خانہ قائم تھا، اس میں بیٹھ کر مطالعہ ہی نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اسحاق بن حنین المتوفی ۲۹۲ھ، ثابت بن قرہ المتوفی ۲۸۸ھ اور سعید دمشقی ترجمہ وتالیف کا کام بھی کرتے

۱۔ الحوادث الجامعہ: ۵۴، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۲۲۔ ۲۔ الانتقاء: ۶۲، الذخیرۃ: ۱/ ۱۴۲۔

۳۔ تاریخ بغداد: ۴/ ۱۷۸، الانتقاء: ۶۹، طبقات فقہاء الیمن: ۱۳۸، معجم الأدباء: ۶/ ۳۷۳۔ ۴۔ الفہرست: ۶۱۔

۵۔ تاریخ بغداد: ۱۰/ ۳۳۰-۳۳۱، تہذیب التہذیب: ۷/ ۳۳۔

تھے۔(۱)

ابوالوفاء بن سلمہ ہمدانی کے کتب خانہ کا نام محض ابوتمام حبیب بن اوس طائی (۱۹۰-۲۳۱ھ) کے ''دیوان الحماسہ'' کی وجہ سے آج تک زندہ ہے، ابو تمام نے ایک قصیدہ حاکمِ خراسان عبداللہ بن طاہر (۱۸۲-۲۳۰ھ) کی مدح میں لکھا اور اسے جا کر سنایا۔ انعام پایا، عراق آرہا تھا ہمدان میں ابوالوفاء بن سلمہ نے ایک دن کے لیے ٹھہرایا، برف باری شروع ہوئی، راستہ منقطع ہوگیا، ابوتمام نے ان کے خزانۃ الکتب میں (۲) ۸۰۴ نامور شعراء کے (۸۸۱) قصائد و مقطعات کو جو (۲۱۳۳) شعروں پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ دس اقسامِ شعر میں مرتب کیا اور عرب کی سب سے غالب صفت شجاعت کی نسبت سے اس مجموعہ کا نام ''دیوان الحماسہ'' رکھا۔ آج ابوالوفاء بن سلمہ کا تذکرہ بھی کتابوں میں محفوظ نہیں، اس واقعہ سے جس کو ایک ہزار برس سے اوپر گزر چکے ہیں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ شخصی و عوامی ہر قسم کے کتب خانے اپنی خدمات کی وجہ سے تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں زندہ ہیں، چنانچہ آج نہ ابنِ سلمہ ہے اور نہ اس کا کتب خانہ مگر ''دیوان الحماسہ'' جب تک موجود ہے ابوالوفاء ابن سلمہ کا نام زندہ ہے، (۳) ذاتی و شخصی کتب خانے بھی انہی خدمات کی وجہ سے تاریخ میں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

یہ واقعہ ہمارے اس دعوے کی نہایت روشن دلیل ہے کہ عہدِ عباسی میں ہر پڑھے لکھے کے یہاں کتب خانہ ہوتا تھا۔

وہ شائقینِ کتب جن کو کسی خاص فن یا چند مخصوص فنون میں مہارت حاصل ہوتی تھی، ان کے ذخائرِ علوم و کتب بھی انہی فنون کے جامع ہوتے تھے اور اس طرح عہدِ عباسی میں خصوصی اور اختصاصی قسم کے کتب خانے معرضِ وجود میں آتے رہتے تھے۔ جن افراد کے مذاق میں یا جن سربرآوردہ شخصیتوں کی طبائع میں تنوع و جامعیت ہوتی تھی یا ان کے ثقافتی اور معاشرتی مصالح اور محلاتی نشستیں تنوع، کثرت و جامعیت فنون کی متقاضی ہوتی تھیں، ان کے ذخیروں فنون اور کتب خانوں میں ہر علم و فن کی کتابیں مہیا کی جاتی تھیں۔ (۴)

تذکرہ نگاروں نے شخصی اور عوامی کتب خانوں کے ذخائرِ کتب کی ندرت، اہمیت اور تحقیقی و استنادی

۱- الفہرست: ۲۵۱، فرق الشیعۃ: ۲۰۔

۲- کشف الظنون: ۱/ ۶۹۱، التذکرۃ العربیۃ فی الاشعار العربیۃ: ۱۲-۱۳۔

۳- کشف الظنون: ۱/ ۶۹۱، نسائم الاسحار: ۷۹۔

۴- الفہرست: ۲۰۵، معجم الأدباء: ۶/ ۱۱۶، البدایہ والنہایہ: ۱۲/ ۱۳۴۔

حیثیت کو بتانے کے لیے

۱-"اَلْاُصُوْلُ"(۱)

۲- یا"اَلْاُصُوْلُ الْمُتْقِنَۃُ"(۲)

۳-اسی طرح"اَلْخُطُوْطُ الْمَنْسُوْبَۃُ"(۳)

۴- یا"بِخُطُوْطِ الْاَئِمَّۃِ الْمُعْتَبَرَۃِ"(۴)

۵- یا"اَلْخُطُوْطُ الْقَدِیْمَۃُ"(۵) وغیرہ کے الفاظ بھی کثرت سے لکھے ہیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے کتب خانے میں نامور خوشنویس، ابن مقلہ، ابن البواب، جوہری وغیرہ یا مشہور مصنفین کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے محفوظ تھے جن سے بنیادی کتب کی طرف اشارہ ہوتا تھا۔(۶)

ایسی کتابیں جو عام دلچسپی کا باعث ہوتی تھیں، اس کا ذخیرہ تو کم وبیش ہر ایک کے پاس ہوتا تھا۔ مورخین وتذکرہ نگار ایسے ذخیرۂ کتب کی نشاندہی کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے تھے، اس لیے ہر کتب خانہ کے ذخیرے کو پرکھنے کے لیے انہوں نے دو معیار قائم کیے ہوئے تھے۔

۱-استنادی کتب کا ذخیرہ (الاصول)

۲- معیاری اور بنیادی کتب کا ذخیرہ (اَلْخُطُوْطُ الْمَنْسُوْبَۃُ) ابن الندیم نے اس کے لیے "اَلْخُطُوْطُ الْقَدِیْمَۃُ"(۷) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے فارسی، اردو میں قدیم اور جدید مخطوطہ کو بتانے کے لیے"قَدِیْمُ الْخَطّ اور جَدِیْدُ الْخَطّ" کا لفظ بولا جاتا ہے، اس سے مقصد اس کی بنیادی حیثیت کو بتانا ہوتا ہے، اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ بنیادی کتب کیا ہے۔

انہی دو قسم کے ذخیرۂ کتب کی معتد بہ تعداد کو دیکھ کر ہر ایک کتب خانہ کی حیثیت کا تعین کیا جاتا تھا۔ جن لوگوں کے پاس استنادی کتب اور اساسی کتابوں کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہوتا تھا اس کا ذکر کر ہی دیا جاتا تھا۔

یہ اصول بھی استقرائی ہیں جو ہم نے تاریخ وتذکرہ کی کتابوں کے مسلسل مطالعہ اور جستجو سے پائے ہیں۔

۱-الوافی بالوفیات:۸/ ۲۳۲، التکملۃ لوفیات النقلۃ: ۳/۱۶۹، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۸۶، العبر :۵/ ۲۷۳، کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ :۲/ ۴۰، ذیل مراۃ الزمان: ۲/ ۲۲۶، معجم البلدان: ۱/ ۵۳۴۔ ۲-معجم الادباء: ۳/ ۲۱۰۔ ۳-ایضاً: ۳/ ۲۱۰۔

۴-مراۃ الزمان: ۸/ ۶۳۷، معجم الادباء: ۳/ ۱۵۰، معجم البلدان: ۱/ ۵۳۴۔ ۵-الفہرست: ۶۱۔ ۶-ایضاً۔ ۷-ایضاً۔

مذکورۂ بالا اصول کی روشنی میں عہدِ عباسی کے کتب خانوں کی حیثیت اور ان کے مقام کا تعین بھی بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ اہلِ علم افادی وتحقیقی نقطۂ نظر سے کتابوں کے انتخاب وذخائرِ کتب کے فراہم کرنے میں ان اہم اور بنیادی پہلوؤں پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے۔

امیر، وزیر اور اہلِ ثروت مسابقت کے جذبہ کے تحت اس قسم کی کتابوں کے حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کوشاں رہتے تھے۔(۱)

عہدِ عباسی میں کتابوں اور کتب خانوں کا شوق عوام وخواص سب ہی کو تھا۔ بادشاہ اور وزیر، امیر وغریب سب کتابوں کے جویا ہوتے تھے، اگر کسی کے پاس کوئی نادر ذخیرہ ہوتا بادشاہ تک اس کے لینے کا خواہش مند ہوتا تھا۔

اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بعض ایسے لوگ جن کا اہلِ علم میں کوئی مقام نہیں ہوتا وہ بھی نادر ذخیرہ کو جی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

ابن ابی بعرہ کے پاس ایک قمطر ایسے ہی نوادر پر مشتمل تھا۔ بنوحمدان اس کے حاصل کرنے کی فکر میں تھے اور وہ اس ڈر سے اس ذخیرے کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتا تھا۔(۲)

ابن الندیم جیسا کتاب شناس بڑے جتن کے بعد اس نادر ذخیرہ کو دیکھنے میں کامیاب ہوا تھا، یہ ذخیرہ بھی ابن ابی بعرہ کی زندگی تک اس کے پاس رہ سکا، اس کی آنکھ بند ہوتے ہی پورا ذخیرۂ کتب ایسا غائب ہوا کہ پھر کہیں اس کا سراغ نہ لگ سکا۔(۳)

مؤرخین وتذکرہ نگار علماء کے حالات میں ان کے کتب خانوں کا ذکر کرتے ہیں، محمد بن حسین المعروف بابن ابی بعرہ کوئی عالم نہ تھا، مصنف مدرس وشاعر نہ تھا، ابن الندیم نے بھی اس کے نام کے ساتھ کسی ایسی صفت کا اضافہ نہیں کیا ہے جس سے اس کے عالم ہونے کا شبہ بھی ہوسکے۔ اس لیے اس کا ذکر مؤرخین وتذکرہ نگاروں کے یہاں کیوں آتا پھر یہ بخیل بھی تھا، کتابیں اہلِ علم کو دکھاتا بھی نہ تھا، کتابیں جب اہلِ علم کے استعمال ومطالعہ میں نہیں آتیں اور ان کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں ان کا تذکرہ بھی تاریخ کے صفحات میں جگہ نہیں پاتا، اس لیے اس کا تذکرہ تذکرہ نگاروں کے یہاں نہیں ملتا۔

۱-الفہرست:۶۱۱۔ ۲-ایضاً:۶۱۱۔ ۳-ایضاً۔

کتب خانہ کی جان:

اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کتب خانہ کی جان، اس کی خدمات اور کتابوں کا استعمال میں آنا ہے، جن کتب خانوں کا اربابِ تذکرہ نے تذکرہ کیا ہے، وہ ان کی خدمات (Services) کی بنا پر کیا ہے، جو وہ انجام دیتے رہے تھے۔ ابن ابی بعرہ کا ذخیرہ بڑے ہی نوادر پر مشتمل تھا، لیکن اس کی شہرت علمی حلقوں میں نہیں تھی، اس کی اصل وجہ اس کا اپنے ذخیرۂ علم سے اہلِ علم کو محروم رکھنا تھا، اگر یہ کتب خانہ اہلِ علم کے استعمال میں آتا تو اس کا ذکر مؤرخین کے یہاں بھی ملتا، کتب خانہ کی بقاء، ارتقاء اور حیاتِ جاوید کا راز اس کتب خانے کا استعمال ہے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ دورِ عباسی کی تاریخ کے صفحات میں جن انفرادی اور غیر انفرادی کتب خانوں کا ذکر آیا ہے، وہ ان کی خدمات کی وجہ سے آیا ہے، محض ذخیرۂ کتب کی وجہ سے نہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں کتب خانوں کا استعمال سب سے زیادہ ہوتا تھا۔

تاریخ و تذکرے کی کتابوں میں جن ناخواندہ اور عامی لوگوں کے کتب خانوں کا ذکر ملتا ہے، وہ ان کے کتب خانوں کے وقف کرنے اور استعمال میں آنے کی وجہ سے ملتا ہے، انہوں نے کتب خانوں کے دروازے اہلِ علم کے لیے کھولے ہوئے تھے، اس لیے وہ کتب خانے اور ان کی کتابیں، ان کے بانی (Founders) علمی حلقوں میں معروف ہوتے تھے اور ہر اہلِ علم زیرِ بارِ احسان ہو کر ان کا ذکر کرتا تھا۔(۱)

ابنِ ابی بعرہ کے کتب خانے کو صرف ابن الندیم نے دیکھا تھا اور اس سے اس نے فائدہ اٹھایا تھا، اس لیے اس کا تذکرہ بھی اس نے ''کتاب الفہرست'' میں کیا اور اس کا نام تاریخ کے صفحات میں باقی رہ گیا ورنہ علمی دنیا میں ابن ابی بعرہ کا صاحبِ خزانۃ الکتب کی حیثیت سے نام ہی نہ ملتا۔

کتب خانہ کی خوبی واہمیت:

اس سے یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ کتب خانہ کی اہمیت اور خوبی کثرتِ کتب پر موقوف نہیں بلکہ مواد کی قدامت، ندرت اور اس کی استنادی حیثیت پر مبنی ہے۔ ابن ابی بعرہ کا ایک قمطر بڑے بڑے کتب خانوں پر

۱- فقہ اللغۃ:۹۔

بھاری تھا۔ عہدِ عباسی میں اہلِ علم کی نظر ہمیشہ کتابوں کی علمی حیثیت اور ان کے افادی واستنادی پہلو پر رہتی تھی، اس لیے ابن الندیم جیسے بالغ نظر کتاب شناس نے اس کتب خانہ کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہے۔

''لَهُ خِزَانَةُ كُتُبٍ لَمْ اَرَ لِاَحَدٍ مِثْلَهَا كَثْرَةً''(۱) میں نے اس جیسا کثرت وندرت کتب میں کسی کا کتب خانہ نہیں دیکھا۔

کتب خانہ پر تبصرہ:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاصر تذکرہ نگاروں نے اگر کسی کے کتب خانہ کے متعلق کوئی تبصرہ کیا ہے تو وہ مشاہدہ کے بعد کیا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے ایسے ہی ذخیرۂ کتب کے لیے بعد میں ''الاصول'' اور ''الخطوط المنسوبہ و الخطوط القدیمہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس لیے کہ ''الاصول اور الخطوط المنسوبہ''، قدیم، نادر اور مستند تینوں صفات کے جامع ہوتے ہیں۔

اسی نکتہ کو پیشِ نظر عہدِ عباسی کے تذکرہ نگاروں نے ہر چھوٹے بڑے کتب خانہ کی نشان دہی کی ہے، اس کی تائید مزید یاقوت کے مرو شاہجہان کے کتب خانوں کے بیان سے بھی کی جاسکتی ہے۔(۲)

شاہانِ عباسی کے حدودِ مملکت:

اس تحقیقی مقالہ کے موضوع ''کتابی تہذیب کے ثقافتی جلوے'' پر بحث سے پہلے شاہانِ عباسی کے حدود مملکت کی وسعت پر نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ عہدِ عباسی کے اسلامی کتب خانوں کا دائرۂ بحث کتنا وسیع ہے۔

مشرق میں اسلامی قلمرو کی حدود و وسعت کے متعلق مشہور جغرافیہ نویس ابن حوقل المتوفی ۳۸۰ھ کا بیان ہے۔

''ہمارے زمانے میں اسلامی مملکت کا طول فرغانہ کے حدود سے خراسان، الجبال (میڈیا) عراق اور دیارِ عرب سے ہوتا ہوا ساحلِ یمن تک پہنچتا ہے۔ یہ تقریباً پانچ ماہ کی مسافت ہے۔ اسی کا عرض ملکِ روم (بزنطینی سلطنت) سے شروع ہوکر شام، عراق، فارس اور کرمان ہوتا ہوا بحیرۂ فارس (بحرِ ہند) کے ساحل پر المنصورہ

۱۔ الفہرست: ۲۱۱۔
۲۔ معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔

کے علاقے تک چلا جاتا ہے، جو تقریباً چار ماہ کی مسافت ہے۔ میں نے اسلامی قلمرو کے طول میں سرحد مغرب (شمالی افریقہ) اور اندلس (ہسپانیہ) کو اس لیے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہ ایک قبا کی آستین کی طرح ہے۔"(۱)

ابن حوقل نے چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے وسط میں اسلامی قلمرو کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ربع مسکون کا زیادہ تر حصہ ان ممالک پر مشتمل تھا جو مسلمان فرمانرواؤں کے زیرِ نگین تھا اور وہاں اسلامی تہذیب کا بول بالا تھا۔ اگرچہ یہ ممالک سیاسی طور پر متحد نہ تھے لیکن ان کے مابین مذہبی اور ثقافتی مشترک بندھن اتنے مضبوط تھے کہ ان کے باشندے اپنے آپ کو ایک وسیع سلطنت کا شہری سمجھتے تھے، جس کا مذہبی مرکز مکہ معظمہ اور ثقافتی وسیاسی (اور علمی) مرکز بغداد تھا۔(۲)

شاہانِ عباسی کا دار الخلافہ:

مدینۃ السلام وقبۃ الاسلام بغداد ہر فن کے اربابِ کمال کا مرکز تھا۔ تیسری صدی ہجری میں یہ متمدن دنیا سے عبارت تھا۔ چنانچہ امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ نے یونس بن عبدالاعلیٰ المتوفی ۲۶۴ھ سے پوچھا: بغداد گئے ہو؟ کہا "نہیں" فرمایا "تم نے نہ دنیا دیکھی اور نہ دنیا والوں کو دیکھا۔"(۳)

چوتھی صدی ہجری میں اربابِ کمال کی فہم وفراست، علمی بصیرت وثقافت کا امتحان بلند اور ناموران بغداد کے متعلق سوالات سے کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن العمید المتوفی ۳۶۰ھ نے صاحب ابن عباد المتوفی ۳۸۵ھ کی بغداد سے واپسی پر اس سے بغداد کے متعلق پوچھا اس نے جواب دیا: "بغداد، بلاد میں ایسا ہے جیسے شاگردوں میں استاد۔" اس کے بعد ابن العمید نے جاحظ کی تالیفات کے متعلق پوچھا تھا۔(۴)

پانچویں صدی ہجری میں شیخ زاہد ابو اسحاق ابراہیم فیروز آبادی المتوفی ۴۷۶ھ فرماتے تھے، "جو صحیح العقل، صحیح المذاق بغداد آیا، وہ یہاں سے مر کر نکلا یا مرنے کی تمنا دل میں لے گیا"(۵) مشہور ادیب وفلسفی ابو العلاء معری المتوفی ۴۴۹ھ کہتا تھا: "بغداد بہت بڑا شہر ہے، یہاں تم ہر آن نئے اربابِ فضل وکمال کو دیکھو گے، جن کو اس سے پہلے دن نہ دیکھا تھا"۔(۶)

علامہ ابن حزم "فضائل اہل الاندلس" میں لکھتے ہیں:

۱-کتاب صورۃ الارض: ۲۵-۲۶۔ ۲-میراث الاسلام: ۱۰۷۔ ۳-تاریخ بغداد: ۱/۴۵، معجم البلدان: ۱/۴۶۱۔
۴-مناقب الوزیرین: ۲۹۲۔ ۵-معجم البلدان: ۱/۴۶۱۔ ۶-ایضاً: ۴۶۲۔

''یہ بغداد جو دنیا کی بستی اور ہر فضیلت کی کان ہے وہ مقام ہے کہ جہاں کے رہنے والے معارف کے پرچم بلند کرتے ہیں اور علوم و دقتِ نظر میں، لطافت اخلاق، فطانت و ذکاوت اور فکر رسائی و ذہن رسائی میں سبقت لے گئے ہیں۔'' (۱) ابوالطیب اللغوی ''مراتب النحویین'' میں رقمطراز ہیں:

''بغداد مدینۃ الملک (شاہ کا شہر) ہے مدینۃ العلم (علم کا شہر) نہیں، اس میں خلفاء، وزراء اور ان کی رعیت کی قدردانی و سرپرستی کی بنا پر دوسرے شہروں سے علم منتقل ہو کر یہاں آیا اور پروان چڑھا۔ (۲)

عراق عرب، جس کا پایۂ تخت بغداد تھا، اس کی علمی حیثیت کا تذکرہ اوپر گزر چکا، عراق عرب کے شہروں میں بصرہ کوفہ وغیرہ کو بعض وجوہ سے شہرتِ خاص حاصل ہے۔ اس لیے اس اقلیم میں صرف انہیں دو شہروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بصرہ:

بصرہ ان تمام فضائل و کمالات کا جامع تھا جن سے بغداد معمور تھا (۳) اسے ''قبۃ السلام'' (۴) اور چشمِ عراق کہا جاتا تھا۔ (۵) اسے عربیت، نحو، لغاتِ عرب اور غریب و نوادر میں تقدم حاصل تھا۔ (۶) خلیل بصری المتوفی ۱۷۰ھ/ ۷۸۹ء نے نحو میں سب سے پہلی کتاب یہیں مدون کی تھی، تصوف و کلام کا بھی یہ مرکز تھا، حسن بصری (المتوفی ۱۱۰ھ) نے اسی سرزمین میں ان علوم کی آبیاری کی تھی۔

بصرہ میں محدثین، مؤرخین، عروضی اور ائمہ لغت کی کثرت کے متعلق نضر بن شمیل کی بصرہ سے خراسان کی طرف روانگی کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے جو اس امر کی نہایت روشن دلیل ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ میں خصوصی اور فنی کتب خانوں کی کثرت تھی۔

کوفہ:

کوفہ، علومِ اسلامی کا صدیوں مرکز رہا ہے۔ اسے دار الفضل والفضلاء (۷) (فضیلت و فضلاء کا گھر) قبہ اسلام، دار ہجرۃ المسلمین (۸) کہا جاتا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اس کو معدنِ علم و فقہ کہتے تھے۔ (۹)

۱- فضائل الاندلس واھلھا: ۱۰۔ ۲- مراتب النحویین: ۱۰۱۔ ۳- فضائل الاندلس: ۱۰۔ ۴- الأنساب: ۱/ ۶۳۔
۵- لطائف المعارف: ۱۶۷۔ ۶- طبقات الشعراء: ۵۔ ۷- صحیح مسلم بشرح النووی: ۴/ ۱۷۴۔
۸- تاج العروس: ۶/ ۲۴۰۔ ۹- مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ: ۱/ ۱۵۶، امام ابن ماجہ اور علم حدیث: ۴۳-۴۴۔

کوفہ و بصرہ: نحو ولغت کا گہوارہ تھے؛ چنانچہ لغت ونحو کی کتابوں میں ان دو مقامات کے علاوہ عام طور پر کسی اور جگہ کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا۔

امام اعظم نے فنِ حدیث کی تبویب اور فقہ حنفی کی تدوین کا آغاز کوفہ ہی میں کیا تھا۔(۱)

قراء سبعہ میں سے تین قاری عاصم المتوفی ۱۳۷ھ/ ۷۴۵ء، حمزہ المتوفی ۱۵۶ھ/ ۷۷۶ء اور کسائی المتوفی ۱۸۹ھ/ ۸۰۵ء کوفی تھے، کوفی رسم خط یہیں پروان چڑھا۔ آج بھی اسی نسبت سے مشہور ہے۔

محدثین کا بھی یہ مرکز تھا، یونس بن بکیر المتوفی ۱۹۹ھ/ ۸۱۵ء کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں سات سو شیوخ حدیث کو دیکھا جن میں سب سے برتر اعمش المتوفی ۱۴۸ھ تھے(۲) محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ/ ۷۲۹ء کا بیان ہے: میں کوفہ میں آیا تو یہاں چار ہزار طلبۂ حدیث دیکھے، ان میں سے چار سو فقیہ ہو چکے تھے(۳) شاذکونی المتوفی ۲۳۴ھ فرماتے تھے: میں بیس سے زیادہ مرتبہ کوفہ میں حدیث لکھنے آیا تھا(۴) ثابت بنانی المتوفی ۱۲۳ھ کہتے تھے: فقہ کوفہ اور عبادتِ بصرہ مشہور ہے۔(۵)

مذکورہ بالا تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ عربی رسم خط، قراءت، فقہ، کلام، لغت ونحو اور فضلاء و محدثین کا منبع ومخزن تھا۔ یونس بن بکیر المتوفی ۱۹۹ھ کے مذکورۂ بالا بیان سے دیگر علوم وفنون کے علاوہ یہاں کم از کم سات سو ذخائر حدیث اور محدثین کے انفرادی کتب خانوں کا بھی اشارۃً ثبوت ملتا ہے۔

خراسان:

خراسان بہت مردم خیز خطہ تھا۔ اس کے متعلق یاقوت کہتا ہے۔

''برامکہ، قحاطبہ، طاہریہ، ساسانیہ اور علی بن ہشام وغیرہ جن کی نظیر اقوامِ عالم میں نہیں، خراسانی تھے۔ علم کے شہسوار، سردار اور نامور اس سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام بخاری، مسلم، ابو عیسیٰ ترمذی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، ابو حامد غزالی، امام الحرمین جوینی اور حاکم نیشاپوری وغیرہ ائمہ حدیث وفقہ جن کی نظیر نہیں، اسی سرزمین کے رہنے والے تھے۔ الازہری، الجوہری، عبداللہ بن مبارک جیسے ادباء وصوفیہ خراسانی تھے، فارابی صاحب دیوان الادب الہروی، عبدالقاہر جرجانی اور ابوالقاسم زمخشری جیسے ادباء وشعراء جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا، خراسان سے تعلق رکھتے تھے۔

۱-امام ابن ماجہ اور علم حدیث: ۴۳-۴۴۔ ۲-تاریخ بغداد: ۱۲/ ۳۴۹۔ ۳-المحدث الفاصل: ۵۶۰۔ ۴-ایضاً: ۲۱۵۔ ۵-نور القبس۔

وزیر فقیہ ابو عبید البکری المتوفی ۴۸۷ھ فرماتے ہیں:

''خراسان میں اتنے علماء، فضلاء، محدثین و مرتاض بزرگ ہوئے ہیں کہ اگر تم ہر شہر کے محدثین جمع کرلو تو ان میں سے آدھے خراسانی ملیں گے۔ حکومت کے بیشتر رجال کار خراسانی تھے (۱) غرض ہر فن کے علماء خراسان سے اتنی بڑی تعداد میں نکلے ہیں کہ شمار ممکن نہیں ہے۔ غالباً انہیں وجوہ سے ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بلخی نے مفاخرِ خراسان لکھی تھی۔ (۲)

مرو، نیشاپور، بلخ اور ہرات خراسان کے چار عظیم الشان شہر تھے، اگر تم انہیں اسلام کے شہر کہو تو بھی درست ہے۔ اس عہد میں یہیں مختلف علوم و فنون کے دربار جمے تھے، بادشاہت، وزارت اپنی عظمت کے ساتھ یہیں جلوہ گر رہی تھی (۳) یہ علماء کی جنت ہے، یہاں آج (۷۷۰ھ) تک علماء موجود ہیں اور عزت، شرف سے ممتاز ہیں۔ ان کی نظیر تمام بلاد میں نہیں ہے۔ (۴)

خراسان میں جہمیہ اور مقاتلیہ بھی بہت پائے جاتے تھے (۵) ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کچھ بے جا نہیں کہ خراسان علم و فن کا گہوارہ تھا اور عہدِ عباسی میں یہاں ہر نوع اور صنف کے ذخائر اور کتب خانوں کی بہت کثرت تھی، حال ہی میں ایران سے ''کتاب خانہ ہائے آستان خراسان از آغاز اسلام تا عصرِ حاضر شامل کتاب خانہ ہائے عمومی و خصوصی آموزشی شخصی'' نامی کتاب ادارہ کل فرہنگ و ہنر خراسان ۱۳۵۰ف شائع ہوئی ہے۔ وہ زیادہ وقیع نہیں تاہم کتب خانوں کی کثرت کی شاہد اور ہمارے مذکورۂ بالا خیال کی مؤید ہے۔

بلخ:

بلخ، عہدِ عباسی میں دار الفقہ والا جتہاد تھا۔ (۶) اور اسے خزانۃ الفقہ کہا جاتا تھا۔ (۷) قضاء، افتاء اور خطابت جیسے منصب پر احناف ہی ممتاز تھے، یہ پارسیوں کے لیے ایسا ہی مقدس تھا جیسے مسلمانوں کے لیے مکہ، اور نو بہار بلخ تو ان کے لیے مثل کعبہ تھا (۸) برامکہ اور ملوک آل ساسان بلخی تھے۔ یہاں ہر فن کے علماء کی کثرت رہی ہے۔ (۹)

۱- معجم ما استعجم: ۱/ ۲۹۰۔ ۲- کشف الظنون: ۲/ ۱۷۵۸۔ ۳- طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۱/ ۳۲۵-۳۲۶۔ ۴- الحضارۃ الاسلامیۃ: ۱/ ۲۴۲۔ ۵- الأنساب: ۵/ ۷۱۔ ۶- فضائل بلخ: ۲۹، ۴۴، احسن التقاسیم: ۳۴۔ ۷- ایضاً: ۳۴۔ ۸- معجم البلدان: ۵/ ۳۰۷۔ ۹- الأنساب الحنفیۃ: ۱۹۔

مروشاہجہان:

حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ نے اگرچہ نیشاپور کی تاریخ لکھی ہے، لیکن اس کی فضیلت کو بھی تسلیم کیا ہے، مرو سے اتنی نامور شخصیتیں، اکابر، علماء دین اور ارکینِ علم نکلے ہیں کہ کسی اور شہر سے ان جیسے پیدا نہیں ہوئے، یہ سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کی قیام گاہ اور سلاجقہ کا پایہ تخت رہا(۱) یہ علماء کا بہارستان، بادشاہوں اور وزیروں کا عشرت کدہ تھا۔(۲)

یاقوت نے یہاں کے بارہ ایسے عوامی کتب خانوں کا جو اہلِ علم کو بلا طلب زرِ ضمانت بیک وقت دو سو مجلدات عاریۃً دیتے تھے، ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا، مجھے تاتاریوں کے حملہ نے اسے چھوڑنے پر مجبور کیا۔(۳)

مرو، بلخ اور سغد سے نجوم وریاضی کے ماہر پیدا ہوئے ہیں (۴) خراسان میں مرو اور عراق میں بغداد شعوبیہ کی تحریک کا مرکز تھا۔(۵)

مذکورۂ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر بھی عہدِ عباسی میں علوم وفنون کا مرکز رہا اور یہاں بھی انفرادی، عوامی اور ادارہ جاتی کتب خانوں کی کثیر تعداد تھی۔

نیشاپور: یہ فضائل کا جامع، فضلاء کی کان اور علماء کا مخزن تھا۔ بلادِ اسلامی میں اس کی نظیر نہ تھی۔ اتنے ائمہ فن یہاں سے نکلے ہیں جن کا شمار نہیں۔(۶) علماء کی اکیڈمی تھا۔(۷) بغداد کے بعد اس کی مثال نہ تھی۔(۸) یہ دارالسنۃ والعوالی (سنت اور عالی استاذ کا گھر) تھا۔ حملۂ تاتار تک لوگ اس کی طرف تحصیلِ علم کے لیے آتے تھے۔(۹) نیشاپور میں محلہ باغ رازیان اہلِ علم وتجار کا محلہ تھا(۱۰) یہاں علامہ رضی الدین نیشاپوری حنفی کے حلقۂ درس میں بیک وقت چار سو فضلاء فقیہ شرکت کرتے تھے۔(۱۱)

اس کی عظمت وعلمی حیثیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ حاکم نیشاپوری نے آٹھ جلدوں میں اس شہر کی تاریخ لکھی تھی۔(۱۲)

۱- معجم البلدان: ۵/۱۱۲-۱۱۳۔　۲- طبقات الشافعیۃ الکبری: ۱/۳۲۵۔　۳- معجم البلدان: ۵/۱۱۴۔　۴- تاریخ الحکماء: ۱۲۸۔
۵- المقومات الثقافیۃ: ۸۴-۸۵۔　۶- معجم البلدان: ۱/۳۳۱-۳۳۳۔　۷- آثار البلاد: ۴۷۳۔　۸- طبقات الشافعیۃ الکبری: ۱۱/۳۲۴۔
۹- الانساب: ۵/۵۵۰۔　۱۰- الاعلان بالتوبیخ: ۲۹۸۔　۱۱- تاریخ نیشاپور: ۱۲۴۔　۱۲- آثار البلاد: ۴۷۴۔

علامہ تاج الدین سبکی المتوفی ۷۷۱ھ شافعیوں کی راجدھانیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مشرق میں اختلافِ اقالیم و وسعتِ بلاد کے باوجود دوسرے شہروں میں جیسے سمرقند، بخارا، شیراز، جرجان، رے، اصفہان، طوس، ساوہ، ہمدان، دامغان، زنجان، بسطام، تبریز، بیہق، میسھنہ، استرآباد وغیرہ اقالیم ماوراء النہر، خراسان، آذربائیجان، مازندران، خوارزم، غزنہ، غوروکرمان سے بلادِ ہند تک اور ماوراء النہر کا علاقہ اطرافِ چین تک عراق عجم وعراق عرب ان تمام اقلیموں میں ایسے ایسے شہر آباد تھے جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی رہتیں اور دل باغ باغ ہوتے تھے۔''(۱)

یہ اسلامی اقالیم وبلاد کی شاندار علمی وثقافتی ترقی کی طرف نہایت لطیف اشارے ہیں۔

ان بلاد اسلامی کے باشندوں کے عیوب ونقائص کا ذکر کتب تاریخ وجغرافیہ میں کہیں آ گیا ہے تو اس سے اہلِ علم ادباء وفقہاء مستثنیٰ ہیں جیسا کہ مقدسی نے تصریح کی ہے۔(۲)

ہرات: یہ بھلائیوں کا جامع، علماء فضلاء اور دولت مندوں سے معمور ہے۔ اسے بھی نظر لگ گئی اور تاتاریوں نے تباہ کر دیا۔(۳) یہاں کلام، لغت، حدیث اور اصول کی گرم بازاری رہی ہے۔

حالیہ ان اقالیم کے بلاد ہی کا نہیں قصبات کا بھی کم وبیش یہی حال تھا۔ مثلاً زوزن جو نیشاپور و ہرات کے درمیان ایک قصبہ تھا۔ اسے فضلاء، ادباء اور اہلِ علم کی کثرت کی وجہ سے بصرہ صغریٰ کہا جاتا تھا(۴) دیگر اقالیم کے بلاد بھی ایسی شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ فسطاط مصر کو ناسخ بغداد و مفخر اسلام کہا جاتا تھا(۵) اقلیم فارس میں غندجان ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یاقوت نے اس کے متعلق لکھا ہے:

''لَا یَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا أَدِیْبٌ أَوْ حَامِلُ سِلَاحٍ''(۶)

(ترجمہ): ''یہاں سے ادیب اور ہتھیار بند ہی نکلتے ہیں''۔

یاقوت کی مذکورۂ بالا تصریح کے پیشِ نظر یہ کہنا کہ یہاں ادب کے خصوصی ذخائر اور کتب خانے تھے، کچھ بے جا نہیں جغرافیہ نویسوں کی ان تصریحات سے کہ فرغانہ میں ہر علم وفن کے علماء اور علوم کی ہر نوع کی کثرت و شہرت رہی ہے۔(۷) یہ بات بھی اشارۃً معلوم ہوتی ہے کہ یہاں ہر علم وفن کے کتب خانے تھے، جہاں کہیں

۱-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۱/۳۲۸۔ ۲-احسن التقاسیم: ۳۵۔ ۳-معجم البلدان: ۴/۳۹۶۔ ۴-ایضاً: ۳/۱۵۸۔

۵-احسن التقاسیم: ۱۹۷، الحضارۃ الاسلامیۃ: ۱/۱۱۔ ۶-معجم البلدان: ۳/۲۳۔ ۷-الانساب: ۴۲۴۔

انہوں نے تخصیص کی ہے مثلاً: ان کا یہ لکھنا کہ طبرہ، طبرستان کا بڑا شہر ہے۔ اس کے نواح میں اہلِ علم، اہلِ ادب، اہلِ فقہ کی اتنی کثرت ہے کہ شمار سے باہر ہے۔(۱)

اس سے یہ بات بھی اشارۃً نکلتی ہے کہ ان اطراف میں ادب وفقہ کے خصوصی اور ہر علم وفن کے عمومی ذخائر وکتب خانوں کی کثرت تھی۔ یہی حال کم وبیش دوسرے اقالیم ماوراء النہر، شام ومصر اور ان کے بلاد وقصبات وغیرہ کا تھا۔ چنانچہ ان بلاد کی تاریخ، ان میں اربابِ فن واہلِ کمال کی کثرت اور علوم وفنون کی گرم بازاری، ذخائرِ کتب اور کتب خانوں کے وجود کی واضح دلیل ہے۔ نیز افراد کے نام سے ان معاشرتی توانائیوں کا جو اس وقت سرگرمِ عمل تھیں اظہار مقصود ہے۔

خراسان کے بعض بلاد کا علمی امتیاز:

یہ بھی حقیقت ہے کہ عہدِ عباسی میں بعض بلاد کو بعض علوم میں شہرتِ خاص حاصل رہی ہے۔ چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی کا بیان ہے:

''اہلِ بلادِ مشرق کو علوم میں یہ طرۂ امتیاز حاصل رہا ہے، خاص طور پر علومِ عقلیہ ومنطق میں انہوں نے اپنی پوری توجہ علمِ بیان کی تحصیل میں صرف کی ہے۔''(۲) مؤرخ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) نے ''الامصار ذوات الآثار'' میں اس طرف اِشارہ کیا ہے۔(۳) خوارزم میں اعتزال کا غلبہ رہا ہے۔ یاقوت رومی کا بیان ہے:

''میں جب خوارزم میں قاسم بن حسین خوارزمی سے ملا اور میں نے ان سے پوچھا کہ جناب کا مذہب کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ میں حنفی ہوں، خوارزمی نہیں۔ اس فقرے کو بار بار دہرایا اور فرمایا: میں نے بخارا میں علوم کی تحصیل کی ہے۔ میں انہی کی آراء کا پیرو ہوں (اس لیے کہ بخارا میں ماتریدیہ واشاعرہ کا غلبہ تھا) اس طرح موصوف نے اپنے معتزلی ہونے کی تردید کی تھی۔''(۴)

مصر وقاہرہ میں تفسیر، حدیث، نحو ولغت کا زیادہ چلن تھا۔ علامہ سبکی کا بیان ہے:

''علمائے مصر نے اپنی صلاحیتیں ان علوم میں صرف کی تھیں جو علمِ بیان کا نتیجہ وثمرہ ہیں۔ جیسے: لغت، نحو، حدیث وتفسیر''(۵) اس طرح بعض ادوار میں بعض بلاد کو بعض علوم کی نشر واشاعت میں زیادہ شہرت حاصل رہی

۱-معجم البلدان: ۴/ ۱۳۔ ۲-عروس الافراح فی شرح تلخیص المفتاح: ۱/ ۵۔ ۳-الاعلان بالتوبیخ: ۴: ۱۴۴۔
۴-معجم الادباء: ۶/ ۱۵۴۔ ۵-عروس الافراح فی شرح تلخیص المفتاح: ۱-۵۔

ہے۔ چنانچہ فاطمین مصر کے زمانہ میں قاہرہ میں عقائد وکلام کا بہت چرچا رہا، ہر طرف سے علماء یہاں کھنچے چلے آتے تھے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ اسلامی قلمرو کے صرف مشہور ترین کتب خانوں کا ذکر اس مقالہ میں کیا گیا ہے۔ برِصغیر پاک وہند بھی اس حدود میں داخل تھے۔ یہاں بھی عربی تمدن کے آثار ملتے ہیں۔ سندھ کے بازاروں میں عربی بولی جاتی تھی۔(۱) اس سرزمین سے نامور علماء وفضلاء پیدا ہوئے، لیکن ان کی شہرت بیرونِ ہند وسندھ، مکہ بغداد وغیرہ میں زیادہ رہی؛(۲) اس لیے اس سرزمین میں ان کے کتب خانوں کا ہمیں سراغ نہیں ملا، تاہم سندھ وہند میں محدثین، فقہاء اور قضاۃ کا وجود اس امر کا شاہد ہے کہ یہ سرزمین بھی اس شرف سے محروم نہیں رہی۔ حسن صغانی لاہوری المتوفی ۶۵۰ھ نے ''صحاح'' جوہری کی یہاں تصحیح کرائی، ''مشارق الانوار'' وغیرہ کتابیں پڑھائی ہیں، یہ تعلیمی سرگرمیاں انفرادی اور عوامی کتب خانوں کی روشن دلیل ہیں، لیکن ہمیں تاریخ سے ایسا قابلِ ذکر مواد نہیں مل سکا جسے اس مقالہ کی زینت بنایا جاسکتا۔

۱-احسن التقاسیم:۴۷۹، المسالک والممالک:۱۰۵، الانساب، ورق:۳۱۴۔ ۲-الانساب:۳/۳۲۰۔

پہلا باب

(اجمالی خاکہ)

☆ مقصدِ مطالعہ۔

☆ انتخابِ موضوع۔

☆ سابقہ مقالہ اور ماخذوں کا سرسری جائزہ۔

☆ وسعت وطریقِ کار۔

دوسرا حصہ

تعارف

(۱) مقصدِ مطالعہ

علم کتاب داری سے متعلق اردو، انگریزی، عربی، فارسی میں اب تک جو مواد ہمارے سامنے آیا، وہ ہماری روایات کو واضح طور پر پیش کرنے سے اس لیے قاصر رہا ہے کہ اس کے جملہ پہلوؤں کو تحقیقی انداز سے اجاگر کرنے کی پہلے کوشش نہیں کی گئی۔ اس لیے اس عہدِ عباسی کی شاندار کتابی تہذیب کی صحیح اور مکمل تصویر نمایاں نہیں ہو سکی۔ متعدد محققوں، دانشوروں اور مؤرخوں نے وقتاً فوقتاً ماضی کے اوراق کو الٹ پلٹ کرنے کے بعد جہاں کہیں بہترین نقش ونگار کو دیکھا انہی سے اس دور کی کتابی تہذیب کی تصویر کو آراستہ کرنے میں اپنی تمام تر توانائیاں لگا دیں۔ ان کی یہ محنت بھی لائقِ تحسین ہے لیکن اس سے جو مقصد تھا، وہ پورا نہ ہو سکا اور ہماری تہذیبی سرگرمیوں اور معاشرتی توانائیوں کا ہلکا سا خاکہ بھی سامنے نہ آ سکا۔

مجھے افسوس ہے کہ ہمارے سنجیدہ و متین دانشوروں نے بالغ نظری سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، نحو ولغت، فلسفہ وادب، تاریخ وجغرافیہ وغیرہ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کرنے کی کبھی سعی نہیں کی۔ جہاں سے بھی کوئی مواد انہیں مل سکا، انہوں نے اس کو سب کچھ سمجھ کر حرفِ آخر کے طور پر پیش کر دیا۔ اس طرح علم کتاب داری میں اسلامی عہد کا زریں دور دھند میں پوشیدہ رہا اور جو خلا تھا وہ باقی رہا اور پُر نہ ہو سکا، اس کو پُر کرنے کی ضرورت تھی۔

میں نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا، میں چونکہ مختلف موضوعات پر کام کرتا رہا ہوں، دورانِ مطالعہ جب میرے سامنے اہلِ استیجہ کا واقعہ (جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا گیا ہے) آیا تو مجھے خود یہ محسوس ہوا کہ ہم اتنے وسائل رکھنے کے باوجود آج بھی حقیقت میں علم وذخائرِ کتب اور کتابی تہذیب کے سلسلہ میں وہ لگن اور امنگ اپنے اندر نہیں پاتے جو عہدِ عباسی میں عام تھی، اس احساس نے مجھے عہدِ عباسی کی کتابی تہذیب تک پہنچایا، میں نے اس عہد کی دلکش کتابی تہذیب کی تصویر اپنے ذہن میں اتارنی چاہی تو مجھے اس تصویر کے خط وخال میں جگہ جگہ

خلا نظر آیا۔ میں نے اس خلا کو پُر کرنے کا عزم کیا اور اس یقین کے ساتھ عزم کیا کہ ان شاء اللہ العزیز مجھے مواد ضرور میسر آئے گا، لیکن سخت محنت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت دی اور میں اس دیرینہ خلا کو پُر کر کے اپنی سعی و جہد کا ثمرہ اس تحقیقی مقالہ میں پیش کر سکا۔

مجھے اطمینان ہے کہ میں نے علمِ کتاب داری کے ادب میں عرصہ سے جو تسلسل ٹوٹا ہوا نظر آ رہا تھا، اس تسلسل کی رسالت مآب ﷺ سے عہدِ عباسی کے آخری تاج دار تک کڑی سے کڑی ملانے، وابستگی و ربطِ باہم کو برقرار رکھنے کا اہتمام کرنے کی اپنی جانب سے پوری کوشش کی ہے۔

اس کوشش میں کتابی و تہذیبی سرگرمیوں کے ماخذوں اور مسکنوں کو ڈھونڈ نکالنے، غیر مظان سے منتشر مواد کو پہلی مرتبہ علم کتاب داری کی روشنی میں مرتب و منظم صورت میں پیش کرنے اور حتی الوسع تحقیق جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کی سعی کی ہے۔

ضبط کن تاریخ را پاینده شو
از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو

بالغ نظر مفکرین و ائمہ فن نے مسلمانوں کے علوم و فنون کی بنیادیں کتاب و سنت پر رکھی ہیں۔

ہم نے پہلی مرتبہ قرآن و سنت سے اس علم و فن کی بنیادوں کا سراغ لگایا اور انہی کی روشنی میں اس کے اصول کی آبیاری کی تاکہ اس فن کے شائقین و اہلِ نظر اس میں غور و فکر کریں تو انہیں مزید بنیادیں مل سکتی ہیں اور اس نہج پر علم و فنِ کتاب داری کو اسلامی اصول کی روشنی میں مزید ترقی دی جا سکتی ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز! اس امر میں جس حد تک میں کامیاب ہو سکا، اس کا یہ مقالہ آئینہ دار ہے۔

اس آئینہ میں عہدِ عباسی کے ہمہ اقسام کے اسلامی کتب خانوں کی شاندار تاریخ، اِن کی تنظیم کتاب سازی کی صنعت، موضوعاتِ علوم کی ترتیب و تنظیم، فہرست (کیٹلاگ) سازی، کتابیات نگاری، خطاطی، علمی مواد کی ترتیب و تشکیل کی تاریخ تحقیق و تنقید کی روشنی میں جلوہ گر نظر آئے گی۔

اس مقصد کے پیشِ نظر اس تحقیقی مقالے کے متن کو حسب ذیل دس ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔

باب اول تمہید و تعارف

باب دوم فروغ علم اور کتب خانوں کا ارتقاء

باب سوم عہد عباسی کے کتب خانے

باب چہارم انفرادی دعموی اور فنی وخصوصی کتب خانے

باب پنجم ادارہ جاتی عوامی اور علمی کتب خانے

باب ششم فن کتاب سازی و وراقت

باب ہفتم ترتیب علوم اور تنظیم و درجہ بندی

باب ہشتم کیٹلاگ سازی

باب نہم کتابیات

باب دہم انتظامیہ

باب یازدہم ثمرات، نتائج تحقیق اور تجاویز پر مشتمل ہے۔

❁ ❁❁

(ب) انتخابِ موضوع

راقم سطور نے ۱۹۷۰ء میں علمِ کتاب داری میں ایم اے کے آخری سال کے امتحان کی تکمیل کی غرض سے ''عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء'' کے عنوان سے مقالہ ترتیب دیا تو دورانِ مطالعہ جو مواد میرے سامنے آیا اس سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کی ترویج و اشاعت کا شاندار وطویل دور، عباسی دور ہے۔ اس عہد کے اسلامی کتب خانوں پر تحقیقی کام وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور یہ ایک ایسا موضوع ہے جو اسلامی ادب وعربی کی کتابوں میں بکھرا ہوا ہے۔ یہ انتشار ہمارے شاندار تہذیبی سرمایہ کو سامنے لانے سے مانع رہا ہے۔

یہی وہ خیال ہے جس نے میرے دل میں یہ امنگ پیدا کی کہ اس بکھرے ہوئے دانوں کو ایک لڑی میں پرویا جائے اور جو خزف ریزے ہماری شاندار تاریخ کو نمایاں کرنے میں کوئی اہم کردار ادا کرتے ہیں، انہیں تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر پیش کرنا چاہیے، اس طرح ماضی کے کھنڈروں پر مستقبل کی کتابی تہذیب کی تعمیرِ نو بہتر طور پر کی جاسکے گی۔ آئندہ آنے والے لوگوں کو تحقیقات کی نئی بنیادیں ملیں گی اور علمِ کتاب داری میں تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہو سکے گا۔

یہی جذبہ ''اسلامی کتب خانے عہدِ عباسی میں'' (دوسری صدی ہجری ۱۳۲ھ/ ۷۴۹ء سے ساتویں صدی ہجری ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۷ء تک) کے انتخابِ موضوع کا محرک ہوا ہے۔

گزشتہ اوراق میں جن امور سے بحث کی گئی ہے ان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کتب خانہ ذہنی طاقت کا سرچشمہ، تہذیب وثقافتی ورثہ کی ایک نہایت بیش قیمت اساس ہے اور اسلام میں کتابی تہذیب، علم و کتاب اور کتب خانوں کا آغاز اقرَأْ وَعَلَّمَ بِالْقَلَمْ اور قَيِّدُوْا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ کا فیضان ہے علوم وفنون کی ترتیب و تدوین، کاغذ سازی، کتاب سازی اور اس کی ترقی پذیر تحریک کی ترویج واشاعت عہدِ عباسی میں خوب ہوئی، اس عہد میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک نے کتب خانوں کو اسلامی معاشرے میں سب سے زیادہ فروغ دیا۔

اس کے اثرات نے اسلامی قلمرو کے مشرق ومغرب (ایشیا، افریقہ اور یورپ) کے شہر وقصبہ، محلہ وکوچہ کو

متاثر کیا، اس سے کتب خانوں کی تاریخ میں انقلاب برپا ہوا، فہرست سازی وفہرست نگاری، بجٹ سازی وغیرہ میں ایسے رہنما اور اساسی اصول پیش کیے گئے جن کے ذکر کے بغیر کتب خانوں کی تاریخ مکمل نہیں کی جاسکتی۔ اس مقالہ میں پہلی مرتبہ ان حقائق کو تحقیق کی روشنی میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے، اس سے اس موضوع کی اہمیت و افادیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(ج) سابقہ مطالعہ اور ماخذوں کا سرسری جائزہ

اردو میں عہد اسلامی کے کتب خانوں پر علمی انداز میں سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے قلم اٹھایا اور اسلامی کتب خانوں کے عنوان سے ایک پُرمغز مقالہ سپردِ قلم کیا، جو رسالہ ''حسن'' حیدر آباد میں ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔(۱) اس مقالہ کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے عہد اسلامی میں کتب خانوں کے آغاز کا سلسلہ بنی امیہ سے شروع کیا اور پہلی مرتبہ ہندوستان کے اہلِ قلم کو اسلامی عہد کے کتب خانوں کی طرف متوجہ کیا، اس کے بعد سے عہدِ اسلامی کے کتب خانوں کے متعلق تاریخی معلومات کی کمی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ چنانچہ عبدالرزاق کانپوری ''کتاب البرامکۃ'' میں لکھتے ہیں: ''افسوس ہے جس طرح بیت الحکمت کی مستقل تاریخ نہیں ہے ویسا ہی کتب خانوں کا بھی حال ہے۔ ہم کو اقرار کرنا چاہیے کہ ہمارے بزرگوں نے کوئی مستقل تاریخ کتب خانوں کی ہسٹری پر نہیں لکھی ہے۔''(۲)

مولانا شبلی کے بعد مولانا حبیب الرحمن شیروانی المتوفی ۱۹۵۰ء نے سنہ ۱۸۹۴ء میں ''علمائے سلف'' اور ''نابینا علماء'' نامی مختصر کتابیں لکھ کر اسلامی کتب خانوں کے بڑے ممد و معاون پہلوؤں، ذوقِ علمی، تصنیف و تالیف، نقلِ کتب اور اس راہ میں امراء کی قدردانی وغیرہ پر روشنی ڈالی۔

پھر مشہور اطالوی خاتون ڈاکٹر اولگا پنٹو نے عہدِ عباسیہ کے اسلامی کتب خانوں پر ایک بصیرت افروز مقالہ اطالوی زبان میں۔ Biblioleche Degh Arabi Mell Eta Degli Abbaside کے عنوان سے لکھا تھا۔

مشہور مستشرق ڈاکٹر کرنکاؤ (Krankow. E.Dr) نے اس کو انگریزی زبان میں منتقل کر کے اپنے حواشی کے ساتھ اسلامک کلچر (Islamic Culture) کے نام سے حیدر آباد دکن ۱۹۲۸ء میں شائع کیا جو مختصر ہونے کے باوجود مفید معلومات کا حامل ہے۔

قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی المتوفی ۱۳۷۴ھ نے جن میں مولانا شبلی کے مقالہ نے اس موضوع سے وابستگی پیدا کی تھی موصوفہ پنٹو کے انگریزی میں ترجمہ شدہ مقالہ کو اردو کا جامہ پہنا کر اپنے حواشی سے آراستہ کیا یہ

۱۔ البرامکہ: ۱۳۳۔ ۲۔ ایضاً: ۱۳۳۔

(اسلامی کتب خانے عہد عباسیہ میں) کے نام سے الناظر پریس لکھنؤ سے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ اسلامی کتب خانوں پر اردو میں یہ دوسرا تحقیقی کام تھا جو مذکورہ بالا نام سے ترجمہ ہوکر شائع ہوا تھا۔ قاضی احمد میاں اختر کا بیان ہے:

''اسلامی کتب خانوں پر اردو میں سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم ومغفور نے ایک مضمون تحریر فرمایا جو ان کے رسائل میں شامل ہے اگرچہ یہ مضمون اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت محققانہ ہے مگر تفصیل وتکمیل کا محتاج ہے۔ ہمارا ارادہ ایک مدت سے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کا تھا جس کے لیے ہم نے متعدد قدیم وجدید کتابوں کا مطالعہ کر کے کافی مواد جمع کرلیا تھا، اس اثناء میں اس موضوع پر ایک مفصل مضمون حیدرآباد کے سہ ماہی انگریزی رسالہ اسلامک کلچر بابت اپریل ۱۹۲۹ء میں نظر سے گزرا۔ ہمارے خیال میں اسلامی کتب خانوں پر یہ پہلا مضمون ہے جو تحقیق اور جامعیت سے لکھا گیا ہے اور اس لیے ہم نے اس کو اردو میں منتقل کرنا مناسب سمجھا، آئندہ ایک مستقل رسالہ میں اس موضوع کے متعلقات معرضِ تحریر میں لائے جائیں گے۔ وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡراً''(۱)

اس کے بعد موصوف نے اسلامی کتب خانوں کے مختلف پہلوؤں پر اپنی توجہ مبذول کی اور غیر مسلم ترقی یافتہ متمدن اقوام اور مسلمانوں کے علوم وفنون کی مختصر تاریخ ''طبقات الامم'' مؤلفہ قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جو دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔

پھر قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے صنعتِ وراقت پر ایک مقالہ لکھا جو آل انڈیا اورینٹل کالج کانفرنس کے اجلاس ہفتم (منعقدہ بڑودہ بتاریخ ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۳۳ء) میں پڑھا اور ہندوستان کے مؤقر علمی رسالہ معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوا۔

اس کے بعد موصوف نے ''مسلمانانِ سلف اور جمع ومطالعہ کتب کا شوق'' کے عنوان سے ایک دوسرا مقالہ لکھا اور روئدادِ ادارہ معارفِ اسلامیہ (اجلاس دوم منعقد لاہور ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ راپریل ۱۹۳۶ء) میں پڑھا جو ۱۹۳۸ء-۱۹۴۲ء میں چھاپا گیا پھر موصوف نے ''عہدِ اسلامی میں کتب خانوں کا نظم ونسق'' کے عنوان سے ایک مقالہ روئدادِ ادارہ معارفِ اسلامیہ اجلاس سوم منعقدہ دہلی ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء میں پڑھا اور ۱۹۴۲ء

۱- المکتبات فی الاسلام: ۶۰۔

میں لاہور سے شائع کیا گیا۔

شاہ معین الدین احمد ندوی نے ''تاریخ اسلام'' میں عہد عباسی کی علمی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔

محمد زبیر صاحب (المتوفی ۱۹۶۲ء) اسسٹنٹ لائبریرین، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ''اسلامی کتب خانے'' کے نام سے ایک جداگانہ کتاب لکھی۔ اردو میں شائع شدہ مواد کو بغیر حوالہ واقتباس نقل کیا۔ اس سے یہ کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی۔

انگریزی میں اس موضوع پر متعدد مقالے شائع ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلے خدا بخش مرحوم کا مضمون The Islmic Lib کے عنوان سے ۱۹۰۲ء میں رسالہ ''Nineteenth Century'' میں شائع ہوا تھا وہ چونکہ ایک مختصر خاکہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے اس کو درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا، پھر اولگا پنٹو نے لکھا جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔

عیسائی خاتون میکنسن (Ruth Stellhorn Mackensen) نے ۱۹۳۲ء میں ایک مضمون قرون وسطیٰ میں بغداد کے چار بڑے کتب خانوں (Four Great Libraries of Medieval Baghdad) کے عنوان سے Library Quarterly میں لکھا، اس کے بعد موصوفہ نے چار قسطوں میں ایک مضمون اس دور میں عربی کتب وکتب خانوں (Arabic Books and Libraries in the Umaiyad Period) کے عنوان سے لکھا جو ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء کے مابین American Journal of Samitic Lanaguages میں شائع ہوا تھا۔ موصوفہ نے ایک مضمون مسلمانوں کے کتب خانوں کا تاریخی پس منظر (Background of the History of Muslim Libraries) کے عنوان سے مذکورہ بالا رسالہ میں لکھا پھر قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے ۱۹۳۵ء میں ایک مقالہ The Art of Waraqat during the Abbasid Period کے عنوان سے اسلامک کلچر حیدرآباد دکن میں لکھا۔

۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے Bibliophilism in Medieval Islam کے عنوان سے ایک مقالہ مذکورہ بالا رسالہ میں لکھا، اس کے بعد S.K.Padover نے James Westfall Thompson کی تالیف کردہ کتاب (The Medieval Library مطبوعہ یونیورسٹی پریس

شکاگو)۱۹۳۹ء میں Muslim Libraries کے عنوان سے ایک مستقل باب کا اضافہ کیا۔ Roy Choudhary Sastr نے Library in Islam کے عنوان سے ایک مضمون جون ۱۹۴۱ء میں Bungal Past and Present میں لکھا جو ۶۱ ویں جلد میں شائع ہوا تھا۔

۱۹۵۵ء میں (ڈاکٹر) عبدالسبوح قاسمی نے ایک مقالہ جس کا عنوان تھا

Libraries in the early Islamic World

لائبریری سائنس میں ایم اے کی ڈگری کے لیے

University of , Western Reserve,School of Library Science

USA,Ohio

میں پیش کیا جو ۱۹۵۸ء میں پشاور یونیورسٹی کے جرنل میں شائع ہوا تھا۔ پھر مفیض اللہ کبیر کا ایک مقالہ بعنوان: "Libraries and academic during the Buwayhid Period 946 A.D to 1055.A.D"

اسلامک کلچر حیدرآباد دکن سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

اس کے بعد خلیل محمود (حال لائبریرین، احمد بیلو یونیورسٹی، زاریا) نے ایک مقالہ

The Influence of the Holy Quran on the Development of Libraries

"کتب خانوں کی ترقی پر قرآن مجید کا اثر" کے عنوان سے Nigera Journal of Islam میں لکھا جو اس رسالہ کی جلد اول شمارہ نمبر ۲ (جنوری-جون) میں شائع ہوا، اس میں موصوف نے مذکورۂ بالا رسائل سے استفادہ کیا اور ان کی معلومات کو سلیقہ سے پیش کرنے کی کوشش کی، تاہم یہ مقالہ نئی تحقیقات پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سید ولایت حسین نے ۱۹۶۰ء میں ایک مختصر مضمون

Organisation and Administration of Muslim Libraries (786-1492)

(مسلم کتب خانوں کی تنظیم اور انتظام) کے عنوان سے رسالہ
Quarterly Journal of Pakistan Library Association
میں لکھا تھا۔ محمد شفیع نے ایک مضمون ۱۹۶۱ء میں Libraries and Learning in the Islamic World
(کتب خانے اور تعلیم مسلم دنیا میں) Pakistan Library Review کی جلد ۲ شمارہ ۲۰ میں لکھا تھا۔

جرمن زبان میں مشہور مستشرق آدم مز (Adam Mez) المتوفی ۱۹۱۷ء نے Die Renaissance des Islams میں جس کا ترجمہ ابوریدہ محمد عبدالہادی نے الحضارۃ الاسلامیہ فی القرن الرابع الھجری کے نام سے کیا، اسلامی کتب خانوں اور اس کے بنیادی پہلوؤں پر تحقیقی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔
اس طرح مستشرق الفردوان کریمر (Alfred Von Kramer 1828-1889) نے مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت، تجارت پر کتاب لکھی تھی جس کا ترجمہ جمیل نے اردو میں کیا ہے اس میں کاغذ کی تجارت پر مفید معلومات پیش کی ہیں۔ یہ کتاب کتابستان الہ آباد سے ۱۹۳۴ء میں شائع کی گئی۔
ڈبلیو گوتھ شیک (Gottschalk.W) نے ۱۹۳۰ء میں ایک مختصر مضمون عربوں کے کتب خانوں پر جرمن زبان میں لکھا، جس کا عنوان تھا Die Bibliotheken der Araber in Zeitalter der Abbasiden.

ایک جرمن رسالہ Bibliothekswesen. F.Zentralbl میں شائع ہوا۔
آئی ای غنیم (Ghanem.I.E) نے ڈاکٹریٹ کے لیے دمشق کے کتب خانوں کا انتخاب کیا جس کا عنوان ہے۔

1516-Zur Bibliotheksgeschichte von Damascus 1154
۱۹۶۹ء میں بون یونیورسٹی فرانس میں پیش کیا۔
یہ گویا موصوف کے تحقیقی مقالہ کا بہت مختصر خلاصہ ہے جس میں چھٹی صدی ہجری تک عراق، شام اور مصر کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

یوسف بن رشید العش (۱۳۲۹-۱۳۸۷ھ/۱۹۱۱-۱۹۲۷ء) دارالکتب الظاہریہ دمشق کے ناظم کتب خانہ، کلیہ شرعیہ دمشق میں فرانسیسی زبان کے استاد، پرنسپل اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ شام میں موصوف پہلے عرب عالم ہیں جنہوں نے علمِ کتب خانہ میں ساربون یونیورسٹی پیرس (University of Paris Sorbonne) سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ان کے اس مقالہ کا عنوان Les Bibliotheques En Syrie Et En Egypte Au ,Arabes Publious End Mwsopotamie Moyenage

''مشرقِ وسطیٰ میں شام، عراق ومصر کے عوامی ونیم عوامی کتب خانے''

یہ تحقیقی مقالہ ۱۹۶۷ء میں معہد فرانسی دمشق سے شائع ہوا تھا، جو فرانسیسی زبان میں ۴۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقالہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کورکیس عواد کی خَزَائِنُ الْکُتُبِ الْقَدِیْمَۃِ فِی الْعِرَاقِ ۱۰۰۰ھ اور فلپ دی طرازی کی کتاب خَزَائِنُ الْکُتُبِ الْعَرَبِیَّۃِ فِی الْخَافِقِیْنَ بھی ان کے پیشِ نظر نہیں ہیں۔

موصوف کے اس فرانسیسی تحقیقی مقالہ کا عربی میں ترجمہ نزار اباظہ اور محمد صباغ نے دُوْرُ الْکُتُبِ الْعَرَبِیَّۃِ الْعَامَۃِ وَ شِبْہُ الْعَامَۃِ لِبِلَادِ الْعِرَاقِ وَ الشَّامِ وَ مِصْرَ فِی الْعَصْرِ الْوَسِیْطِ کے نام سے کیا ہے جو متوسط تقطیع کے ۴۱۱ صفحات میں نہایت آب وتاب سے ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۱ء میں بیروت ودمشق سے دارالفکر المعاصر سے شائع کیا گیا ہے۔

مستشرق جان جاک سیڈیلٹ (J.J.1777 Sedillete -1832) نے فرانسیسی زبان میں عربوں کی تاریخ لکھی جس کا مختصر اور خلاصہ علی پاشا مبارک کی کوششوں سے ۱۳۰۲ھ میں مصر سے شائع ہوا تھا، اس میں عہدِ عباسی کی علمی وثقافتی سرگرمیوں کے متعلق نہایت مفید معلومات ملتی ہیں۔

اندلس کے کتب خانوں میں سب سے پہلے اسپینی مستشرق جولیان ربیرا Julian Riberd Y.Tarrago 1859-1937 نے اسپینی زبان میں Bibliofilos Y Bibliotecas en La espana Musulmana کے عنوان سے لکھا جو رسالہ Derecha میں شائع ہوا- ۱۹۲۵ء میں سائنسی علوم کی سرکاری اکیڈمی نے اسے علیحدہ شائع کیا۔ پھر مصنف نے اپنی کتاب Disertaciones Y Opusulas, Madrid, 1928 میں بھی

شامل کیا۔ ڈاکٹر جمال محمد محرز نے اس کا عربی میں ترجمہ کرکے مجلہ معہد المخطوطات العربیہ (مئی ۱۹۵۸ء و ۱۹۵۹ء) میں شائع کیا اسے احمد خان نے "اسلامی اندلس میں کتب خانے اور شائقین کتب" کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ انگریزی میں ڈاکٹر سید محمد امام الدین نے ۱۹۵۹ء میں Arab Libraries-Hispano کے عنوان سے دو قسطوں میں ایک مقالہ لکھا جو ۱۹۶۱ء میں Pakistan Historical Society Journal of the میں علیحدہ شائع ہوا۔ پھر ۱۹۶۱ء میں آل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے اسے کتابی صورت میں علیحدہ شائع کیا۔

عربی زبان میں اس موضوع سے متعلق قدماء نے زیادہ اعتناء کیا ہے، چنانچہ ابن الندیم کتاب "الفہرست" میں مصنفین اور کتابوں کے تذکرہ میں ضمناً کتب خانوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ ابن مسکویہ جو مشہور لائبریرین تھا "تجارب الامم" میں کتب خانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جمال الدین قفطی اور یاقوت رومی دونوں کتابوں کے شوقین تھے۔ کتب خانوں اور خوشنویسوں کا ذکر کرتے ہیں، علامہ ثعالبی وخطیب بغدادی اور ابن الجوزی بھی کتب خانوں کو فراموش نہیں کرتے۔ مؤرخ ابن خلکان اور ان کے استاد ابن الاثیر بھی کتاب خانوں اور خوش نویسوں کا تذکرہ کر جاتے ہیں۔ ابن الاثیر، ابوالفداء، ابن شاکر کتبی، تاج الدین سبکی اور الذہبی نے بھی کتب خانوں سے اعتناء کیا ہے۔ نعیمی نے "اَلدَّارِس فِی الْمَدَارِس" میں کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

جغرافیہ نویسوں میں مقدسی، یاقوت رومی، قزوینی بھی کتب خانوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سمعانی کی "کتاب الانساب" میں اور ابن الاثیر کی "اللباب" میں نسبتوں کے تحت کہیں کہیں کتب خانوں کا ذکر مل جاتا ہے۔ ان مؤرخوں نے ان باتوں کا تذکرہ عموماً غیر مظان میں کیا ہے اس لیے معلومات منتشر بہت ہیں، نہایت غور و خوض کے بعد اصل حقیقت تک رسائی ممکن ہے۔

عصرِ حاضر میں اس موضوع پر جرجی زیدان نے "تاریخ التمدن الاسلامی، جلد سوم" میں "المکتبات اور خزائن الکتب" کے عنوان سے ایک مفصل باب لکھا ہے۔ فرید وجدی نے "دائرۃ المعارف القرن العشرین" میں مادہ "کتاب" کے تحت مشہور کتب خانوں کا نہایت مختصر ذکر کیا ہے۔ محمد امین مصری نے "ضحیٰ الاسلام" اور "ظہر الاسلام" میں عہدِ عباسی کے مشہور ومعروف کتب خانوں کا مستقل ابواب میں ذکر کیا ہے اور محمد کرد علی نے "الاسلام والحضارۃ الادب" اور "خطط الشام"، جلد ہشتم میں کتب خانوں کا تذکرہ کیا ہے ڈاکٹر مصطفی السباعی نے

''من روائع حضارتنا''، میں مستقل باب کتب خانوں پر لکھا ہے۔ اس طرح شیخ طنطاوی جوہری نے ''بَهجَةُ العُلُوْمِ فِي الفَلْسَفَةِ العَرَبِيَةِ وَ مُوَازَنَتِهَا بِالعُلُوْمِ العَصرِيَةِ'' میں مختصر طور پر عہدِ اسلامی کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمان کے ''تُرَاثُنَا بَيْنَ مَاضِيْ وَ حَاضِرٍ'' کے عنوان سے کتب خانوں پر لیکچرز شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر سجر یہ ہونکہ نے ''فَضْلُ العَرَبِ عَلٰى أوْرُبَا'' ترجمہ فواد حسین علی میں اور علی احمد الشحات نے ابوالریحان البیرونی، ''حیاتہ، مولفاتہ، ابحاثہ العظیمہ'' میں بھی کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

فلپ دی طرازی De Tarrazi.P (۱۲۸۲-۷۵-۱۳ھ- ۱۸۶۰-۱۹۵۶ء) نے ''خَزَائِنُ الكُتُبِ العَرَبِيَةِ فِي الخَافِقَيْنَ'' کے نام سے عالم کے عربی کتب خانوں پر چار جلدوں میں مبسوط کتاب لکھی جو ۱۹۴۷ء میں مطبعہ جوزف صیقلی بیروت سے شائع ہوئی تھی مگر اب نہیں ملتی۔

موصوف کے رفیق قدیم محمد کرد علی المتوفی ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء نے ''مجلہ المجمع العلمی العربی دمشق'' جلد ۱۶ شمارہ ۱۔ ۲ میں اس پر تبصرہ کیا اور خوب دادِ تحقیق دی، محمد کرد علی کا یہ تبصرہ دس صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب اس حیثیت سے کہ اس میں عربی کے قدیم و جدید کتب خانوں پر خواہ شاہی ہوں یا عوامی و انفرادی، مسلمانوں کے ہوں یا یہودیوں اور عیسائیوں کے سب کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر مصنف کو جہاں سے جو مواد ہاتھ لگا اسے کتاب کی زینت بنا تا گیا۔ ماخذوں کی چھان بین نہیں کی قدیم کتب خانوں کے سلسلے میں معاصرین کی معلومات پر اکتفاء کیا۔

ان وجوہ سے اسے تحقیقی کارنامہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ قدیم اسلامی کتب خانوں کے متعلق ان کے بیانات کو سند کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے۔

مجھے اس کتاب کی مدت سے جستجو تھی، لیکن یہ پاکستان اور نائجیریا میں دستیاب نہیں ہوئی، محمد کرد علی کا تبصرہ جب نظر سے گزرا تو آتشِ شوق اور بھی تیز ہوگئی۔ ستمبر ۱۹۸۲ء میں جب تیسری مرتبہ دائیں آنکھ کے آپریشن کی وجہ سے لندن جانا ہوا اور برٹش میوزیم لائبریری اور ینٹل کلیکشن میں اس کا نسخہ مجھے ملا تو اس کی چاروں جلدیں پڑھ کر سخت مایوسی ہوئی، اس لیے کہ اس کے یہاں میرے موضوع کے متعلق نئی معلومات نظر نہیں آئیں۔

محمد کرد علی نے اس کتاب کے متعلق جو لکھا ہے وہ اس دور میں ان کی معلومات کی حد تک درست قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن جس کی نظر اس دور کے کتب خانوں پر ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہ جامع ہے اور

نہ تحقیقی، عام معلومات کے لیے ایک اچھی کتاب ہے۔ منتشر مواد کو یکجا کرنا ایک لائقِ تحسین کوشش ہے، مجھے تعجب ہے کہ جن اہلِ علم نے یورپ اور امریکہ میں رہ کر اسلامی کتب خانوں پر کام کیا، یہ کتاب ان کی نظر میں بھی نہیں، ورنہ وہ اپنے تحقیقی مقالوں میں اس سے فائدہ اٹھا کر بہتر معلومات پیش کر سکتے تھے، تاہم جس کی نظر اسلامی کتب خانوں پر وسیع نہیں اس کے لیے یہ کتاب آج بھی معلومات آفریں ہے۔

محمد راغب الطباخ نے "دَارُ الْكُتُبِ فِي حَلَبَ قَدِيماً وَ حَدِيثاً" (حلب کے قدیم و جدید کتب خانے) کے عنوان سے ۱۹۳۷ء میں الرعد کے شمارہ نمبر ۱۵ میں ایک مضمون لکھا تھا۔

۱۹۶۴ء میں عبدالرزاق کریدری نے سامرا کے کتب خانوں پر ایک مضمون بعنوان "مکتبات سامرا قدیما وحدیثا" لکھا جو المکتب (القاہرہ) کی جلد ۶ شمارہ ۱۰ میں شائع ہوا۔ محمد المنونی نے "لَمحَةٌ عَنْ تَارِيخِ الْخَزَائِنِ الْمَلَكِيَّةِ بِالْمَغْرِبِ الْأَقْصىٰ" کے عنوان سے "دعوۃ الحق" (الرباط) شمارہ ۲۲۸، جمادی الثانیہ/ رجب ۱۴۰۳ھ - اپریل ۱۹۸۳ء میں شائع کیا تھا۔

حبیب زیات نے دمشق کے کتب خانوں پر خزائن الکتب فی دمشق وضواحیہا لکھی ہے۔ کورکیس عواد المتوفی ۱۹۸۱ء نے بغداد کے کتب خانوں پر علیحدہ کتاب خَزَائِنُ الْكُتُبِ الْقَدِيمَةِ فِي الْعِرَاقِ الْقِدَمِ الْعُصُوْرِ حَتّٰى سَنَةِ ۱۰۰۰ ہجری لکھی ہے۔

ڈاکٹر یوسف العش نے ایک لیکچر "دَوْرُ الْكُتُبَاتِ الْعَرَبِيَّةِ فِي تَارِيخِ التَّيَارَاتِ الْفِكْرِيَّةِ وَ الْمَذْهَبِيَّةِ فِي الْإِسْلَامِ حَتّٰى الْقَرْنِ السَّادِسِ الْهِجْرِيْ فِي الْعِرَاقِ وَ الشَّامِ وَ مِصْرَ" دیا تھا جو المحاضرات العامہ (۱۹۶۱ء - ۱۹۶۲ء) دمشق میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ نے "اَلْمَكْتَبَاتُ فِي الْإِسْلَامِ نَشْأَتُهَا وَتَطَوُّرُهَا وَ مَصَائِرُهَا" شائع کی ہے۔

کورکیس عواد اور ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ نے دورِ اسلامی کے کتب خانوں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور اسلامی ممالک کے مشہور کتب خانوں کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی معلومات اور خیالات ایک ہی ہیں، کورکیس عواد نے بغداد کے کتب خانوں کو بہت حد تک سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور یہ اس کی لائقِ تحسین کوشش ہے، لیکن علوم کی تنظیم (درجہ بندی) فہرست سازی، تنظیمِ کتب خانہ اور عمارتِ کتب خانے کی بحثوں سے ان کی کتاب یکسر خالی ہے، پھر کتب خانوں کا دائرہ بھی بغداد اور اس کے

اطراف تک محدود ہے۔

محمد ماہر حمادہ نے فنِ کتب خانہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مشی گن یونیورسٹی امریکہ سے حاصل کرنے کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھایا اور پہلی مرتبہ علوم کی تنظیم، فہرست سازی، کتابیات اور عمارات کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے، لیکن نہایت سرسری اصولِ فہرست، اصولِ تنظیم (درجہ بندی) اور قواعد وضوابطِ کتابیات کا تو ذکر ہی کیا ہے، اس قسم کی بنیادی اور تحقیقی معلومات سے ان کی کتاب بھی خالی ہے، تاہم انہوں نے اپنے پیش روؤں کی بہ نسبت پہلی مرتبہ کتب خانوں کی تاریخ کو فنی نقطۂ نگاہ سے لکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان کا دائرۂ بحث گنے چنے مشہور کتب خانوں تک محدود ہے انہوں نے مشہور شائع شدہ معلومات کو سلیقہ کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ نئی معلومات اور نئی دریافت ان کے یہاں مشکل ہی سے ملے گی، پھر موصوف نے اصل ماخذوں سے زیادہ ثانوی ماخذوں پر اعتماد کیا ہے۔ اصل ماخذوں سے معلومات فراہم کرنے میں محنت کرنی پڑتی ہے، اس کی زحمت ڈاکٹر حمادہ نے نہیں کی۔

موصوف نے مغرب ومشرق کے کتب خانوں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے اس لیے بحث کا کوئی گوشہ بھی جامع نہیں اور مباحث کتاب تحقیق وباریک بینی کے زیادہ محتاج ہیں اس حقیقت کا احساس مصنف کو بھی ہے۔ لکھا ہے: ''مجھے اس امر کا دعویٰ نہیں کہ میں اس موضوع کا حق ادا کر سکا۔'' (۱)

فارسی زبان میں رکن الدین ہمایوں فرخ نے ''کتاب وکتاب خانہ شاہنشاہی ایران'' دو جلدوں میں لکھی ہے جس میں صرف ایران کے کتب خانوں کا تاریخی اعتبار سے چند سطروں میں تعارف کرانے پر اکتفاء کیا ہے۔ اس طرح خراسان کے کتب خانوں پر لکھا گیا ہے اور اس کی حیثیت بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں۔ ان کتابوں میں بھی عہدِ عباسی کے کچھ کتب خانوں کا ذکر مل جاتا ہے لیکن نہایت سرسری۔

اسلامی کتب خانوں کے موضوع پر لکھنے والے حسبِ ذیل چار قسم کے اہلِ علم ہیں۔

پہلے وہ اربابِ علم ہیں جنہیں عربی زبان اور عربی ماخذوں پر دسترس حاصل ہے۔ ایشیا میں مولانا شبلی نعمانی، قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، یورپ میں مستشرقہ اولگا پنٹو، ڈاکٹر کرنکاء اور مستشرق جولیان ریبیرا کا نام سرفہرست آتا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اصل ماخذوں سے استفادہ کے بعد لکھا، اس لیے وہ

۱۔ اسلامی کتب خانے: ۱۱۔

بعد میں آنے والوں کا مرجع و ماخذ رہا۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ کی دانش گاہوں میں علم کتب خانہ پر ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے جو مقالات پیش کیے گئے ہیں، ان میں ان کی معلومات سے فائدہ اٹھایا گیا۔

دوسرے وہ اربابِ علم ہیں جن کی مادری زبان عربی ہے، لیکن ان کی نظر اسلامی علوم پر گہری نہیں، وہ نادر معلومات پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

تیسرے وہ اہلِ علم ہیں جن کی مادری زبان عربی نہیں، عربی مدرسے اور جامعات میں علوم وفنون کی تحصیل کا انہیں موقع ملا لیکن کتابوں پر نظر نہیں۔ ان کی رسائی بھی اصل ماخذوں تک نہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس موضوع سے خاطر خواہ دلچسپی نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حصولِ مواد میں زیادہ جدوجہد نہیں کی، ورنہ اگر اس علمی سرمایہ کا وہ اپنے مقالہ میں جو ان کے زمانۂ تحقیق سے پہلے شائع ہو چکا تھا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہوتا تو زیادہ بہتر معلومات پیش کر سکتے تھے۔

چوتھے وہ اہلِ علم ہیں جن کو نہ عربی زبان سے کما حقہ مناسبت ہے نہ عربی ماخذوں تک رسائی حاصل ہے، ظاہر ہے اس قسم کے مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات کے نہایت زوردار و جاذبِ نظر عنوانات قائم کیے ہیں، جیسے مستشرقہ مکینسن Mackensen.R.S نے ۳۵-۱۹۳۴ء میں مسلم کتب خانوں کا تاریخی پس منظر Background of History of Muslim Libraries لکھا۔ اس کے بعد ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء میں عربی کتابیں اور کتب خانے عہدِ اموی میں Arabic Book and Libraries in the Umaiyd Period نامی مقالات لکھے جن کا ذکر پچھلے اوراق میں آیا ہے۔ یہ اس امر کے غماز ہیں کہ موصوفہ کی نظر ان موضوعات پر نہ گہری ہے نہ وسیع، اس کی رسائی عربی ماخذوں تک نہیں ہو سکی۔ اس لیے اس نے ان موضوعات پر جو کچھ لکھا وہ سطحی معلومات کا حامل، نہایت تشنہ اور بہت جارحانہ ہے۔

خلیل محمود لائبریرین بیلو یونیورسٹی زاریا نائیجیریا کے مقالہ کا عنوان ہے۔

(The Influence of the Holy Quran on the Development of Libraries)

(کتب خانوں کی ترقی پر قرآن مجید کا اثر) یہ بہت جاذبِ نظر عنوان ہے، لیکن مواد کی کمی اور سرمایہ

معلومات کی تشنگی، اس مقالہ میں پڑھنے والے کو شدت سے محسوس ہوتی ہے، اس قسم کے بعض مقالات پاکستان کے بعض رسائل میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

دورِ حاضر میں ایشیا و افریقہ کے اہلِ علم نے اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ بھی علمی حیثیت سے وقیع نہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ کی کتاب ''اَلْمَکْتَبَاتُ فِی الْاِسْلَامِ نَشْأَتُھَا وَ تَطَوُّرُھَا وَ مَصَائِرُھَا'' کئی بار شائع کی گئی ہے لیکن وہ نئی یافت و دریافت اور شاندار اقتباسات سے خالی ہے۔ مشکلات فن پر معلوم ہوتا ہے اس کا گزر ہی نہیں ہوا۔

یہاں ان باتوں کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ حقیقت، عقیدت سے بلند تر شئے ہے۔ ورنہ جن اہلِ علم نے اس موضوع، عنوان کو اپنی تحقیقات کے لیے منتخب کیا، اپنی معلومات مرتب کرنے سنوارنے اور پیش کرنے میں محنت کی، انہوں نے کم از کم اس موضوع پر مقالات میں ایک نوع کا اضافہ کیا، ان کی کوشش لائقِ تحسین و آفرین ہے۔ یہاں چونکہ مقالات کا علمی و تاریخی حیثیت سے جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لیے ان حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اس امر میں چشم پوشی کرنا علمی دیانت داری کے خلاف ہے، نیز یہ حقیقت ہے کہ بے لاگ تنقید سے فن کا ارتقاء ہوتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لیے نئی راہیں کھلتی ہیں انہیں تحقیقات کے لیے نئے موضوعات ہاتھ آتے ہیں ان حقائق کے مذکورہ بالا امور سے صرفِ نظر کرنا کسی محقق کے لیے کیوں کر روا ہوسکتا ہے۔

عہدِ عباسی کے کتب خانوں پر لکھنے والوں میں مولانا شبلی نے اپنے مقالہ میں بیس بائیس کتب خانوں سے زیادہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر شلبی نے شبلی پر چار چھ کتب خانوں کا اضافہ کیا ہے۔ پنٹو نے چالیس پینتالیس کتب خانوں سے زیادہ کو نہیں سمیٹا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ سو سالہ عباسی دور میں پوری اسلامی دنیا میں ہر قسم کے مشہور کتب خانوں کی مجموعی تعداد جن کا ذکر تاریخ کے صفحات میں جگہ پاسکا ہے وہ پچاس سے زیادہ نہیں ہے۔ مولانا شبلی جیسے بالغ نظر مؤرخ نے اپنے موضوع ''اسلامی کتب خانے'' کے آغاز میں اس کے سبب کی حسب ذیل الفاظ میں نشاندہی کی ہے:

''اس امر سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ تصنیف و تالیف اور علمی ذخیروں کا مرتب و محفوظ رکھنا

مسلمانوں کا قومی شعار تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں جس کثرت سے جا بجا کتب خانے اور دار العلوم پائے جاتے تھے شاید دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، تاہم یہ سخت تعجب ہے کہ کتب خانوں کے حالات میں آج تک کوئی کتاب بلکہ مضمون تک نہیں لکھا گیا۔ جغرافیہ کی کتابوں میں کسی شہر کا حال لکھتے ہیں تو ہر قسم کی عمارتوں کا ذکر کرتے ہیں، لیکن کتب خانوں کا نام نہیں آتا، یہی خیال ہے جس نے مجھ کو اس مضمون کے لکھنے پر آمادہ کیا اگرچہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ عنوان کے لحاظ سے مضمون کو نہایت مفصل اور وسیع ہونا چاہیے تھا، لیکن جن واقعات کو قدماء نے نظر انداز کر دیا ہو ان کے متعلق مشکل سے کچھ اجمالی حالات مل سکتے ہیں اور مفصل بالکل نہیں ملتے، اس لیے مجبوراً ہمارے ناظرین کو اسی پر قناعت کرنی چاہیے۔" (۱)

عصرِ حاضر کے نامور فاضل مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر "برہان دہلی" کو اس زمانہ میں بھی اس امر کا اعتراف ہے، وہ فرماتے ہیں:

"ان کتب خانوں کا تذکرہ اگرچہ تاریخ و ادب کی کتابوں میں جستہ جستہ ملتا ہے، لیکن اول تو جو کچھ بھی ہے وہ اس قدر کم ہے کہ اس سے اسلامی کتب خانوں کی تصویر کا مکمل خاکہ تیار نہیں ہوتا، پھر وہ اس درجہ منتشر اور غیر مرتب ہے کہ اس کو یکجا کرنے کے لیے بڑی محنت و کاوش درکار ہے۔"

انہی خیالات کا اظہار محمد زبیر صاحب نے بھی حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے: (۲)

"بڑی حیرت کی بات ہے کہ کتب خانوں کی تاریخ پر جو کتابیں یورپ اور امریکہ وغیرہ سے شائع ہوئی ہیں، ان میں بھی اسلامی کتب خانوں کا ذکر بالکل سرسری طور پر کر دیا گیا ہے، مواد کی یہ کمیابی اتنی حوصلہ شکن اور محنت طلب ثابت ہوئی کہ اس موضوع کے ساتھ آج تک پورا انصاف نہ ہو سکا، اس پر متفرق مضامین تو لکھے گئے، لیکن کتب خانوں کی مکمل تصویر کسی نے نہیں کھینچی۔" (۳)

احمد خان ایم۔اے لکھتے ہیں:

ا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے کتابیں نہ صرف لکھیں بلکہ جمع بھی کیں، لیکن کتب خانوں اور کتاب داری کے بارے میں بہت کم لکھا ہے، چنانچہ مواد کی قلت اور بعض گوشوں میں معلومات کے فقدان کے

ا۔ مسلمانوں کے ذوق کتاب داری پر چند تحریرات کا ایک تقابلی جائزہ: ج:۹ شمارہ:۱۲ ص:۷۔۳۔

۲۔ خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۸۹۔۱۹۰۔ ۳۔ المکتبات فی الاسلام نشأتہا وتطورہا ومصائرہا: ۵۔

سب اچھے اچھے محققین کا اس موضوع پر قلم اٹھانے میں پتہ پانی ہوتا ہے۔

۲- اس میدان میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس قدر غیر مرتب اور اسلامی ادب کے وسیع سمندر میں یوں بکھرا پڑا ہے کہ اس کے نشان ہی مدہم پڑ گئے ہیں۔

۳- دستیاب مواد میں بعض چیزوں کی جو توصیف (Description) دی گئی ہے وہ ایک تو غیر مظان میں ہے، دوسرے اس قدر متضاد ہے کہ پڑھنے والے کی کوئی رہنمائی کرنے کے بجائے اسے مزید حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ اس کی درست اور حقیقی صورت کیا تھی جس کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

ان دقتوں اور دشواریوں کے باوجود علماء نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے، ان میں سے چند کے سوا باقی سب نے اپنی تحریرات میں رطب و یابس بھر دیا ہے، سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ ایسا انٹ سنٹ اور غیر مستند لکھا ہے جسے پڑھنے کے بعد یہ معلومات دیومالا نظر آتی ہے، زبیر صاحب کی کتاب غیر مستند معلومات کا ملغوبہ ہے جس میں بغیر کسی ماخذ کے ایسی ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جن کا وجود غیر ممکن سا ہے، علاوہ بریں بعض مقالات کتب خانوں سے متعلق معلومات دینے کے بجائے ذہن کو عجیب و غریب مخمصے میں ڈال دیتے ہیں۔(۱)

کورکیس عواد رقم طراز ہے" قدیم ماخذ جن سے کتب خانوں کے حالات پر روشنی پڑتی ہے مفقود ہیں۔ ہماری دسترس میں جو ماخذ ہیں بیشتر کتب خانوں کے ذکر سے خالی ہیں۔(۲)

ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ کا بیان ہے: "بہت سے مسلمانوں اور مستشرقین نے اسلامی کتب خانوں اور ان کی اہمیت پر مختصر مقالات اور مضامین لکھے ہیں، ہمارے علم میں نہیں کہ کسی محقق نے خاص ان اسلامی کتب خانوں کی تاریخ ترقی اور یورپ پر ان کے اثرات پر کتاب لکھی ہو، بعض معزز دوستوں نے بتایا کہ ڈاکٹر یوسف العش سابق پرنسپل کلیہ شرعیہ، جامعہ دمشق نے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی، لیکن بدقسمتی سے مصنف کو اس کے متعلق آگاہی نہیں ہوسکی ہے، بہرحال میں نے مختلف ماخذوں سے منتشر معلومات جمع کرنے اور انہیں ترتیب سے پیش کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے:(۳) اسی لیے اولگا پنٹو اور پروفیسر آربری کے زیر نگرانی تحقیق کرنے والے ڈاکٹر

۱-اسلامی کتب خانے:۱۱۔ ۲-خزائن الکتب القدیمۃ:۱۰۳، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۸، ۱۸۹۔

۳-تسہیل الوصول الی علم الاصول:۱۰۱-۱۰۶۔

شلبی بھی اس موضوع پر زیادہ نہیں لکھ سکے ہیں۔کورکیس عواد نے بڑی محنت سے پہلی بار ۱۵ شاہی، ۲۳ عوامی، ۸۶ انفرادی کتب خانوں اور گیارہ وزیروں کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ اسلامی کتب خانوں کی تاریخ میں سب سے بڑا تذکرہ ہے۔(۱)

گزشتہ اوراق میں ہم نے عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی نشاندہی کے اسباب کے سلسلہ میں جن تین اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے وہی وہ تین بنیادی اسباب ہیں جن کی وجہ سے عہدِ عباسی کے مؤرخین اور تذکرہ نگار کسی کتب خانہ کا ذکر کر جاتے ہیں، اس لیے کتب خانوں کے متعلق معلومات اور اشارے غیر مظان میں ضمناً ملتے ہیں اور ہمیں منتشر معلومات کو یکجا کرنے کے لیے ہر قسم کے نہایت وسیع اسلامی ادب کا بہت غور وخوض سے مطالعہ کرنا پڑا اور تجسس وجستجو سے جو گوہرہائے نایاب ہاتھ آئے ہیں، انہی سے یہ مرقع آراستہ کیا جاسکا ہے۔

عصرِ حاضر کے اربابِ فکرونظر کے بیان کے مطابق مسلمان مؤرخین وتذکرہ نگاروں نے کتب خانوں کا ذکر نہیں کیا، اس بناء پر اس دور کے تذکرہ نگاروں کو یہ شکایت ہے کہ اس موضوع کو قدماء اور مؤرخین نے نظر انداز کر دیا ہے، اس لیے کتب خانوں کی صحیح تصویر پیش نہیں کی جاسکتی، درست نہیں۔

فقہاء نے عبارت وکلام کو سمجھنے کے لیے اور کلام سے مسائل کے استخراج کے لیے وجوہِ دلالت پیشِ نظر رکھنے کی ہدایت کی ہے، ان کی روشنی میں یہ کہنا کہ مؤرخین نے کتب خانوں کی تاریخ پر روشنی ڈالنے سے پہلوتہی کی ہے یا اس موضوع سے متعلق مواد پیش کرنے میں چشم پوشی اور کوتاہی کی ہے۔ صحیح نہیں، اس لیے کہ وہ کتب خانہ کا ذکر کبھی دلالت النص، کبھی عبارت النص، کبھی اشارہ النص اور کبھی اقتضاء النص (۲) سے کر جاتے ہیں جس سے کتب خانہ ہی کی نشاندہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی نوعیت کیفیت اور کمیت کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ ہو جاتا ہے۔

مسلمان مؤرخین اور تذکرہ نگار بیشتر فقیہ تھے، اس لیے وہ ایسی مختصر اور معنی خیز عبارت لکھتے ہیں، جس سے ان امور کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے اور کتب خانوں کا سراغ مل جاتا ہے۔ عہدِ عباسی میں مؤرخین وتذکرہ نگار بیشتر علماء وفقہاء تھے، انہوں نے انہی فقیہانہ اصول کے پیشِ نظر تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں تہذیبی وثقافتی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا۔ انہوں نے علماء، فقہاء، محدثین، متکلمین، مدرسین، اطباء، حکماء، فلاسفہ، ائمہ لغت ونحو، مؤرخین، مصنفین، خطاط وغیرہ کا تذکرہ کیا، ان کی اہم تصانیف کی نشاندہی کی، ثقافتی اداروں، کتب خانوں،

۱۔خزائن الکتب القدیمۃ فی العراق: ۱۸۹، ۱۹۰۔ ۲۔تسہیل الوصول الی علم الاصول: ۱۰۱-۱۰۶۔

درسگاہوں، علمی مراکز، مدارس دارالقرآن، دارالسنہ، دارالحدیث، مساجد، معابد، رباطات، شفاخانوں کی تاسیس و تعمیر کی تاریخ ان کی خوبصورتی پائیداری و وسعت کو بیان کیا۔

اہلِ علم و اربابِ فن کی علمی سیرت کو نمایاں کیا، مشہور علماء کے اساتذہ، تلامذہ کو نام بنام گنایا، علوم و فنون میں ان کی مہارت و بصیرت اور تفوق و امتیاز کی طرف اشارہ کیا، ان کی تصانیف پر تبصرہ کیا، مثلاً لکھا کہ ان کی تالیفات ۱- مفید ہیں، ۲- کثیر ہیں، ۳- پختہ ہیں، ۴- مشہور ہیں۔

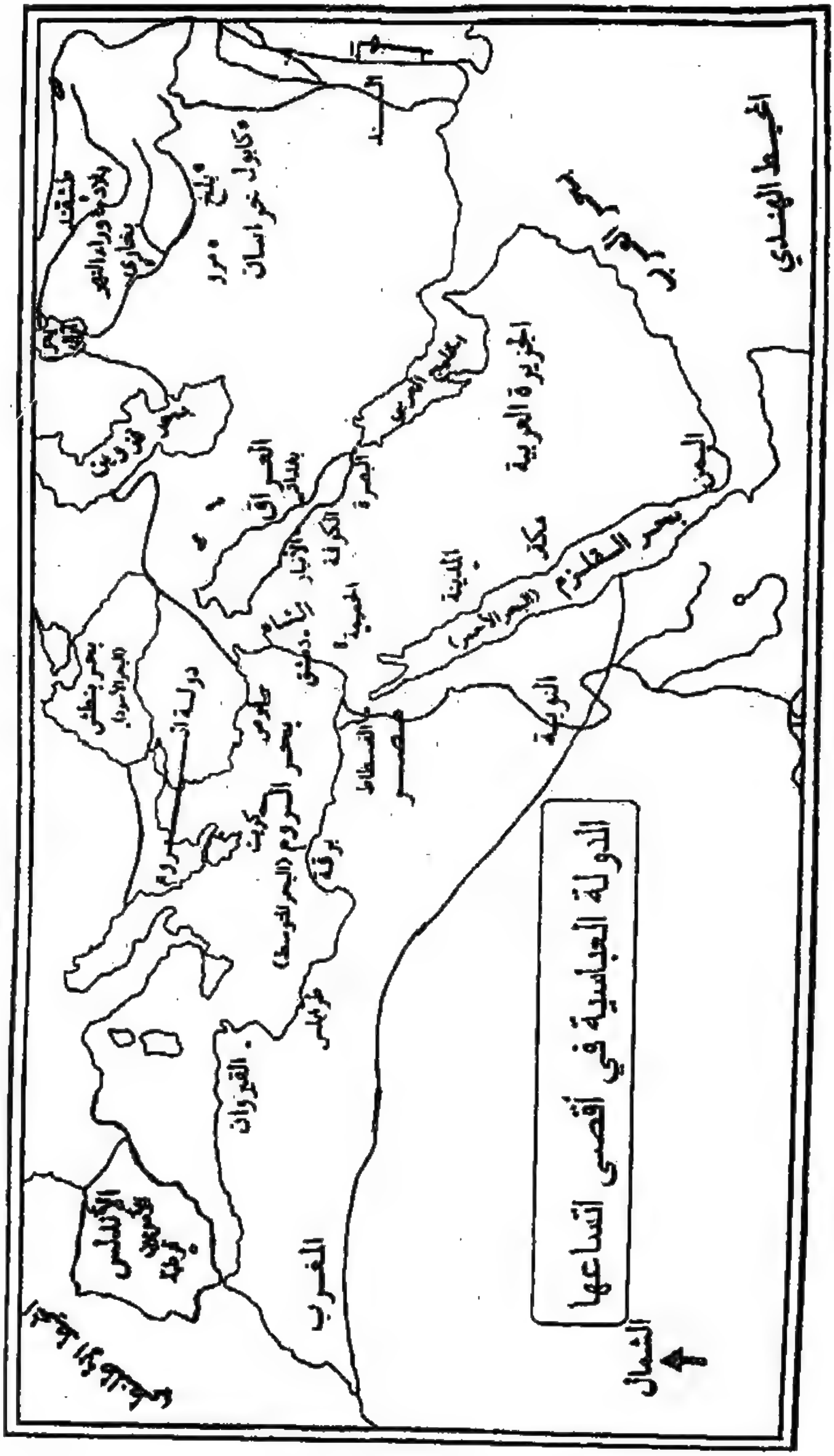
گاہ بگاہ ان کی تالیفات کی فہرست پیش کی، کبھی کسی جلیل القدر عالم کے حالات میں کسی نے کوئی کتاب لکھی اس کو بتایا، خلفاء، وزراء، امراء کی معارف پروری و علوم کی سرپرستی کا تذکرہ کیا۔ اہلِ ثروت و شائقین علم و فن نے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت اور کتب خانہ سازی میں جس سرگرمی کا مظاہرہ کیا اس کی طرف رہنمائی کی بعض اوقات کتب خانوں کے شاندار افتتاح کی کیفیت کو زینتِ کتاب کیا۔ اس میں کام کرنے والوں کے حالات بیان کیے، وقف کی ہوئی کتب خانوں کی حیثیت کو نمایاں کیا کہ یہ ائمہ فن کی لکھی ہوئی تھیں یا مصنفین کے ذاتی نسخے تھے یا یہ کتابیں فلاں عالم کے کتب خانہ کی زینت تھیں وہاں سے یہاں پہنچی تھیں یا فلاں عالم نے ان کو وقف کیا تھا یا فلاں کتب خانے میں ابن مقلہ، ابن البواب اور دیگر نامور خطاط کی نقل کی ہوئی کتابیں جمع کی گئی تھیں، یا فلاں عالم کتابیں نقل کر کے گزر بسر کرتا تھا، اس کا خط اور نقل ضرب المثل تھی۔

یہ عہدِ عباسی کے کتب خانوں اور ثقافتی اداروں کی تاریخ کے وہ اہم ثقافتی پہلو ہیں جنہیں مورخین نے مذکورہ بالا طریقوں سے بیان کیا ہے۔ ان پہلوؤں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے زبانِ قلم پر وہ باتیں آجاتی ہیں، جن کا ذکر شبلی سے لے کر ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ تک کر چکے ہیں۔ مذکورہ بالا حقائق کے پیشِ نظر ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ تذکرہ کی کم و بیش ہر کتاب میں قدماء نے کتب اور کتب خانوں سے اعتناء کیا ہے۔

عباسی دورِ خلافت

عباسی دورِ خلافت کی ابتداء ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء میں ابوالعباس عبداللہ السفاح سے ہوئی۔ تیسری صدی ہجری یا نویں صدی عیسوی میں عباسی خلفاء کا اقتدار اپنے عروج پر رہا۔ اس دور کا ایک نقشہ جس سے اس کی وسعتوں کا اندازہ ہوگا۔

صفحہ مقابل پر پیش کیا جاتا ہے۔



الدولة العباسية في أقصى اتساعها

(د) وسعت اور طریق کار

اس تحقیقی مقالہ کا عنوان (کتابی تہذیب کے ثقافتی جلوے) ہیں، لیکن اس کا دائرہ تحقیق عہدِ عباسی پر محیط ہے جو دوسری صدی ہجری ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء سے ساتویں صدی ہجری ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۸ء تک وسیع ہے۔ اس لحاظ سے یہ مقالہ شاہانِ عباسی کے پانچ سو سالہ شاندار علمی وتمدنی دور کے کتب خانوں کا مرقع ہے۔

اس مقالہ میں بحث کا مرکز خلفاء بغداد اور ان سے الحاق رکھنے والے فرمانرواؤں کے کتب خانے ہیں، لیکن عباسی ممالک کے علاوہ دوسری خودمختار ریاستوں اور مملکتوں کے سلاطین جو خلفاء بغداد سے ہمسری کا دعویٰ کرتے اور انہیں خلیفہ نہیں مانتے تھے۔ جیسے مشرق میں دیالمہ فارس، فاطمین مصر، شام میں بنی بویہ اور بنی عمار مغرب (اندلس) میں اموی خلفاء، ان کے کتب خانوں کا بھی ضمناً تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ کتب خانہ سازی کے سلسلہ میں خلفاء بغداد کی عالمگیر تحریک کے اثرات کا صحیح اندازہ کیا جاسکے اور ان کے دور میں مصر، شام واندلس وغیرہ کے طویل وعریض علاقہ کے اسلامی کتب خانوں میں جو ترقیاں ہوئی ہیں، ان کی تصویر بھی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے اور یہ حقیقت عیاں ہوجائے کہ ان کی علمی وثقافتی ترقی انہی خلفاء بغداد کی ہمسری وپیروی کا نتیجہ تھی۔

اس تحقیقی مقالہ کے سلسلہ میں ہم نے عہدِ عباسی کی مستند کتب تاریخ وجغرافیہ، طبقات، انساب، تذکرہ، ادب ومحاضرات وغیرہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، پھر شب وروز کے غور وفکر کے بعد شناخت کتب خانہ کے اصول وضع کیے (جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے) ان اصول کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کتابوں، رسالوں، فلموں اور فوٹو اسٹیٹ کاپیوں سے جو کچھ مواد مل سکا، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا اور ان اصول کی روشنی میں عہدِ عباسی کے کتب خانوں کی تعیین کی گئی۔

اصحابِ کتب خانہ کے متعلق معلومات میں ان کے معاصرین کے بیانات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی اور اس دور کے مستند مؤرخین کے بیان کردہ واقعات کی روشنی میں کتابوں کے ذخیروں کی نوعیت، کیفیت وکمیت کو نمایاں کیا گیا، اسلامی کتب خانوں کے متعلق عہدِ عباسی کی تخلیقات میں اگر صاحب کتب خانہ کے متعلق معلومات زیادہ نہ مل سکیں تو پھر بعد کے ایسے نامور مؤرخین کی آراء کو پیش کیا جن کے پیش نظر عہدِ عباسی کا علمی سرمایہ رہا ہے اور ان کی علمی بصیرت ومہارتِ فن پر اربابِ سیر کا اتفاق ہے۔ چنانچہ ابنِ خلدون، ابنِ کثیر، ذہبی، ابنِ حجر، سخاوی

اور سیوطی وغیرہ کے حوالے اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

متاخرین علماء، اربابِ تذکرہ اور عصرِ حاضر کے مستشرقین میں سے کسی نے مفید معلومات پیش کی ہیں تو انہیں بھی حسبِ موقع ومحل اس مقالہ کی زینت بنایا ہے تاکہ اسلامی کتب خانوں کی صحیح ومکمل تصویر پیش کی جاسکے۔ چنانچہ شبلی، حمادہ، عواد، دانش پزوہ، اولگاپنٹو، سارٹن، ہٹی، جوزف ہیل، آدم مزاوروان کریمر وغیرہ کے حوالے اس سلسلے کی دوسری اہم کڑی ہیں۔

اصحابِ کتب خانہ کے فنون کی تخصیص بھی اپنی طرف سے نہیں کی ہے بلکہ اربابِ تذکرہ نے جس نوع کی کتابوں میں ان کا تذکرہ کیا اور ان کے کمالات کو نمایاں کیا ہے انہی اوصاف کے مطابق وصفِ غالب کے اعتبار سے ان کے زمرہ میں انہیں داخل کیا ہے، چنانچہ قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین وغیرہ کی تعیین وتخصیص اسی انداز پر کی گئی ہے۔

اس مقالہ کی تیاری میں چھ سو سے زیادہ کتابوں سے استفادہ کیا گیا اور تین ہزار سے زیادہ حوالے مذکور ہیں، پانچ سو ساٹھ کتابوں میں سے پانچ سو سے زیادہ کتابیں عربی کی ہیں اور سو کتابیں اردو، انگریزی، ترکی اور فارسی کی ہیں۔ رسالے ان کے علاوہ ہیں، عربی کی کتابوں میں زیادہ تر عہدِ عباسی کی تالیفات ہیں جن میں شاذ و نادر ہی اشاریہ ہوتا ہے۔ گیارہویں باب کے اختتام پر ماخذوں کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں مصنف کا سالِ ولادت وسالِ وفات بھی دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے انہیں بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

''تمہید وتعارف'' میں شاہانِ عباسی کا دورِ حکومت بین القوسین نقل کیا گیا ہے، لیکن بابِ سوم، چہارم و پنجم میں کتب خانوں کے تذکرے میں حسبِ دستور خلفاءِ بغداد، دیگر سلاطین، وزراء، امراء، حکام اور اربابِ کمال کا سن ولادت ووفات قوسین میں دیا گیا ہے اور اصحابِ کتب خانہ کو صدی وار حروفِ تہجی کی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک صدی میں تقدمِ زمانی کے بجائے حروفِ تہجی کی پابندی کی گئی ہے اس لیے فقہاء کے کتب خانوں میں امام مالک کا تذکرہ پہلے کیا گیا اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کا ذکر بعد میں آیا ہے۔

اس دور میں صاحبِ کتب خانہ کے ذخائرِ کتب کے تنوع کے اظہار کا واحد ذریعہ اس کے علمی اوصاف اور نسبتوں کا تذکرہ ہے۔ انہی اوصاف کی روشنی میں ان کے ذخیروں کی تعیین ہوسکتی ہے اور ذخائر کی نوعیت وکیت

کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس لیے ہر صاحب کتب خانہ کے تذکرہ میں اس کے علمی اوصاف کو سب سے پہلے بیان کیا گیا ہے، خصوصی وفنی کتب خانوں کو شرعی علوم کی اس ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے جو عہدِ عباسی میں متداول رہی ہے۔

پاکستان جس ملک میں ہم آباد ہیں، اس کی قومی زبان اردو ہے۔ یہاں کی اکثریت اردو بولتی اور اردو سمجھتی ہے۔ اس زبان کے ادب میں اسلامی کتب خانوں پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے اور نہ ان تمام ذرائع پر جن تک ہماری رسائی ہوئی ہے کسی نے پہنچنے کی کوئی کوشش کی ہے، نہ کراچی یونیورسٹی کے علاوہ پاکستان کی کسی یونیورسٹی اور تحقیقی اداروں میں اس موضوع کو تحقیق کے لیے قابلِ توجہ سمجھا گیا، اس بے اعتنائی پر مجھے جتنا افسوس ہے، اتنا ہی اپنی خوش قسمتی پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس اہم موضوع پر کام کرنے کی ہدایت و توفیق دی، اس لیے اس تحقیقی مقالہ کو اپنی قومی زبان میں ترتیب دیا گیا ہے تا کہ علم کتابِ داری کے ادب میں ایک مفید اضافہ ہوسکے اور آئندہ تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ ایک سنگِ میل ثابت ہو۔

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی کثرت، تنوع وشہرت اور شاندار روایات جن کا تذکرہ تمہید کے زیرِ عنوان کیا گیا ہے دراصل فروغِ علم کا ثمرہ تھا، اس لیے آئندہ باب میں فروغِ علم اور کتب خانوں کے ارتقاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں بعض اوقات ایک ہی واقعہ سے مختلف نتائج اخذ کیے گئے ہیں، کیوں کہ بسا اوقات ایک ہی واقعہ مختلف پہلوؤں کا جامع ہوتا ہے، اس سے نتائج بھی گوناگوں اخذ کیے جاتے ہیں، بادی النظر میں اس پر تکرار کا خیال گزرتا ہے حالانکہ یہ تکرار نہیں نیا فائدہ ہے۔

حوالوں کے سلسلے میں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جس کا تذکرہ آیا ہے اس کا تذکرہ، رقم نمبر بریکٹ میں دیا گیا ہے۔ بعض جگہ ناظرین کی سہولت کے پیشِ نظر ایسے تذکروں کے سلسلے میں مزید حوالوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

دوسرا باب

فروغِ علم، املاء اور کتب خانوں کا ارتقاء

پہلے باب میں جس کا عنوان تمہید و تعارف تھا، اس میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی تھی کہ کتب خانے دورِ تمدن کی پیداوار اور ذہنی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ عہدِ عباسی میں ان کی ترقی، کثرت و تنوع، اِقْرَأْ اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کے نور کا فیضان اور شاہانِ عباسی کی تحریک علم پروری و کتب خانہ سازی کے اثرات کا ثمرہ ہیں۔ پہلے باب میں کتب خانوں کی اشاعت، ان کی نشاندہی کے اسباب، شناخت کے اصول، مقصدِ مطالعہ، انتخابِ موضوع، سابقہ مطالعہ، ماخذوں کا سرسری جائزہ لیا گیا اور وسعت و طریق کار پر روشنی ڈالی گئی تھی۔

دوسرا باب جس کا عنوان فروغِ علم اور کتب خانوں کا ارتقاء ہے، دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ''فروغِ علم''، علم کی اہمیت، کتب خانے کے عناصر اربعہ، علم، کتابت، کتاب و قرأت پر، دوسرا حصہ کتب خانوں میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیاں، ان کے کتب خانے اور دور جاہلی میں عربوں کے کتب خانے اور قیامِ کتب خانہ کے عوامل و محرکات پر مشتمل ہے۔

۞ ۞۞

دوسرا باب

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ فروغِ علم

☆ کتب خانہ کے عناصرِ اربعہ

۱- علم

۲- کتابت

۳- کتاب

۴- قرأت

(۱) فروغِ علم

علم انسان کے ساتھ خاص ہے، بقیہ تمام عادات واطوار جیسے شجاعت، قوت وشفقت وغیرہ انسان اور تمام حیوانات میں مشترک ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو فرشتوں پر فضیلت دی ہے۔(۱) گو انسان لوازمِ حیوانیت، کھانے پینے، چلنے پھرنے وغیرہ میں حیوانوں کا شریک ہے، حیوان سے وہ صرف فکر اور ادراکِ کلیات میں ممتاز ہے، ادراکِ کلیات کی قوت فطرتِ انسانی میں ودیعت کی گئی ہے، اس لیے وہ طبعی طور پر علم حاصل کرنے اور اس میں غور وفکر کرنے، پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے کا خواہش مند رہتا ہے، جملہ علوم وفنون اسی غور وفکر کے نتائج وثمرات ہیں، ان کو بقا ودوام کتابت سے حاصل ہوا ہے، اس لیے علم وکتابت کو لوازمِ تمدن میں شمار کیا گیا ہے۔

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: ''انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے، دوسروں تک اپنے ضمیر کی آواز پہنچانے اور دوسروں کی بات کو سمجھنے کے لیے الہامِ الٰہی نے اسے آواز کے استعمال کی طرف رہنمائی کی، حروف کے جوڑنے اور اسے علیحدہ کرنے، بعض حروف کو بعض حروف سے مخارج وصفات میں ممتاز کرنے کی صلاحیت بخشی تاکہ ان سے کلمات کی ایسی ترکیب حاصل ہو سکے، جو ضمیر میں پیدا شدہ معانی کی طرف رہنمائی کر سکیں، گفتگو کا اصل مقصد آسانی سے حاصل ہو سکے، زندگی با مقصد گزر سکے، جب ان حروف کے مرکبات اور جملے مختلف انواع واقسام پر مرتب ہوئے تو ان سے مختلف زبانیں اور مختلف علوم وفنون وجود میں آئے، تمدن میں تنوع ووسعت پیدا ہوئی اور علم وکتابت کو لوازمِ تمدن میں سے سمجھا جانے لگا۔

اقوامِ عالم میں جو لوگ بلند حوصلہ تھے، انہوں نے ان علوم ومعارف، نتائج وثمرات، ایجادات و انکشافات کی اشاعت کا دائرہ جنہیں انہوں نے بہت محنت سے حاصل کیا تھا، حاضرین تک محدود نہیں رکھا بلکہ آئندہ نسلوں کو بھی ان میں شریک کیا تاکہ عالم کے لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں اور علوم ومعارف میں ان افکار کی

۱۔تعلیم المتعلم: ۵، آداب المتعلمین: مجلہ معہد المخطوطات العربیہ: ۲/۲۷۳۔

وجہ سے ترقی کا راستہ کھلے، چنانچہ انہوں نے کتابت کے قواعد وضوابط وضع کیے، جن کے نقوش ہر زمانہ میں محقق رہے، انہی نقوش وکلمات کی ترتیب وترکیب سے قارئین وناظرین کے اذہان، الفاظ وحروف سے معانی کی طرف منتقل ہوئے اور اس وضع وترتیب سے تمام علوم وکتب کا نشوونما ہوا(۱) اس لیے علم وکتابت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

۞ ۞۞

۱۔ کشف الظنون:۱/ ۲۴، ۲۵۔

(۲) علم کا مرتبہ و مقام

اسلام نے علم کو بہت اونچا مقام عطا کیا ہے، جو اس صفت سے آراستہ ہوتا ہے، اسے بھی معاشرے میں ہمیشہ اونچا مرتبہ دیا جاتا ہے۔(۱) قرآن نے کہا ہے:

”یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِیْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِیْرٌ“(المجادلہ۔۱۱)

(ترجمہ)”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں، اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجے بلند کرے گا اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔“

اس لیے قرآن میں رسول اللہ ﷺ کو جن کی ذاتِ ستودہ صفات، سرچشمہ علوم و فنون تھی، علم و تحقیق میں فراوانی کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا تھا ”قُلْ رَبِّ زِدْنِی عِلْماً“ (طٰہٰ۔۱۱۴) ”آپ کہا کیجیے، اے میرے رب! میرے علم و تحقیق میں فراوانی و اضافہ فرما۔“(۲)

امام بخاری نے انہی دو آیتوں سے علم کی فضیلت کو ثابت کیا ہے۔(۳) اور امام موصوف نے ”صحیح البخاری“ میں کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کا عنوان باندھ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسلام میں ایمان کے بعد علم ہی کا درجہ ہے، قرآن مجید میں بھی ایمان اور اس کے مشتقات کے بعد سب سے زیادہ تقریباً سات سو مقامات میں علم اور اس کے مشتقات کا استعمال ہوا ہے،(۴) اس سے صرف علم کی عظمت، اہمیت، افادیت و فضیلت ہی عیاں نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ایمان کے بعد تحصیلِ علم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور اسلام نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ بنی نوع انسان کے دنیوی سفر کا آغاز علم کی روشنی سے ہوا ہے۔ قرآن کہتا ہے: ”وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ (البقرہ۔۳۱) ”اور اس نے آدم کو سب (چیزوں) کے نام سکھائے۔“

اسلام نے علم کو انسان کی اولین ضرورت قرار دیا اور جو چیزیں اولاد کو تحصیلِ علم سے باز رکھیں ان سے

۱۔فقہ اللسان: ۲/ ۶۱۔ ۲۔المبین: ۱۳۴۔ ۳۔صحیح البخاری: ۱/ ۱۴۔ ۴۔المعجم المفہرس: ۴۶۹، ۴۸۱۔

والدین کو روکا ہے؛(۱) اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے علم کو انسان کی بنیادی ضرورت سمجھا ہے۔(۲) اور طلبِ علم ہر فرد کا بنیادی حق قرار دیا ہے، اسے حاصل کرنا اس پر لازم کر دیا ہے، اسی حق نے اسے کائنات میں امتیاز وشرف بخشا ہے اور اس کا یہ ثقافتی وجود اسے دنیا میں دوسری مخلوقات سے بہتر و برتر قرار دیتا ہے اور یہی علم ایک انسان کی دوسرے انسان سے برتری وتفوق کا سبب ہے، چنانچہ قرآن نے کہا ہے "وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ" (سورۂ یوسف ۱۲ آیت ۷۶) "اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔"

یہ ایک جماعت کو دوسری جماعت سے اور ایک قوم کو دوسری قوم سے ممتاز کرتا ہے، قرآن نے کہا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ○ (الزمر-آیت ۹)

(ترجمہ): "کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ اور نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقل مند ہیں۔"

کتب وکتب خانہ، ثقافتی وجود کو برقرار رکھنے اور ممتاز کرنے کا اہم ذریعہ ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ (ابراہیم-۱)

(ترجمہ): "یہ ایک (پُرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ۔"

انہی وجوہ سے وسائلِ تعلیم کا مہیا کرنا اسلامی حکومت کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے۔ اسلام معیشت کے لیے مادی ضروریات کے فراہم کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ تہذیب وثقافت کے وسائل مہیا کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کا بھی ذمہ دار ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اطراف وبلاد میں عوام واہلِ علم کی تعلیم و رہنمائی اور تربیتِ علمی کے لیے علماء، فقہاء اور قرّاء بھیجتے تھے۔

علامہ ابن حزم اندلسی "کتاب الاحکام" میں نصابِ تعلیم کی تجدید فرمانے کے بعد رقم طراز ہیں:

"حاکمِ وقت پر بقدرِ نصاب وسائلِ تعلیم کی فراوانی لازم ہے۔ مرد، عورت، آزاد، غلام، لونڈی میں کسی بھی فرد کو اس حق سے گریز کا موقع نہیں دیا جا سکتا۔ خلیفۂ وقت پر فرض ہے کہ لوگوں کو تحصیلِ علم کا پابند کرے اور ایسی جماعتیں متعین کرے جو انہیں پڑھائیں اور تعلیم دیتی رہیں۔"(۳)

۱-المفردات: ۳۹۳۔ ۲-التفسیر الکبیر: ۲/ ۴۸۱۔ ۳-الاحکام فی اصول الاحکام: ۵/ ۶۹۰۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کو اپنی علمی حدود کا پتہ چلتا اور علمی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اس میں طلبِ علم کا جذبہ ابھرتا بڑھتا ہے۔ وہ علمی سرچشموں سے سیرابی کی پوری کوشش کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس جذبۂ طلبِ علم نے اُمتِ مسلمہ سے پاپیادہ برِّ اعظموں کو طے کرایا اور انہیں علم و کتب خانوں کے ذخیروں کا دلدادہ بنایا۔

اسلام فراوانی علم کے جذبے کو انسان میں زندہ و متحرک رکھنے کے لیے اسے "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" "میرے رب، میرے علم میں اضافہ فرما" کی درخواست کرتے رہنے کی تاکید کرتا ہے تاکہ جہل و نادانی کی تاریکیاں چھٹتی رہیں، ابلاغِ علم کی کارفرمائیاں جاری رہیں، ذخائرِ علوم و کتب کا سلسلہ پروان چڑھتا رہے۔ اس لیے مسلمانوں میں کہاوت مشہور ہے۔ "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ" آغازِ آفرینش سے آخری سانس تک تحصیل و تحقیقِ علم میں لگے رہو۔

❁ ❁❁

(۳) کتب خانہ کے عناصر اربعہ

(۱) علم

اس میں چھ امور سے بحث ہے۔

۱۔ مفہومِ علم:

عِلم کا مادہ عین، لام، میم ہے۔ اس مادہ میں جاننے پہچاننے کے معنی چھپے ہوئے ہیں۔ مثلاً علامت، شناخت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ عَلَم (نشانِ راہ) سے راستہ جانا جاتا ہے۔ اَعْلَام (پہاڑوں) کو دُور ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ عَلَم (جھنڈا) کے پاس لشکر جمع رہتا ہے۔ اس کے بارے میں دُور سے معلوم ہو جاتا ہے۔(۱) مخلوق سے خالق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کائنات کو عَالَم کہتے ہیں۔ عالم، عَلیم اور علاّمہ (بہت زیادہ جاننے والا) بھی اپنے عِلم سے جانا پہچانا جاتا ہے اور اسے عالِم وعلاّمہ کہا جاتا ہے۔ انسان کا ذہن آئینہ کی طرح ہے، جو چیز اس کے سامنے آتی ہے، اس کا نقش اس میں آجاتا ہے۔ آئینہ میں صرف محسوسات کی صورت نمایاں ہوتی ہے اور ذہن کے آئینہ میں معقول ومحسوس دونوں کی تصویر اتر آتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جسے فلاسفہ حقیقتِ علمیہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، گویا ہر وہ چیز جو ذہنِ انسانی میں آتی ہے(۲)، وہ اس کے لیے جانی پہچانی ہو جاتی ہے۔ عِلم حقائق اشیاء کے ادراک کا نام ہے، شے کی حقیقت، تجربہ ومشاہدہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے تجربہ ومشاہدہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ قرآن میں علم سے محض دینی علوم ہی مراد نہیں ہیں بلکہ وہ علم سے اس کے نہایت وسیع معنی کی طرف انسان کی رہنمائی کرتا ہے، جو فرد ومعاشرے کی دنیوی واخروی کامرانی وترقی کا ضامن ہے، اس لیے کہ علم سے قرآن کا مقصد عقلِ انسانی کی تربیت کرنا، انسان کو تحصیلِ علم پر آمادہ کرنا، آفاق و انفس میں فکر ونظر سے کام لینے اور تجربات ومشاہدات سے حقائق تک رسائی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اس سے اس کا علم وایمان بڑھتا اور پختہ سے پختہ تر ہوتا ہے، نیز آفاق وانفس میں غور وفکر سے انواع علوم میں اضافہ

۱۔ فقہ اللسان: ۲/ ۶۱۔ ۲۔ المبین: ۱۴۳۔

ہوتا ہے، ذخائرِ کتب میں ترقی وفراوانی ہوتی ہے، چنانچہ علم کے اس وسیع ترمعنی پر قرآن کریم کی یہ آیت شریفہ شاہد ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفاً أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ٥ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ط إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ (الفاطر-۲۸)

(ترجمہ): ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا۔ تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کیے، اور پہاڑوں میں سفید اور سُرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں۔ انسانوں اور جانوروں اور چار پایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں۔ خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ بے شک خدا غالب (اور) جاننے والا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حیاتِ انسانی سے متعلق جملہ انواعِ علم اس کا شعبہ ہیں اور وہ ان سب پر حاوی ومحیط ہے۔

۲- فضیلتِ علم:

حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں ''کتاب العلم'' کا عنوان باندھا گیا ہے جو اسلام میں اس کی فضیلت و اہمیت کی نہایت روشن دلیل ہے، تاہم موقع ومحل کی مناسبت سے یہاں معدودے چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی تحصیل، کتابت، حفاظت، ابلاغ اور توسیع واشاعت کی ذمہ داری اُمت کے ہر فرد پر انفرادی طور پر عائد کی گئی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو علم کی خاطر سفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کرتا ہے۔''(۱) ایک حدیث میں وارد ہے ''علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔''(۲) ''انبیاء درہم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑتے بلکہ وراثت میں علم عطا فرماتے ہیں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ وراثت علمی کو حاصل کرنا میراثِ انبیاء کو حاصل کرنا ہے۔

۱- صحیح البخاری: ۱ / ۱۴، سنن أبی داود: ۲ / ۱۵۷، شرح السنۃ: ۱ / ۲۷۶، مختصر سنن أبی داود، معالم السنن، وتہذیب ابن القیم الجوزیہ: ۵ / ۲۴۳۔
۲- صحیح البخاری: ۱ / ۱۴، ابوداود: ۲ / ۱۵۷۔

۳- تحصیلِ علم:

رسول اللہ ﷺ نے (حسبِ استطاعت) علم حاصل کرنا ہر ایک مسلمان (مرد و عورت) پر فرض قرار دیا ہے۔(۱) ایک حدیث میں فرمایا "علم سیکھنے سکھانے کا نام ہے"۔(۲) ایک مرتبہ فرمایا "دو شخص قابلِ رشک ہیں، ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اسے راہِ حق میں خرچ کیا، دوسرا وہ جسے علم و حکمت دی اور اس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اور لوگوں کو سکھایا۔"(۳)

نیز ایک موقعہ پر فرمایا "حکمت و دانائی کی بات مومن کی گمشدہ پونجی ہے جہاں کہیں وہ اس کو پائے وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔"(۴)

اس لیے علم اور متاعِ گم گشتہ کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرو۔ کتابوں نے حکمت و دانائی، حقائق و معارف، انکشافات، تجربات و مشاہدات کو اپنے اندر سمو رکھا ہے۔ ان کی تحصیل و ترسیل کا کام کتب خانہ انجام دیتا ہے، اس حقیقت کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مصداق خزانہ الکتب قرار پاسکتا ہے۔

۴- کتابتِ علم:

تعلیم کتاب و حکمت کو رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں سے قرار دیا گیا۔ آیتِ شریفہ ہے "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" (آل عمران۔ ۱۶۴، سورۃ الجمعہ۔ ۲) "وہ نبی انہیں خدا کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے کتابتِ علم کا حکم دیا، قرآن مجید املا کرایا، احادیث و خطبات قلم بند کرائے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بعض صحابہؓ نے اسے قلم بند کیا۔(۵) امام ابوجعفر احمد طحاوی رحمہ اللہ (۲۲۹-۳۲۱ھ) نے تصریح کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قرض کے معاملہ میں شک وحفظ میں شک وشبہ کا احتمال ہے، لہٰذا اس میں کتابت کی اجازت زیادہ مستحسن اور پسندیدہ ہے ائمہ میں امام ابوحنیفہ، ابویوسف اور محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔(۶)

۱- سنن المصطفیٰ بحاشیۃ السندھی: ۱/ ۹۸۔ ۲- صحیح البخاری: ۱/ ۷۔ ۳- ایضاً: ۱/ ۱۷، شرح السنۃ: ۱/ ۲۹۸، ۲۹۹۔

۴- سنن ابن ماجہ: ۲/ ۵۳۲، فیض القدیر: ۵/ ۶۵، جامع الاصول: ۸/ ۹۔ ۵- سنن ابن ماجہ: ۱/ ۲۲، سنن أبی داؤد: ۲/ ۱۵۷، ۱۵۸، شرح السنۃ: ۱/ ۲۹۳، ۲۹۷، جامع الاصول: ۸/ ۵، ۲۴-۳۳۔ ۶- شرح معانی الآثار: ۲/ ۳۱۶۔

۵- ابلاغ علم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابلاغ علم کو ہر ایک پر لازم کیا اور فرمایا "بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً" (۱) "میری طرف سے پہنچاؤ اگر چہ ایک ہی آیت ہو۔" ابلاغ کا دائرہ نہایت وسیع ہے، اس میں حفظ وتلقین، یاد رکھنا اور دوسروں تک علمی مواد کی سہولت مہیا کرنا نیز نقلِ کتاب اور کتابت وغیرہ تمام وسائل کی فراہمی اس میں داخل ہے۔ پھر حافظہ کمزور ہو جانے اور علم وعلمی فضا باقی نہ رہنے کی صورت میں شرعی نقطۂ نظر سے تصنیف وتالیف اور نقل وکتابت کو فرض وواجب کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔

ایک مقام پر فرمایا: "حاضر غیر حاضر کو بات پہنچائے ممکن ہے وہ اس بات کو اس سے زیادہ یاد رکھے"۔(۲)

ایک موقع پر فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے میری بات سنی، اس کی حفاظت کی اور پھر اس شخص تک پہنچائی جس نے وہ بات نہیں سنی تھی، بہت سے فقہ سے آراستہ (سمجھدار) اپنے سے زیادہ سمجھدار تک بات پہنچانے والے ہیں۔" (۳)

ایک اور حدیث میں حکم دیا: "علمِ دین کی باتوں کو یاد رکھو، ان کی حفاظت کرو اور اپنے بعد آنے والوں کو جا کر بتاؤ۔" (۴) چنانچہ ائمۂ حق نے علم کا آخری درجہ اس کی نشر واشاعت اور ابلاغ قرار دیا ہے۔(۵)

۶- علم چھپانے کی سزا:

جس نے علم وعلمی تحقیقات کو چھپایا اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔" (۶) کیوں کہ علم جہاں پوشیدہ ہوتا ہے، وہ علم راز بن کر مٹ جاتا ہے۔(۷) "علم کا اٹھنا اور جہل کا پھیلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔(۸)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی ترغیبی وتاکیدی ارشادات نے اُمتِ مسلمہ میں بعض موضوع (جعلی)

۱- صحیح البخاری: ۱/ ۴۹۱۔ ۲- کتاب الاعتصام: ۱/ ۲۴۴۔ ۳- ایضاً: ۱/ ۱۶۔ ۴- سنن الترمذی: ۵/ ۳۴، سنن أبی داود: ۲/ ۱۵۹، مختصر سنن أبی داود: ۵/ ۱۵۳۔ ۵- مجلہ کلیہ اللغۃ العربیہ، شمارہ ۲، ۹، ۳، العقد الفرید: ۲/ ۲۱۵۔
۶- ایضاً ۱/ ۹، جامع الاصول: ۸/ ۱۲، شرح السنہ: ۱/ ۳۰۱۔ ۷- ایضاً: ۱/ ۲۰۔ ۸- ایضاً: ۱/ ۱۸، جامع الاصول: ۸/ ۳۳-۳۷۔

حدیثوں کو ایسی شہرت دی کہ علماء کو ان کے موضوع ہونے کی صراحت کرنی پڑی، منجملہ ان کی ایک یہ حدیث بھی ہے "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ"(۱) "علم حاصل کرو اگر چہ چین جانا پڑے۔"

تحصیلِ علم، کتابتِ علم اور توسیع و اشاعتِ علم کے متعلق رسالت مآب ﷺ کے تاکیدی ارشادات نے حصولِ علم اور اس کی نشر و اشاعت کو مسلمانوں کی سیرت کی اہم و ممتاز خصوصیت قرار دی۔(۲) اور اُمتِ مسلمہ کو ترتیب و تدوینِ کتب پر آمادہ کیا پھر علمی ذخیروں کی کثرت نے مسلمانوں کو کتب خانوں کے قیام و اہتمام کا خوگر بنایا، چنانچہ مسلمانوں نے اپنی آبادی کے ہر حصہ میں مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں، مزاروں اور سرائیوں میں کتب خانوں کے قیام کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے علم و آگہی کی بنیاد قائم کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا:

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" (العلق-۱-۵)

(ترجمہ): "(اے محمد ﷺ) اپنے پروردگار کے نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔"

اقرأ کے تکرار سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ بار بار پڑھنے سے علم میں پختگی آتی ہے، انسان میں فن کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اقرأ وہ منبع و مخرج ہے جہاں سے تحصیل و ترسیل دونوں کے سرچشمے بیک وقت پھوٹتے ہیں اور اس کو کتب خانہ کی اصطلاح میں Retrieval اور Dissemination and Communication کہا جاتا ہے، جو اشیاء بتانے سے معلوم ہوتی ہیں، ان کے جاننے کو "خبر" کہتے ہیں، کتب خانہ کی اصطلاح میں اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ Information ہے۔

۱- تاریخ بغداد: ۹ / ۳۶۴، کتاب الموضوعات: ۱ / ۲۱۵، المقاصد الحسنہ: ۶۳، ۱۳۵، اللآلی المصنوعہ: ۱ / ۱۹۳، تذکرۃ الموضوعات: ۱۷، تنزیہ الشریعہ: ۱ / ۲۵۸، کشف الخفاء: ۱ / ۱۲۸، نمبر: ۳۹۷۔ ۲- رسالۃ التلخیص: ۱۵۷۔

حکم اقرأ و قرأت کا نور اپنی ذات کے اندر جو پوشیدہ خزانے رکھتا ہے وہ خبر (Information) تحصیل Retrieval اور ابلاغ و ترسیل Dissemination and Communication پر مشتمل ہے، ان ارکانِ ثلاثہ کے قیام و اہتمام کے لیے جس جگہ کی ضرورت ہوتی ہے اور جو مکان اس ضرورت کو پورا کرتا ہے، وہ لائبریری سائنس کی اصطلاح میں کتب خانہ کہلاتا ہے۔ کتب خانہ بنی نوع انسان کے علم کے ترقی پذیر ثقافتی ورثہ کا ہر زمانہ میں جامع رہا ہے اور یہ علم کے مواد کی کثرت و وسعت کی بناء پر ہر دور میں بڑھتا اور ترقی کرتا رہا ہے۔

علم نمو، علو، بسط و اختصار، جامعیت و استناد، عزت و رفعت، عظمت و شہرت کی صفات سے آراستہ رہا ہے، اس لیے کتب خانہ بھی ہمیشہ انہی صفات عالیہ کا مظہر بنتا رہا ہے۔ علم جس نے بنی نوع انسان کو مادی ترقی میں آسمانوں پر پہنچایا، رُوحانی ترقی میں فرشتوں سے افضل بنایا، اس کی تحصیل و ابلاغ اور ترسیل کا مقام کتب خانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کو "فضل عظیم" قرار دیا ہے اور تمام بنی نوع انسان کو اس صفت سے آراستہ ہونے کی صلاحیت بخشی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو اس صفت سے نوازا تو فرمایا "وَأَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيماً" (النساء-۱۱۳)

"اور اللہ نے تم ﷺ پر کتاب اور دانائی نازل فرمائی ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور تم پر خدا کا بڑا فضل ہے۔"

اس آیتِ شریفہ میں خطاب رسالت مآب ﷺ سے ہے، لیکن مراد تمام بنی نوع انسان ہیں، اس لیے کہ علم فرد ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے بھی "فضل عظیم" ہے۔ یہ فضل عظیم اپنے کون و مکان کے لیے جو جگہ رکھتا ہے اس معاشرتی مرکز (Social Centre) کا ہی دوسرا نام کتب خانہ ہے۔

❁ ❁❁

(ب) کتابت

کتاب اور کتابت کے ذریعے علوم وفنون کی تدوین عمل میں آئی۔ حفاظت، توسیع واشاعت ہوئی، علمی و تحقیقی انکشافات اور ثقافتی ورثہ کو فروغ ملا، کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا، اس لیے کتب خانوں کی تاریخ بیان کرنے سے پہلے اس کے معنی وحقیقت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

کتب اور کتابت کے مادہ ک، ت، ب کے اصل معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ نظم وترتیب سے ملانے، جمع کرنے کے ہیں،(۱) اس سے کتاب کا لفظ نکلا ہے۔ کَتِیبَہ (چھوٹا لشکر) بھی ایک جگہ اکٹھا ہوتا ہے، کتبہ تسبیح کے دانوں کی لڑی جس میں ایک نمونہ کے دانے پروتے ہیں۔(۲) الکتاب (قرآن) بھی انبیاء، تاریخ، اقوام، اوامر ونواہی، اَمثال وشرائع احکامِ الٰہی اور کتب سماوی کی جامع ہے،(۳) اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔

کتابت میں حروف والفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ تحریر کے ذریعے جوڑا اور جمع کیا جاتا ہے۔ کتابت میں بھی موضوع سے متعلق عبارت کو تحریر کے ذریعہ سمیٹا اور جمع کیا جاتا ہے مگر بعض اوقات بطور استعارہ کلام کی جگہ کتاب کا اور کتاب کی جگہ کلام کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ آیت شریفہ 'الٓمّٓ ذَالِکَ الکِتٰبُ" (یہ کتاب ہے) میں کلامِ الٰہی کے لیے جو ابھی قیدِ تحریر میں نہیں لایا گیا تھا، کتاب کا لفظ بولا گیا ہے اور آیتِ شریفہ 'اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ"(۴) (میں خدا کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے) میں کلام اللہ کو کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کتاب اصل میں مصدر ہے جس کے معنی "لکھنا" ہیں، پھر "نوشتہ" کو کتاب کا نام دیا گیا، ثابت کرنا، مقدر کرنا، اندازہ کرنا، لازم کرنا، ایجاد کرنا، فنا کرنا، فرض کرنا، سب کچھ کتابت کے ذریعے ہوتا ہے، اس لیے لفظِ کتابت ان معانی میں استعمال کیا جانے لگا، پھر عزم کتابت پر بھی کتابت کا لفظ بولا جانے لگا تھا، اس لیے کہ پہلے عزم وارادہ کیا جاتا ہے، پھر زبان سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے لکھا جاتا ہے، ارادہ، مبدأ اور

۱-مقائیس اللغۃ:۵/۱۵۸(مادہ کتب)، کتاب المخصص:۲/۲۰۷۔ ۲-ایضاً۔ ۳-بصائرذوی التمیز:۴/۲۶۳۔
۴-المفردات:۴۲۳-۴۲۵(مادہ کتب)، معجم القرآن:۱۱۵-۱۱۷، بصائرذوی التمیز:۴/۳۲۹، ۳۳۴(مادہ کتب)

کتابت، مُشتق ہے۔(۱) مُکاتَب اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنی آزادی کی شرائط طے کر کے قیدِ تحریر میں لاتا ہے۔(۲)

انہی مذکورہ بالا مناسبتوں کی وجہ سے لفظِ کَتَب، لکھنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ ابوعبید نے اس کا مصدر "کَتْب" اور سیبویہ نے "کِتَاب" بھی نقل کیا ہے۔ لکھنے والا، منشی وخوشنویس، کاتب، اس کی جمع کُتَّاب اور کَتَبَۃ آتی ہے، لکھنے کی صنعت کو "کِتابت" کہتے ہیں۔ کِتاب کی جمع کُتُب آتی ہے۔ مُکَتِّب، کتابت سکھانے والا اور مَکْتَب وہ جگہ جہاں کتابت سکھائی جاتی ہے۔(۳) اردو میں بھی مکتب، نوشت وخواند کی جگہ کو کہتے ہیں۔ "مُکْتِب" اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کتابیں ہوں اور وہ اس سے نقل کرائے، بالفاظ دیگر اس کا مصداق خوشنویس ہے جو استاد کی وصلی سے شاگردوں کو خوشنویسی سکھاتا ہے۔(۴)

عہدِ رسالت میں املاء

املاء کا آغاز دورِ نبوی میں قرآن کریم کے نزول سے ہوا، دن رات میں جس موقعہ پر بھی قرآن کریم اترتا، آپ ﷺ اسے لکھواتے اور لکھوا کر اسے محفوظ کرواتے (۵) اور اسے پڑھنا پڑھانا رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھا(۶)، جس کا اعتراف و احساس مشرکین کو بھی تھا، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: "وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" (ترجمہ) "اور مشرکین کہتے ہیں یہ تو پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں اور صبح وشام وہی اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں"(۷)۔ یہ سورۃ فرقان کی آیت ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورۃ پوری کی پوری مکی ہے، البتہ ابن عباسؓ اور قتادہؒ کے نزدیک اس میں تین آیتیں وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ سے غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تک مدنی ہیں، اس قول کے مطابق بھی مذکورہ آیت مکی ہے(۸)۔

لہذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ املاء کا اہتمام نبوت کے ابتدائی دور سے ہی خوب تھا، حتی کہ جو چیز بھی میسر ہوتی، اس پر لکھواتے اور اس املاء کی برکت سے تمام علوم قیدِ تحریر میں آئے۔

۱- المفردات: ۴۳۵۔ ۲- معجم مقائیس اللغۃ: ۵/ ۱۵۸۔ ۳- کتاب المخصص: ۱۳/ ۴۔ ۴- أساس البلاغۃ: ۲۸۶، لسان العرب: ۲/ ۹۲ (کتب) ۵- مباحث علوم القرآن: ۷۳، البرہان فی علوم القرآن: ۶- پارہ: ۴، سورۃ آل عمران، آیت: ۱۶۴۔
۷- آسان ترجمہ قرآن: ۲/ ۱۰۹۶۔ ۸- تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۱۔

عہد صحابہ میں املاء

حضرت مکحولؒ سے منقول ہے کہ لوگوں کی درخواست پر حضرت ابو ہریرۃؓ المتوفی ۵۹ھ نے حضرت امیر معاویۃؓ کے خیموں میں کھڑے ہوکر احادیث بیان کیں(۱)، اسی طرح حضرت واثلۃ بن اسقعؓ المتوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ بھی احادیث کا املاء کراتے تھے، چنانچہ معروف خیاطؒ سے منقول ہے کہ میں نے واثلہ بن اسقعؓ کو دیکھا کہ وہ احادیث کا املاء کروار ہے ہیں اور لوگ ان کے سامنے بیٹھ کر لکھ رہے ہیں۔(۲)

مقامات مقدسہ میں مجالس املاء

مسجد حرام میں مجلس املاء:

محمد بن سلیمان بن علی (۱۲۲-۱۷۳ھ) نے جب مسجد حرام میں طلبہ حدیث کو محدثین کے پیچھے چلتے ہوئے دیکھا تو کہا: "لَأَنْ يَطَاهُوْ لَاءِ عَقِبِيْ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الْخِلَافَةِ" (ترجمہ) "لوگ میرے پیچھے بھی اسی طرح چلیں یہ میرے لیئے خلافت سے زیادہ اچھا ہے" (۳)۔

بیت المقدس میں مجلس املاء:

اس میں ہر دور میں املاء کا سلسلہ جاری رہا ہے، بالخصوص ۱۷ھ/ ۶۳۸ء میں جب بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا، تو اس دور میں بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کی خاطر اس میں مستقل اقامت اختیار کی اور درس وتدریس کا املاء کی صورت میں آغاز ہوا (۴)۔

خیموں میں مجلس املاء:

حضرت ابو ہریرۃؓ المتوفی ۵۹ھ نے حضرت امیر معاویۃؓ کے خیموں میں کھڑے ہوکر احادیث بیان کیں جیسا کہ اوپر گذرا (۵)۔

۱-ادب الاملاء والاستملاء:۳۹، سیر اعلام النبلاء:۵/ ۱۶۰۔ ۲-ادب الاملاء والاستملاء: ۱۳۔ ۳-ایضا: ۲۳۔
۴-اردو دائرۃ معارف اسلامیۃ: ۵-ادب الاملاء والاستملاء:۳۹۔

خلفاء کی آرزو

۱- خلیفہ منصور ابوجعفر عبداللہ بن محمد المتوفی ۱۵۸ھ سے پوچھا گیا کہ دنیا کی لذات میں سے کوئی چیز ایسی ہے جو آپ کو حاصل نہ ہوئی ہو، تو انہوں نے کہا کہ ایک خصلت باقی ہے۔ وہ یہ کہ میں چبوترہ پر بیٹھوں اور میرے گرد اصحاب حدیث ہوں اور ایک مستملی آ کر مجھ سے یہ کہے کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے کس کا ذکر کیا(۱)۔

۲- محمد بن سلیمان بن علی (۱۲۲-۱۷۳ھ) نے جب مسجد حرام میں طلبہ حدیث کو محدثین کے پیچھے چلتے ہوئے دیکھا تو کہا: "لَاَنْ یَطَاُھُوْ لَاءِ عَقِبِی اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْخِلَافَۃِ" (ترجمہ) "لوگ میرے پیچھے بھی اسی طرح چلیں یہ میرے لیئے خلافت سے زیادہ اچھا ہے"(۲)۔

۳- خلیفہ ہارون الرشید ۱۴۹-۱۹۳ھ حدیث کی مجلس کو اپنے سے بہتر بتاتا تھا، اس کا قول ہے:

"ھٰذَا خَیْرٌ مِنِّیْ لِاَنَّ اِسْمَہٗ مُقْتَرَنٌ بِاسْمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَا یَمُوْتُ بَعْداً نَحْنُ نَمُوْتُ ، وَنَفْنٰی وَالْعُلَمَآءُ بَاقُوْنَ مَا بَقِیَ الدَّھْرُ"

(ترجمہ) "یہ محدث مجھ سے بہتر ہے اس لیئے کہ اس کا نام رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ (تا قیامت) متصل ہے لہٰذا اسے موت نہ آئے گی، ہم تو مر مٹ جائینگے جبکہ علمآء تا زمانہ زندہ و تابندہ رہینگے"(۳)۔

۴- خلیفہ مامون الرشید المتوفی ۲۱۸ھ کا اپنے لشکر کے ساتھ یزید بن ہارون ۱۱۸-۲۰۶ھ کی مجلس پر گذر ہوا تو کہا: "ھٰذَا الْمَلِکُ" (ترجمہ) "یہ ہیں شاہان وقت" واضح رہے کہ بعض جگہ خلیفہ مامون کی بجائے خلیفہ متوکل کا ذکر آیا ہے، وہ غلط ہے، کیونکہ خلیفہ متوکل کی ولادت ۲۰۶ھ میں ہوئی جبکہ یہی یزید بن ہارون کا سن وفات ہے(۴)۔

۱- ادب الاملاء والاستملاء:۱۹۔ ۲- ایضاً:۲۳۔ ۳- ادب الاملاء والاستملاء:۲۰۔ ۴- ایضاً:۲۲۔

چھتوں پر مجالس املاء

حافظ عاصم بن علی الوسطی رجب المتوفی ۲۲۱ھ مجمع کی کثرت کی وجہ سے جامع مسجد اصافہ کی چھت پر بیٹھ کر املاء کراتے تھے، دو مستملی ان کی آواز مجمع تک پہنچاتے تھے، ایک لاکھ بیس ہزار ۱۲۰۰۰۰ اہل علم ان کے درس کو لکھ رہے تھے(۱)۔ دوسری صدی کے آخر میں لکھنے والوں کی ایسی بہتات تھی۔

بازاروں میں مجالس املاء

خلیفہ متوکل ۲۰۶-۲۴۷ھ نے عبدالاعلی بن حماد المتوفی ۲۳۷ھ کے لیئے "سُرَّ مَنْ رَاٰی" کے بازار میں املاء حدیث کے لیئے منبر رکھوایا تھا، جس میں موصوف نے لوگوں کو املاء کرایا تھا(۲)۔

میدانوں میں مجالس املاء

حافظ عاصم بن علی الواسطی المتوفی ۲۲۱ھ نے نہایت وسیع میدان میں املاء کرایا تھا، اسی طرح حافظ ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ کجی المتوفی ۲۹۲ھ کے غسان آنے پر ایک میدان میں مجلس املاء کا انتظام کیا گیا تھا، جس میں سات مستملی لکھنے والوں تک آواز پہنچاتے تھے(۳)۔

دواتوں کی تعداد:

حافظ ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ کجی بصری المتوفی ۲۹۲ھ کی بغداد میں مجلس املاء کے بعد دواتوں کو شمار کیا گیا تو چالیس ہزار ۴۰۰۰۰ سے اوپر تھیں۔ اور حافظ ابو اسحاق ابراہیم ہجیمی المتوفی ۳۵۱ھ کے درس میں دواتوں کی تعداد تیس ہزار ۳۰۰۰۰، حافظ ابو الحسن محمد بن حسین علوی المتوفی ۴۰۱ھ کی مجلس میں ایک ہزار ۱۰۰۰، حافظ ابو بکر محمد بن یحیٰ بن ابراہیم مزکی المتوفی ۴۷۴ھ کی مدینۃ السلام بغداد میں پانچ سے اوپر دواتیں تھیں(۴)۔

۱- ادب الاملاء والاستملاء: ۱۶-۱۷۔ ۲- ایضاً: ۱۸۔ ۳- ایضاً: ۹۶۔
۴- ادب الاملاء والاستملاء: ۱۸، المنتخب من السیاق: ۶۱۔

مستملیوں کی تعداد:

حافظ ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ کجی بصری صاحب کتاب السنن المتوفی ۲۹۲ھ نے بغداد میں جو مجلس املاء منعقد کی تھی، اس میں سات مستملی تھے۔ اسی طرح عمر بن زیات کے بیان کے مطابق شیخ وقت، امام، قاضی ابوبکر جعفر بن محمد فریابی المتوفی ۳۰۱ھ کی مجلس املاء میں تین سو سولہ ۳۱۶ مستملی تھے(۱)۔

سڑکوں پر مجالس املاء

حافظ ابوبکر جعفر بن محمد فریابی المتوفی ۳۰۱ھ نے بغداد آنے پر مجمع کی کثرت کی وجہ سے راہ منار پر مجلس املاء منعقد کرائی۔ یہی صورت حال حافظ ابو اسحاق ابراہیم ہجیمی المتوفی ۳۵۱ھ کے ساتھ پیش آئی کہ مجمع کی کثرت کی وجہ سے گھر کی چھت پر بیٹھ کر املاء کرواتے، لکھنے والوں اور سننے والوں سے ہجیم کی گلیاں اور سڑکیں بھری رہتی تھیں(۲)۔

گھروں میں مجالس املاء

حافظ علی بن عمر دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ اور حافظ ابو عثمان اسماعیل بن محمد اصبہانی المتوفی ۵۰۹ھ کے گھر میں مجلس املاء کا اہتمام کیا جاتا تھا، اس کے علاوہ حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن فضل علی بن احمد بن طاہر طلحی جوزی ۴۵۷-۵۳۵ھ اپنے گھر میں بعض مجالس منعقد کراتے تھے، چنانچہ حافظ سمعانی ان کے بارے رقمطراز ہیں: "جب تک میں ادھر (اصبہان میں) مقیم رہا، میں نے ان سے تمام امالی لکھیں، جس کی ترتیب یوں تھی کہ موصوف ہفتے میں ایک دن اپنے گھر کی خاص مجلس میں مجھے املاء کراتے تھے اور ہفتے میں دو دن میں انہیں سناتا تھا، نیز حافظ ابو مسعود عبد الجلیل بن محمد جوبناری المتوفی ۵۵۳ھ کے گھر میں بھی مجلس املاء کا اہتمام کیا جاتا تھا(۳)۔

۱-ادب الاملاء والاستملاء:۱۸، المنتخب من السیاق:۶۱۔ ۲-ایضاً۔ ۳-ادب الاملاء والاستملاء:۱۸، المنتخب من السیاق:۵۲، ۱۱۰، ۶۷، الانساب:۲/۱۲۰، ۱۳۸، تذکرۃ الحفاظ:۴/۱۳۱۴، تاریخ الاسلام:۱۲/۷۰۔

مدارس میں مجالس املاء

۱-مدرسہ ابوسعید زاہد:

اس میں حافظ ابوحازم عمر بن احمد عبدوی المتوفی ۴۱۷ھ املاء کراتے تھے، ان کے بعد حافظ ابوبکر احمد بن علی بن محمد یزدی اصبہانی ابن منجویہ المتوفی ۴۲۸ھ نے اس میں املاء کرائی (۱)۔

۲-دار السنۃ مدرسۃ الصبغی:

اس میں فقیہ ابوبکر احمد بن محمد بستی الشافعی المتوفی ۴۲۹ھ نے املاء کرائی (۲)۔

۳-مدرسہ نظامیہ:

اس میں ابوسعید عبد الرحمن بن منصور رامشی المتوفی ۴۷۴ھ، ابوسعد اسماعیل بن مسعد بن اسماعیل جرجانی المتوفی ۴۷۷ھ، امام الحرمین ابوالمعالی عبد الملک بن شیخ ابومحمد جوینی المتوفی ۴۷۸ھ اور ابوالقاسم اسماعیل بن زاہر بن محمد نوقانی نیشاپوری المتوفی ۴۷۹ھ مجلس املاء کراتے تھے (۳)۔

مساجد میں مجالس املاء

مختلف مساجد میں مختلف ایام واوقات کے اندر املاء کرانا مستحب اور علمآء وفضلاء کا معمول تھا، ذیل میں چند مساجد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱-مسجد المربعۃ الکبیرۃ:

اس مسجد میں امام ومفسر ابونصر منصور بن حسین بن محمد نیشاپوری المتوفی ۴۲۲ھ یا ۴۲۴ھ کی مجلس املاء منعقد ہوتی تھی، ہر ہفتہ کو عصر میں اس حلقہ کا انعقاد ہوتا رہا، یہاں تک کہ موصوف خود حاضری سے عاجز آ گئے (۴)۔

۱-المنتخب من السیاق: ۱۰۵۔ ۲-ایضاً: ۱۱۲۔ ۳-ایضاً: ۱۸۶، ۱۹۰، طبقات الشافعیۃ لاسنوی: ۱/ ۲۱۰، ۱/ ۱۹۷۔
۴-المنتخب من السیاق: ۶۶۹، سیر اعلام النبلاء: ۱۷/ ۴۴۱۔

۲-جامع مسجد عتیق نیشاپور:

اس مسجد میں امام ومحدث ابوسعد عبدالرحمن بن حمدان نصروی نیشاپوری المتوفی ۴۴۳ھ کئی سال تک نماز جمعہ سے پہلے املاء منعقد کراتے رہے(۱)۔اور امام حافظ ابوالحسن محمد بن محمد بن زید علوی حسینی المتوفی ۴۸۰ھ جو نیشاپور میں قاصد بن کر آئے تھے،ان کی بھی مجلس املاء اسی مسجد میں منعقد ہوتی رہی ہے(۲)،نیز نیشاپور کے رئیس اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) شیخ الاسلام ابونصر احمد بن محمد بن صاعد صاعدی المتوفی ۴۸۲ھ ماہ رمضان میں جمعرات کے دن اس مسجد میں عشاء کے وقت اسلاف کے طرز پر مجلس املاء منعقد کرتے تھے(۳)۔

۳-مسجد ابوعبدالرحمن سلمی:

اس مسجد میں قراءت کے عالم شیخ ابوسعد احمد بن ابراہیم بن موسی شامانی نیشاپوری المتوفی ۴۵۴ھ نے کئی سال تک مجلس املاء منعقد کی ہے(۴)۔

۴-مسجد نوقانی:

یہ مسجد محلہ رجاز میں واقع تھی اور اس میں امام وفقیہ ابوالقاسم اسماعیل بن زاہر بن محمد نوقانی ثم نیشاپوری المتوفی ۴۷۹ھ جو فقہاء شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں،ان کی مجلس املاء منعقد ہوتی تھی(۵)۔

۵-جامع مسجد منیعی نیشاپور:

اس میں ابوعبدالرحمن طاہر بن محمد بن محمد نیشاپوری المتوفی ۴۷۹ھ جو حافظ حدیث،ادیب اور عبادت گذار تھے ان کی مجلس املاء منعقد ہوتی رہی ہے(۶)۔ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء اس مسجد میں مجالس املاء منعقد کرتے رہے ہیں مثلا: نیشاپور کے رئیس اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) شیخ الاسلام ابونصر احمد بن محمد بن صاعد صاعدی المتوفی ۴۸۲ھ(۷)،امام ابوبکر محمد بن اسماعیل بن محمد تفلسی ثم نیشاپوری المتوفی ۴۸۳ھ

۱-المنتخب من السیاق:۶۶:۷۴۴،سیر اعلام النبلاء:۱۷/۵۵۳،تاریخ الاسلام:۹/۵۲۷۔

۲-ایضا:۱۳۸،سیر اعلام النبلاء:۱۸/۵۲۰،تذکرۃ الحفاظ:۴/۱۲۰۹۔ ۳-ایضا:سیر اعلام النبلاء:۱۹/۷،تاریخ الاسلام:۱۰/۵۰۲۔

۴-ایضا:۱۱۷،تاریخ الاسلام:۱۰/۴۴۔ ۵-ایضا:۱۸۷،سیر اعلام النبلاء:۱۸/۴۴۶،تاریخ الاسلام:۱۰/۴۳۹۔

۶-ایضا:۴۱۷،تاریخ الاسلام:۱۰/۴۴۱۔ ۷-ایضا:۱۳۸،سیر اعلام النبلاء:۱۹/۷،تاریخ الاسلام:۱۰/۵۰۲۔

(۱)، شیخ ابو قاسم عبدالرحمن بن احمد واحدی التوفی ۴۸۷ھ(۲)، فقیہ ابونصر عبداللہ بن حسین بن محمد بن ہارون خراسانی التوفی ۴۹۱ھ(۳)، کاتب وشاعر ابوابراہیم اسعد بن مسعود عتبی نیشاپوری التوفی ۴۹۴ھ(۴)، امام ومحدث ابوسعید اسماعیل بن عمرو بحیری نیشاپوری التوفی ۵۰۱ھ۔ آخرالذکر موصوف نے کئی سال تک اس مسجد میں مجلس املاء منعقد کی ہے(۵)۔

۶-جامع مسجد اصبہان:

اس مسجد میں حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن فضل علی بن احمد بن طاہر طلحی جوزی التوفی ۵۳۵ھ جو تفسیر ، حدیث، لغت اور ادب کے فنون میں امام کا درجہ رکھتے تھے، انہوں نے تقریبا تین ہزار ۳۰۰۰ املاء کی مجالس قائم کی تھیں اور ان کی مجلس املاء میں جوانوں اور بوڑھوں کی ایک کثیر تعداد حاضر ہوتی اور احادیث لکھتی تھی (۶)۔

مساجد کے سامنے مجالس املاء

جامع مسجد انبار، مسجد حران اور دیگر مساجد کے سامنے متعدد محدثین کرام سے سماع کیا گیا(۷)۔

کنوؤں میں مجالس املاء

بادشاہ وقت نے جب شمس الائمۃ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی التوفی ۴۳۸ھ کو سزا دی اور موصوف کو اندھے کنویں میں اتروادیا اور ان کا پڑھانا موقوف کرادیا، تو امام سرخسی نے اپنے طلبہ کو درس وتدریس کا سلسلہ شروع کرادیا، ان کے طلباء کنویں کے منڈیر پر جمع ہوجاتے اور موصوف ان کو فقہ کے مسائل لکھواتے تھے(۸)۔

۞ ۞ ۞

۱-المنتخب من السیاق: ۱۸۳، سیر اعلام النبلاء: ۱۹/۱۱، تاریخ الاسلام: ۱۰/۵۲۵۔ ۲-ایضا: ۳۸۶، سیر اعلام النبلاء: ۱۸/۳۴۲، تاریخ الاسلام: ۱۰/۵۷۹۔ ۳-ایضا: ۳۵۳۔ ۴-ایضا: ۴۰، سیر اعلام النبلاء: ۱۹/۱۵۸، تاریخ الاسلام: ۱۰/۵۱۔
۵-ایضا: ۳۵۸، سیر اعلام النبلاء: ۲۰/۹، تاریخ الاسلام: ۱۱/۵۹۱۔ ۶-الانساب: ۲/۱۲۰۔
۷-ادب الاملاء والاستملاء: ۴، ۶۴، ۱۱۲۔ ۸-الفوائد البہیۃ: ۱۵۷، الجواہر المضیئۃ: ۳/۷۸۔

تصنیف کے فوائد

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (۷۷۱ھ) نے کیا خوب لکھا ہے کوئی عالم اگرچہ خوب درک رکھتا ہو، جدل ومباحثہ کے میدان میں اس کا معرکہ شدید ہو اور اس کا بازو مضبوط ہو، اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر وہ ہر رکاوٹ کو دور کرسکتا ہو، اس کے علم کا فائدہ اس کی اپنی زندگی تک محدود رہتا ہے جب تک وہ کوئی کتاب تصنیف نہ کرے جو اس کے انتقال کے بعد ہمیشہ رہے، یا اپنی میراث میں ایسا علم چھوڑ جائے جس کو اس کے شاگرد اس سے نقل کریں جب لوگ اس کی کمی محسوس کریں، اور جس سے وہ لوگ راہ یاب ہوں جو اس کی موت کے بعد آئیں، اور ان کی ہدایت اس کے ذریعے مقدر ہو۔

بخدا! تصنیف کا مرتبہ بہت بلند ہے اس لیے کہ وہ طویل زمانے تک باقی رہتی ہے، مُصنّف اگر مرجائے تو اس کو دوام بخشتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارا کوئی وقت تصنیف سے خالی نہیں گزرتا، ہر لمحہ اپنی لڑی میں جواہر تالیف کو پروتا رہتا ہے، کوئی گھڑی فارغ نہیں گزرتی، علم کے جمع وترتیب کا سلسلہ پیہم رواں دواں رہتا ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: مُصنّف کو چاہیے کہ تصنیف کے لیے اپنے دل کو (ہجوم افکار سے) فارغ رکھے، قوتِ ارادی کو مجتمع رکھے، تصنیف ہی میں مشغول رہے، اس میں اپنا وقت گزارے۔

تحقیق کا مرتبہ

ہمارے مشایخ میں سے بعض فرماتے تھے جو شخص اپنا فائدہ چاہتا ہو اسے چاہیے کہ کتابت ونقل نویسی چھوڑ کر تخریج وتحقیق میں لگ جائے۔ (۱)

محمد بن علی بن عبد اللہ صوری رحمہ اللہ (۴۴۱ھ) کا بیان ہے میں نے سنہ ۴۱۱ھ میں حافظ عبد الغنی بن سعید رحمہ اللہ (۴۰۹ھ) کو خواب میں دیکھا، وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ ابو عبد اللہ! جاؤ جاکر تصنیف وتالیف میں مشغول ہو جاؤ قبل اس کے کہ تمھارے اور اس کے درمیان رکاوٹیں کھڑی ہوجائیں (یعنی پیغام موت

۱- یہ بات علامہ زین الدین عراقی رحمہ اللہ (۸۰۶ھ) نے فتح المغیث: ۳/ ۹۳-۹۶ میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) نے تدریب الراوی ۲/ ۱۵۳ میں ذکر کی ہے۔

آجائے) مجھے نہیں دیکھتے کہ میرے اور اس کے درمیان پردے حائل ہو گئے، (صوری فرماتے ہیں) پھر میں بیدار ہو گیا۔(۱)

عبداللہ بن المعتز باللہ (۲۹۶ھ) کا قول نقل کیا ہے کہ انسان کا علم اس کی ہمیشہ باقی رہنے والی اولاد ہے، ابوالفتح بستی رحمہ اللہ (۴۰۰ھ) نے ایک شعر میں کہا ہے:

يَقُوْلُوْنَ: ذِكْرُ الْمَرْءِ يَبْقٰى بِنَسْلِهٖ
وَلَيْسَ لَهٗ ذِكْرٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ نَسْلُ

(ترجمہ): "لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی انسان کا ذکر اس کی اولاد کے ذریعے ہی باقی رہتا ہے، اولاد نہ ہو تو اس کا تذکرہ بھی مٹ جاتا ہے۔"

تصنیف وتالیف کے فوائد

علامہ سیوطی رحمہ اللہ مذکورہ مقام پر رقمطراز ہیں کہ امام نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ تصنیف وتالیف سے انسان علوم کے حقائق ودقائق سے آگاہ ہوتا ہے اور اس کا علم مضبوط ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی وجہ سے وہ بکثرت کھوج کرید، مطالعہ ومراجعت اور تحقیق پر مجبور ہوتا ہے، نیز ائمہ کے کلام میں متفق ومختلف، واضح ومشکل اور صحیح اور غیر صحیح سے واقف ہوتا ہے، کھرے کھوٹے کی خبر ہو جاتی ہے اور قابل اشکال و ناقابل اعتراض بات کی تمیز ہو جاتی ہے، اس سے تحقیق کرنے والا اجتہاد کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔

ربیع (بن سلیمان) رحمہ اللہ (۲۷۰ھ) کا بیان ہے میں نے امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) کو تصنیف و تالیف کے اہتمام کی بناء پر بھی دن کو کھاتے اور رات کو سوتے نہیں دیکھا۔

تصنیف کا احتیاطی پہلو

ائمہ نے تہذیب وترتیب، کھوج کرید اور نظر ثانی کے بغیر اپنی تصنیف کو منظر عام پر لانے کو ناپسند کیا ہے، ابن معتز (۲۹۶ھ) کہتے ہیں کہ دل ودماغ کی توجہ نگاہوں سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہے، اس کا منتہا بہت دور

۱۔ یہ واقعہ عراقی رحمہ اللہ نے فتح المغیث: ۳/۹۶ میں بسند منقطع نقل کیا ہے۔

اور میدان زیادہ وسیع ہوتا ہے، وہ وادیٔ افکار کی گہرائیوں میں غوطے لگاتی، انجام کو سوچتی اور غائب وحاضر کو جمع کرتی ہے، مفید ومضر کی پہچان کی کسوٹی ہے، دل کی مثال املاء کرانے والے کی سی ہے، یہ زبان کو املاء کراتا ہے جب وہ بولتی ہے، اور ہاتھ کو املاء کراتا ہے جب وہ لکھتا ہے، عقلمند آدمی اپنے دل ہی میں معانی کو کلام کی خوبیوں سے آراستہ کرتا اور ان کو عمدہ الفاظ سے مزین کر کے پیش کرتا ہے، جب کہ بیوقوف ونادان شخص معانی کے اظہار میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتا ہے، ان کی نوک پلک سنوارنے اور خوبیوں کی تکمیل کی فکر نہیں کرتا۔

ہلال بن علاء (۲۸۰ یا ۲۸۱ھ) کا یہ قول بھی پیش نظر رہنا چاہیے کسی انسان کی موت کے بعد اس کی عقل کا اندازہ اس کی تصنیف، اشعار اور پیغام کے ذریعے ہوتا ہے، یا جیسے اصمعی رحمہ اللہ (۲۱۴ یا ۲۱۷ھ) کا کہنا ہے کہ انسان جب تک کوئی کتاب نہ لکھے یا شعر نہ کہے لوگوں کی باتوں سے محفوظ رہتا ہے، کلثوم بن عمرو عتابی (۲۲۰ھ) کہتے ہیں کہ جس نے کوئی کتاب لکھی اس نے مدح و مذمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا، اگر تصنیف اچھی ثابت ہوئی پھر حسد اور غیبت کا نشانہ بن جائے گا، اور غلطی نکل آئی پھر ہر زبان کے طعن وتشنیع کا ہدف بن جائے گا، قریب قریب یہی بات ابویعلی بن فراء (۴۵۸ھ) نے عبداللہ بن مقفع (۱۴۲ھ) سے نقل کی ہے کہ جس نے تصنیف کی وہ لوگوں کا ٹارگٹ (Target) بن گیا، اگر کتاب اچھی نکلی لوگ مشفق ومہربان ہو جائیں گے، اور غلطی نکل آئی تو سبّ وشتم کا نشانہ بن جائے گا۔

''کتاب'' کے معنی حروف ہجا کے ساتھ الفاظ کی تصویر کشی کرنے کے ہیں، بعد میں اس معنی میں بڑی وسعت پیدا ہوئی، عرف عام میں مخصوص عبارت کی تدوین پر اور مصنفین کی اصطلاح میں مخصوص مسائل کے مجموعہ پر کتاب کا اطلاق کیا جانے لگا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے کتاب کو وہ مرتبہ ومقام دیا کہ اپنے کلام سے اس کو آراستہ کیا اور جن اقوام کی طرف آسمانی کتابیں اتاری گئیں انہیں اہلِ کتاب، کتاب والے کے مقدس الفاظ سے یاد کیا ہے۔ عہدِ عباسی میں مادۂ کتب کا گوناگوں استعمال، کتابت وکتب کی کثرت، ان کے بہت زیادہ استعمال اور عوام وخواص کی ان سے دلچسپی کا نہایت بیّن ثبوت ہے۔

کتابوں کی جمع وترتیب کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔ کتب خانہ کو اَلْخِزَانَۃُ، خِزَانَۃُ الْکُتُبْ

۱۔ کشف الظنون: ۲/ ۱۳۸۳، کتاب الکلیات: ۳۰۶۔

وَ خزائِنُ الْکُتُب کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا۔ خِزَانَۃٌ وَ خَازِنٌ، خَزَنَ سے بنا ہے۔ خا، زا، نون کے مادہ میں حفاظت کرنے کے معنی پوشیدہ ہیں۔(۱) خازن، محافظ و نگران کو کہتے ہیں، خزانہ میں ہر چیز نظم و ترتیب اور حفاظت کے ساتھ رکھی جاتی ہے۔ بوقتِ ضرورت نکالی اور استعمال کے لیے دی جاتی ہے۔ خازن بھی کتابیں جمع کرتا، نظم و ترتیب سے رکھتا، حفاظت کرتا اور استعمال کے لیے لوگوں کو دیتا ہے، اس کی جمع خَزَنَۃٌ آتی ہے۔ ''خزانہ'' کے لغوی وعرفی مفہوم میں جمع و تحفظ اور ترتیب و افادہ داخل ہیں، قرآن میں فرمایا گیا ہے ''وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ'' (الحجر-۲۱) ''اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں۔ اور ہم ان کو بمقدار مناسب اتارتے رہتے ہیں۔''

اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوا کہ اشیاء کا ذخیرہ ہمیشہ زیادہ رکھا جاتا ہے، گو فائدہ ان سے ایک مقدار کے مطابق اٹھایا جاتا ہے۔ کتب خانوں پر اس اصول کا پورا اطلاق ہوتا ہے، اس میں کتابوں کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ کیا جاتا ہے، لیکن اس سے استفادہ کا دائرہ غیر محدود نہیں ہوتا۔

قرآن نے آیتِ شریفہ ''يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ'' (آل عمران-۱۶۴) (وہ انہیں کتاب و دانائی سکھاتے ہیں) میں کتاب کے ساتھ حکمت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ حکمت علم و دانش اور تجربہ و مشاہدہ سے حق بات معلوم کرنے کا نام ہے، لہٰذا حکمت کے معنی اشیاء کی معرفت حاصل کرنے اور انہیں نہایت عمدہ طریقہ سے ایجاد کرنے کے ہیں۔ انسانی حکمت، موجودات کی معرفت اور اچھے کام انجام دینے سے عبارت ہے۔ جیسا کہ آیتِ شریفہ ''وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ'' (لقمان-۱۲) ''اور بے شک ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی۔''

بنی نوعِ انسان کو حقائقِ اشیاء تک رسائی مطلوب ہے، اس لیے اربابِ فکر و نظر نے کتب خانہ کا نام ''خزانۃ الحکمۃ'' رکھا کہ یہ علمی ورثہ بھی انسان کو حقائق کے سمجھنے، مزید حقائق کو معلوم کرنے اور علمی دریافت و انکشاف میں مددگار ہوتا ہے۔ اوائلِ عہدِ عباسی میں جب یونانی علوم عربی زبان میں منتقل کیے گئے اور دین و دانش کا ذخیرہ یکجا کیا گیا تو خزانۃ الحکمۃ کا لفظ بہت عام ہو گیا۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے کتب خانوں کے نام عِلم، عُلوم، مَعرفت، کِتاب، کُتب، خِزانہ، خَزائن اور حکمت کے معنی خیز لفظوں سے ترکیب اضافی کے ساتھ ترتیب دیے۔ چنانچہ وہ کبھی دارُ العلم، کبھی خِزَانَۃُ

۱۔ معجم مقائس اللغۃ: ۲/ ۱۷۸ (مادہ خزن)

الْکُتُب، کبھی دَارُالْکُتُب، کبھی خِزَانَۃُ الْحِکْمَۃ دَارُالْحِکْمَۃ، بَیتُ الْحِکْمَۃ، صَوَانُ الْحِکْمَۃ، کبھی دَارُالْمَعْرِفَۃ اور کبھی مَکْتَب کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

پانچویں صدی ہجری میں کتب خانہ کے لیے دَارُالْکُتُب کا لفظ استعمال کیا گیا اور بعد میں مَکْتَب کا لفظ بھی کتب خانوں پر بولا جانے لگا تھا۔ ان الفاظ کو قبولِ عام حاصل ہوا، لیکن عصرِ حاضر میں مَکْتَبَۃ بمعنی کتب خانہ، مطالعہ کرنے کے کمرہ اور کتابوں کی دکان مولّدہ (موجودہ دور کی پیداوار) ہے۔ ترکیب اضافی کے ساتھ امِینُ الْمَکْتَبَۃ کا لفظ لائبریرین کے لیے بولا جاتا ہے، ناموں کا یہ تنوع کتب خانوں سے مسلمانوں کے غیر معمولی شغف کا مظہر ہے۔

علم و معرفت، کتابت و کتب اور حکمت کے ساتھ لفظ ''دار'' جو دَور بمعنی گردش کرنے کا اسم ہے۔ یہ وہ مکان ہے جہاں گھومنے پھرنے کے بعد انسان آرام کرتا ہے۔ دارالکتب وہ جگہ ہے جہاں کتابیں رکھی جائیں اور انہیں استعمال کے لیے رواں دواں رکھا جائے۔ یہ نام عہدِ عباسی میں کتابوں کے بکثرت استعمال کا اور ذخائرِ کتب کے گردش میں رہنے کا شاہد ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دَارُالْکُتُب، دَارُالْحِکْمَۃ، دَارُالْعِلْم، دَارُالْمَعْرِفَۃ وغیرہ وہ مکان ہیں جہاں تحصیل (Retrieval) اور ابلاغ و ترسیل Communication Dissemination کا ذمہ دارانہ کام کیا جاتا اور اس کی سہولت دی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے اس میں ابلاغ کے مفہوم کی رعایت رکھی ہے، یہ بات کسی اور نام میں نہیں پائی جاتی۔

۞ ۞۞

(ج) کتاب

اساسِ کتب خانہ کے دو عنصر علم و کتابت کا ذکر گزشتہ اوراق میں گزر گیا، اس کا تیسرا عنصر کتاب ہے، کتاب کے لغوی و اصطلاحی معنی کی وضاحت کتابت کے ضمن میں گزر گئی، یہاں کتاب کے متعلق مسلمان فرمانرواؤں اور دانشوروں کے خیالات کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مسلم معاشرہ میں کتابوں کی عظمت، اہمیت اور افادیت کا اندازہ کیا جاسکے گا۔

خلیفہ مامون کا نام موسسین کتب خانہ اور کتب خانوں کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، اس نے کتاب کی عظمت، اہمیت، فضیلت اور اِفادیت کو جس انداز سے بیان کیا ہے، اس سے صرف مامون کی کتاب سے انفرادی شغف و شیفتگی کا ثبوت ہی نہیں ملتا بلکہ ہر مسلمان حکمران کے دل و دماغ میں کتاب کی جو عظمت، اہمیت اور افادیت تھی، اس پر بھی روشنی پڑتی ہے، وہ کہتا ہے:

"نفسِ انسانی کو کتاب سے بڑھ کر کوئی چیز فضیلت دینے والی نہیں اور نہ اس سے زیادہ کوئی چیز انسان کے سینہ کو کھولنے والی ہے، نہ اس سے بڑھ کر کوئی شئے باعثِ فخر ہے، نہ اس سے زیادہ دل و دماغ کو روشن کرنے والی کوئی اور شئے ہے، نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز زبان کو کھولنے والی ہے، نہ اس سے مضبوط ترین کوئی ڈھال ہے، نہ اس سے زیادہ موافقت کرنے والی کوئی چیز ہے، نہ اس سے کمتر مخالفت کرنے والی کوئی شئے ہے، وہ بلیغ ترین اشارہ ہے اور سب سے زیادہ مواد کو واضح کرنے والی چیز کتاب ہے۔

اس کا فائدہ بہت ہے، یہ زیادہ گراں بار نہیں، اس میں فساد کچھ نہیں، اس کا انجام قابلِ تعریف ہے، کتاب ایسی بیان سرا اور داستان گو ہے جو کبھی ملول نہیں ہوتی اور ایسی ساتھی ہے جو کبھی نادار و مفلس نہیں ہوتی اور ایسی ہم نشین چیز ہے جو تم سے کبھی گریز نہیں کرتی، یہ گزرے ہوئے دانشوروں کی دانش کی، حکمتوں کی اور گزشتہ اقوام کے کارناموں کی ترجمان ہے، یہ ان چیزوں کو زندہ کرتی اور حیات تازہ بخشتی ہے جنہیں نصیبہ مٹا دیتا ہے، زمانہ پوشیدہ کر دیتا ہے، جن باتوں کو غباوت ڈھانپتی ہے یہ ان کو ظاہر کرتی ہے، ثقہ جب ان سے قطع تعلق کرتا ہے، یہ اس سے تعلق نہیں توڑتی، بادشاہ بھی اس کے ساتھ خیانت کرتے ہیں تو بھی یہ اس سے رشتہ قائم رکھتی ہے، ہر کلمہ اس کی تعریف میں بہت سے معانی کا جامع ہے، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی عجیب تر بات ہوگی جو تم دیکھتے ہو کہ

عرب بھی کتاب کے اثر کو قبول کرتے ہیں اور کتاب نے ان کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب پیدا کیا ہے۔"(۱)

مذکورہ بالا اقتباس سے خلیفہ مامون کے دل و دماغ میں کتاب کی جو عظمت و اہمیت تھی، اس کا اظہار ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں تقریباً ہر مسلم فرمانروا کتاب کے متعلق ایسے ہی نظریات وخیالات رکھتا تھا۔ اس لیے کہ علم دوستی، معارف پروری، فرمائشوں سے کتابوں کی تدوین اور ان پر انعام واکرام، اپنی مملکت ومحلات میں کتب خانوں کا قیام اور ان کی حوصلہ افزائی ہر حکمران کا معمول رہا ہے، مشہور مقولہ زبان زد خاص وعام رہا ہے کہ "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" (لوگ اپنے فرمانرواؤں کے طریقہ پر چلتے ہیں) کی روشنی میں یہ کہنا کہ اسلامی قلمرو کا ہر پڑھا لکھا شہری انہی خیالات ونظریات کا حامل تھا، حقیقت سے بعید نہیں قرار دیا جا سکتا۔ نیز اس دور کو کتابی تہذیب کا دور کہنا بھی اس امر کا غماز ہے۔

عہدِ عباسی کے نامور ادیب عمرو بن بحر جاحظ (۱۱۳ھ-۲۰۰ھ/ ۷۸۰ء-۸۶۹ء) نے کتاب کے انہی اوصاف کو بیان کر کے ایک نکتہ چینِ کتاب کا منہ بند کیا تھا جس کی جستہ جستہ تلخیص پیش کی جاتی ہے، اس سے ہمارے مذکورہ بالا دعوے کی مزید تائید ہوتی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں کتاب کے متعلق نظریات وخیالات میں تنوع ووسعت آ گئی تھی اور اس پر حرف گیری برداشت سے باہر تھی، جاحظ کہتا ہے:

"کتاب بہت اچھی ہم نشین ورفیق، بہترین افسوں وسیر گاہ، تنہائی کے وقت میں بہت اچھی مونس وغمخوار، پردیس میں معرفت کا بہت اچھا وسیلہ، بہت اچھی ہمدم وشریک ہے، کتاب علم سے بھرپور خزانہ اور دانشمندی سے بھرا ہوا ظرف اور برتن ہے۔

ایسا کون سا غم خوار ومونس ہے جو تمہارے سونے کے ساتھ سوتا اور جو تمہاری چاہت کے ساتھ بولتا ہو، زمین سے زیادہ مامون ومحفوظ اور راز کو رازداروں سے بھی زیادہ پوشیدہ رکھنے والا، امینوں سے بھی زیادہ امانت کی حفاظت کرنے والا ہو (وہ کتاب ہے) اس کا نیا پن پرانا نہیں ہوتا اور اس کی جڑوں اور قوتوں سے انتشار وجدائی نہیں ہوتی، اس کا سراپا شاعر عرب کے مندرجہ ذیل شعر کے مطابق ہے: ؎

"اَتَانِیْ هَوَاهَا قَبْلَ اَنْ اَعْرِفَ الْهَوٰی
فَصَادَفَ قَلْبًا فَارِغًا فَتَمَکَّنَا"

۱- تقیید العلم: ۱۲۴۔

(ترجمہ): ''اس محبوبہ کی محبت میرے دل میں تمیزِ محبت سے پہلے آئی، دل کو خالی دیکھا تو اس میں بیٹھ گئی۔''

کتاب سے زیادہ نیک سلوک پڑوسی نہیں، اس سے زیادہ منصف ساتھی نہیں، اس سے بڑھ کر فرمانبردار رفیق نہیں، اس سے زیادہ منکسر مزاج استاد نہیں، اس سے زیادہ کام کا ساتھی نہیں۔ میرے علم میں ایسا کوئی درخت نہیں جو کتاب سے زیادہ طویل العمر، اس سے زیادہ کارآمد، اس سے زیادہ پایا جانے والا ہو۔ اس سے زیادہ پاکیزہ پھل دینے والا، اس سے پہلے ثمر دینے والا، اس سے جلد پکنے والا، اور ہر موسم میں اس سے زیادہ پایا جانے والا ہو۔

مجھے علم نہیں کہ کوئی نومولود اپنی آغازِ عمر میں، قربِ ولادت، حضورِ ذہن اور امکانِ وجود میں، عجیب تدابیر کا، نادر علوم کا، صحیح عقول کے آثار کا، لطیف و قابلِ تعریف اذہان کا، گزشتہ اقوام کی داستان کا، اجڑے ہوئے شہروں کی تاریخ کا اور دائر و سائر اَمثال کا، تباہ شدہ اَقوام کا اتنا جامع ہو جتنی کتاب جامع ہے۔

کتاب اپنے سبک بار اور چھوٹی جسامت کے باوجود، جس وقت اس کو تم چُپ کرنا چاہو، چُپ ہو جاتی ہے اور جب تم بلوانا چاہو، بولتی ہے، کون تمہارا ایسا ملاقاتی بن سکتا ہے جس کی ملاقات تم چاہو تو ایک دن چھوڑ ایک دن کرو اور چاہو تو پانچویں دن کرو، اگر تم چاہو تو تمہارے سایہ کی طرح تم سے جدا نہ ہو اور تمہارے ساتھ تمہارے جُز اور عضو کی طرح رہے۔''(۱)

کتاب وہ ہے کہ اگر تم اس پر نظر ڈالو گے تو خوب نفع پہنچائے گی، تمہاری طبیعت میں تیزی اور تمہاری زبان میں روانی پیدا کرے گی، تمہارے بیان کو بہتر بنائے گی، تمہارے الفاظ کو شوکت بخشے گی، تمہارے جی کو خوش کرے گی، تمہارے سینہ کو علم سے آباد رکھے گی، تمہیں عوام کی تعظیم اور بادشاہوں کی دوستی سے سرفراز کرے گی، نادان کا بوجھ برداشت کیے بغیر، طلب کی مشقت اٹھائے بغیر اور کسی اجرت پر پڑھانے والے کے دروازے پر ٹھہرے بغیر، تم جس سے اخلاق کے اعتبار سے افضل اور نسب کے لحاظ سے برتر ہو، ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کیے بغیر، حاسدوں کی صحبت سے بچتے ہوئے اور دولت مندوں کی ہم نشینی سے محفوظ رہتے ہوئے کتاب سے ایک مہینے میں وہ حاصل کرو گے جسے لوگوں کی زبان سے ایک زمانہ تک حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ کتاب ہی ایسی چیز ہے

۱- رسالۃ فی مدح الکتب:۳۳۵-۳۳۸۔

کہ رات میں بھی وہ تمہاری اطاعت وفرمانبرداری ایسے کرے گی جیسی اس نے دن میں کی ہے پردیس میں بھی وہ تمہاری ایسی مطیع رہے گی جیسی وہ دیس میں مطیع رہی ہے، وہ نیند سے بیمار نہیں ہوتی اور بیداری کی سستی اسے لاحق نہیں ہوتی ہے، کتاب ایسی معلم ہے کہ اگر تمہیں اس کی طرف احتیاج ہو تو وہ تمہارے ساتھ بدعہدی نہیں کرے گی اور اگر تم اس سے پوچھنا چھوڑ دو تو وہ تم سے فائدہ کی راہ منقطع نہیں کرتی اگر تم اس سے کنارہ کشی اختیار کرو تو وہ تمہاری اطاعت سے منہ نہیں موڑے گی اور اگر تمہارے دشمنوں کا زور چلے تو وہ تمہارے خلاف نہیں ہوگی، جب تک تمہارا اس کے ساتھ ادنیٰ سا بھی تعلق قائم رہے گا، تنہائی کی وحشت میں بھی تمہیں برے ساتھی سے ملنے پر مجبور نہیں کرے گی''۔

ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ (۱۱۰-۲۰۹ھ/ ۷۲۸-۸۲۴ء) کا بیان ہے کہ مہلب بن ابی صفرہ (۷-۸۳ھ/ ۶۲۸-۷۰۲ء) نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ بیٹو! بازار میں وراق اور زرہ ساز کے پاس ٹھہرا کرو، ایک استاد جس کے پاس قبیلۂ غطفان کے مناقب پڑھے گئے، اس نے کہا خوبیاں ختم ہوگئیں مگر کتابوں سے ختم نہیں ہوئی ہیں۔ کسی عرب کا قول ہے، میں نے چالیس برس اس طرح بسر کیے کہ میں نہ کبھی رات میں سویا نہ میں نے کبھی دوپہر کو آرام کیا نہ کبھی ٹیک لگائی مگر کتاب میرے سینے اور گود میں رہی۔ (۱)

علی بن الجہم المتوفی ۲۴۹ھ/ ۸۶۳ء کا بیان ہے کہ جب کبھی مجھے سونے کے وقت کے علاوہ نیند آئی، حاجت سے زیادہ نیند بہت ہی بری ہے تو میں نے حکمت کی کتابوں میں سے کسی کتاب کو پڑھنے کے لیے اٹھایا پھر دورانِ مطالعہ فوائدِ علمی سے طبیعت میں مسرت کی لہریں دوڑ گئیں اور کام کی باتوں کے مل جانے سے بڑی خوشی ہوئی، استفادہ کی مسرت قلب ودماغ پر چھاگئی۔ (۲)

محمد بن الجہم کی کا قول ہے کہ جب میں کسی کتاب کو اچھا سمجھتا ہوں اور اس سے فائدہ کی امید ہوتی ہے تو پھر تم میری اس وقت کی کیفیت دیکھو کہ میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دیکھتا رہتا ہوں کہ اب اس کے کتنے ورق باقی رہ گئے ہیں، اس خیال سے کہ کتاب کب ختم ہو رہی ہے اور فائدہ کا سلسلہ اب کب تک منقطع ہوتا ہے، اگر کتاب بڑی اور ضخیم ہو اور ورق بھی زیادہ ہوں تو پھر زندگی کا پورا لطف آنے لگتا ہے اور انسان کو اس وقت بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ (۳)

۱- رسالۃ فی مدح الکتب: ۲۳۹-۲۴۰، کتاب الحیوان: ۱/ ۳۸، موجز المحاسن والأضداد، دار المعارف، ب، ت: ۷-۱۲، المحاسن والمساوی: ۲-۶، تقیید العلم: ۱۲۱-۱۲۲، محاضرات الأدباء: ۱/ ۵۵۔
۲- ایضاً: ۲۴۰۔
۳- ایضاً: ۲۴۰، ۲۴۱۔

محمد ابن الجہم مکی نے کہا ہے کہ انسان اسی وقت پہچانا جاتا ہے جب اس کی کتاب اس کے سماع سے زیادہ ہو، تاکہ وہ سماع و کتاب دونوں کا جامع ہو سکے اور وہ اس وقت تک جامع نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی ضروریات کی چیزوں سے اس پر خرچ نہیں کرے گا۔

محمد ابن الجہم کا قول ہے کتابوں پر دریا دلی سے خرچ کرنا شرفِ انسانی کی اور نفسِ انسان کی خرابی آفات سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے۔(۱)

ابوعمرو بن العلاء بصری (۷۰-۱۵۴ھ/ ۶۹۰-۷۷۱ء) کا بیان ہے کہ میں جب کبھی کسی آدمی کے پاس سے گزرا یا کسی کے دروازے سے میرا گزر ہوا اور میں نے اسے کتاب پڑھتا ہوا اور اس کے ہم نشین کو خالی بیٹھا ہوا دیکھا تو یقین کر لیا کہ وہ خالی بیٹھنے والے سے زیادہ بہتر اور زیادہ عقلمند ہے، وہ شخص جس کا خرچ اپنی کتابوں پر، تو جوان لڑکیوں کے عاشقوں سے بڑھ کر نہ ہو وہ علم میں پسندیدہ مرتبہ تک نہیں پہنچتا۔ تمہارا علم بمنزلہ روح اور مال بمنزلہ بدن ہے، لہٰذا علم کو روح کی جگہ پر اور مال کو بدن کی جگہ پر رکھو۔(۲)

محمد ابن الجہم مکی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ عرب، مال و دولت کا سب سے بہتر مصرف کتابوں پر خرچ کرنا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابن دراج المتوفی ۴۲۱ھ کے پاس ابو السمقمص مروان بن محمد المتوفی ۲۰۰ھ کا دیوان کوفی چمڑے پر لکھا ہوا مجلد رکھا ہوا تھا، کسی نے اس سے پوچھا کہ آپ نے ابوالسمقمص کے دیوان پر کیوں روپیہ لگایا، اس نے جواب دیا کہ علم تم کو اتنا دے گا جتنا تم اس کو دوگے، پھر کہا اگر میں اسے اپنی آنکھ کے ڈھیلے پر رکھ سکتا یا صفحات قلب پر رقم کر سکتا تو ضرور کرتا، تم نے کتابیں جمع کر لیں تو تم نے ادب اور جائیداد غیر منقولہ جمع کر لی(۳) عرب کا شاعر کہتا ہے: ؎

تُحَرِّضُ　　عَلٰى　　تَجْوِيْدِ　　كُتْبِكَ　　اَنَّهَا
مَنَاهِلُ　　وِرَادِ　　الْحِجٰى　　وَالْفَوَائِدِ۔(۴)

"تمہیں تمہاری کتابیں آراستہ رکھنے کی ترغیب و تاکید اس لیے کی جاتی ہے کہ یہ سیرابی علم کا گھاٹ ہیں اور فوائد و دانشمندی کے راستے ہیں۔"

۱-رسالۃ فی مدح الکتب: ۲۳۱۔　　۲-ایضاً۔　　۳-محاضرات الادباء: ۱/ ۱۱۷۔　　۴-ایضاً: ۱۱۸۔

(د) قرأت

اساس کتب خانہ کا چوتھا اہم عنصر ''قرأت وتلاوت'' یعنی پڑھنا ہے، جس کے لیے کتابوں کا وجود ناگزیر ہے، اسلام نے اس پر زیادہ زور دیا ہے، اسلام کا آغاز ہی پڑھنے لکھنے کے حکم سے ہوا ہے، پہلی وحی جو اتری اس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا اور فرمایا گیا تھا'' اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ'' (العلق-۱-۵) ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو، تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔'' اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے قرأت وکتابت پر کتنا زور دیا ہے پہلی وحی میں حکم نماز روزے کا نہیں دیا گیا، حکم پڑھنے لکھنے کا دیا گیا اور بتایا گیا کہ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ: ۱-کتابت ۲-حفاظت ۳-نقل ۴-ابلاغ اور ۵-توسیع اشاعت کے کامیاب ترین ذریعے ہیں (۱)۔ اسلامی قلمرو کے وسیع حدود میں کتب، بازارِ کتب اور ہر نوع کے کتب خانوں کی کثرت، قلم سے علوم کی نشر واشاعت کا ثمرہ ہے۔

قرآن کا نام ''قرآن'' (پڑھی جانے والی کتاب) رکھا گیا ہے، سورۂ فاتحہ کے بعد سب سے پہلی سورت کا دوسرا ہی لفظ ''الکتاب'' ہے۔ قرآن کی ایک مستقل سورت کا نام ''القلم'' ہے اس کا آغاز حسب ذیل الفاظ سے ہوا ہے۔

نٓ، وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ (القلم-۱-۲) ''ن، قلم کی اور جو (اہلِ قلم) لکھتے ہیں ان کی قسم''

ترجمان القرآن حضرت ابنِ عباسؓ اور دیگر اکابر مفسرین سے ''ن'' کی تفسیر لفظ دوات سے منقول ہے۔(۲) سورۂ طور میں فرمایا گیا ہے ''وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ'' (الطور-۱-۲) ''(کوہِ) طور کی قسم اور کتاب کی جو لکھی ہوئی کشادہ اوراق میں ہے۔''

علمی مواد کو اپنے خارجی وجود کے لیے حسب ذیل تین چیزیں درکار ہوتی ہیں۔

۱- قلم جو لکھے۔

۱-لمحات فی المکتب والبحث والمصادر: ۳۔ ۲-جامع البیان: ۲۹/ ۱۵، ط: ۲، روح المعانی: ۲۹/ ۲۳، ط: ۲۔

۲- سیاہی جس سے لکھا جائے۔

۳- وہ چیز جس پر لکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورۂ بالا آیات میں انہی چیزوں کی قسم کھائی ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز کی قسم کھانے کا مقصد اس کی عظمت و اہمیت کی طرف بنی نوع انسان کی توجہ مبذول کرانا ہے۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت، تنزیلِ کتب کا مقصد، ان کی تلاوت و قرأت اور ان کی ترویج و اشاعت رہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی جان، اس کا استعمال تلاوت و قرأت ہے۔

مذکورۂ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اساس کتب خانہ کے عناصرِ اربعہ علم، کتابت، کتاب و قرأت ہیں، اگر کسی کتب خانہ میں کتابیں جمع کردی جائیں اور وہ استعمال میں نہ آئیں، اس میں پڑھنے لکھنے کی اجازت نہ ہو تو وہ مکان کتب خانہ کہلانے کا مستحق نہیں، کتاب کی دکان اور کتب خانہ میں یہی بنیادی فرق ہے، اس لیے کتابوں کا استعمال میں آنا اور ان کا پڑھا جانا کتب خانہ کی بقاو ترقی کا ضامن رہا ہے، اس بناء پر اس اہم عنصر کی تکمیل پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

۞ ۞۞

دوسرا باب

دوسرا حصہ (اِجمالی خاکہ)

☆ فروغِ کتب اور کتب خانوں میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیاں۔

☆ انوارِ نبوت کی تابانی کا ثمرہ۔

☆ شرق اوسط کے انبیاء وکتب سے قرآن کا اعتناء۔

☆ کتب وکتب خانہ "بیان" کا مرہونِ منت۔

☆ خطِ پیکان۔

☆ گِلی کتب خانہ۔

☆ انبیاء علیہم السلام کے کتب خانے۔

☆ قیامِ کتب خانہ کے عوامل ومحرکات۔

(۴) کتب خانوں کا ارتقاء

(۵) فروغ کتب اور کتب خانوں میں انبیاء علیہم السلام کی سرگرمیاں

انبیاء علیہم السلام پر اتاری ہوئی صحف و کتب کے نور کی روشنی نے بنی نوع انسان میں روشن خیالی پیدا کی، فلسفۂ زندگی کے لیے ہر نوع کے ادبی سرمایہ اور کتابی مواد کو جنم دیا، اس کا ریکارڈ کرنے، رکھنے اور استعمال کرنے کا دلدادہ بنایا، انہی کتب کے نور سے عبادت گاہیں منور رہتی تھیں، یہی کتابیں ابتدائی کتب خانے کی تشکیل کا باعث ہوئی تھیں، اس لیے ان کتب مقدسہ کی حیثیت کتب خانہ ساز کتب کی تھی، ان وجوہ سے کتب سماوی سب سے زیادہ اعتناء و توجہ کی مستحق تھیں، لیکن تاریخ کتب خانہ میں الہامی کتب کا نہایت شاندار وسیع و اہم باب تاریخ نگاروں کی نظر سے اوجھل رہا، حالانکہ ان کے ذخیروں سے کتب خانوں کی تاریخ کا سراغ لگتا ہے، انہی کتب و صحف کے ذخیروں نے بنی نوع انسان کو پائیدار، دیرپا اور کم جگہ گھیرنے والا مواد استعمال کرنے پر مجبور کیا، اگر یہ کہا جائے کہ کتب خانوں کو گلی گلی قائم کرانے کی تحریک کا آغاز اس سے ہوا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

کتب سماوی نے علمی نشوونما اور تحریکِ احیاءِ علوم کو جنم دیا، لیکن فلاسفہ نے حسی بنیاد پر اس میں تصرف کرنا شروع کیا، اس آمیزش سے جو ذخیرۂ کتب پھلنا پھولنا شروع ہوا وہ مقدس مقامات کے علاوہ گھروں، شاہی محلوں، درسگاہوں میں عام ہونے لگا تھا۔ اس ذخیرۂ کتب کی کھوج لگانے میں مورخین نے خوب دادِ تحقیق دی جو تصویر کا صرف ایک رخ ہے جیسا کہ جانسن (E.D. Johnson) کی کتاب Communication اور Alfred Hessel کی کتاب A History of Libraries کے مطالعہ سے ظاہر ہے اور فلاسفۂ یونان کا کتب و صحفِ سماوی سے استفادہ کا اعتراف (۱) اس امر کا ثبوت ہے کہ ان کے کتب خانے انہی آسمانی کتابوں کی محرک تعلیمات کے زیرِ اثر پروان چڑھے تھے: (۲) چنانچہ علامہ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ ''نقض المنطق'' میں رقمطراز ہیں:

۱۔ رسائل اخوان الصفاء: ۴/۴۲۔ ۲۔ المنقذ من الضلال: ۱۶، ۲۷، ۲۹، ۹۰۔

''حکماءِ یونان کے حالات جن اہلِ علم نے قلم بند کیے ہیں، انہوں نے تصریح کی ہے کہ ان اساطینِ اوّلین (قدماء) جیسے فیثاغورث، سقراط، افلاطون نے سرزمینِ شام کا سفر کیا اور لقمانِ حکیم سے اکتساب فیض کیا، ان کے بعد حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے شاگردوں سے تعلیم پائی۔ ارسطو اس طرف نہیں آیا اور اس کے پاس آثارِ انبیاء کا ایسا علم نہیں تھا جیسا کہ اس کے اسلاف کے پاس موجود تھا، لیکن اسے صابیہ کی صحیح تعلیمات کا کچھ علم تھا، جو اس قیاسی تعلیم کی ایجاد و اختراع کا موجب ہوا اور اس سے ایسا قانون وجود میں آیا جس پر وہ اور اس کے پیروکار چلتے رہے، وہ طبائع، اجسام اور کبھی صورۃ المنطق میں صحیح کلام کرنے لگا۔''(۱) پھر ان مورخین کا کتب خانہ ساز کتب و صحف کو نظر انداز کرنا، حقائق سے صرفِ نظر کرنے کے مترادف ہے۔

کتب خانوں کے تاریخ نگاروں نے عبادت گاہوں (Temples) اور خانقاہوں (Monasteries) میں تورات وانجیل کے پیدا کردہ مذہبی ادب کے ذخیروں کی مختصر طور پر نشاندہی کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کا مقصد اس باب میں بنی اسرائیل کی مساعی کو نمایاں کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کتب خانوں سے اعتناء نہ کرنا خاص طور پر بنی اسماعیل کی کاوشوں سے جن کے کتب خانوں کی تاریخ میں بنی اسرائیل کے کتب خانوں سے زیادہ قدیم اور دائرۂ اثر کے اعتبار سے زیادہ وسیع تھے، صرفِ نظر کرنا علمی دیانت داری اور اصولِ تاریخ نگاری دونوں کے خلاف ہے۔ ''ارسالِ رسل'' اور ''تنزیلِ کتب'' سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ تہذیب وتمدن کے تاریخ نگاروں کا یہ خیال کہ انسان جاہل پیدا ہوا تھا، اسے علم سے کوئی سروکار نہ تھا، رفتہ رفتہ وہ علم سے آشنا ہوا ہے۔(۲) صحیح نہیں، اس مفروضہ پر پہلی ضرب، الہامی صحف و کتب سے پڑتی ہے کیوں کہ عہد نامہ عتیق سے صدیوں پہلے صحف وکتبِ سماوی لوگوں کے ذہنوں کو جلا بخشتیں، ترقی کی راہیں سمجھاتیں اور انبیاء علیہم السلام انہیں جہالت کی تاریکیوں سے نکالنے کے لیے ابلاغِ عام کا فریضہ ادا کرتے تھے۔

محدثین و مؤرخینِ اسلام کا ''باب بدء الخلق''، ''باب بدء الوحی'' اور ''کتاب الانبیاء'' کے عنوانات پر مستقل کتابیں لکھنا اور کتب حدیث وتاریخ میں مذکورہ بالا عنوانات کا باندھنا محض تاریخِ کائنات پر روشنی ڈالنے ہی کے لیے نہیں تھا، بلکہ ان عنوانات کا مقصد بنی نوعِ انسان کا علم وکتاب، معلم وہادی اور صحف و

۱- نقض المنطق: ۱۱۲، ۱۱۳۔
۲- تاریخ تہذیب، ترجمہ: غلام رسول مہر: ۱/۳۳۔

کتب سے ابتدائی وقدیمی تعلق اور اس کے تدریجی ارتقاء کو بھی بیان کرنا تھا۔

کتب خانہ کی اساس کتابوں پر قائم ہے، کتاب، علم کے وجودِ خارجی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو وجود بخشا، اس وقت سے علم کا رشتہ ان سے جوڑ دیا گیا تھا اور دنیا کی تمام اشیاء کا علم انہیں پہلے ہی لمحہ میں دے دیا گیا تھا۔ قرآن کہتا ہے "عَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا" (البقرہ-۳۱) (اور اس نے آدم کو سب (چیزوں) کے نام سکھائے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی زمین پر پیدا کی گئی ہیں ان سب کے نام، حقائق وخواص کے ساتھ انہیں بتا دیے گئے تھے۔(۱) اس آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لغات کا علم توقیفی ہے، حق تعالیٰ شانہ نے بنی نوع انسان کو اس سے واقف کرایا ہے۔(۲)

کتب وصحف کا ہیولیٰ، ہیئت، نوعیت، کیت، تمدن کے تدریجی ارتقاء کے لحاظ سے ہر دور میں مختلف رہی ہے، کبھی کتاب دیواروں پر لکیروں کی صورت میں نمایاں ہوئی، کبھی انہیں پتھروں اور کچی پکی اینٹوں کی صورت میں نمائش کا موقع ملا، کبھی کسی اور دھات کی صورت میں منظر عام پر آنے لگی، کبھی یہ ہڈی اور پتے پر نمودار ہوئی اور کبھی اوراق بردی (پپائرس) پر جلوہ فگن ہوئی، کبھی اس نے چمڑے کا رُوپ دھارا، کبھی کاغذی پیرہن اختیار کیا اور اب پلاسٹک کی صورت میں ظاہر ہونے کے لیے بے چین ہے، جب کہیں اور جہاں کہیں یہ دو چار مل بیٹھیں اور ہر وارد وصادر کو فیض بخشی کرنے لگیں، انہوں نے کتب خانے کا نام پایا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی سیرت وکردار، ذکر وفکر اور بحث ونظر کو صحیح خطوط پر ڈھالنے، ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور معاشرے کے تمام شعبہ ہائے زندگی کو علم وکتاب کی روشنی سے آراستہ کرنے، خلافتِ ارضی کے فرائض انجام دینے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک "اِرسالِ رُسُل" اور "تنزیلِ کتب" کا سلسلہ قائم رکھا (۳) جس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ انہی کتب وصحفِ سماوی کی تعلیمات کی روشنی میں ہر قوم اپنے نظامِ فکر وعمل کے علمی سرمایہ اور ثقافتی ورثہ کی حفاظت واستعمال کی خاطر کتب خانوں کی ہر دور میں تعمیر کرتی رہی تھی، چنانچہ ہر قوم اور بستی میں پیغمبر، معلم، ہادی ومصلح آکر علم وکتاب کا درس دیتا اور کتاب سمجھاتا رہا۔ قرآن کہتا ہے!

۱-تاویل مشکل القرآن: ۵، ۴۵، ط: ۲۔ ۲-محاضرات الادباء: ۱/ ۹۶، التفسیر الکبیر: ۱۹/ ۸۶ (سورۃ البقرہ-۳۱)

۳-شرح المقاصد: ۲/ ۱۸۰۔

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا" (النحل-۱۶-۳۶) "اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا"۔ سورۃ فاطر میں فرمایا:

"وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ٥ وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيْرِ" (۲۴-۲۵-الفاطر) "اور کوئی اُمت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے۔ اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی تکذیب کر چکے ہیں، ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے لے کر آتے رہے۔"

یہ امر اس حقیقت کا نہایت بیّن ثبوت ہے کہ عہدِ قدیم سے ہر شہر اور بستی میں کتاب اور کتب خانہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ ابلاغ کو مزید فروغ دینے اور فیضانِ کتب کو عام کرنے کے لیے نبی کے تربیت و تعلیم یافتہ طبقہ پر اس کا ابلاغ فرض کیا گیا اور اس میں رواداری کو روا نہیں رکھا گیا، قرآن کہتا ہے "وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهُ" (آل عمران-۱۸۷) "اور جب اللہ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اقرار کرایا کہ (جو کچھ اس میں لکھا ہے) اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا۔"

امام ابن جریر طبریؒ اور فخر الدین رازیؒ نے آیتِ شریفہ "أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰى" (طٰہٰ-۱۳۳) "کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی نشانی نہیں آئی۔"

آیتِ شریفہ "شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا" (الشوریٰ-۱۳) "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا"، کی نظیر ہے۔ اور تصریح کی ہے کہ آیتِ شریفہ:

"إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰى ٥ صُحُفِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى" (الاعلیٰ-۱۸-۱۹) "یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں"، اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ آیتِ شریفہ صحف ابراہیم و موسیٰ الخ عطفِ بیان ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے مراد صحفِ جمیع انبیاء علیہم السلام ہیں جن میں سے صحفِ ابراہیم اور موسیٰ بھی ہیں۔ (۱)

۱- جامع البیان: ۳/۱۵۹، التفسیر الکبیر: ۲۰/۱۵۰۔

اتارے گئے ہیں، چنانچہ ابوذر غفاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کی ہیں، آپ نے فرمایا ''ایک سو چار'' (۱) اس میں سے تیس انبیاء پر اتاری ہوئی کتابوں کا مطالعہ وہب بن منبہؒ المتوفی ۱۱۴ھ نے کیا تھا۔ (۲)

مختلف زمانوں، زبانوں اور قوموں میں کتنی کتابیں اتری ہیں، ان کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، تاہم پہلی صدی ہجری تک آسمانی کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ چنانچہ قدیم زبانوں کے بالغ نظر عالم و ماہر (۳) وہب بن منبہ کا بیان مورخ ابنِ سعدؒ نے نقل کیا ہے کہ ''میں نے بانوے (۹۲) کتب سماوی پڑھی ہیں۔'' (۴) جن میں سے ۷۲ بہتر کتابیں، یہودیوں کے عبادت خانوں میں محفوظ ہیں اور بیس کتابیں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں، لیکن بہت ہی کم لوگوں کو ان کا علم ہے۔ (۵)

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی صدی ہجری تک یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں کے کتب خانوں کا ذخیرہ مذکورۂ بالا کتابوں پر ہی مشتمل تھا۔

''اِرسالِ رُسُل'' اور ''تنزیلِ کتب'' کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے گئے ہیں۔ جن میں تین سو تیرہ صاحب کتاب و شریعت تھے''۔ (۶)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱۲۴۰۰۰) پیغمبروں نے علم و کتاب اور فروغِ کتب کے لیے کوشش کی اور کتب و کتب خانہ سازی کے ترقی پذیر سلسلہ کی تحریک کا اِحیاء کیا، آسمانی کتابوں میں آخری کتاب قرآن ہے۔ یہ سرزمینِ عرب میں اتارا گیا تھا، اس لیے اس میں انہی ''انبیاء و رُسل'' اور ''صحف و کتب'' کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے عرب، یہود اور نصاریٰ واقف تھے، جن اقوام و ملل سے عرب اور اہلِ کتاب زیادہ واقف نہ تھے، ان کا ذکر نہیں کیا گیا، غالباً انہی وجوہ سے مجدد الف ثانیؒ نے ''در المعرفت'' میں تصریح کی ہے۔

''ہندوستان کی سرزمین بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے خالی نہیں رہی۔ وجود و صفاتِ باری تعالیٰ کا علم

۱- الدر المنثور: ۶/ ۳۴۱، ۳۴۲، ارشاد العقل السلیم: ۲/ ۶۶۵، غرائب القرآن: ۳۰/ ۷۹، روح المعانی: ۳۰/ ۱۱۱ (آیت: ۱۹)

۲- طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۹۶۔ ۳- المفصل فی تاریخ العرب: ۳/ ۸۴۔ ۴- عمدۃ القاری: ۵/ ۱۶۸۔

۵- طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۹۶۔ ۶- الجامع لأحکام القرآن: ۶/ ۱۹۔

انوارِ نبوت کا فیضان ہے، جو اس ظلمت کدۂ کفر میں بھی روشن ہے اور دنیا کی سرزمین پر ایسا خطہ کم ہے جو اس سعادت سے محروم رہا ہے، فرق یہ ہے کہ ان انبیاء کی بعثت عام نہ تھی وہ مخصوص بستی اور شہر کی طرف بھیجے گئے تھے"۔(۱)

۱- دارالمعرفۃ:۲/۲۷-۳۷، کلمات طیبات:۲۶-۲۷۔

(ا) انوارِ نبوت کی تابانی کا ثمرہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک خطۂ زمین پر الٰہیات، اخلاقیات، قانون، معاشرت، ادب و تاریخ وغیرہ کا ذخیرہ انوارِ نبوت کی تابانی کا ثمرہ ہے اور دین و دانش کا سرچشمہ ہونے کا فخر انہی کتب الٰہیہ کو حاصل ہے، ان کے علمی سرمایہ میں بگاڑ، نظریات وعقائد میں اختلاف اور آسمانی ہدایات سے انحراف، تمام تر خارجی اثرات کا نتیجہ ہیں تاہم موجودہ فساد اور بگاڑ کے باوجود ازلی صداقت و راستی کے آثار مدہم ہی سہی مگر نظر آتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اور کتاب و کتب خانہ کا رشتہ دنیا میں ''ارسالِ رسل'' اور ''تنزیلِ کتب'' سے وابستہ ہے، اس رشتہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ بعثتِ انبیاء و کتب کی قدیم ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتب و کتب خانہ انسانی ثقافت و تمدن کا اولین مظہر ہیں۔

(ب) شرقِ اوسط کے انبیاء و کتب سے قرآن کا اعتناء

شرق اوسط (ایشیا و افریقہ) کی طرف بھیجے گئے ''انبیاء'' و ''کتب'' کا ذکر قرآن میں اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ مصر، شام، اردن، جزیرہ عرب و ایران وغیرہ کو انسانی ثقافت وتمدن کے ارتقاء اور علم وفن کی ترقی میں اعلیٰ مقام حاصل رہا ہے، اس سرزمین پر ادیانِ سماوی کا ظہور ہوا، یہیں تعمیر افکار کے قدیم ترین ذرائع کا سراغ لگا اور حروفِ ابجد کی معرفت حاصل ہوئی ہے۔ (۱) اور اسی خطہ سے یہ علم جگہ جگہ پہنچا۔ (۲)

قرآن نے جن اقوام کا ذکر کیا ہے انہیں اپنی زبان، ادب وثقافت کی وجہ سے جن کے مظاہر کتب خانے ہیں اقوامِ عالم کی رہنمائی کا فخر حاصل رہا ہے، مگر دنیا کو ان کی قدیم تاریخ اور ان کے شاندار تمدن وثقافت کا چنداں علم نہ تھا، چنانچہ موجودہ دور کے اثری انکشافات نے ان حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ان حقائق کی طرف لطیف اشارے کیے ہیں جو اس باب میں اہمیت کے حامل ہیں، وہ فرماتے ہیں:

''قرآن نے جن خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، دنیا کو ان کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم تھی اور خود عرب اور عربی نسل کی ابتدائی سرگزشتیں بھی پردہ میں مستور تھیں، لیکن اٹھارویں صدی...... انیسویں صدی...... اور اب بیسویں صدی کے اثرات وانکشافات روز بروز ایک خاص رخ پر جارہے ہیں، ان سب سے عرب، عراق، فلسطین، شام اور مصر کی قدیم قوموں اور تمدنوں کے جو حالات منکشف ہوئے ہیں، انہوں نے ان خطوں کی قدیم تاریخ کو بالکل ایک نئی شکل دے دی ہے، سب سے زیادہ عجیب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربی نسل اور عربی زبان کے صرف اتنے ہی معنی نہیں ہیں جتنے آج تک سمجھے گئے ہیں بلکہ یہ قوموں اور نسلوں کی ایک نہایت قدیم اور وسیع داستان ہے اور دنیا کے ابتدائی تمدنوں میں عظیم الشان حصہ لے چکے ہیں۔''

ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عربی زبان اور اس کی ابتدائی شکلوں کے بولنے والوں کو ایک خاص نسل تسلیم کرلیا جائے تو یہ دراصل بہت سے گروہوں اور قبیلوں کا ایک مجموعہ تھا جو کہ عرب، فلسطین، شام، مصر اور عراق کے خطوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں بڑے بڑے حصے لیے، ان ملکوں

۱۔ فنون الشرق الأوسط القدیم قبل ظہور الاسلام: ۷۔ ۲۔ ایضاً: ۲۰۔

کی وہ تمام قدیم قومیں جو آج تک ایک دوسرے سے بالکل الگ سمجھی جاتی تھیں مثلاً اشوری، سریانی، فینیقی، مصری، آرامی وغیرہ فی الحقیقت الگ نہ تھیں اور عربی زبان کا ابتدائی مواد اور عربی رسم الخط کے ابتدائی نقوش ان سب میں مشترک تھے، حتیٰ کہ انہی گروہوں نے مصر کے تختِ عظمت و جبروت پر عرصہ تک شہنشاہی کی اور اپنی زبان، وقت کی تمام متمدن قوموں کو مستعار دے دی۔ چنانچہ دارا کے کتبوں اور مصر پہلے غلیفی نقوش میں عربی الفاظ آج تک پڑھے جاسکتے ہیں اور یہ بات تو ایک تاریخی حقیقت کی طرح مان لی گئی ہے کہ یونانیوں نے فنِ کتابت کا پہلا سبق انہی اقوام سے حاصل کیا تھا، پس اگر قرآن نے صرف انہیں خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، کوئی دوسری قوم اس دائرہ میں داخل نہیں ہوسکی ہے تو بہت ممکن ہے اس کی علت اس سے کہیں زیادہ گہری ہو جس قدر اس وقت تک ہم سمجھتے رہے ہیں، اس سلسلے میں چار باتیں نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہیں۔

اولاً: جن اقوام کا ذکر کیا گیا ہے ان کی خصوصیت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ بعض سرزمینِ حجاز کے قرب و جوار میں گزری تھیں اور بعض سے اہلِ کتاب واقف تھے، بلکہ اس سے بھی کوئی زیادہ گہری بات ہے کیوں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام قومیں اصلاً ایک ہی نسلی حلقہ کی ہیں حتیٰ کہ اگر مصریوں کا ذکر کیا گیا ہے تو مصری بھی اس میں داخل ہیں۔

ثانیاً: ان انکشافات کی روشنی میں ایک اور مسئلہ بھی بالکل صاف ہوجاتا ہے کہ قرآن نے جہاں کہیں ترتیبِ ظہور کے ساتھ دعوتوں کا ذکر کیا ہے وہاں قومِ نوح کے بعد قومِ عاد اور عاد کے بعد قومِ ثمود نمایاں ہوئی ہیں اور ان تینوں قوموں کو ایک دوسرے کا جانشین کہا ہے۔ چونکہ ان تینوں قوموں کا جغرافیائی محل ایک دوسرے سے الگ تھا، اس لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ اس خطاب کا صحیح مطلب کیا ہے؟ لیکن اب بالکل واضح ہوگئی اور ان توجیہات کی ضرورت نہ رہی جو مفسرین نے اختیار کی ہیں۔

ثالثاً: اس سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے ہر جگہ یہ تذکرہ حضرت نوح علیہ السلام سے ہی کیوں شروع کیا ہے؟ اس کی متعدد وجوہ سامنے آئیں تھیں، لیکن ان انکشافات کی روشنی نے ایک نیا پہلو واضح کردیا ہے یعنی حضرت نوحؑ کی دعوت غالباً اس قدیم نسل میں پہلی دعوت تھی اور چونکہ پہلی دعوت تھی اس لیے ناگزیر تھا کہ اس کی دعوتوں کا تذکرہ اسی سے شروع ہو۔

رابعاً: تورات کی بناء پر سامی نسلوں اور زبانوں کی جو تقسیم کی گئی تھی اور جو اٹھارہویں اور انیسویں صدی

کے علماء انساب والسنہ کے نزدیک بنیادی تقسیم رہی ہے، اب متزلزل ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ از سرِ نو نئی تقسیمیں کرنی پڑیں گی، وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ (۳۸:۸۸)

(ج) کتب وکتب خانہ "بیان" کا مرہونِ منت

بنی نوع انسان کی علمی، ثقافتی وتمدنی زندگی جس کے مظاہر کتب وکتب خانہ ہیں یہ "بیان" کا مرہونِ منت ہے، اس کے ذریعے اس کے جذبات، احساسات، تجربات، مشاہدات، ایجادات وتحقیقات کو ہر زمانے میں ہر جگہ پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم ہوئے ہیں، اس بیانِ اختیار میں اظہارِ مافی الضمیر کے ارتقائی مدارج تین ہیں۔

۱- اشارہ: یہ اپنے معنی ومفہوم میں بڑی وسعت رکھتا ہے، اس میں نشانات (Signs) اور تصویری خط (Pictorial Writing) اپنے تمام ارتقائی مدارج صوری اور معنوی ارتقاء کے ساتھ داخل ہے یعنی صوری ارتقاء

۱- تصویری خط (Pictorial Writing)

۲- جدولی خط (Linear Writing)

۳- آثاری خط (Monumental Pictorial Writing)

۴- لپیٹ اور رواں خط (Cuesive Writing)

معنوی ارتقاء و حقیقی تعبیرات (Primary Signs) مجازی تعبیرات (Associative Signs) اس میں داخل ہیں۔(۱)

۲- نطق (Power of Speech) جب زبان کی تشکیل، حروف تہجی کی تکمیل ہوگئی، زبان بولی جانے لگی اور تصاویر کی جگہ حروف والفاظ نے لینا شروع کردی اس کو Speech نطق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳- خط (Writing) فن تحریر کی تشکیل وتکمیل کا دور ہے، ان تینوں ادوار کے ارتقائی مدارج اور ان کے اساسی ادوار کی طرف عصرِ حاضر کے فن تحریر کے تاریخ نگاروں سے ہزار برس پہلے مسلمان مفکرین میں سے جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ اور راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ نے آیت شریفہ "اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْآنَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o" (الرحمن ۱-۴) "(خدا جو) نہایت مہربان۔ اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی، اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اس نے اس کو بولنا سکھایا۔" کی تشریح لفظِ "بیان" کی توضیح میں کی تھی، (۲) جس سے بیان کے مذکورۂ بالا اساسی ادوار کے ارتقاء مدارج کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۱- فن تحریر کی تاریخ: ۶-۷۔ ۲- کتاب الحیوان: ۱/ ۴۵۶، المفردات فی غریب القرآن: ۶۹۔

(د) خطِ پیکان

قرآن مجید بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اتارا گیا ہے، وہ بنی نوع انسان کے جملہ علوم وفنون اور صنائع کو روشنی مہیا کرتا ہے،(۱) اس نے جہاں اور چیزوں کی ابتداء وترقی کے متعلق اشارے کیے ہیں، وہاں نہایت قدیم اور ابتدائی ترقی پذیر خط میخی (Moniform of Writing) کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آیتِ شریفہ میں ارشاد ہے ''بِأَيْدِي سَفَرَةٍ'' (العبس-۱۵) ''وہ جو اپنے ہاتھ سے (پھاڑ کر نمایاں کر کے) لکھنے والے ہیں۔''

سفر کے مادہ میں انکشاف وجلا کے معنی مضمر ہیں، سَفَرَۃٌ، سافر بمعنی کاتب کی جمع ہے۔(۲) کتاب کو سفر اور کتب کو اسفار کہتے ہیں، کتب ورسل بھی حقائق کو کھولتے، جہالت کی تاریکیوں کو چھانٹتے اور علم کی روشنی سے دل ودماغ کو روشن کرتے ہیں، خطِ پیکان وہی خط ہے جو کبھی کچی اینٹوں پر نوکدار چیز سے پھاڑ کر نہایت روشن خط میں لکھا جاتا تھا، یہ اینٹیں پکنے پکانے سے پختہ سے پختہ تر ہو جاتی تھیں اور خطِ میخی سے ان پر نقوش ایسے جم جاتے تھے کہ تختیاں اور اینٹیں ٹوٹ جاتی تھیں مگر نقوش صدیوں باقی رہتے تھے(۳) اس لحاظ سے مذکورہ بالا آیت میں خطِ میخی کو اس آیت کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے۔

۱-الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۱۲۵-۱۲۶۔ ۲-معجم مقائیس اللغۃ ۳/۸۳-۸۴، المفردات: ۲۳۳۔

۳-مقدمہ تاریخ الحضارات القدیمۃ: ۱/۷۰، ۳۱۶، ط:۲۔

(۵) گلی کتب خانہ

آیتِ شریفہ: ''یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ'' (الانبیاء-۱۰۴)

ترجمہ: (جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے۔ جیسے خطوں کا طومار لپیٹ لیتے ہیں۔ جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ (یہ) وعدہ (جس کا پورا کرنا لازم) ہے۔ ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں)۔ میں قدیم ترین گلی کتب خانہ کی ابتدائی تاریخ کی طرف اشارہ نکلتا ہے لیکن اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں لفظ ''سجل''، ''سجیل'' و ''سجین'' کی لغوی حقیقت پر غور کرنا ضروری ہے۔

سجل، سجیل اور سجین کے معنی:

ائمہ لغت نے سجل اور سجیل کے معنی ''حجر وطین'' پتھر اور گارے کا آمیزہ کیے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ یہ فارسی لفظ سنگ وگل کا معرب ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔(۱) سجین کو قرآن نے ''کتاب مرقوم'' لکھی ہوئی کتاب کہا ہے۔ ابوعبیدہ لفظ سجین کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''نون اور لام کا مخرج قریب قریب ہے، اس لیے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے اس کلمہ میں نون کو لام سے بدلا گیا ہے'' (امام بخاریؒ نے بھی اسی قول کو صحیح بخاری میں نقل کیا ہے)(۲) مفسرین میں ترجمان قرآن حضرت ابنِ عباسؓ ''مجاہدؒ اور ابنِ اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے، دو لفظوں کو ملانے کی وجہ سے ''واؤ'' گرا دیا گیا اور سنگ کا ''گاف'' عربی میں ''جیم'' سے بدلا گیا تو سج بن گیا۔ ''گل کا'' گاف'' جیم اور ی میں تبدیل کیا گیا تو ''جیل'' بن گیا دو جیم ایک کلمہ میں جمع ہو گئے اس لیے ایک کا دوسرے میں ادغام کیا گیا تو سجیل بن گیا، اس لیے ضحاکؒ نے اس کا ترجمہ اینٹ سے کیا ہے۔ ابنِ زید نے تصریح کی ہے کہ یہ وہ گارہ ہے جسے پکا کر اینٹ بنائی جاتی ہے۔(۳) لکھنے

۱-البخاری بشرح الکرمانی :۸/ ۱۸۷،عمدة القاری :۱۸/ ۲۹۱،فتح الباری :۹/ ۴۲۲، ۱۰/ ۶۰ ۳،تاویل مشکل القرآن :۸۱،التفسیر الکبیر :۲۲/ ۲۲۸، بصائر ذوی التمییز : ۳/ ۱۹۳،تفسیر الطبری :۳۰، ۱۹۲-۱۹۳،معانی القرآن :۲/ ۲۱۲،تفسیر ابن کثیر :۳/ ۵۵۱،الکشاف :۴/ ۲۸۶،القرطبین:۱/ ۲۱۲-۲۱۳،لسان العرب:۱۳/ ۳۴۸(مادہ سجل) ،معجم القرآن:۲۶۵-۲۶۶،کتاب اعراب ثلاثین سورة من القرآن الکریم:۱۹۴۔ ۲-صحیح البخاری:۲/ ۲۷۸۔ ۳-الجامع لأحکام القرآن:۹/ ۸۱-۸۳، ۲۰/ ۱۹۸-۱۹۹(سورة ھود-۸۲)

کے بعد اینٹ کو پکا کر پختہ کیا جاتا تھا۔ اس کو انگریزی میں Terracotta کہا جاتا ہے۔ ''سج'' کے معنی وہ پتھر جس پر لکھتے تھے، (۱) پھر ہر نوشتہ کو سجل کہنے لگے جیسا کہ آیت شریف کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ (الانبیاء - ۱۰۴) (ترجمہ): ''ہم آسمان کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے سجل میں تحریر لپیٹ دی جاتی ہے۔'' میں وارد ہے، یہ ایسا ہے جیسے کسی نوشتہ کو حفاظت کی خاطر لپیٹ کر رکھنا، ان وجوہ سے عرب ہر سخت چیز کو سجیل کے لفظ سے تعبیر کرنے لگے تھے، پتھر کی سل اور اینٹ دونوں بڑی ہوتی ہیں، عہدِ قدیم میں ان پر لکھا جاتا تھا، اس لیے ہر بڑی کتاب کو سجل کہتے تھے۔

اس سے گلی تختیوں اور کچی اینٹوں کے قدیم ترین کتب خانہ کی طرف اشارہ ہے، جس کا ظہور آثار قدیمہ کی کھدائی سے ہو رہا ہے، چنانچہ بابل و نینوا میں سیکڑوں کی تعداد میں اشور بانی پال (۲۵۰۰......۳۰۰۰ ق م) کے کتب خانہ کی بولتی ہوئی تصویریں آج برٹش میوزم اور دیگر یورپی اور امریکی ممالک کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔

عہدِ قدیم میں مصر و روم میں پپائرس پر اور سرزمین عراق بابل و نینوا میں اینٹوں پر لکھا جاتا تھا۔ مفسرین نے مذکورۂ بالا آیت میں سجل کی تفسیر طومار (Rolls) سے کر کے اس کے مرادی معنی کی وضاحت کی ہے اور سجل کی نوشتہ اینٹ اور پتھر سے تفسیر کر کے گلی کتب خانوں کی طرف رہنمائی کی ہے۔ ائمہ لغت و تفسیر کے بیان کی روشنی میں دونوں مصداق بن سکتے ہیں اور اسی نقطۂ نگاہ سے یہ تشریح کی گئی ہے۔

مذکورۂ بالا مباحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اتاری گئی کتابوں اور صحیفوں کی حیثیت کتب خانہ ساز کتابوں کی تھی، عہدِ قدیم میں انہی کتب و صحف سے کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا تھا، قرآن نے جن صحف و کتب کا ذکر کیا، ان سے جن انبیاء کے کتب خانوں کی نشاندہی ہوتی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱- المفردات: ۲۲۴-۲۵۵ (مادہ سجل)

۶-انبیاء علیہم السلام کے کتب خانے

(ا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کتب خانہ:

خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام (۲۱۶۰-۱۹۸۵ء ق م)(۱) انبیاء اولوالعزم میں ان کا شمار ہے۔ کعبۃ اللہ آپ نے تعمیر کیا تھا۔ آپ پر نازل کردہ صحیفوں کا ذکر سورۃ النجم آیت ۳۷ و ۴۶ اور سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۸ اور ۱۹ میں کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کے تذکرہ سے یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابیں بھی خالی ہیں۔ ''صحفِ ابراہیم'' کی نشاندہی صرف قرآن نے کی ہے۔ (۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نے کتب و کتب خانوں کے آثار سے دوسری کتب مقدسہ کی بہ نسبت زیادہ اعتناء کیا ہے تاکہ لوگ برباد شدہ کتب و صحف کی قدر و منزلت اور منفعت و مصلحت کو سمجھیں۔ (۳) حضرت ابراہیمؑ کے کتب خانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کتب خانے موجود تھے۔

(ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کتب خانہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام (۱۵۲۰-۱۴۰۰ ق م) (۴) کا شمار بھی انبیاء اولوالعزم میں ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے مشہور جلیل القدر صاحبِ شریعت و صاحبِ کتاب نبی تھے۔ ان پر تورات اور صحیفے اتارے گئے تھے۔ قرآن میں تورات کا بیس (۲۰) مقامات پر (۵) اور صحف کا دو مقام پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۶) تورات الواح کی صورت میں اتاری گئی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: '' وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا'' (الاعراف-۱۴۵) ''اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں اُن کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔ پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے

۱-تفسیر ماجدی: ۴۸،حاشیہ ۴۴۳،انبیاء قرآن: ۱/ ۱۶۴-۱۶۷۔

۲-تفہیم القرآن،طبع پنجم: ۵/ ۲۱۴۔

۳-کتاب الحیوان: ۱/ ۹۷-۹۸۔

۴-تفسیر ماجدی: ۲۲،حاشیہ ۱۷۰،انبیاء قرآن: ۲/ ۹۶-۹۷۔

۵-المعجم المفہرس لالفاظ القرآن: ۱۵۸۔

۶-ایضاً: ۴۰۳۔

اس آیت شریفہ کے اسلوب بیان سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن نے تحریری سرمایہ کتاب کو بنی نوع انسان کے لیے نعمت وفضل قرار دیا، اس لیے اس کا ذکر بطور امتنان واحسان کیا ہے،

اس سے ظاہر ہے کہ کتب وکتب خانہ بنی نوع انسان کے لیے فضیلت وشرف کا باعث ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن نے الواح کو "کتاب" اور "صحف" کے الفاظ سے موسوم کیا ہے۔

تورات کے متعلق اکثر ائمہ لغت کا یہی قول ہے کہ یہ عجمی نام ہے، لیکن جو ائمہ لغت اس کو عربی سمجھتے ہیں وہ "وری الزند" (چقماق سے آگ روشن ہوگی) سے مشتق مانتے ہیں تورات میں، وہ روشنی ونور تھا جس کے ذریعے انسان ضلالت سے نکل کر ہدایت پر آتا تھا، جس طرح انسان اندھیرے سے اجالے میں نکل آتا ہے، اس لیے یہ کتاب تورات کے نام سے موسوم ہوئی، اس کی تائید آیت شریفہ "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَاءً وَّ ذِکْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ" (الانبیاء-۴۸) "اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کردینے والی اور (سرتاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) عطا کی (یعنی) پرہیزگاروں کے لئے۔"(۱)

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ کتاب دراصل وہی ہے جو جس فن میں مرتب کی گئی ہو اس میں رہنما ہو، روشنی کا کام دے، اور جو ان اوصاف سے آراستہ نہ ہو کتاب کہلانے کی بھی مستحق نہیں۔

دو یتیموں کا کتب خانہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی مفسرین نے کتب خانہ کی نشاندہی کی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن کہتا ہے "اَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَکَانَ تَحْتَهٗ کَنْزٌ لَّهُمَا وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا" (الکہف-۸۲) "اور وہ جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی (جو شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا، اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا۔"

اس آیت شریفہ میں کنز کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ اور مجاہدؒ سے خزانۂ علم اور کتب خانہ منقول ہے۔(۲) نیز یہ بھی ممکن ہے کہ مال اور علم دونوں کا خزانہ دیوار کے نیچے مدفون ہو(۳) وہ علمی شہپارے

۱- حاشیہ شیخ زادہ (علی تفسیر البیضاوی) ۱:/۶۰۱۔ ۲- جامع البیان: ۱۶/۵، تفسیر ابن کثیر: ۳/۹۸-۹۹، الدر المنثور: ۴/۲۳۲، المفردات: ۴۴۲ (مادہ کنز)، تقیید العلم: ۴۴۲، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/۳۸۔ ۳- زاد المسیر: ۵/۱۸۲۔

تھے جو نیکوکار باپ نے ننھی منھی اولاد کے لیے مرنے سے پہلے دیوار کے نیچے دفن کر دیے تھے تاکہ بچے بڑے ہو کر اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

(ج) حضرت داؤد علیہ السلام کا کتب خانہ:

حضرت داؤد علیہ السلام (۱۰۳۴-۹۶۴ ق م)(۱) بنی اسرائیل کے مشہور جلیل القدر نبی و رسول اور بادشاہ تھے، انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کو قرآن نے خلیفہ کہا ہے، ان کی تلاوت اور خوش الحانی ضرب المثل تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ملک و سلطنت اور علم و حکمت سب ہی عطا کی (البقرہ-۱۵۰) اور اس نے ان پر زبور نازل کی تھی جس کا قرآن میں تین مقامات پر ذکر آیا ہے۔(۲)

زبور، زبر سے ماخوذ ہے جس کے معنی لکھنا ہیں، زبور فعول کے وزن پر مکتوب اور نوشتہ کے معنی میں ہے۔ امام راغب اصفہانی نے تصریح کی ہے کہ ہر وہ کتاب جس کی کتابت گاڑھی ہو اس کو زبور کہا جاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب صرف عقلی حکمتوں پر مشتمل تھی۔(۳) موجودہ زبور بھی ایک سو پچاس حصوں پر مشتمل ہے۔

(د) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کتب خانہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۱-۳۳ھ) بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے، ان پر انجیل اتاری گئی تھی، فرمایا گیا ہے "نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ أَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَ الْإِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ أَنْزَلَ الْفُرْقَانَ" (آل عمران-۳-۴) "اس نے (اے محمد ﷺ) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُسی نے تورات اور انجیل نازل کی۔ (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے (تورات اور انجیل اتاری) اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا (ہے) نازل کیا۔"

کتب سماوی عموماً مذہب، الٰہیات، ادعیہ، اخلاق، رسوم و رواج، قانون، آدابِ معاشرت، ادب، تاریخ و سیر، قصص، نجوم و فلکیات، صنعتیں اور حرفتیں غرض سب ہی علوم سے کم و بیش اعتناء کرتی ہیں گو بحث کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، صحفِ سماوی نے بنی نوع انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کی، ذہنوں کو جلا بخشی، میدانِ فکر و نظر

۱- تفسیر ماجدی:۱۰۱، حاشیہ:۹۵۸، انبیائے قرآن:۳/۳۸۔ ۲- المعجم المفہرس لألفاظ القرآن:۳۲۹۔ ۳- المفردات:۲۱۱۔

میں اسے نئے نئے اسلوبِ بیان سکھائے، ہر موضوع پر جولانی فکر کی نئی نئی بنیادیں فراہم کیں، اچھوتے موضوعات کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی، فکر ونظر کو دادِ تحقیق کے لیے نت نئے میدان فراہم کیے جن کی بنیاد پر سینکڑوں موضوعات نے جنم لیا اور ہر موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، انہی وجوہ سے کتابوں کے ثقافتی انقلاب میں ان کا غیر معمولی حصہ رہا ہے، انہوں نے کتابی ثقافت کی دنیا میں ایسا دیرپا اور ٹھوس انقلاب برپا کیا اور ایسی مستحکم بنیادیں مہیا کی ہیں جن کے نقوش رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔

بنی نوع انسان کے ہر نوع کے ادبی سرمایہ کو ان کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے اور چڑھانے کے لیے ایسے راستے کھولے ہیں جو ہمیشہ کھلے رہیں گے، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ کتابوں میں اضافہ کا ترقی پذیر سلسلہ ہر دور میں بڑھتا رہا اور کتب خانوں کے ذخائر کی تعداد اب لاکھوں میں محدود نہیں رہی بلکہ کروڑوں سے بھی آگے نکل رہی ہے۔

آسمانی کتابوں نے کتابی ثقافت کی دنیا میں جو انقلاب برپا کیا ہے، اس امر کا اندازہ مشہور لائبریرین اور وقت کے نامور محقق رابرٹ بی ڈاؤنس (Robert B. Downs) کے اس طرزِ عمل سے کیا جا سکتا ہے، جو اس نے اپنی مشہور کتاب "Book that Changed the World" میں انجیل مقدس کے لیے اختیار کیا ہے، اس نے اس سلسلے کی کتابوں میں سب سے پہلے انجیل مقدس کا تذکرہ کیا ہے اور آغازِ بحث سے پہلے ہی اس کی نسبت یہ معنی خیز فقرہ "The Book of the Books" (یہ کتابوں کی کتاب) لکھا ہے جو ذہنِ انسانی پر اس مقدس کتاب کی عظمت، شہرت واہمیت اور انقلابی اثرات کی نہایت واضح دلیل ہے پھر وہ لکھتا ہے "یہ بارہ علوم ۱-تاریخ ۲-قومی وروایتی قصے ۳-سوانح ۴-علم الانساب ۵-اخلاق ۶-قانون ۷-کہاوت میں پنہاں دانائی ۸-نصائح ۹-پیش گوئی ۱۰-غنائی شاعری ۱۱-حمد کے گیت اور ۱۲-علم الٰہیات پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد ڈاؤنس (Downs) مزید تنبیہ کرتا اور لکھتا ہے:

It is not simply a book but a collection of book (1)

یہ سادہ کتاب نہیں ہے بلکہ کتابوں کا ایک مجموعہ ہے۔

موصوف کے مذکورۂ بالا زوردار جملے ہمارے مذکورۂ بالا دعوے "کتب سماوی کتب خانہ ساز کتابیں ہیں" کا نہایت بیّن ثبوت اور تشریح ہے۔

۱- Books that changed The World .p.27 2nd ed

آیتِ شریفہ "أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا" (الکہف-۹)

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ غار اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے"، آیت میں رقیم، رقم سے ماخوذ ہے اور "کتاب مرقوم" لکھی ہوئی کتاب کو کہتے ہیں، اس سے ارقم بنا ہے جس کے معنی دھاری دار چادر کے ہیں۔ چتکبرے سانپ کو ارقم اور رقمۃ الوادی پانی کے بہنے کی جگہ کو کہتے ہیں کہ وہ بھی خط کی صورت میں اپنی راہ بنا لیتی ہے۔(۱)

الرقیم تانبے یا پیتل کی تختی پر اصحابِ کہف کے نام، نسب و مذہب کے متعلق معلومات حاصل کر کے خزانۂ شاہی میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ مفسر ابنِ عطیہ المتوفی ۵۴۲ھ کا بیان ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خطہ میں اصحابِ کہف آ کر ٹھہرے تھے، اس خطہ میں آباد قوم تاریخی واقعات کو قیدِ تحریر میں لاتی تھی، جو اس مملکت کی علمی اور ثقافتی عظمت کی نشاندہی کرتی ہے اور یہ نہایت مفید کارنامہ تھا۔(۲) یہ واقعہ ایشیا کوچک کے مغربی ساحل افیسس (Ephesus) میں ۲۴۹-۲۵۱ء کے مابین پیش آیا تھا۔(۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے نزول سے پہلے شاہی محل میں تحریری ذخیرہ رکھا جاتا اور کتب خانہ قائم کیا جاتا تھا۔

۱-صلۃ تاریخ طبری: ۱۰/ ۳۵۷۔ ۲-ایضاً۔ ۳-تفہیم القرآن طبع پنجم: ۳/ ۱۲۔

دورِ جاہلی میں عربوں کے کتب خانے

دورِ جاہلی:

رسالت مآب ﷺ کی نبوت سے پہلے کا زمانہ تاریخ میں دورِ جاہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ،جاہلی، جہل سے بنا ہے جو علم کی ضد ہے، یہ اس کے حقیقی معنی ہیں اس معنی کے اعتبار سے عرب جاہل نہ تھے،قرآن نے عربوں کی صفت علم و معرفت کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتا ہے۔

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (حم السجدۃ، ۳)

(ترجمہ): یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کردی گئی ہیں: قرآن عربی (میں) ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

دورِ جاہلی میں تعلیم و کتابت کا بہت کم رواج تھا مگر تعلیم و کتابت اس دور میں بھی عزت و شرف کی بات سمجھی جاتی تھی چنانچہ زمانہ جاہلی میں تعلیم یافتہ افراد کو مردِ کامل کہا جاتا تھا۔(۱) اور بحث و تکرار کے موقع پر کتابت و قراءت سے دلیل پیش کی جاتی تھی، چنانچہ قرآن کہتا ہے:

وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلاً۔ (الفرقان، ۵)

(ترجمہ): اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو اگلوں کی بے سند باتیں ہیں جن کو اس شخص نے لکھوا لیا ہے پھر وہی اس (شخص) کو صبح و شام پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

دوسری جگہ کہا گیا ہے:

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعاً۔۔۔ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ ،وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَاباً نَقْرَؤُهُ ،قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَراً رَسُولاً۔ (بنی اسرائیل، ۹۰، ۹۳)

(ترجمہ): اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردو گے یا خود تمہارے لیے کوئی گھر ہی سونے کا ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے

۱- الطبقات الکبیر: ۳، ق ۲/ ۲۴ و ۳۵، ۵۹، ۷۷، ۱۴۸، ج: ۶/ ۳۶، فتوح البلدان: ۳/ ۵۸۳، تقیید العلم: ۱۸، (مقدمۃ المحقق)

(آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تم (آسمان) سے ہمارے لیے نوشتہ نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں۔آپ کہہ دیجیے کہ پاک ہے اللہ، میں بجز ایک آدمی (اور) رسول کے اور کیا ہوں۔

یعنی ایسی کتاب جسے وہ دیکھ اور پڑھ سکیں، ایک اور موقعہ پر ارشاد ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَاباً فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُبِيْنٌ (الانعام:۷)

(ترجمہ): اور اگر ہم آپ (پر) کوئی نوشتہ کاغذ پر (لکھا ہوا) نازل کرتے اور اسے یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے جب بھی جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے، یہی کہتے کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔

یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ جو قوم و معاشرہ جتنا ترقی یافتہ اور متمدن ہوتا ہے اسی نسبت سے اس قوم میں تعلیم یافتہ لوگ زیادہ پائے جاتے ہیں، اور جو قوم و معاشرہ تمدن سے دور ہوتا ہے، اس نسبت سے اس میں پڑھے لکھے افراد بھی کم سے کمتر ہوتے ہیں۔اس لیے دور جاہلی کے متعلق مورخین نے جابجا اس امر کی تصریح کی ہے کہ ان میں پڑھے لکھے کم تھے، تعلیم کا رواج کم تھا۔(۱) لیکن ایسا بھی نہ تھا کہ اس معاشرہ میں سرے سے پڑھے لکھے ہی نہ تھے چنانچہ اس اعتراض کا کہ عرب بدوی تھے، انہیں زیر زبر اور شین قاف کی بھی تمیز نہ تھی احمد ابن فارس المتوفی ۳۹۵ھ اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فَاِنَّا لَمْ نَزْعَمْ اِنَّ الْعَرَبَ كُلَّهَا مَدَراً وَّوَبَراً ، قَدْ عَرَفُوْا الْكِتَابَةَ كُلَّهَا وَالْحُرُوْفَ اَجْمَعَ، وَمَا الْعَرَبُ فِيْ قَدِيْمِ الزَّمَانِ اِلَّا كَنَحْنُ الْيَوْمَ، فَمَا كُلٌّ يَعْرِفُ الْكِتَابَةَ وَالْخَطَّ وَالْقِرَائَةَ۔ (۲)

(ترجمہ): پس ہم نہیں سمجھتے کہ تمام عرب بدوی اور دیہاتی تھے وہ پوری طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے ، انہیں جملہ حروف کی تمیز تھی، عرب عہدِ قدیم میں ہمارے موجودہ دور کی طرح تھے، آج بھی ہم میں ہر ایک پڑھا لکھا نہیں (اس دور میں بھی نہ تھا، بس کم وبیش کا فرق تھا)۔

ایسا ہر زمانے اور ہر معاشرہ میں ہوتا ہے۔گو عربوں میں نوشت وخواند کا رواج زیادہ نہ تھا تاہم وہ قابل ذکر امور صحیفوں اور چمڑوں کے ٹکڑوں پر لکھتے تھے۔(۳) قرآن نے ان کے سامان کتابت کا تذکرہ کیا ہے مثلاً:

۱- الطبقات الکبیر: ج ۳ ق ۲ / ۲۴، ۳۵، ۵۹، ۷۷، ۱۴۸- ۶/۲۶۶۔ ۲- الصاحبی: ۱۲۔

۳- رسالہ الجد والھزل: ۲۵۳-۲۵۴ (رسائل الجاحظ)، فتح الباری: ۱/ ۳۸۸، مجمع بحار الانوار: ۱۲۸۳ھ، ۳/ ۲۵۰-۲۵۱۔

۱- قلم۔ ۲- کتاب۔ ۳- مِدَاد(سیاہی) ۴- رَقٌ (چمڑا) ۵- صُحُف۔ ٦- یَتْلُو، وہ تلاوت کرتا ہے، ۷- یَقْرَأُ، وہ پڑھتا ہے۔ ۸- کَتَبَ اس نے لکھا۔ ۹- یُمْلِیْ وہ لکھاتا ہے۔ ۱۰- یَسْطُرُوْنَ وہ لکھتے ہیں۔ ۱۱- عَلَّمَ اس نے سکھایا۔ ۱۲- دَرَسْتَ تونے پڑھا۔ ۱۳- تَدْرُسُوْنَ تم پڑھتے ہو۔

عربوں میں نوشت وخواند کا رواج:

یہ وہ الفاظ اور جملے ہیں جو بتاتے ہیں کہ وہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، نوشت وخواند کا سامان ان کے یہاں موجود تھا، پڑھنے لکھنے کا ان میں رواج گو کم تھا، امیروں ہی میں نہیں غریبوں میں بھی اس کا تھوڑا بہت چلن تھا، جنگ بدر کے جو قیدی زرفدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ان کا زرفدیہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا قرار پایا تھا۔(۱) اس کے باوجود قرآن نے انہیں گمراہ وجاہل قرار دیا، اس لیے کہ وہ دین حق کو سمجھتے نہ تھے، دینی امور میں سخت گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، ضد وعناد کی وجہ سے قبول حق سے گریزاں تھے۔(۲) بات بات پر بگڑ جاتے اور لڑ بیٹھتے تھے۔(۳)

عہدِ جاہلی میں عربوں کے کتب خانے، تاریخ کتب خانہ کا ایسا باب ہے جس پر نہ قدماء نے کچھ لکھا ہے اور نہ متاخرین نے اس موضوع سے کچھ اعتناء کیا ہے۔

عصر حاضر کے وہ مسلمان عرب محققین جنہیں ادب وتاریخ، لغت ونحو سے مناسبت تھی، انہوں نے دورِ جاہلی کے مختلف پہلوؤں پر خوب لکھا ہے مگر ان لکھنے والوں میں ایسے دانشور نہیں، جنہیں علم کتب خانہ میں درک ہو، نہ علم کتب خانے میں ان کے یہاں ایسے جامع محققین ہی ہیں جنہیں شرعی علوم میں گہری بصیرت ومناسبت ہو، اس لیے دورِ جاہلی کے کتب خانوں پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ عصرِ حاضر میں عربوں میں علم کتب خانہ کا تعلیمی شعبہ کم وبیش ملک کی ہر بڑی یونیورسٹی میں قائم ہے، اور ان میں اچھے لکھنے والے ہیں، مگر ان کے بیشتر موضوعات عصرِ حاضر کے موضوعات ہیں ان کا اسلامی علوم کا علمی پس منظر زیادہ وسیع نہیں اور نہ انہیں ان علوم میں اختصاص حاصل ہے، اس لیے ان کی تالیفات ان تاریخی وثقافتی مباحث سے یکسر خالی ہیں۔

ان وجوہ سے ماقبل اسلام کے عربوں کی تاریخ کتب خانہ کا باب اب تک ان کے یہاں زیر بحث نہیں

۱- مسند احمد: ۱/ ۲۴۷۔ ۲- المدخل فی تاریخ الحضارۃ العربیۃ: ۱۱۵-۱۱٦۔ ۳- الروض الانف: ۱/ ۱۸۱۔

آسکا، حالانکہ یہ بدیہی امر ہے کہ علم اور کتب خانے کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔

عہدِ جاہلی کے کتب خانوں سے عدم اعتناء کے وجوہ و اسباب:

یہی وجہ ہے کہ مشرق و مغرب کے بعض معاصر محققین نے عہدِ اسلامی کے کتب خانوں کا آغاز دورِ اموی سے بیان کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں اسلامی کتب خانوں کی داغ بیل پڑ چکی تھی جیسا کہ راقم السطور نے علم کتب خانہ میں ایم اے کی ڈگری کے لیے جو تحقیقی مقالہ بعنوان عہدِ رسالت سے دورِ اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء، شعبہ علم کتب خانہ جامعہ کراچی ۱۹۷۰ء میں پیش کیا تھا، اس میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔

معلوم ہوتا ہے مواد کی کمی و کمیابی محققین عصر کو اس موضوع پر قلم اٹھانے سے مانع رہی اور دورِ جاہلی کے کتب خانے علم کتب خانے کی تاریخ کے مشکلاتِ فن میں سے ایک مشکل کی حیثیت اختیار کر گئے، اسے حل کرنا ہمارے اربابِ تحقیق کا کام تھا لیکن میرے علم میں نہیں کہ اسلامی دنیا میں یا یورپ و امریکہ میں کسی نے اس طرف توجہ کی ہو۔

عصرِ حاضر میں جن اربابِ تحقیق نے عہدِ جاہلی پر کام کیا ہے اور مستقل تصانیف کی ہیں ان میں محمود آلوسی کی بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب اور موصوف کے شاگرد ڈاکٹر جواد علی کی تاریخ العرب قبل الاسلام جامع کتابیں ہیں اور انہیں استنادی حیثیت حاصل ہے لیکن وہ بھی اس قسم کے مباحث سے یکسر خالی ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عہدِ جاہلی میں دورِ جاہلی کی تاریخ پر کچھ نہیں لکھا گیا، اِس عہد کو جو بھی زندگی و شہرت ملی وہ اسلامی دور کی کتب تاریخ و تذکرہ سے ملی، اِن میں ضمناً دورِ جاہلی کی باتوں کا ذکر آ گیا یا ان کی طرف اشارے کر دیے گئے اس لیے اس موضوع سے متعلق معلومات بہت مختصر و منتشر ہیں، بہت محنت کے بعد بمشکل کچھ اشارات حسب ذیل ماخذوں سے مل سکتے ہیں۔

عہدِ جاہلی کے کتب خانوں کے بنیادی ماخذ:

۱-قرآن مجید، ۲-کتب اَسباب نزول، ۳-کتب تفاسیر، ۴-کتب سنن و آثار، ۵-کتب شروحِ اَحادیث، ۶-کتب سیر و مغازی، ۷-کتب تاریخ و تذکرہ شعراء، ۸-کتب ادب، ۹-کتب اَمثال، ۱۰-لغت، ۱۱-کتب جغرافیہ و بلدان، اس سلسلہ کی معلومات کے لیے مذکورہ بالا ماخذوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں کہیں علم کا چرچا ہو خواہ کم ہو یا زیادہ وہاں کتب خانہ ضرور پایا گیا، سامان کتابت وقراءت جس ہیئت وصورت میں پایا گیا کتب خانہ بھی کم وبیش اس ہیئت وصورت میں موجود رہا اگر کسی قوم میں کتابت وقراءت کا رواج کم ہو یا وہ حافظہ پر اعتماد کے مقابلہ میں لکھنے کو ننگ وعار سمجھے۔(۱) اور زبانی علم کو فروغ دیتی اور اپنا ثقافتی ورثہ ایک دوسرے کو زبانی منتقل کر کے سینہ بہ سینہ اس کا تحفظ کرتی ہو جیسا کہ دورِ جاہلی میں عربوں کا دستور تھا۔(۲) ایسے معاشرے میں کتب خانے کم پائے جائیں گے۔
ایسے معاشرہ میں علماء وادباء کے صدور (سینوں) کو خزائن العلم کتب خانے سمجھا اور کہا جاتا تھا۔(۳) دنیا کی جس قوم میں بھی نوشت وخواند کا رواج تھا اس قوم میں کتب خانے کتابی صورت میں پائے جاتے تھے خواہ اس قوم کے کسی مخصوص طبقہ کی تعلیم محدود رہی ہو۔

دورِ جاہلی میں قراءت وکتابت اور کتب خانوں کی کمی کے اسباب:

جیسا کہ گزر چکا عہدِ جاہلی میں نوشت وخواند کا رواج عربوں میں کم ہی تھا اس نسبت سے اس معاشرہ میں کتب خانے بھی کم پائے جاتے تھے، اس کے حسب ذیل وجوہ واسباب تھے۔

۱- ان کے ذرائع آمدنی محدود تھے۔
۲- سامان کتابت کی کمی تھی۔
۳- سامانِ کتابت کی فراہمی میں دشواری تھی۔

پھر بات بات پر معرکہ آرائی کی وجہ سے ثقافتی ورثہ کا تحفظ بھی ان کے لیے بہت مشکل کام تھا بدوؤں کا مستقل قیام بھی کم ہی کسی جگہ ہوتا تھا۔

۱- کتاب الاغانی: ۱۸/۳۰۔ ۲- عربوں کے زبانی یاد رکھنے کی پسندیدہ روش کو اسلام نے برقرار رکھا چنانچہ ہر چھوٹا بڑا مسلمان ،الکتاب (قرآن) کی چھوٹی بڑی متعدد سورتیں ضرور یاد رکھتا ہے اور انہی سے اپنی پنجگانہ عبادات انجام دیتا ہے، ہر زمانے اور ہر ملک وشہر اور دیہات میں ہمیشہ ایک معتد بہ تعداد ایسے مردوں بچوں اور خواتین کی پائی جاتی ہے جو پوری الکتاب دل ودماغ پر ہمہ وقت اس طرح نقش رکھتی ہے کہ جب چاہیں جہاں سے چاہیں بآسانی زبانی پڑھ سکتے ہیں۔
ابتداء عہدِ اسلامی میں سنن وآثار کو بھی اس طرح زبانی یاد رکھا جاتا تھا اور یہ بھی سینہ بہ سینہ ایک دوسرے سے بیان کی جاتی تھیں ،بلکہ بعد میں امت مسلمہ میں ایک طبقہ ایسا رہا ہے جو حدیثوں کو اسی طرح نوکِ زبان رکھتا تھا جس طرح قرآن کو رکھا جاتا ہے انہیں حفاظِ حدیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۳- تذکرۃ الحفاظ، ط: ۳، ۱/۱۶۰۔

۵- رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہر اعتبار سے تکمیل کا محتاج تھا، اس میں ہر چیز اپنے ابتدائی مدارج سے گزر رہی تھی، علم و فن کا بھی یہی حال تھا وہ بھی انہی مراحل سے گزر رہا تھا، چنانچہ گزشتہ متمدن اقوام کا علمی و ثقافتی ورثہ بھی بہت ہی کم اور بمشکل محفوظ رہ سکا، جو موجود ہے وہ آثار قدیمہ کی حیثیت سے دنیا کے عجائب گھروں کی زینت بنا ہوا ہے، اور اس کی حیثیت ایک یادگار سے زیادہ نہیں، عربوں کی بیشتر آبادی صحرائی تھی ان کا کوئی مستقل مستقر اور ٹھکانہ نہیں تھا، جہاں پانی چارہ دیکھا بسیرا کیا، پھر آگے کا راستہ لیا، ایسی معاشرت میں کسی چیز کی حفاظت کیونکر ہو سکتی تھی۔

مکہ، مدینہ، طائف اور انبار میں بعض مدارس تھے جہاں نوشت و خواند کا انتظام تھا، اساتذہ اس خدمت پر مامور تھے، چنانچہ مورخ محمد ابن حبیب نے ''کتاب المحبر'' میں دورِ جاہلی اور ابتداء عہد اسلامی کے بعض اساتذہ و معلمین کے متعدد نام گنوائے ہیں۔(۱)

عربوں کے مشہور شہر:

عربوں کے مشہور شہر تین تھے: ۱- مکہ، ۲- مدینہ، ۳- طائف انہی شہروں میں کچھ پڑھے لکھے افراد پائے جاتے تھے، ان کے پاس یا پھر ان شعراء کے پاس جن کی شاہان حیرہ وغیرہ کے دربار سے وابستگی تھی، تھوڑا بہت ثقافتی ورثہ موجود تھا۔

عہدِ جاہلی کی وسعت اور ثقافتی و علمی سرمایہ کی کمی:

دورِ جاہلی اگرچہ وسیع تر زمانہ ہے لیکن اس دور کا علمی سرمایہ جو ہم تک پہنچ سکا ہے، وہ ڈیڑھ دو سو سال سے زیادہ قدیم نہیں۔(۲) وہ زیادہ تر ان اسی (۸۰) نوے (۹۰) شاعروں کے دواوین پر مشتمل ہے جن کا تعلق مختلف عرب قبائل سے تھا جنہیں ابو عمرو شیبانی (۹۴-۲۰۶ھ - ۷۱۳-۸۲۵ء) نے ترتیب دیا تھا۔(۳) جن میں غالباً بیشتر قدیم شعراء تھے، اس دور کے جن نامور شاعروں کا تذکرہ اربابِ تحقیق کو مل سکا ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے جیسا کہ ابن سلام جمحی کے ''طبقات فحول الشعراء'' اور اصمعی کی ''فحولۃ الشعراء'' کے مطالعہ سے عیاں ہے،

۱- کتاب المحبر: ۴۷۵۔ ۲- کتاب البلدان: ۱/ ۴۷، طلائع النقد العربی الخرطوم: ۸۔

۳- الفہرست: ۷۵، تاریخ بغداد: ۶/ ۳۲۹، انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ: ۱/ ۲۵۸۔

ممکن ہے ان میں سے بیشتر کے پاس ذاتی کتب خانے ہوں مگر ہمیں تحقیق و جستجو سے جن کتب خانوں کا سراغ لگ سکا ہے وہ بہت کم ہیں، اِس لیے کہ ان کے کلام کا بیشتر حصہ جو اہل علم کے حافظوں میں محفوظ تھا اسلامی فتوحات وغزوات میں ان کی شرکت وشہادت سے وہ سینوں سے سفینوں میں منتقل نہیں ہو سکا اور انہی کے ساتھ قبروں میں چلا گیا۔(۱)

تاہم قلیل تعداد بھی عربوں میں ذاتی کتب خانوں کے پائے جانے کا نہایت واضح ثبوت ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دورِ جاہلی میں بھی کتابت وقراءت عربوں میں ان کے کمال علمی کی دلیل تھی۔اس معاشرہ میں پڑھے لکھے خال خال تھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے پاس لکھنے پڑھنے کا سامان کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا جس سے ان کی علمی استعداد برقرار رہتی اور ذوقِ علمی کو تسکین حاصل ہوتی تھی ایسے تمام تعلیم یافتہ افراد کے پاس جس شکل میں بھی تحریری سرمایہ موجود تھا وہ دورِ جاہلی کے کتب خانوں کے زمرہ میں داخل ہے، وہ علمی وثقافتی ذخیرہ ان کا ذاتی کتب خانہ تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ دورِ جاہلی میں ثقافتی ورثہ کتب خانہ انہی ''مردان کامل'' کے پاس موجود تھا۔

عوامی ونیم عوامی کتب خانوں کے فقدان کی وجہ:

دورِ جاہلی میں تعلیم کا رواج کم تھا اس لیے عوامی یا نیم عوامی قسم کے کتب خانوں کا ہمیں سراغ نہیں لگ سکا، ممکن ہے جن مکاتب ومدارس میں تعلیم کا انتظام ہو ان میں کچھ سامان کتابت وقراءت بھی رکھا جاتا ہو، اس سے اساتذانِ اہل علم اور طلبہ استفادہ کرتے ہوں، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاہی اور انفرادی واختصاصی کتب خانے دورِ جاہلی میں موجود تھے۔

وہ مردان کامل جن کے متعلق ہمیں تاریخ وتذکرہ میں اس امر کی شہادت مل سکی کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے اور لکھتے پڑھتے رہتے تھے، یہ امر ان کے پاس علمی وثقافتی ورثہ ''کتب خانہ'' ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۱۔طبقات فحول الشعراء:۱ر۹۴، کتاب الخصائص:۱ر۳۸۶-۳۸۷، الاقتراح:۶۲، نزہۃ الالبائی طبقات الادباء:۳۳۔

ایسے مردان کامل کے لیے مورخین وتذکرہ نگار جو گوناگوں تعبیرات اور جملے استعمال کرتے ہیں وہ ہدیہ ناظرین ہیں چنانچہ وہ کسی کے متعلق لکھتے ہیں:

۱- حَصَّلَ الْكُتُبَ، وَعَلِمَ عِلْماً كَثِيراً (۱)

اس نے کتابیں جمع کیں اور بہت زیادہ علم حاصل کیا۔

۲- کسی کی نسبت کہتے ہیں۔

كَانَ مِمَّنْ قَرَوْا الْكُتُبَ (۲) ترجمہ: وہ ان میں سے تھا جنہوں نے کتابیں پڑھی تھیں۔

۳- کسی کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں۔

نَظَرَ الْكُتُبَ وَقَرَأَهَا۔ (۳)

اس نے کتابیں دیکھی تھیں اور انہیں پڑھا تھا۔

۴- کسی کی علمی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

كَانَ ــ يَأْخُذُهَا (أَلْفَاظاً) كَثِيرَةً مِنَ الْكُتُبِ (الْمُتَقَدِّمَةِ وَبِأَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِ أَهْلِ الْكِتَابِ۔ (۴)

وہ کتب قدیمہ سے زیادہ الفاظ لے کر اشعار میں استعمال کرتا تھا اور اہل کتاب کی داستانوں کی تلمیحات استعمال میں لاتا تھا (جسے عرب سمجھ نہیں پاتے تھے)۔

۵- کسی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

كَانَتْ تَنْظُرُ فِي الْكُتُبِ۔ (۵)

وہ خاتون کتابوں کا مطالعہ کرتی تھی۔

۶- کسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

كَانَتْ قَدْ قَرَأَتِ الْكُتُبَ (۶)

۱- سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۸۰، روض الانف: ۱/ ۱۲۳، ۱۵۶-۱۵۷، عمدۃ القاری: ب، ت، ۱/ ۵۵، کتاب الاشتقاق: ۱۶۴۔

۲- کتاب حذف من نسب قریش: ۵۴۔ ۳- الشعر والشعراء: ۱/ ۴۵۹۔ ۴- کتاب الاغانی: ۱/ ۱۲۱، ۳/ ۱۸۰، ۴/ ۱۲۱۔

۵- ایضاً۔ ۶- انساب الاشراف: ۱/ ۸۱، تاریخ العرب فی الاسلام: ۱۸۵۔

اس خاتون نے کتابیں پڑھیں اور ان کا مطالعہ کیا تھا۔

۷۔کسی کے متعلق لکھتے ہیں:

كَانَ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ۔(۱)

وہ عربی میں لکھتا تھا۔

۸۔کسی دانشور و حکیم کا اپنے تحریری سرمایہ کو 'کنز العلم' خزانہ علمی کے الفاظ سے یاد کرنا۔(۲)

شاہان وقت کا کسی حکیم و دانشمند سے اس کے حکیمانہ اور زریں اقوال قلمبند کرا کر منگوانا۔(۳)

شناخت کتب خانہ کے مذکورۂ بالا وہ اصول ہیں جو ہم نے تاریخ و سیر کی کتابوں کے مسلسل مطالعہ اور تتبع واستقراء سے معلوم کیے ہیں جن کی روشنی میں ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مورخین کا یہ اسلوب بیان دورِ جاہلی کے ادباء، شعراء اور علماء و حکماء اور دانشوروں کے پاس کتب خانہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔

دورِ جاہلی کے کتب خانوں میں انہی دانشوروں، شاعروں، سحر طراز خطیبوں اور تعلیم یافتہ شخصیات کے علمی ذخیروں کو قابل التفات سمجھا گیا ہے۔ جن کے متعلق مورخین و تذکرہ نگاروں نے تصریح کی ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، یا ایسے قرائن و شواہد پائے گئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھتے لکھتے تھے، جاہلی معاشرے میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا، اس لیے ان کا علمی و ثقافتی ورثہ بھی قلیل تھا، تاہم ایسے معاشرے میں تھوڑا بہت ذخیرہ بھی ان کے پاس علمی خزانے اور کتب خانے کی موجودگی کا بین ثبوت ہے۔

ہمیں جستجو، مسلسل مطالعہ اور استقراء و تتبع سے جن اربابِ علم و فضل کے متعلق معلومات فراہم ہو سکی ہیں انہی منتشر اور گوناگوں معلومات سے یہ گلدستہ تیار کیا گیا ہے۔

دورِ جاہلی میں بعض نہایت نامور اربابِ علم و کمال اور شاعر گزرے ہیں لیکن جن کے متعلق اربابِ تذکرہ نے لکھنے پڑھنے کی تصریح نہیں کی یا شواہد و قرائن نہیں مل سکے انہیں اس جزم میں شامل نہیں کیا گیا۔

وہ شعراء حکما اور اربابِ علم جن کا بیشتر زمانہ، دورِ جاہلی میں گزرا اور مورخین و تذکرہ نگاروں نے انہیں دورِ جاہلی کی کامل ترین شخصیات میں شمار کیا ان کو دورِ جاہلی میں داخل کیا گیا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض نے جاہلی و اسلامی دونوں زمانے پائے ہیں انہیں مخضرمین میں بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان کا زیادہ تر زمانہ دورِ جاہلی میں

۱۔الطبقات الکبیر لابن سعد: ۸/۹۶۔ ۲۔ایضاً، ج:۳، ق ۲، ص: ۴۴۔ ۳۔المعمرون والوصایا: ۶۳، مصادر الشعر الجاہلی: ۱۶۵۔

بسر ہوا اور انہوں نے لکھنے پڑھنے میں کمال بھی اس زمانے میں حاصل کیا تھا جیسا کہ مورخین کی تصریحات سے عیاں ہے، اس لیے انہیں دورِ جاہلی کے علماء وفضلاء میں اور ان کے علمی ذخیرے کو دورِ جاہلی کے کتب خانوں میں شمار کیا گیا، یہ امر ان کے علم وکتب سے شغف ومحبت کا نہایت واضح ثبوت ہے۔

اس مختصر مقالے میں دورِ جاہلی کے کل اٹھائیس ۲۸ کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں مکہ کے چھ کتب خانے ہیں، ان میں دو ۲ خواتین کے کتب خانے تھے، جو اس امر کی نہایت روشن دلیل ہے کہ دورِ جاہلی میں قریش کا معاشرہ عرب کے دیگر قبائل کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ معاشرہ تھا کہ اس میں خواتین بھی اپنا ذاتی کتب خانہ رکھتی تھیں، جس سے مشہور امام لغت احمد بن فارس کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ دورِ جاہلی میں عرب معاشرہ اہلِ علم اور تعلیم یافتہ خواتین سے بھی خالی نہ تھا، صرف کم وبیش کا فرق تھا۔

طائف میں ایک کتب خانہ، مدینہ میں چھ کتب خانے، نجد میں سات، نجران اور یمن میں ایک ایک کتب خانہ، حیرہ (عراق) میں چار کتب خانے اور شام میں ایک کتب خانہ تھا مذکورۂ بالا تعداد سے دورِ جاہلی میں عربوں کی علمی وثقافتی سرگرمیوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کعبۃ اللہ علم وآگہی کا مرکز اولین:

عہدِ جاہلی میں مکہ کعبۃ اللہ عربوں کے علم وآگہی کا اولین مرکز تھا جو ان کے دل ودماغ کو علم کی روشنی عطا کرتا اور روح کو تازگی وطمانینت بخشتا تھا، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس دور میں وہ کتب خانے کے تمام وظائف، تعلیم، تحقیق، اطلاعات اور ذوق جمال کی تسکین کا سامان فراہم کرتا تھا اس لیے عرب جن کا اصل علمی سرمایہ شعروشاعری تھا، جسے ''دیوان العرب'' کہا جاتا ہے دورِ جاہلی میں وہ اپنے نامور شعراء کے بے نظیر ومعرکۃ الآراء قصائد ایام حج میں درِ کعبہ پر آویزاں کرتے رہے ہوں تو کچھ بعید نہیں، جو تاریخ میں مُعلّقات کے نام سے مشہور ہیں۔(۱) گو بعض محققین کو اس امر سے انکار ہے لیکن ان کے دلائل بھی اس باب میں قطعی وحتمی نہیں ،انہی وجوہ سے محقق عصر عبدالسلام محمد ہارون نے لکھا ہے۔

مُعلّقات کی وجہ تسمیہ کی صحت یا اس کی جرح پر اگر وہ صحیح تسلیم کی جائے تو بھی قطعی فیصلہ ممکن نہیں، اس

۱-مقدمہ ابن خلدون، المقدمہ، خزانۃ الادب، ۱/۶۱۔

باب میں کسی ایک قول کو ترجیح دینا ہوگی، میں نے اس موضوع پر معاصرین کی بحثوں کو پڑھا بعض نے تائید کی بعض نے تردید کی ہے لیکن میں اس بحث میں کسی سے مطمئن نہیں ہوسکا، میں یہی کہتا ہوں کہ یہ قدیم ادب کی مشکلات میں سے ایک مشکل ہے۔(۱) تاہم اس تاریخی حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ اسلام کی آمد سے قبل دورِ جاہلی میں خزاعہ اور عبدالمطلب کے مابین جو عہد نامہ ہوا وہ ابوقبیس بن عبد مناف نے تحریر کیا اسے درِ کعبہ پر آویزاں کیا تھا۔(۲) اور اس کے بعد سن سات نبوی میں مسلمانوں کے مقاطعہ کا تحریری معاہدہ بھی درِ کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا۔(۳) یہ تاریخی واقعے اس امر کے شاہد ہیں کہ عربوں میں تحریری دستاویزوں کو درِ کعبہ پر آویزاں کرنے کا دستور تھا جس کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ اسلام میں کعبہ کو علم وآگہی کا اولین مرکز ومنبع کہا جاسکتا ہے اور یہی اساس کتب خانہ ہے۔

تحریری مواد:

دورِ جاہلی اور آغاز دورِ اسلامی میں لکڑی کے پتلے لمبے ٹکڑوں، ریشمی کپڑوں یا چمڑے کے لمبے ٹکڑوں پر لکھا جاتا تھا، لکڑی کے ٹکڑوں کو یکجا کر کے چھت سے اور ریشمی پارچہ جات اور چمڑوں کے ٹکڑوں کو لکڑی سے لپیٹ کر یا کبھی تلوار کے دستہ میں رکھ کر چھت یا دیوار سے لٹکا دیتے تھے، لپیٹ کر رکھنے میں زیادہ علمی ذخیرہ تھوڑی جگہ میں آجاتا تھا اور علمی ورثہ چوہوں، کیڑوں اور دیمک کی دسترس سے محفوظ رہتا تھا نیز آتے جاتے اس پر نظر رہتی تھی، دیمک یا کیڑا لگتا تو جلدی اور آسانی سے اس کا تدارک کیا جاسکتا تھا۔(۴) معلوم ہوتا ہے آیت شریفہ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۝ (الانبیاء، ۱۰۴)

(ترجمہ): ''جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ''۔ غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ دورِ جاہلی اور آغاز دورِ اسلامی میں کتابوں کی تقطیع مستطیل ہوتی تھی انہیں لپیٹ کر رکھا جاتا تھا۔

کتابوں کی تقطیع میں تبدیلی اور ذخائر کی وضع وترتیب میں انقلابی تبدیلی کاغذ کی ایجاد کے بعد آئی ہے۔

۱- شرح شواہد المغنی: ۱/۱۲۱، الادب العربی وتاریخہ فی العصر الجاہلی: ۲۶-۲۷، شرح القصائد السبع الطوال الجاہلیات: ۱۳۔

۲- مصادر الشعر الجاہلی: ۲۶۔ ۳- طبقات ابن سعد: ۱/۱۳۹-۱۴۰، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۷۴، امتاع الاسماع: ۲۵، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ للقسطلانی: ۱/۳۲۴-۳۳۶۔

۴- الادب العربی وتاریخہ فی العصر الجاہلی: ۲۶۔

مکہ میں کتب خانے

۱-زید بن عمرو کا کتب خانہ:

زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزی قرشی عدوی یہ زمانہ جاہلی کا دانشور عالم وشاعر تھا اس نے نصرانیوں اور یہودیوں کی مذہبی کتابیں پڑھی تھیں، یہ لوگوں کو بت پرستی، بتوں کے نام نذر و نیاز کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکتا تھا انہیں دینِ ابراہیمی کی طرف بلاتا تھا۔ شام بھی گیا تھا وہاں اس نے راہبوں کی عبادت کا طریقہ دیکھا اور سیکھا تھا، لیکن ورقہ کی طرح یہودیت یا نصرانیت قبول نہیں کی تھی، یہ مکہ آیا اور دین حنیفی پر قائم رہا، اس کی طرف قریش کو دعوت دیتا تھا، اس لیے وہ اس کے مخالف تھے، انہوں نے اسے مکہ سے نکال دیا، یہ حراء کی طرف چلا گیا، خطاب جو اس کے چچا تھے، دن میں اسے مکہ میں نہیں آنے دیتے تھے، یہ رات میں آتا تھا۔

اس نے ورقہ کا مرثیہ لکھا تھا، رسالت مآب ﷺ نے اسے دیکھا تھا اور اس کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ قیامت کے دن امت واحدہ بن کر اٹھے گا۔ (۱)

۲-نضر بن الحارث بن علقمہ قرشی کا اختصاصی کتب خانہ:

یہ حضور اکرم ﷺ کا خالہ زاد بھائی (۲) بہادر اور سردارانِ قریش میں سے تھا۔ نضر اور اس کا باپ دونوں پڑھے لکھے اور دانشور تھے، فارسی پر بھی اسے عبور حاصل تھا، یہ بڑا عیار اور آپ کا جانی دشمن تھا، آپ کی عداوت میں یہودیوں اور نصرانیوں سے میل جول رکھتا۔ (۳) بانسری فارسی سروں میں خوب بجاتا تھا۔ (۴) جنگ بدر میں کفار کا جھنڈا اٹھائے لڑنے آیا تھا مسلمانوں کے ہاتھوں ہی زخم کھا کر گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔ جب

۱-تاریخ بغداد: ۶/ ۴۱۶-۴۱۹، نسب قریش: ۳۶۴، مروج الذہب: ۱/ ۵۶، جمہرۃ انساب العرب: ۱۵۰-۱۵۱، جوامع السیرۃ: ۴۷، تاریخ العرب قبل الاسلام، السیرۃ النبویہ، ص: ۱۹۳، مختار کتاب الاغانی فی الاخبار والتھانی: ۵/ ۲۹۲- ۲۹۴، تجرید کتاب الاغانی من ذکر المثالث والمثانی: ج ۱/ ۳۶۸-۳۷۱۔ ۲-تاریخ الطبری: ۲/ ۴۷۰-۴۷۳۔ ۳- الکامل فی التاریخ: ۱/ ۷۳۔

۴-المعارف: ۲۵۰، جمہرۃ انساب العرب: ۱۲۶، معجم البلدان: ۱/ ۹۴، الانساب: ص: ۲۵۵، البیان والتبیین: ۲/ ۴۳-۴۴، تاریخ الامم والملوک: ۱/ ۴۵۹، کتاب الاغانی: ۴/ ۲۰۳۔

الکتاب کی تعلیمات سے عربوں کی زندگی میں انقلاب رونما ہونے لگا اس کی دل آویزی انہیں اپنا اسیر کرنے لگی، اس نے وحی الٰہی کے مقابلہ میں جاہلی لٹریچر ایرانی داستانیں اور لایعنی قصے ''لھو الحدیث'' ان کے سامنے پیش کرنے شروع کیے جو اس کے پاس ذخیرہ تھے، یہ قریش سے کہتا تم محمد ﷺ سے عاد و ثمود کی داستان سنتے ہو، آؤ میں تمہیں شاہانِ فارس اور رستم واسفندیار کے قصے سناتا ہوں اس طرح یہ لوگوں کو راہِ راست سے روکتا تھا۔(۱)

انہی وجوہ سے محمد بن حبیب نے اس کا شمار زنادقہ قریش میں کیا ہے۔(۲) یہ اہل مکہ سے کہتا تھا:

وَاللهِ مَامُحَمَّدٌ بِاَحْسَنَ حَدِیْثاً مِنِّیْ وَمَاحَدِیْثُهُ اِلَّا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا کَمَا اکْتَتَبْتُهَا۔(۳)

(ترجمہ): واللہ محمد (ﷺ) کی باتیں میری باتوں سے زیادہ اچھی نہیں، ان کی باتیں داستان پارینہ ہیں، انہوں نے وہ لکھوا کر محفوظ کرائی ہیں، جیسا کہ میں تمہیں لکھوا کر انہیں محفوظ کراتا ہوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے اس زمانے میں وہ پڑھے لکھے جن کی معلومات اقوام و ادیان اور اہل کتاب کے متعلق زیادہ نہ تھیں اور اگر تھیں بھی تو اہل فارس کی تاریخی معلومات بالکل نہ تھیں، وہ اس مجلس میں بیٹھ کر یہ معلومات قلمبند کرتے اور اپنے کتب خانے میں اضافہ کرتے تھے۔

اس طرح ایک کتب خانے کے ذخائر سے دوسرے کتب خانے بنتے رہتے تھے اور کتابوں میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

۳-الحارث بن علقمہ قرشی کا کتب خانہ:

یہ نضر کا باپ اور پڑھا لکھا تھا کتابیں نقل کرتا اور شام وحیرہ جو اس دور میں کتابوں کے مرکز تھے، کتابیں خرید کر جمع کرتا تھا، اس کے پاس عربوں کے ادب و تاریخ کے علاوہ ملوک حیرہ و شاہانِ فارس کی تاریخ و ادب کا ذخیرہ بھی محفوظ تھا۔ اس لیے اس کے کتب خانے کو اختصاصی کتب خانے کی حیثیت حاصل تھی۔

دورِ جاہلی میں جن چند قریشی کتب خانوں کا سراغ لگ سکا ان میں الحارث بن علقمہ اور اس کے فرزند نضر کا کتب خانہ متنوع علوم کے اعتبار سے اپنی نوعیت کے واحد کتب خانے قرار دیے جاسکتے ہیں نیز مذکورہ

۱- زاد المسیر فی علم التفسیر: ۱/۳۱۶، اسباب النزول: ۱۶۳۔ ۲-کتاب المحبر: ۱۶۱۔ ۳-السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۸۳-۳۸۴۔

بالاتصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں الحارث اور نضر کا کتب خانہ عجمیوں کی تاریخی داستانوں اور کارناموں پر مشتمل تھا۔

۴-ورقہ بن نوفل کا کتب خانہ:

یہ عالم ودانشور اور ذبیحہ و بت پرستی سے گریزاں تھا، تلاشِ حق میں نصرانی مذہب اختیار کیا سریانی، عبرانی اور عربی تینوں زبان کا ماہر تھا، کتبِ سماوی کا مطالعہ کیا تھا اور کتابیں پڑھتا رہتا تھا، انجیل کا عبرانی سے عربی میں ترجمہ شروع کیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں پورا بھی کر سکا تھا یا نہیں؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کا ذاتی ذخیرہ کتب عبرانی اور عربی زبانوں کے ادب و تاریخ اور مذہبی کتابوں پر مشتمل تھا۔ نصرانی سریانی میں لکھتے اور یثرب کے یہودی عبرانی میں تورات کی تفسیر کرتے تھے اس لیے کچھ بعید نہیں کہ موصوف سریانی بھی جانتے ہوں اور سریانی ادب کا ذخیرہ بھی ورقہ کے پاس موجود ہو۔ (۱)

مورج بن عمرو سدوسی نے ''کتاب حذف من نسب قریش'' میں موصوف کے متعلق تصریح کی ہے کہ ''کان ممن قرأ الکتاب'' (۲) یہ ان دانشوروں میں سے تھے جنہوں نے کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی اتری اور اس کا ماجرا حضرت خدیجہؓ کو سنایا، وہ آپ کو اس کے پاس لے کر آئی تھیں جس کا تفصیلی ذکر صحیح البخاری میں مذکور ہے۔ (۳) اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی زمانہ پایا تھا۔ لیکن اس کے اسلام میں اختلاف ہے بعض علماء ایمان کے قائل اور بعض منکر ہیں، مورخ ذہبی ،سیر اعلام النبلاء میں رقمطراز ہیں:

> اَمَّا وَرَقَةُ فَتَنَصَّرَ وَاسْتَحْكَمَ فِي النَّصْرَانِيَّةِ وَحَصَّلَ الْكُتُبَ وَعَلِمَ عِلْماً كَثِيراً ،وَرَقَةُ لَوْاَدْرَكَ هٰذَا (تَعْذِيْبَ بِلَالٍ) يُعَدُّ مِنَ الصَّحَابَةِ ،اَوْاِنَّمَا مَاتَ الرَّجُلُ فِيْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ وَقَبْلَ الرِّسَالَةِ (اَلدَّعْوَةِ) كَمَا فِي الصَّحِيْحِ۔ (۴)

لیکن ورقہ نے نصرانی مذہب اختیار کیا اور اس پر قائم رہا کتابیں جمع کیں اور بہت علم حاصل کیا، ورقہ

۱-المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ۱۸۴۔ ۲-کتاب من حذف نسب قریش: ۵۴۔

۳- عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ۱/۵۴، شرح صحیح مسلم: ۲/۲۰۲-۲۰۳ ،ارشاد الساری شرح صحیح البخاری: ۱/۲۸، تہذیب الکمال: ۱/رق ۳۶۹-۳۶۷، کتاب الاغانی: ۳/۱۱۹-۱۲۲۔ ۴-سیر اعلام النبلاء: ۱/۸۷۔

نے اگر حضرت بلالؓ کی کفار کے ہاتھوں ایذا رسانی کا زمانہ پایا ہوتا تو اس کا شمار صحابہ میں کیا جاتا یہ نبوت کے بعد اور قبل دعوت رسالت فترۃ وحی کے زمانے میں مر گیا، جیسا کہ صحیح میں مذکور ہے۔

حصل الکتب و علم علما کثیرا" کے مذکورۂ بالا الفاظ اس کے پاس کتب خانہ ہونے کا بین ثبوت ہیں۔

مورخین جو اس کے اسلام کے قائل ہیں ان کی تحقیق کے مطابق صحابہؓ میں سب سے پہلا نجی کتب خانہ ورقہ بن نوفل کا قرار پاتا ہے۔(۱)

دورِ جاہلی کے کتب خانوں میں موصوف کے کتب خانے کو اختصاصی کتب خانہ کہا جاسکتا ہے اس لیے کہ اس میں مختلف زبانوں میں مذہبی لٹریچر موجود تھا۔

مکہ میں خواتین کے کتب خانے فاطمہ بنت مر خثعمیہ کا کتب خانہ:

یہ عبداللہ بن عبدالمطلب کی معاصر تھی، پڑھی لکھی شاعرہ اور نہایت حسین و جمیل تھی، چنانچہ ہشام بن محمد بن السائب کلبی، ابوالفیاض خثعمی سے ناقل ہے: وَکَانَتْ قَدْ قَرَأَتِ الْکُتُبَ۔(۲)

اور اس نے کتابیں پڑھی تھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں خواتین کے یہاں بھی شخصی کتب خانہ موجود تھا، اور مکہ میں یہ خواتین کا دوسرا کتب خانہ تھا۔

قریشی خاتون قتیلہ کا کتب خانہ:

یہ قریشی خاتون ورقہ کی ہمشیرہ دانشور و عالمہ تھی، موصوفہ کے پاس بھی کتابوں کا ذخیرہ تھا اس کا مطالعہ کرتی رہتی تھی چنانچہ مورخ واقدی کا بیان ہے:

کَانَتْ تَنْظُرُ فِی الْکُتُبِ۔(۳)

موصوفہ کتابوں کا مطالعہ کرتی رہتی تھیں۔

۱- الروض الانف: ۱/۱۴۴، ۱۵۶-۱۵۷، عمدۃ القاری: ۱/۵۵، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ: ۵/۸۸، البدایۃ والنہایۃ، السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۳-۴۸، کتاب الاشتقاق: ص: ۱۶۴ فتوح البلدان: ۱/۱۰۶۔

۲- الطبقات الکبری: ۱/۹۶، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب: ۳/۳۰۵، مجمع الامثال: ۲/۵۱، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۵۶۔

۳- انساب الاشراف: ۱/۸۱۔

ڈاکٹر جواد علی کا خیال ہے کہ یہ سریانی اور عبرانی زبانیں بھی جانتی تھی،(۱) بلکہ جب ورقہ کی بینائی جاتی رہی تو یہی اسے مذہبی کتابیں پڑھ کر سناتی تھی۔

اس حقیقت کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ قریش کی بعض خواتین کے پاس ذاتی کتب خانہ موجود تھا۔

طائف میں کتب خانہ

اُمیۃ بن اُبی الصلت کا کتب خانہ:

یہ ادیب، شاعر، حکیم، عالم و عابد تھا، شراب و بت پرستی کو حرام سمجھتا تھا، روزے رکھتا تھا حشر و نشر کا قائل تھا، ٹاٹ جیسا لباس پہنتا تھا، اس کا باپ اور بیٹا قاسم بھی شاعر تھے، یہ اور ورقہ دونوں تلاش حق میں شام گئے تھے،(۲) غالباً وہاں سے یہ کتابیں لایا تھا، دینی کتابیں پڑھتا تھا اس کا مطالعہ وسیع تھا چنانچہ زبیر بن بکار نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے:

كَانَتْ اُمَيَّةُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَظَرَ الْكُتُبَ وَقَرَأَهَا (۳)

امیہ نے دورِ جاہلی میں کتابوں کا مطالعہ کیا اور دینی کتابوں کو پڑھا تھا۔

اس نے دینی کتابوں کا اتنا گہرا مطالعہ کیا تھا کہ اپنے اشعار میں کتب قدیمہ کے ایسے الفاظ اور تلمیحات استعمال کرتا تھا جنہیں وہ سمجھتا تھا یا کچھ وہ سمجھ سکتے تھے جن کی نظر مذہبی لٹریچر پر تھی مگر عام عرب ان کو نہیں جانتے تھے، انہیں وجوہ سے ائمہ لغت اس کے اشعار سے استدلال نہیں کرتے۔

اس نے عرب میں سب سے پہلے سرنامہ پر **باسمک اللھم** (اے اللہ میں تیرے نام سے کام کا آغاز کرتا ہوں) لکھا اور پھر قریش نے بھی سرنامہ پر یہی لکھنا شروع کیا(۴)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موصوف کے پاس مراسلات اور کتابوں کا ذخیرہ تھا۔

۱-المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ص:۱۸۵۔

۲-کتاب الاغانی: ۱۷/ ۳۰۳،الاصابہ: ۱/ ۱۳۴،طبقات الشعراء: ۱/ ۲۲۶-۲۲۷،کتاب الاشتقاق: ۱۸۴،سمط اللآلی: ۳۶۲-۳۶۳،جمہرۃ انساب العرب، ۶۹ھ۔

۳-الشعر والشعراء: ۱/ ۴۵۹،کتاب الاغانی: ۱/ ۱۲۱،ج: ۳/ ۱۸۰،طبقات الشعراء: ۱/ ۲۶۳۔

۴-کتاب الاغانی: ۳/ ۱۲۳،لسان العرب: ۱/ ۶۲-۶۹،تہذیب الکمال: ۲رق، ۱/ ۵۰۹-۵۱۵۔

مدینہ میں کتب خانے

حضرت ابی بن کعب انصاری کا کتب خانہ:

دور جاہلی میں پڑھے لکھے اور دانشوروں میں ان کا شمار تھا، مورخ ابن سعد کا بیان ہے:

اور ابی، اسلام سے پہلے جاہلیت میں لکھتے پڑھتے تھے اور عرب میں لکھنے پڑھنے کا چلن کم تھا، اور موصوف اسلام کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی (قرآن) لکھتے تھے۔(۱)

مورخ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں تصریح کی ہے کہ موصوف نے سب سے پہلی وحی کی کتابت کی اور کتب فلاں بن فلاں کی طرف سے فلاں کو لکھا گیا، کا سلسلہ شروع کیا تھا۔(۲)

خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعب کتب قدیمہ کے بھی عالم تھے۔(۳) اسلام لائے تو بدر واحد اور دوسرے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، آپ نے انہیں ''سید القرّاء'' (قاریوں کا سردار) کا لقب دیا، قرآن کا کاتب بنایا ان چار یا چھ صحابہ میں ان کا شمار ہے جنہوں نے عہد رسالت میں قرآن جمع اور یاد کیا تھا اور ان مجتہدین وحفاظِ حدیث میں سے ہیں جو عہدِ رسالت میں فتویٰ دیتے تھے اور قرآن جمع کیا تھا۔(۴)

موصوف کا مصحف محمد بن عبدالملک انصاری کے پاس ''قریۃ الانصار'' میں جو بصرہ سے دو فرسخ کی مسافت پر واقع تھا موجود تھا۔ ابن الندیم نے اس کو دیکھا تھا کتاب الفہرست میں اس کا اس نے تعارف کرایا ہے۔(۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب کے پاس کتابی ذخیرہ موجود تھا اور ان کا مصحف چوتھی صدی ہجری تک بصرہ میں محفوظ تھا۔

بشیر بن سعد خزرجی انصاری کا کتب خانہ:

زمانہ جاہلیت میں موصوف کا شمار ان تعلیم یافتہ افراد میں تھا جو لکھتے پڑھتے رہتے تھے، مورخ ابن سعد کا

۱-الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۴۹۸، حلیۃ الاولیاء: ب،ت، ۱/ ۲۵۰-۲۵۶، طبقات الفقہاء: ۱۳، ۱/ ۳۱، تہذیب الکمال: ۲/ ۲۶۲، تہذیب التہذیب: ۱/ ۱۸۷، الکواکب الدریۃ فی تراجم السادۃ الصوفیۃ: ۱/ ۴۵-۴۷۔ ۲-اسد الغابہ، ۱/ ۵۰۔

۳-الاعلام للزرکلی: ۱/ ۸۲۔ ۴- تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۶-۱۷، سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۸۹۔ ۵-الفہرست: ۲۹-۳۰۔

بیان ہے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ دورِ جاہلی میں عربی میں لکھتے پڑھتے تھے اور اس زمانے میں عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا۔(۱)

اس سے ظاہر ہے کہ موصوف کے پاس کتابی ذخیرہ موجود تھا۔

حضرت بشیر بن سعدؓ عبداللہ بن رواحہ کے بہنوئی تھے بدری صحابی ہیں تمام غزوات میں شرکت کی ،۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے موصوف کو مدینہ کا گورنر بنایا تھا، انصار میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ سے انہی نے بیعت کی تھی، عہدِ صدیقی میں جنگ یمامہ سے واپسی پر عین التمر میں شہادت پائی۔

ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے ان کے فرزند نعمان پیدا ہوئے تھے اور ابراہیم بن بشیر شاعر تھے۔(۲)

ابو مالک رافع بن مالک بن عجلان خزرجی انصاری کا کتب خانہ:

عہدِ جاہلی کے مردان کامل پڑھے لکھے دانشوروں میں سے تھے، چنانچہ مورخ ابن سعد کا بیان ہے:

رافع بن مالک مردان کامل میں سے تھے، جاہلیت میں کامل وہ شخص ہوتا تھا جو لکھتا پڑھتا، تیرتا اور تیر اندازی خوب جانتا تھا۔ کتابت وقراءت کا عرب قوم میں چلن کم تھا۔(۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موصوف کے پاس لکھنے پڑھنے کا ذخیرہ کتب خانہ موجود تھا۔

حضرت رافع اور معوذ بن عفراء انصار میں سب سے پہلے مکہ میں حضور اکرم ﷺ سے ملے اور اسلام لائے تھے، نقباء انصار میں ان کا شمار ہے یہ بدر میں شریک نہ ہو سکے لیکن ان کے فرزند رفاعہ اور حلاد شریک ہوئے تھے، اُحد میں شریک ہوئے اور شہادت پائی(۴)۔

سوید بن الصامت کا کتب خانہ:

زمانہ جاہلیت میں اس کا شمار مردان کامل (تعلیم یافتہ مہذب افراد میں تھا، مزید برآں یہ شعر گوئی

۱-الطبقات الکبری:۳/۵۳۱، تہذیب الکمال:۴/۱۲۶، تہذیب التہذیب:۱/۴۶۴، الاصابہ:۱/۱۵۸، البدایۃ والنہایۃ:۶/۳۵۳۔

۲-جمہرۃ انساب العرب:۳۶۴۔ ۳-الطبقات الکبری:۳/۶۲۳۔

۴- الاصابہ:۱/۴۹۹(۲۵۴۴) تہذیب التہذیب:۳/۲۲۱۔

بہادری اور حسب ونسب میں بھی ممتاز تھا، مورخ ابن الاثیر اس کے متعلق اسد الغابہ میں رقمطراز ہیں:

كَانَ شَاعِراً مُحسِناً كَثِيْرَ الْحِكَمِ فِيْ شِعْرِهٖ، وَكَانَ قَوْمُهٗ يَدْعُوْنَهُ الْكَامِلَ لِحِكْمَةِ شِعْرِهٖ، وَشَرَفِهٖ فِيْهِمْ (۱)۔

(ترجمہ): یہ اچھا شاعر تھا اپنے اشعار میں حکمت زیادہ بیان کرتا تھا، اس کی قوم اس مرد کامل کے پاس اس کے حکیمانہ اشعار اور اس کے شرف کی وجہ سے جو اسے اپنی قوم میں حاصل تھا آتی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ جاہلی میں تعلیم یافتہ افراد کو علم سے آراستہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں قدر ومنزلت حاصل تھی اور لوگ ان سے استفادہ کی خاطر اس کے پاس آئے تھے، اخیر عمر میں حج وعمرہ کی غرض سے مکہ میں آیا اور دار بنی عمر بن عوف میں ٹھہرا، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی بہت بوڑھا تھا، آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے کہا میرے پاس حکمت ودانائی کی کتاب ہے، آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے مجلہ لقمان پیش کیا، آپ نے فرمایا میرے پاس اس سے بھی افضل واعلیٰ کتاب "قرآن" ہے جو سراسر ہدایت ونور ہے۔

پھر یہ مدینہ چلا گیا، محذر بن زیاد نے اس خیال سے کہ یہ مسلمان ہوگیا ہے جنگ بعاث (۲) سے قبل اسے مدینہ میں قتل کر دیا۔ (۳)

مذکورۂ بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا اور سفر میں بھی کتاب ساتھ رکھتا تھا، اس سے ظاہر ہے کہ اس کے پاس بھی کتابوں کا ذخیرہ وکتب خانہ تھا، اور اس کا ذخیرہ کتب اختصاصی نوعیت کا تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجلہ لقمان آخر عہد جاہلی تک موجود تھا۔

نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر فن میں کتاب کہلانے کی مستحق وہی کتاب ہے جو رہنمائی وروشنی کا کام دے، ورنہ وہ کتاب کتاب کہلانے کی مستحق نہیں۔

ابو محمد عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ انصاری خزرجی، عہدِ جاہلی کے دانشور اور مردان کامل میں سے تھے

۱- اسد الغابہ: ۲/ ۳۷۸۔ ۲- بعاث مدینہ میں ایک مقام تھا، جہاں یہودی بنی قریظہ آباد تھے۔

۳- السیرۃ النبویۃ: ط: ۱/ ۴۲۶-۴۲۷، ۲/ ۵۲۰، ۲/ ۸۹، فتوح البلدان: ۱/ ۲۳۸، ۲۷۵، معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع: ۱: ۳۶۱، روض الانف: ۱/ ۲۶۵-۲۶۶، الاصابہ: ۲/ ۹۸، کتاب الاغانی: ۳/ ۲۵۔

،انصار کے نقیب اور بیعتِ عقبہ میں شریک تھے، فتح مکہ کے سوا تمام غزوات میں شریک تھے، خزرجی فحول شعراء (نامور شعراء) میں حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ کا شمار ہے۔(۱) دربارِ رسالت کے شاعر تھے، ابن سعد کا بیان ہے۔

كَانَ يَكْتُبُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَتِ الْكِتَابَةُ فِي الْعَرَبِ قَلِيْلَةً۔(۲)

یہ جاہلیت میں لکھتے پڑھتے تھے اور لکھنے پڑھنے کا عرب میں کم رواج تھا۔

سورۃ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیات میں اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں جو استثناء ہے وہ انہی کے متعلق ہے۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (۲۲۴)

(ترجمہ): اور رہے شاعر تو ان کی پیروی بدراہ لوگ کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (۲۲۵)

(ترجمہ): کیا تجھے خبر نہیں کہ وہ شاعر ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (۲۲۷)

(ترجمہ): البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور بعد میں اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا اس کا بدلہ لیا تو وہ اس حکم میں داخل نہیں)۔

ابو عقیل لبید بن ربیعہ بن مالک عامری:

دورِ جاہلیت کے نامور شاعر شہسوار اور سخی تھے سبع معلّقات میں چوتھا انہی کا معلّقہ ہے، وفد بنی کلاب کے ہمراہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اسلام لائے پھر شعر گوئی چھوڑ دی، کوفہ میں سکونت اختیار کی، دورِ جاہلی میں لکھتے پڑھتے تھے، حافظ ابن حجر کتاب الاصابہ میں رقمطراز ہیں:

كَانَ يُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ مِثْلَ غَيْرِهِ مِنْ عُقَلَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ كَقَيْسِ بْنِ سَاعِدَةَ وَزَيْدِ بْنِ عَمْرٍو

(ترجمہ): زمانہ جاہلیت میں حشر و نشر پر ایمان رکھتے جیسے جاہلی دانشور قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو

۱۔معجم الشعراء: ۱/۲۱۵۔ ۲۔الطبقات الکبریٰ: ۳/۱، ۲/۷۹، الاصابہ: ۲/۳۰۶، (۴۶۷۶) تہذیب التہذیب: ۵/۲۱۲، تہذیب الکمال: ۱۴/۵۰۶۔

وغیرہ رکھتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ"

ترجمہ: سب سے زیادہ سچا کلمہ شاعر (لبید) کا یہ مصرعہ ہے، سنو، اللہ کے ماسوا ہر چیز باطل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حاکم کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ لبید اور اعتب عجلی نے جو کلام دورِ اسلامی میں کہا ہو قلمبند کراؤ، تو موصوف گھر میں گئے سورہ بقرہ و آل عمران لکھ کر پیش کی اور کہا اللہ تعالی کے کلام کے بعد میں نے شعر کہنا چھوڑ دیا، حضرت عمر نے ان کا وظیفہ بڑھا دیا۔(۱) ان کی بیٹی بھی شاعرہ تھیں۔(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر گوئی سے کنارہ کشی کے باوجود ان کے گھر میں سامان کتابت موجود تھا، کچھ بعید نہیں کہ ثقافتی اور علمی ورثہ بھی نہاں خانہ میں محفوظ ہو۔

نجد میں کتب خانے

اَکثم بن صیفی کا کتب خانہ:

جاحظ نے موصوف کا تعارف حسب ذیل الفاظ میں کرایا ہے:

وَمِنَ الْخُطَبَاءِ الْبُلَغَاءِ وَالْحُكَّامِ الرُّؤَسَاءِ أَكْثَمُ بْنُ صَيْفِي۔(۳)

(ترجمہ): اور فصیح و بلیغ خطیبوں اور سردار حکام میں سے اکثم بن صیفی تھا۔

یہ عہدِ جاہلی کا نامور دانشور و حکیم تھا اس نے لمبی عمر پائی تھی اس کی حکمت آمیز باتیں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں شاہان وقت اس کے زریں اقوال اور ضرب الامثال کے شیدائی تھے؛(۴) چنانچہ شاہ نجران بادشاہ شام حارث بن ابی شمر غسانی (۰۰-۸ھ، ۰۰-۶۳۰م) شاہ حیرہ نعمان بن منذر اس سے فرمائش کرتے تھے کہ اپنے

۱-الاصابہ: ۳/۳۲۶، (۷۵۴۱)، کتاب المعمرین: ۶۶، الشعر والشعراء: ۲۳۹، الشعر والشعراء: ۱/۲۷۵۔
۲-کتاب الاغانی: ۱۵/۲۷۱۔ ۳- البیان والتبیین: ۱/۳۶۵۔ ۴-الاصابہ: ۱/۱۱۸۔

اقوال زریں تحریر فرمائیں اور انہیں بھیج دیں۔(۱)

اس نے اسلام کا ابتدائی زمانہ پایا اور اپنے قبیلہ کے سو افراد کے ہمراہ اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آرہا تھا کہ راستہ ہی میں مرگیا۔

اس کا پڑھنا لکھنا اور اپنے حکیمانہ اقوال قدر دانوں کی فرمائش پر انہیں بھیجنا اس کے پاس کتابی ذخیرہ کی نشاندہی کرتا ہے اس کا ذخیرہ شاہان وقت کے خطوط اور اس کے حکیمانہ اقوال پر مشتمل تھا اس میں اہل علم کی کتابیں بھی ہوں تو کچھ عجب نہیں۔

بجیر بن زہیر بن ابی سلمٰی کا کتب خانہ:

جیسا کہ معلوم ہے کہ زہیر بن ابی سلمٰی کا خانوادہ شاعروں اور پڑھے لکھوں کا گھرانہ تھا، بجیر دورِ جاہلی کا شاعر و کاتب تھا، اس نے فتح مکہ ۸ھ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، فتح مکہ و غزوہ حنین میں شریک رہے، اور اس موقع پر شعر بھی کہے تھے، اپنے بڑے بھائی کعب کے ان اَشعار کا جو اس نے ان کے اسلام قبول کرنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلم خواتین کے متعلق کہے تھے ان کا منظوم جواب لکھ کر بھیجا تھا۔(۲)

اَشعار کا منظوم تبادلہ ان کے پاس کتابی ذخیرہ کی موجودگی کو بتاتا ہے۔

حنظلہ بن الربیع بن صیفی تمیمی اسدی کا کتب خانہ:

عہدِ جاہلی کے پڑھنے لکھنے والوں میں ان کا شمار تھا، مورخ ابن سعد موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مرتبہ خط لکھوایا تو ان کا نام ہی کاتب پڑ گیا حالانکہ عربوں میں نوشت وخواند کا رواج کم تھا۔(۳) موصوف اکثم بن صیفی کے جو دورِ جاہلی کا نامور دانشمند اور دانشور تھا، بھتیجے تھے، یہ پورا خانوادہ علمی گھرانہ تھا، جو اس امر کا شاہد ہے کہ موصوف کے پاس پڑھنے لکھنے کا ذخیرہ و کتب خانہ تھا''۔

۱-کتاب المعمرین:۲۲-۲۴، جمہرۃ انساب العرب:۲۱۰۔ ۲-طبقات الشعراء:۱/۹۹-۱۰۰، الشعر والشعراء:۱/۱۳۷، ۱۴۱، ۱۵۴، البدایۃ والنہایۃ:۴/۳۱۲، ۳۵۱، ۳۶۹، الاصابہ۱/۱۳۸، الاستیعاب:۱/۱۶۸-۱۶۹۔

۳-الطبقات الکبری:۶/۵۵، الجرح والتعدیل:۳/۲۳۹، البدایۃ والنہایۃ:۵/۳۴۲-۳۴۳، الکامل فی التاریخ:۱/۵۸-۵۹، جمہرۃ انساب العرب:ص:۲۱۰، الاصابہ۱/۳۵۹-۳۶۰، تہذیب التہذیب:۳/۶۰، تہذیب الکمال:۷/۴۳۸۔

ربیع بن زیاد بن عبداللہ بن سفیان عبسی:

یہ عہدِ جاہلی کا نامور شہسوار، دانشور، کاتب وشاعر تھا، سیاسی بصیرت وفراست رکھنے والے عربوں میں اس کا شمار تھا، یہ نعمان بن المنذر کے دربار سے وابستہ تھا۔ حرب داحس وغبرا (جو دو ہم جدی قبیلوں عبس اور ذبیان کا مابین گھوڑ دوڑ میں ذرا سی بے قاعدگی پر چھڑی اور چالیس برس تک جاری رہی) میں شریک تھا اس کا حضرت لبیدؓ سے نعمان کے دربار میں معرکہ رہا تھا۔ (۱)

زہیر بن ابی سلمٰی کا کتب خانہ:

دورِ جاہلی کے نامور شعراء میں اس کا شمار ہے۔ (۲) اس کا معلّقہ مشہور ہے، یہ اوس بن حجر تمیمی (۹۸-تقریباً ۲ ق ھ = ۵۳-تقریباً ۶۲۰ء) کے اشعار کا راوی اور خطیبہ جرول بن اویس عبسی (۰۰-۴۵ھ) کا استاد تھا (۳)، مالدار، بُردبار و پرہیزگار تھا، (۴) اس کا خانوادہ، شاعروں کا گھرانہ تھا باپ، ماموں بشامہ بن الغدیر، بہن سلمٰی اور خنساء بیٹے کعب وبجیر اور سالم (۵) پوتا، عقبہ شاعر تھے۔ (۶)

یہ اطراف مدینہ مزینہ میں پیدا ہوا اور حاجر (دیارِ نجد) میں رہا، مشہور ہے ایک ماہ میں ایک قصیدہ لکھتا اور سال بھر اس میں غور وفکر کرتا تھا اس لیے اس کے قصائد حولیات (سالی قصائد) کہلاتے ہیں۔ (۷)

یہ ہرم بن سنان کی مدح میں قصائد لکھتا اور انعام پاتا تھا۔ اس کا خاندانی شاعر وراوی ہونا اور سال بھر قصیدہ پر غور کرنا، یہ تمام ایسے قرائن وشواہد ہیں جن سے ظاہر ہے کہ اس کے پاس دواوین، شعراء کے مجموعے اور کتابی ذخیرہ موجود تھا۔

ابوعبس عبدالرحمن بن جبر اوسی (۸) کا کتب خانہ:

ابوعبس عبدالرحمن بن جبر بن عمرو اوسی موصوف دورِ جاہلی میں لکھتے پڑھتے تھے، مورخ ابن سعد کا

۱- کتاب الاغانی: ۱۶/ ۲۰-۲۴۔ ۲- کتاب الاغانی: ۱/ ۲۸۸۔ ۳- الشعر والشعراء: ۱/ ۱۳۷۔
۴- کتاب الاغانی: ۱۰-۳۰۹۔ ۵- ایضاً: ۳۱۴۔ ۶- الشعر والشعراء: ۱/ ۱۴۳۔
۷- ایضاً: ۶۱، مختار کتاب الاغانی: ۵/ ۳۲۶-۳۳۹، تجرید الاغانی: ۳ ق، ۱/ ۱۲۲۹-۱۲۴۰۔
۸- حافظ ابن حجر نے الاصابہ ۴/ ۱۳۰ (۷۳۴) میں ابوعبس بن جابر سے نقل کیا ہے۔

بیان "اسلام سے قبل، ابوعبس عربی میں لکھتے پڑھتے تھے حالانکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا۔(۱)

اس سے ظاہر ہے کہ موصوف کے پاس بھی پڑھنے لکھنے کا ذخیرہ کتب خانہ موجود تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن جبر بدر اور دوسرے تمام معرکوں میں شریک رہے، عہدِ عثمانی میں مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کیے گئے۔ ان کی قبر میں چار بدری صحابی، ۱- ابو بردہ بن نیار، ۲- قتادہ بن النعمان، ۳- اور محمد بن مسلم اور سلمہ بن سلامہ اترے تھے، یہ مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ کا کتب خانہ:

کعب اور اس کے چھوٹے بھائی بجیر کا قیام دیار غطفان، نجد میں وادی القریٰ اور جبال طے کے قریب تھا، یہ دونوں بھائی ابرق العزاف جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے سے گزرے تو بجیر نے کعب سے کہا یہ بکریاں ہیں تم ذرا ٹھہرو میں محمد (ﷺ) کی باتیں سن کر آیا، یہ جب دربارِ اقدس میں پہنچا تو اسلام کی دولت سے سرفراز ہوا، کعب زیادہ انتظار نہ کرسکا اور چل دیا، اور چھوٹے بھائی کو منظوم خط لکھ کر بھیجا جس میں اس کے اسلام قبول کرنے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلم خواتین پر طعن وتشنیع تھی، حضور اکرم ﷺ کو جب ان اشعار کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا خون مباح کردیا، بجیرؓ نے اسے منظوم جواب لکھ کر بھیجا اور کہا تم توبہ کرلو اسلام لاؤ، تو رسول اللہ ﷺ معاف کردیں گے، چنانچہ کعب نے رسول اللہ کی طائف سے واپسی پر ایسا ہی کیا، وہ حضرت ابوبکر کے پاس گیا اور اپنا ارادہ ظاہر کیا، وہ اسے لے کر دربارِ اقدس میں آئے اور کہا ایک شخص اسلام لانا چاہتا ہے آپ نے ہاتھ بڑھایا اس نے کلمہ پڑھا پھر چہرے سے رومال ہٹایا تو آپ ﷺ نے پوچھا تم نے وہ شعر کہے تھے کہنے لگے میں نے اس طرح سے کہے تھے پھر وہ مشہور قصیدہ پڑھا جو قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر اسے دے دی تھی۔ جسے بعد میں حضرت معاویہؓ نے اس کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں خریدا اسے خلفاء بنی امیہ عید کے دن عیدگاہ زیب تن کر کے جاتے تھے، پھر خلیفہ منصور عباسی نے اسے چالیس ہزار درہم میں خریدا۔ اور وہ بھی عید کے دن اسے جسم پر ڈال کر عیدگاہ جاتے تھے۔(۲)

کعب کا بیٹا عقبہ اور پوتا عوام بھی شاعر تھے۔ منظوم خطوط کا تبادلہ ان کے پاس منظوم مجموعوں کی نشاندہی

۱- الجرح والتعدیل: ۵/ ۲۲۰، الشعر والشعراء: ۲۲۶، الکامل فی التاریخ: ۳/ ۴۳، تہذیب الکمال: ۲/ ۱۶۲۱، سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۸۸-۱۸۹، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۱۵۶، الاصابہ، ۴/ ۳۰، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ۲۴۔ ۲- الشعر والشعراء: ۶۷-۶۸۔

کرتا اور کتابی ذخیرہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

معن بن عدی ابن الجد ابن العجلان قضاعی عقبی:

معن دورِ جاہلی کے تعلیم یافتہ افراد میں سے تھے، مورخ ابن سعد کا بیان ہے موصوف دورِ جاہلی میں عربی میں لکھتے پڑھتے تھے اور اس دور میں عرب میں لکھنا پڑھنا کم تھا۔(۱)

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے پاس بھی کتابی ذخیرہ موجود تھا۔

معن بدر اور دوسری تمام جنگوں میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، فرماتے تھے صحابہ تمنا کرتے تھے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مر جائیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی آزمائش میں نہ پڑیں میں اسے پسند نہیں کرتا تھا کہ میں آپ سے پہلے مروں، میں چاہتا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اسی طرح تصدیق کروں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی تصدیق کرتا تھا، مسیلمہ کذاب کے معرکہ میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

پادری قس بن ساعدہ کا کتب خانہ:

قس بن ساعدہ بن عمرو(۲) ایادی یہ عہدِ جاہلی کا نامور ادیب، شاعر، طراز خطیب اور دانشور تھا۔(۳) لمبی عمر پائی تھی، آخرت پر ایمان رکھتا تھا اس کے خطبات شعرِ جاہلی کے شاہکار ہیں جنہیں عرب زبانی یاد کرتے اور قدر کرتے تھے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں اسے سوقِ عکاظ میں دیکھا اور اس کا حکمت آموز خطبہ سنا تھا۔

عرب میں سب سے پہلے اس نے عصا پر ہاتھ رکھ کر خطبہ دیا، خطبہ کا آغاز لفظ امابعد سے کیا اور اپنے مکتوب میں من فلان الی فلان، فلاں کی طرف سے فلاں کے نام سے مکتوب کا آغاز کیا تھا۔(۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم اس سے خط وکتابت کرتے تھے اور یہ انہیں جوابات دیتا تھا جو اس

۱-الطبقات الکبری: ۳/۶۵۴، سیر اعلام النبلاء: ۱/۳۲۰۔ ۲-اس کے دادا کے نام میں اختلاف ہے۔ ۳-معجم الشعراء: ۱/۳۶۵۔

۴-کتاب المعمرین: ۸۷-۹۰، الشعر والشعراء: ۲۲۲-۲۲۳، شرح المقامات الحریریہ: ۱۸۵-۱۸۶، کتاب الاغانی: ۱۵/۲۴۶-۲۴۸، البدایہ والنہایہ: ۲/۲۳۰، تجرید الاغانی: ۲/۱۶۵-،، الاصابہ: ۵/۳۸۵۔

امر کا بین ثبوت ہے کہ اس کے پاس تحریری سرمایہ اور کتب خانہ موجود تھا۔

یمن میں کتب خانہ

المرقش الاکبر کا کتب خانہ:

المرقش الاکبر عوف بن سعد بن مالک بن ضبیعہ الوائلی التمیمی یمن میں پیدا ہوا عراق میں تربیت پائی ،عہد جاہلی کے طبقہ اولی کا شاعر ادیب ،وشجاع تھا ،حارث بن ابی شمر غسانی کا ندیم وکاتب رہا ،اس کے باپ نے اسے اور اس کے بھائی حرملہ کو حیرہ کے نصرانی سے لکھنے پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔(۱)

مرقش اکبر اور مرقش اصغر ربیعہ بن سفیان کا اور وہ طرفہ العبد کا چچا تھا۔(۲) یہ اپنے اشعار قلمبند کرتا تھا ،سفر میں ایک بار اس نے اپنے اشعار اونٹنی کے کجاوے پر لکھتے تھے (۳)۔

مذکورہ بالا تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پاس تحریری سرمایہ اور شخصی کتب خانہ موجود تھا ،نیز اس کے بھائی حرملہ کے پاس بھی کتب خانہ ہو تو کچھ عجب نہیں۔

حیرہ (عراق) میں کتب خانے

حیرہ میں عامر ابن الطرب کا کتب خانہ:

یہ زمانہ جاہلیت میں لمبی عمر پانے والوں میں تھا ،دانشور ،خطیب ،شاعر اور قبیلہ مضر کا قائد تھا۔ اس کے پاؤں میں چھ انگلیاں تھی اس لیے اس کو ذوالاصبع (انگلی والا) کہا جاتا تھا (۴)۔جاحظ نے اسے اسی زمرہ میں داخل کیا جس میں اکثم بن صیفی کو شمار کیا ہے (۵)۔یہ فہم وفراست میں اپنے زمانے میں اپنی نظیر آپ تھا۔

اس کے پاس ضرب الامثال اور حکیمانہ اقوال کا مجموعہ موجود تھا ،جب اسے شاہ غسان سے جان کا خطرہ ہوا تو یہ اس مجموعہ کو اپنی قیام گاہ پر چھوڑ کر بھاگا جسے اس نے کنز العلم خزانہ علم سے تعبیر کیا اور کہتا تھا ،جو اسے پڑھے گا اسے وہ کتاب اسی طرح بھائے گی جس طرح میرا علم لوگوں کو بھاتا اور پسند آتا ہے۔(۶)

۱-کتاب الاغانی:۶/۱۲۷-۱۳۵۔ ۲-کتاب الاغانی:۶/۱۳۶۔ ۳- شرح دیوان المفضلیات:۴۶۰۔ ۴-کتاب المعمرین:۵۶۔
۵-رسالۃ الجد والہزل:۱/۳۶۵۔ ۶-کتاب المعمرین:۶۲-۶۳،مجمع الامثال:۱/۴۱،۲/۲۵۰،۲۷۶،السیرۃ النبویۃ:۱/۴۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حکمت آمیز کلام وکلمات کو ہر طبقہ میں شہرت وقبولیت حاصل تھی۔

عدی بن زید نصرانی کا کتب خانہ:

عدی بن زید بن حماد(۱) بن زید عبادی تمیمی نصرانی، خوبصورت ودل آویز شخصیت رکھتا تھا، دورِ جاہلی کا شاعر، کاتب، دانشور، عربی وفارسی کا ماہر کسریٰ کے دربار میں پہلا عرب ترجمان تھا۔(۲) ابن منظور الافریقی مختار الاغانی میں اس کے متعلق رقمطراز ہیں:

اس کے باپ نے اسے کاتبوں کے پاس چھوڑا تو اس نے لکھنا اور فارسی میں گفتگو کرنا سیکھ لیا تا آنکہ یہ پڑھے لکھوں میں سب سے زیادہ سمجھدار اور ان میں سب سے زیادہ فصیح عربی بولنے والا بن کر نکلا، اس نے شعر کہا اور کمان سے تیر چلانا سیکھا۔(۳)

جو گویا مردان کامل کا شیوہ وامتیاز تھا اس میں دسترس حاصل کی ابن قتیبہ نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَدْ قَرَأَ الْكُتُبَ (۴) اس نے کتابیں پڑھی تھیں۔

کسریٰ نے اسے شاہ روم طیباریوس دوم (Tiberius2) کے دربار میں سفیر بنا کر قسطنطنیہ بھیجا پھر یہ مدائن آیا اور اس نے شاہ نعمان بن المنذر کی بہن ہند سے شادی کی بعد میں حاسدوں نے نعمان کو اس کے خلاف بھڑکایا آخر اس نے حیرہ میں اسے قتل کرادیا۔

یہاں کے دیہات میں اس کی آمد ورفت رہتی تھی اس لیے عربی نجد کی عربی نہیں رہ سکی تھی چنانچہ ائمہ لغت اس کے اشعار کو قابل استدلال واستشہاد تسلیم نہیں کرتے۔

اس کا خانوادہ شعراء کا خانوادہ تھا، اس کا باپ بھائی، بیٹا زید شاعر وکاتب تھا، اس نے قید خانے سے اپنے بھائی کو قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا، اس کا کتب خانہ عربی فارسی ادب وغیرہ پر مشتمل تھا اور اسے ایک نوع کی اختصاصی حیثیت حاصل تھی۔

۱۔ بعض تذکرہ نگاروں نے حمار نقل کیا ہے۔

۲۔ الشعر والشعراء: ۲/ ۲۳۰۔

۳۔ لسان العرب: ۶/ ۳۵۳۔

۴۔ کتاب الاغانی: ۲۰/ ۱۸-۲۴، الشعر والشعراء: ۲/ ۲۲۵-۲۳۰، تجرید الاغانی: ۱/ ۱۹۱۔

لقیط بن یعمر کا کتب خانہ:

لقیط بن یعمر بن خارجہ ایادی یہ حیرہ کا باشندہ دورِ جاہلی کا کم گو شاعر تھا، عربی اور فارسی کا ماہر تھا، شاہان فارس میں سابور ذوالاکتاف کے دربار میں کاتب وترجمان کے فرائض انجام دیتا تھا، شاہ سابور نے جب اس کی قوم بنی ایاد پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے انہیں اس امر سے آگاہ کرنے کے لیے ایک منظوم خط لکھا وہ قاصد کے ہاتھ سے گرا اور سابور نے دیکھ لیا پھر اس نے اس کی زبان کشوائی اور اسے قتل کرایا۔ (۱)

لقیط دانشور و شاعر تھا۔ یہ امر اس کے بایں تحریری سرمایہ کی نشاندہی کرتا اور اس کے شخصی کتب خانہ کو بتاتا ہے۔

شاہ نعمان بن المنذر کا کتب خانہ:

نعمان ابن المنذر ابن المنذر بن امری القیس لخمی یہ عہدِ جاہلی میں شاہانِ حیرہ میں نامور بادشاہ گزرا ہے ، نابغہ ذبیانی، حسان بن ثابت اور حاتم طائی کا ممدوح رہا ۵۹۲ء میں باپ کی وفات کے بعد حیرہ (۲) کا فرمانروا ہوا۔

اس کا کتب خانہ تھا جس میں نامور شاعرانِ عرب کے مدحیہ قصائد جو اس کے اور اس کے خاندان کے متعلق لکھے گئے تھے۔ اس نے انہیں طینوج (کراریس) پر نقل کرا کر قصر ابیض میں دفن کرا دیا تھا (تاکہ کوئی انہیں نہیں لے جا سکے اور نہ برباد کر سکے) اس سے معلوم ہوتا ہے اصل نسخے شاہی کتب خانے میں محفوظ تھے۔

دورِ اموی میں جب مختار بن ابی عبید ثقفی (۱-۶۷ھ = ۶۲۲-۶۸۷ء) کو اس امر کی اطلاع دی گئی تو اس نے ان قصائد کو نکلوایا تھا۔ (۳)

حیرہ کی نسبت سے اہلِ کوفہ شعر میں اہلِ بصرہ سے زیادہ عالم قرار دیے جاتے تھے۔

۱- الأغانی: ۲۰/ ۲۳، طبع دار الطباعۃ، القاہرہ، ۱۳۸۵ھ)، عیون الانباء: ۱/ ۱۹۹، کتاب الاشتقاق: ۱۶۸، معجم ما استعجم۔

۲- یہ بادیۃ الشام کے مشرقی کنارے لخمی خاندان کی ایک شاخ نے جو نصرانی تھے حکومت قائم کی تھی، اس کا پایہ تخت حیرہ تھا یہ نجف سے تین میل کے فاصلہ پر ایک جھیل کے کنارے آباد تھا، یہ ایرانی سلطنت کے زیر اثر تھے اور ان کے مفادات کے نگران تھے، یہاں تنوخی، عبادی اور ان کے احلاف آباد تھے۔

۳- طبقات الشعراء: ۱/ ۲۵، کتاب الخصائص لابن جنی: ۱/ ۳۸۷۔

شام میں کتب خانے

شاہ شام حارث ابن ابی شمر غسانی کا کتب خانہ:

شعراء اس کے دربار میں اپنا کلام پیش کرتے تھے اور یہ حکماء وخطباء سے ان کے زریں اقوال لکھوا کر منگاتا۔(۱) پڑھتا اور لطف اندوز ہوتا تھا اس کا کتب خانہ غوطہ دمشق میں تھا، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر شجاع بن وھب کے ذریعے ایک خط اس کے نام یمن بھیجا تھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔(۲)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل شخصیات کے پاس بھی کتب خانہ ہونے کے کچھ اشارات ملتے ہیں۔

ابوقیس بن عبدمناف بن زہرہ المعلم (۳) عصر جاہلی میں کاتب ودانشور تھا، خزاعہ اور عبدالمطلب کے مابین جو عہد نامہ ہوا تھا وہ اس نے لکھا تھا اور اسے درکعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا۔

المصادر الشعر الجاہلی للأسد ص: ٦٦ بحوالہ دیوان حسان بن ثابت مخطوطہ احمد الثالث ورقہ ۱۵ و ۱٦) اس عہد نامہ کی کاپی خزاعہ کے پاس محفوظ تھی، خزاعہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ عہد نامہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا تھا جسے حضرت ابی بن کعب نے پڑھ کر آپ کو سنایا تھا۔

حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، القاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمۃ، والنشر، ۱۳۴۱ھ ص: ۵۰، مصادر الشعراء الجاہلی للاسد، ص: ٦٦

عبداللہ بن عوف بھی کاتب تھے، موصوف نے امیہ بن خلف سے جو معاہدہ کیا تھا، اسے قلمبند کیا تھا، (۴)

عبدالمطلب بھی پڑھے لکھے تھے چمڑے پر ان کی تحریر ابن الندیم نے دیکھی تھی، اس کا بیان ہے: ان کا خط عورتوں کے خط سے ملتا جلتا تھا۔(۵) حضرب زبرقان بن بدر بن امرئ القیس شاعر وکاتب

۱- بادیۃ الشام کے مغربی کنارے پر غسانیوں کی جو نصرانی عرب تھے، حکومت قائم تھی، دمشق کے قرب وجوار میں ان کا پایہ تخت تھا، یہاں عرب شعراء آتے اور انعام پاتے تھے، انہیں رومی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور وہ انہیں اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتی تھی۔

۲- المحبر ین، ص: ۲۲۔ ۳- کتاب المحبر: ۴۷۵۔ ۴- الفائق، ۳۹۲/۲، مادہ صوغ۔ ۵- الفہرست، ص: ۷ و ۸، (طبع تجدد)۔

تھے، ارض بنی تمیم بادیہ بصرہ میں قیام پذیر تھے۔(۱) حضرت ابوایوب انصاریؓ کاتب وعالم تھے انہوں نے اپنے غلام افلح کو مکاتبہ نامہ لکھ کر دیا تھا۔(۲)

ابوسفیان بن مالک بھی کاتب اور پڑھے لکھے تھے۔(۳)(مادہ ظن)

مذکورۂ بالا شخصیات کے پاس بھی کچھ ثقافتی وعلمی ذخیرہ ہو تو کچھ عجیب نہیں۔

(ہ) معلمِ کتاب وحکمت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کتب خانہ:

آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے قلب اطہر پر آخری کتاب ''قرآن'' تیئیس (۲۳) سال کی طویل مدت میں جستہ جستہ نازل کی گئی، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبانِ وحی سے کھجور کی ٹہنیوں،(۴) چوڑی صاف ہموار شانہ کی ہڈیوں (۵)، کپڑے اور چمڑے کے ٹکڑوں، پتلے سفید پتھروں،(۶) بکری اور اونٹ کی پسلیوں (۷) پر صحت کے ساتھ قلم بند کرا کر رکھا،(۸) اس لیے محمد عجاج الخطیب نے یہ لکھا ہے:

''اسلام کے کتب خانوں میں سب سے پہلا کتب خانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تھا، اس میں کاتبانِ وحی جو کچھ وحی قرآنی نقل کرتے، یہیں جمع کر کے رکھتے تھے۔''(۹) پھر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اسے قرطاس پر نقل کرا کر محفوظ کرایا(۱۰) اور حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں اس کی نقلیں کرا کر اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں کی جامع مسجدوں میں قراء کے ہمراہ عوام کے استفادہ کے لیے رکھوائی تھیں۔(۱۱)

''الکتاب'' قرآن، وحی اور علم کی وہ اساسی کتاب ہے جس کی وجہ سے علوم وفنون کے سرچشمے پھوٹے، عربی زبان کو ترقی ہوئی، کتابوں کی ترویج واشاعت کے ترقی پذیر سلسلہ کو بقاء ودوام حاصل ہوا، درس گاہوں اور

۱-الاغانی، ۲/۸۰، الطبقات الکبریٰ: ۷/۳۷۔ ۲-الطبقات الکبریٰ: ۷/۶۲۔ ۳-الفائق، ۳/۱۹۰۔

۴-فتح الباری: ۱۰/۲۸۸، عمدۃ القاری: ۲۰/۱۶، ۱۷۔ ۵-غریب الحدیث: ۴/۱۵۶۔ ۶-فتح الباری: ۱۰/۳۸۸، مجمع بحار الانوار: ۳/۲۵۰-۲۵۱، تاریخ آداب العرب: ۲/۷۔

۷-ایضاً: ۲/۱۷۔ ۸-صحیح البخاری: ۱/۳۹۷، ۲/۵۰۴، غریب الحدیث: ۴/۱۰۴، مجمع الزوائد: ۱/۱۵۲۔

۹-لمحات فی المکتبۃ والبحث والمصادر: ۲۶۔

۱۰-صحیح البخاری: ۲/۷۴۵-۷۴۸، عمدۃ القاری: ۱۰/۱۶، کتاب المصاحف: ۵-۱۱، فتح الباری: ۱۰/۳۸۸-۲۹۰، الاتقان: ۱/۱۷۷-۱۸۸۔

۱۱-صحیح البخاری: ۲/۷۴۶، کتاب المصاحف: ۱۸-۲۵، تاریخ اسلام: ۲/۱۴۴-۱۴۵، عمدۃ القاری: ۲۰/۱۷-۱۸، مناہل العرفان: ۱/۳۹۶-۳۹۷، ط: ۳۔

کتب خانوں کے تالے کھلے، عوام وخواص کی ان سے دلچسپی بڑھی، انہیں علم کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا، کتب خانوں کی توسیع وترقی کے لیے لوگ در پے قدرے کوشاں ہوئے؛ مسلمانوں کا کوئی گھر، الکتاب اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہ رہا، ہر مسجد بجائے خود ایک مدرسہ وکتب خانہ بن گئی، ہر مسلمان اپنے حق میں معلّم و کتاب دار اور دوسرے کے حق میں معلّم وکتاب رساں بن گیا، انہی وجوہ سے کتب خانہ ساز کتب وصحفِ سماوی کی تاریخ میں الکتاب کو یہ امتیاز خاص حاصل ہے کہ اس سے پیدا شدہ علوم وفنون کی کتابت، قرأت، حفاظت اور توسیع واشاعت سب سے زیادہ ہوئی اور کتب خانوں کی تاسیس وتشکیل، توسیع وترقی میں عہدِ عباسی علمی دنیا میں اپنی نظیر آپ بن سکا۔

۷- قیامِ کتب خانہ کے عوامل ومحرکات

علم وکتاب فطرت کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے، عقل وشعور کی صحیح خطوط پر رہنمائی کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کا نہایت موثر ذریعہ ہے، اس سے انسان معراجِ کمال پاتا ہے، اسلام نے ہر ایک مسلمان پر علم وابلاغِ علم کو فرض کر کے کتابوں کے پڑھنے، پھیلانے اور جمع کرنے کا پابند کیا کوئی گھر تھوڑے بہت ذخیرۂ کتب سے خالی نہیں رہا، اس نے راز داری اور کسی طبقہ کی اجارہ داری کو جو انسانی مشترکہ ورثہ کے افادہ واستفادہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور علم وکتاب کی اصل رُوح کے منافی ہے، کبھی برداشت نہیں کیا، اس لیے کتب خانوں کا وسیع تر سلسلہ اسلامی قلمرو میں برابر فروغ پاتا رہا۔

کتب خانہ بنی نوع انسان کی متاع مشترک کا مظہر ہے، مسلم معاشرے میں کتب خانوں کے قیام کے جو مثبت ومنفی فکری، ذہنی، اخلاقی، سماجی اور ثقافتی عوامل ومحرکات اقراء وعلّم بالقلم کے نور کے پھیلانے اور کتب خانوں کی تشکیل وترقی میں معاون رہے، وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) تحصیلِ علم ہر انسان کا بنیادی حق:

اسلام نے تحصیلِ علم ہر انسان کا بنیادی حق قرار دیا اور ہر انسان کی علمی ورُوحانی ترقی وامداد کے لیے علمی ذخیروں سے استفادہ وافادہ کو اہم اور ضروری سمجھا، چنانچہ کتابیں پڑھے لکھے جمع کریں یا بے پڑھے لکھے، بشرطیکہ تجارت کی نیت نہ ہو، انہیں حوائج اصلیہ Basic Necessities میں شمار کیا اور زکوٰۃ سے مستثناء قرار دیا

ہے۔(۱) یہ امر بھی کتب خانوں کے قیام وترقی میں محرک رہا ہے۔

(ب) علم عبادت وفضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"(۲) اس سے ان کے پیرو یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ علم حاصل کرنا خدا کی مکمل عبادت ہے۔ نیز اہلِ علم میں علمی تعاون ایک مقدس فریضہ سمجھا گیا، ان میں علمی تعاون برقرار رہا اور علوم وکتب کی اشاعت اور کتابوں کے ذخیروں میں اضافہ برابر فروغ پاتا رہا۔

علم، اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اس نے انسان کو اس سے آراستہ کیا اور جن باتوں کو یہ جانتا نہ تھا ان کو جاننا فضیلت قرار دیا، آیتِ شریفہ میں فرمایا ہے "وَأَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيماً" (النساء-۱۱۳) "اور اللہ نے تم پر کتاب اور دانائی نازل فرمائی ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم جانتے نہیں تھے اور تم پر خدا کا بڑا فضل ہے۔"

اس فضلِ عظیم کے حصول کا ذریعہ کتب وکتب خانہ ہے، اس لیے بھی مسلمانوں نے اس کی تشکیل وتکمیل میں بہت زیادہ سرگرمی دکھائی۔

(ج) علم میراثِ انبیاء:

ارسالِ رسل وتنزیلِ کتب کا مقصدِ وحید، تعلیم کتاب اور حکمت تھا جو انبیا علیہم السلام کی میراث ہے، اس میراث سے بہرہ ور علماء کو انبیاء کا جانشین قرار دیا، جانشینی کی سعادت حاصل کرنے کے جذبہ نے اُمتِ مسلمہ کو علم کا جویا اور جمع کتب کا شیدا بنایا تھا۔

(د) گھر میں حدیث کی کتاب کو رکھنا، گویا نبی کو مہمان رکھنا:

مسلم معاشرے میں اس سعادت سے بھلا کون سا مسلمان اپنے آپ کو محروم رکھتا اور ایسی خیر کی دعوت میں کون شرکت سے پہلو تہی کرتا، ہر ایک نے کتب خانہ سازی میں بقدر استطاعت حصہ لیا، چنانچہ ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے جب جامع ترمذی کی تکمیل کی تو فرمایا "جس گھر میں یہ کتاب ہے تو گویا اس گھر میں رسول بول رہا ہے۔"(۳) جس کے پاس کتاب ہے اس کے گھر میں شریعت کا سرمایہ محفوظ ہے۔ ابوداؤد سجستانی المتوفی

۱- حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق: ۱/ ۳۵۳۔ ۲- سنن ابن ماجہ: ۱/ ۸۱ (حدیث نمبر: ۲۲۴) ۳- البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۶۷۔

۲۷۵ھ نے اپنی کتاب "السنن" کی تدوین کی تو فرمایا کہ "پوری کتاب کا ذکر ہی کیا اس کی چار حدیثیں ہی بنی نوع انسان کے کردار کو بنانے اور اسے احکامِ الٰہی پر کاربند کرنے کے لیے کافی ہیں۔"(۱)

ان باتوں نے مسلمانوں کے دل و دماغ میں علمی ذخیرے کی عظمت و محبت بٹھائی، کتب خانوں کے قیام کو جی جان سے زیادہ عزیز بنایا، چنانچہ دینی علم کا ذخیرہ گھر میں رکھنا مسلم معاشرے کا نہایت مقدس فریضہ بن گیا تھا، مردوں اور عورتوں سب ہی نے کتب خانہ سازی میں بھرپور حصہ لیا۔

(ہ) علمی امانت کی پاسداری و ادائیگی:

علم ایک امانت اور عالم امین ہے، اللہ تعالیٰ نے جو علم اور فہم و بصیرت اس کو عطا کی ہے، اسے کتابی صورت میں محفوظ کرنا، رکھنا اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا لازم ہے، اس پاسداری و ادائیگی کے لیے کتب خانہ ناگزیر ہے، اس میں کوتاہی کرنا اور خلقِ خدا کو فائدہ نہ پہنچانا خیانت ہے، اللہ تعالیٰ امانتِ علمی و مالی میں خیانت روا نہیں رکھتا، قرآن کہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (الانفال-۲۷)

"اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔"

۸-تحفظِ کتب:

قرآن سے قبل کی صحف و کتب سماوی تحریف و بربادی کا اس لیے بھی تختۂ مشق بنی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ و بقاء کی کوئی ذمہ داری نہیں لی تھی، بلکہ علماء اور حاملین کتاب کو ان کا پاسبان بنایا تھا۔ قرآن کہتا ہے: "إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ" (المائدہ-۴۴) "بے شک ہم ہی نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیوں کہ وہ کتابِ خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے

۱-البدایہ والنہایہ: ۱۱/۵۵۔

(یعنی حکمِ الٰہی کا یقین رکھتے تھے)"۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ تحفظِ کتب کی تحریک نے احکامِ الٰہی کے تحت جنم لیا تھا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے تصریح کی ہے کہ حفظ وتحفظ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

۱- کتاب کو یاد رکھنا اور نہ بھلانا۔

۲- کتاب کی حفاظت کرنا اور اس کو ضائع نہ ہونے دینا۔

اللہ تعالیٰ نے علماء واحبار (علمآءِ یہود) سے ان دونوں باتوں کا عہد لیا تھا کہ وہ اس کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں گے، پڑھائیں گے (سینوں سے سفینوں) میں منتقل کریں گے اور کرائیں گے، اس کے احکام کی پابندی کریں گے، اس کی بتائی ہوئی باتوں کو نہ چھوڑیں گے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ تحفظِ کتاب اور اس کا ابلاغ دونوں پسندیدہ اور مطلوب امر ہیں۔(۲)

اس آیتِ شریفہ میں اس حقیقت کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اقوام وملل کی ذلت وپسماندگی کا سبب کتابوں کا تحفظ نہ کرنا اور ان سے قریب نہ ہونا بھی ہے، اس تنبیہہ سے صحابہؓ کو تحقیق وتجسس کا ایک اور میدان ہاتھ آیا اور انہوں نے حفظِ کتاب پر زور دیا، عربوں نے شروع میں حفظِ کتاب کے ضمن میں موادِ علمی کو قیدِ تحریر میں لانے پر زور نہیں دیا، لیکن مواد جب زیادہ ہوگیا تو انہوں نے بھی سینوں سے سفینوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا۔

۹- فروغِ علم وکتاب:

علم کی برکت اس کو فروغ دینا، فروغِ علم کے مواقع کو سعادت سمجھنا اور اس کو علم کی اوّلین برکات میں شمار کرنا بھی کتب خانوں کے قیام وفروغ کا محرک رہا۔ چنانچہ امام وکیع المتوفی ۱۹۷ھ فرماتے تھے "علم حدیث کی برکت دوسروں کو کتابیں دینے کا موقع ملنا ہے۔"(۳) اور ابو وہب محمد بن مزاحم المتوفی ۲۰۷ھ کہتے تھے "علم کی سب سے پہلی برکت دوسروں کو کتابیں دینے کی سعادت حاصل کرنا ہے"(۴) مذکورۂ بالا اقوال میں رسائی کے پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے، جس کی جگہ کتب خانہ ہے۔

۱- التفسیر الکبیر:۱۱/ ۴، روح المعانی:۶/ ۱۴۴(سورۃ المائدہ:۴۴)
۲- مدارک التنزیل:۱/ ۴۱۲۔
۳- ادب الاملاء:۱۷۵۔
۴- ایضاً:۵۹۔

۱۰-ابلاغِ علم:

اسلام علم اور حق وصداقت کو پھیلانے پر بہت زور دیتا ہے اور اس کو بڑے ہی اجر وثواب کا کام بتاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے میری بات سنی، اسے یاد رکھا اور جس طرح سنا اسی طرح اس کو پہنچایا، اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو روشن رکھے۔''(۱) اس دعا کا مصداق بننے اور آپ کے ارشاد بلّغوا عنی ولو آیۃ(۲) ''میری طرف سے پہنچادو اگر چہ ایک ہی آیت ہو''، پر عمل کرنے کے جذبہ نے مسلمانوں کو علوم وفنون کی تربیت وتدوین اور نقل وجمع کتب پر آمادہ کیا، اہلِ علم کی کتابی ضروریات کو پورا کرنا بہت بڑی نیکی سمجھا گیا، اس لیے اس کا دائرۂ کار شخصی کتب خانوں تک محدود نہیں بلکہ شاہی، خانقاہی، تعلیمی اور عوامی کتب خانوں تک پھیل گیا تھا، اسی جذبہ نے بستی بستی میں علمی ضروریات کی تکمیل کے لیے کتب خانے قائم کرنے اور املاء (علم کو ضبطِ تحریر لانے) پر مسلم قوم کو کمر بستہ کیا۔''

۱۱-فراوانیٔ علم:

علم بنی نوعِ انسان کی ظاہری وباطنی ترقی کا زینہ ہے، اس کی کوئی غایت ونہایت نہیں ہے، اس لیے اس میں اضافہ اور زیادتی ہر آن مطلوب ومحبوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سرچشمۂ علوم وحکم تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم ومعارف کا نہایت بلند مقام حاصل تھا، اس کے باوجود آپ کو اگر کسی چیز کے بیش از بیش طلب کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ طلبِ علم کا حکم تھا۔ چنانچہ ہدایت کی گئی تھی ''قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً'' (طٰہٰ-۱۱۴) ''اور دعا کرو کہ میرا پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔'' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے ''اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ عِلْماً نَافِعاً''(۳) ''اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم مانگتا ہوں۔'' یہ حکم اگر چہ افضلِ رسل کو دیا گیا ہے لیکن اس حکم میں امت مسلمہ کا ہر فرد بدرجۂ اولیٰ داخل ہے۔ ترقیٔ علم کے جذبہ کو برقرار رکھنے کا کامیاب ذریعہ کتب وکتب خانہ ہے، اضافۂ علم کی اصل غایت حصولِ علم کی جدوجہد میں کسی درجہ پر بھی قناعت نہ کرنا ہے، اس

۱-سنن أبی داؤد: ۲/۱۵۹، مسند أحمد بہامشہ منتخب کنز العمال: ۱/۴۳۷، ۳/۲۲۵، ۴/۸۰-۸۲، ۵/۱۸۲۔ ۲-صحیح البخاری: ۱:۱/۴۹۱۔

۳-مسند أحمد بہامشہ منتخب کنز العمال: ۶/۲۹۴، ۳۰۵، ۳۱۱، ۳۲۲۔

راہ میں اکتفاء واستغنا جہالت کا پیش خیمہ ہے، چنانچہ مشہور مفسر سعید بن جبیرؒ تابعی فرماتے تھے ’’آدمی جب تک سیکھتا رہتا ہے وہ برابر عالم رہتا ہے اور جب وہ علم کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور جو اس کے پاس ہوتا ہے، اس کو کافی سمجھ بیٹھتا ہے وہ جاہل رہ جاتا ہے۔‘‘(۱)

۱۲-وقف:

لغت میں وقف کے معنی روکنے کے ہیں۔(۲) شریعت میں اس سے مراد یہ ہے: کسی شئے کا مالک بننے سے اپنے آپ کو روکنا اور منافع کا صدقہ کرنا ہے یعنی مالک کا کسی چیز کو نہ اپنی ملک میں رکھنا اور نہ کسی کی ملک میں دینا،(۳) اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں اصل شئے باقی رہتی ہے، جن کے لیے وہ وقف کی جاتی ہے ان کو اس کے منافع سے بہرہ مند ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے، اس کا بیچنا، وقف کرنا یا کسی کو اس کا وارث بنانا جائز نہیں ہے، اس کا مقصد خیر خواہی، رضا جوئی اور اجر وثواب ہے۔

شریعت نے انسان کو اپنی حیات میں سب کچھ وقف کرنے کا حق دیا ہے، لیکن زندگی کے آخری لمحات میں ایک تہائی مال تک وقف کرنا بلا کراہت درست رکھا ہے۔(۴) وقف ہی وہ تحریک ہے جس نے علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اوقاف کا نہایت عظیم الشان سلسلہ قائم کیا، اس کی وجہ سے جگہ جگہ کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا اور آتا رہے گا۔

۱۳-صدقۂ جاریہ:

انسان کی اصل حیات رُوح کی حیات سے عبارت ہے، مرنے کے بعد اجر وثواب کی بھی ضرورت ہے، رُوح کی تازگی وتابندگی کے لیے بندگی کی جاتی ہے، عبدیت کے اظہار میں فرد کا افراد اور سماج کے لیے ایثار و قربانی کرنا، کھیتوں کو پانی دینا، مویشیوں کو سیراب کرنے کے لیے نہریں جاری کرانا، پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لیے کنویں کھدوانا، یادِالٰہی کے لیے مسجدیں بنوانا، مسافروں کی جسمانی راحت، ذہنی کلفت کو دُور کرنے کے

۱-المتفقہ والمتفقہ: ۲/ ۱۶۰۔ ۲-معجم مقائس اللغۃ: ۶/ ۱۳۵، المغرب فی تاریخ المغرب: ۲/ ۲۵۸، کتاب التعریفات: ۲۷۴۔

۳-الہدایہ بحواشی محمد عبدالحی: ۱/ ۶۱۷-۶۱۸۔ ۴-بدائع الصنائع: ۸/ ۳۳۰۔

لیے بیابانوں میں سرائیں بنوانا، معاشرے سے جہالت دُور کرنے کے لیے مدرسہ تعمیر کرانا، علمی کم مائیگی اور علمی تشنگی کو دُور کرنے کے لیے کتب خانے قائم کرنا، کتابیں وقف کرنا، فکری قوتوں کو پروان چڑھانے کے لیے کتابیں دینا ایک ایسا عمل ہے جس سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے، اسی کا نام صدقۂ جاریہ ہے۔(۱)

اسلام نے علم کو صدقۂ جاریہ قرار دیا، جہل کی راہیں مسدود کیں، احسان اور لطف و کرم کی تعلیم نے اس کی جڑیں دُور تک پھیلا کر علم و کتب کی نشر و اشاعت کو استواری بخشی اور اس کی راہ میں حائل اقتصادی مشکلات کو بھی حل کر دیا۔

۱۴-وصیت:

''وص ی'' کے مادہ میں ملنے، پیوست ہونے کے معنی ہیں وصیت میں بھی ایک بات کو دوسری بات سے ملایا جاتا ہے، اس لیے اس کو وصیت کہا جاتا ہے۔(۲) مُردے کے سابقہ ذخیرۂ ثواب میں اجر کے نئے ترقی پذیر سلسلہ سے وابستگی ضروری ہے۔(۳) شرعی اصطلاح میں وصیت کرنے کے بعد کسی کو کسی چیز کا یا کسی منفعت کا بطریق احسان مالک بنانا ہے۔(۴) ایمان لانے کے بعد انسان سے جو کوتاہیاں ہوتی ہیں ان کی تلافی کرنے اور اس کے اجر و ثواب کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے شریعت نے وصیت کی اجازت دی ہے۔(۵) زندگی کے آخری لمحات میں جب آل اولاد اور بھائی بندوں کی محبت انسان کا دامن پکڑتی اور عالم قدس کی کشش اسے اپنی طرف کھینچتی ہے، اس وقت جو اپنا رشتہ خدا سے استوار رکھنا چاہتا ہے وہ اپنی کتابوں اور کتب خانہ کی کسی فرد یا کسی مسجد یا کسی مدرسے یا کسی ادارے کے لیے وصیت کر جاتا ہے۔

۱۵-عاریت:

شریعت میں اس سے مراد کسی شئے کے منافع کا کسی دوسرے کو مفت مالک بنانا ہے، جیسے گھوڑا سواری کے لیے یا کتاب پڑھنے کے لیے دینا(۶) فائدہ مند چیز کے دینے کی اسلام تعلیم دیتا ہے، ایسی چیزوں کے دینے

۱-مرقاۃ المفاتیح:۱/ ۲۵۰۔ ۲-معجم مقاییس اللغۃ:۶/ ۱۱۶، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار:۴/ ۱۴۔ ۳-لسان العرب:۱۵/ ۳۹۵۔
۴-تبیین الحقائق:۶/ ۱۸۱-۱۸۲، غایۃ الأوطار:۴/ ۳۹۷، عمدۃ القاری شرح الکنز:۲/ ۳۳۶۔ ۵-شرح معانی الآثار:۴/ ۳۱۴۔
۶-غایۃ الأوطار:۴/ ۳۸۳۔

سے پہلو تہی کرنا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے، قرآن کہتا ہے: ''ویمنعون الماعون'' (الماعون آیت:۷) ''اور وہ برتنے کی چیزیں عاریۃً نہیں دیتے''۔

ماعون، عون کا اسم مفعول ہے۔ اس کا مطلب ''قوت'' سے ''موجودہ سامان'' سے حاصل شدہ اسباب سے مدد کرنا ہے۔(۱) ابوعبیدہ، زجاج، مبرد ہر مفید و مستعار چیز کو ''ماعون'' کہتے ہیں یہی ابن جریر طبری کا مختار ہے(۲) فیروزآبادی کے نزدیک یہ اضداد میں سے ہے یعنی ہر وہ شئے جو حاجت مند کو دی جائے اور جس سے اس کو روکا جائے ماعون ہے۔(۳) قطرب ماعون کو بروزن فاعول معن سے مشتق مانتے ہیں جس کے معنی ''شئے قلیل'' کے ہیں جو چیز مانگی جاتی ہے، وہ بھی کثیر کے مقابلہ میں قلیل ہوتی ہے، اس لیے اسے ماعون کہتے ہیں۔(۴) ائمہ لغت کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماعون کی تفسیر میں مفسرین سے جو مختلف اقوال، عاریت اور گھر کا سامان وغیرہ منقول ہیں۔(۵) وہ سب مراد ہو سکتے ہیں، کیوں کہ یہ آلات و سامان حاجت کے وقت دینا واجب ہے ان کو نہ دینے والا اور ان سے روکنے والا ملامت کا مستحق ہے۔ ویسے بھی ان چیزوں کے دینے سے گریز کرنا مسلمانوں کے اخلاق سے بعید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''(۶)

اس سے ثابت ہوا کہ علمی ضروریات کی تکمیل بھی مکارم اخلاق میں داخل ہے، کافروں اور منافقوں کے شعار اور آیت شریفہ کی وعید سے بچنے کے لیے مسلمانوں نے کتابی تعاون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسلامی قلمرو میں جگہ جگہ کتب خانے قائم کیے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ عاریت دینا بہت پسندیدہ بات ہے، حاجت مند مجبور و مضطر ہوتا ہے، وہ ضرورت کے تحت مانگتا اور لیتا ہے، اس کے برعکس صدقۂ و خیرات محتاج اور جو محتاج نہیں ہوتا، وہ بھی لے لیتا ہے۔ عاریت اور قرض حاجت مند ہی لیتا ہے، اس لیے عاریت کا اجر و ثواب بھی صدقہ و خیرات سے کئی گنا زیادہ ہے پھر اس میں دینے والا اللہ تعالیٰ کی نیابت کا شرف اور اخلاقِ ربانی کی صفت سے آراستہ ہونے کی سعادت بھی

۱- أحكام القرآن ۴/ ۲/ ۱۹۷۲ (تحقیق علی محمد البجاوی)
۲- الجامع لأحكام القرآن: ۲۰/ ۲۱۴۔
۳- تاريخ الطبری: ۳۰/ ۲۰۳-۲۰۶، البحر المحيط: ۸/ ۵۱۶۔
۴- بصائر ذوی التمييز: ۵/ ۵۱۴۔
۵- أحكام القرآن: ۴/ ۱۹۷۳، روح المعانی: آیت نمبر: ۷۔
۶- الدر المنثور: ۶/ ۳۹۹-۴۰۱۔

حاصل کرتا ہے، چنانچہ آیتِ شریفہ "أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ" (النمل-۶۲) "بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے۔" اس امر کی شاہد ہے۔ فقہاء نے اس اصول کی تصریح کی ہے کہ کارآمد اور مفید چیزوں کو بلا معاوضہ عام کرنا ضروری ہے۔(۱)

فقیہ ابن رجب "کتاب القواعد" میں رقمطراز ہیں "وہ چیزیں جن سے فائدہ اٹھانے کی حاجت رہتی ہے انہیں بکثرت پھیلانا، یا وہ منافع جن کی طرف احتیاج ہوتی ہے، انہیں بلا معاوضہ مفت پھیلانا اور خرچ کرنا چاہیے۔ اس قسم کے مسائل میں سے مصحف کا مسئلہ بھی ہے کہ جس کو قرآن پڑھنے کی حاجت ہو اس کو قرآن پڑھنے کے لیے عاریتاً دینا اور اگر اس مصحف کے سوا کوئی مصحف نہ ملتا ہو تو قاضی کو اس مصحف کو بڑی جامع میں رکھنا واجب ہے۔

ابنِ عقیل نے تصریح کی ہے کہ حنفی فقہاء نے ائمہ فقہ کے اس قول کی "مصحف چُرانے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا" یہی علت بیان کی ہے کہ اس میں غور و فکر کرنے، احکامِ شرع کے استنباط و استخراج کرنے کا حق (اہلِ علم کو) حاصل ہے اور یہ ایسی علت ہے جو قرآن چرانے والے اور کتابیں چرانے والے میں مشترک ہے، کیوں کہ وہ بھی اس قسم کے احکام کی جامع ہیں اور حاکموں، قاضیوں اور مفتیوں کو اس کی حاجت رہتی ہے، جن لوگوں کے پاس ایسی کتابیں نہیں ہیں، انہیں ان کتابوں کو عاریتاً دینا ضروری اور واجب ہے۔"(۲)

۱۶- ہبہ:

لغت میں ہبہ کے معنی دینا اور عطا کرنا ہے، شریعت کی اصطلاح میں بلا معاوضہ کسی چیز کا کسی کو مالک بنانا ہے، (۳) اس سے دینے والے کا مقصد خیر خواہی ہوتا ہے، خواہ دنیوی ہو جیسے محبت و نیک نامی، خواہ اخروی ہو جیسے خلوصِ نیت سے اجرِ آخرت کی امید، اس میں کتابوں کا ہبہ بھی داخل ہے۔(۴)

۱۷- ہدیہ:

تحفہ دینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے "ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے آپس میں محبت و الفت بڑھتی ہے۔"(۵) اس میں مالی، علمی اور کتابی ہدیے سب ہی داخل ہیں۔

۱- القواعد: ۲۲۴۔ ۲- ایضاً: ۲۲۵-۲۲۶۔ ۳- شرح معانی الآثار: ۳/ ۹۲، کتاب التعریفات: ۲۷۷، غایۃ الأوطار: ۴/ ۲۹۰۔
۴- ایضاً۔ ۵- الأدب المفرد: ۲۰۸، فیض القدیر ۳/ ۲۷۱۔

۱۸- جود وسخا:

اسلام نے جود وسخا کو مکارم اخلاق میں نہایت اعلیٰ درجہ دیا ہے، سخی وجواد ہونا بڑے حوصلہ کی بات ہے، اسلام اپنے پیروکاروں کو اس امر کی تعلیم دیتا اور مالی، علمی وکتابی سخاوت کو پسند کرتا ہے۔

جود کے معنی جو چیز جس کے مناسب ہے، اسے عطا کرنا ہے، اس اعتبار سے جود اپنی ذات میں بہت وسعت وعموم رکھتا ہے، علوم ومعارف اور ہدایت ودولت سب کچھ اس میں داخل ہے، جواد بکثرت جود وسخاوت کرنے والے کو کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جود ایک ملکہ واستعداد ہے اور سخاوت اس کا اثر ہے(۱)۔ امام ابومنصور ماتریدی نے کہا ہے کہ ''مومن پر اپنی اولاد کو ایمان وتوحید اور سخاوت واحسان کی تعلیم دینا واجب ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماتریدی کے نزدیک سخاوت کی تعلیم بھی فرض عین ہے۔(۲)

اس کے معنی، ایثار، دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دینا ہے۔(۳)

۱۹- ایثار:

یہ بات قوتِ یقین، محبت وصبر سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان کو جن چیزوں سے محبت ہوتی ہے اور جن کی اسے حاجت رہتی ہے، ان میں دوسروں کی احتیاج کو مقدم رکھنا، ترجیح دینا بہت اعلیٰ ظرفی کی بات ہے، چنانچہ دوسروں کو کتابیں دینا، اپنے یہاں نقل کی سہولت فراہم کرنا، نقل کرا کر پہنچانا، یہ سب ایثار وقربانی کا کرشمہ تھا، جن کی وجہ سے کتب خانے، اسلامی قلمرو میں ہر جگہ فروغ پاتے رہے اور کتابوں کی داد وستد کا نظام معاشرہ میں قائم تھا، چنانچہ ابوالعتاہیہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کتاب مانگی، ابوالعتاہیہ نے کہا میرا جی کتاب دینے کو نہیں چاہتا، اس نے کہا ''أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْمَكَارِمَ مَوْصُولَةٌ بِالْمَكَارِهِ'' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جن چیزوں کے دینے کو جی نہیں چاہتا انہیں دینا بلند اخلاقی کی بات ہے، اس نے فوراً کتاب دے دی''(۴) قرآن نے کہا:

''وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ

۱- فضل الباری: ۱/۲۰۱۔ ۲- شرح معانی الآثار: ۳/۳۹۲، ۳۹۳، غایۃ الأوطار ۴/۳۹۰۔

۳- الجامع لأحکام القرآن: ۱۸/۲۶، أحکام القرآن: ۴/۱۷۶۷۔ ۴- تذکرۃ السامع والمتکلم: ۱۶۸۔

الْمُفْلِحُونَ" (الحشر-۹) ''اوران کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔''

وہ لوگ جو خود سختیاں برداشت کر کے دوسروں کے آرام و راحت کا سامان کرتے ہیں اور دوسروں کی علمی ضرورتوں کی تکمیل کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت میں سرخروئی نصیب ہوتی ہے۔

۲۰-احسان:

یہ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے: ۱- دوسروں پر انعام و اکرام کرنا اور ۲- اپنے کام میں حسن پیدا کرنا۔ یہ بات حسن علم و حسن عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا قول ہے "اَلنَّاسُ أَبْنَاءُ مَایُحْسِنُوْنَ" ''لوگ احسان مندی کے غلام ہوتے ہیں''۔ قرآن کہتا ہے "إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ" (بنی اسرائیل-۷) ''اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے''۔ احسان ایک خوبی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اسے سراہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ" (النحل-۹۰) ''اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ احسان کا مرتبہ عدل سے بھی بلند ہے، کیوں کہ دوسرے کا حق پورا دینا اور اپنا حق پورا لینا ''عدل'' ہے۔ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا اور اپنے حق سے کم لینا ''احسان'' ہے(۱) انسان پر عدل فرض ہے لیکن احسان کرنا پسندیدہ امر ہے، اس لیے فرمایا گیا ہے "وَأَحْسِنُوْا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (البقرہ-۱۹۵) ''اور نیکی کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' "وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ" (القصص-۷۷) ''جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔''

احسان کی منجملہ اور صورتوں کے ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس طرح دوسروں سے کتابیں حاصل کی جائیں اسی طرح دوسروں کو بھی اپنی کتابیں مہیا کرے اور بلا امتیاز قوم و ملت ہر ایک پر کتب خانے کا دروازہ کھلا رکھے، جن کتابی مشکلات سے خود دوچار ہوا ہے، ان مشکلات سے دوسروں کو بچانے کا جذبہ کتب خانوں کے قیام و اہتمام کا محرک رہا ہے۔

۱- المفردات: ۱۱۹۔

۲۱-تعاون:

اسلام نے اس کا حکم دیا ہے، قرآن کہتا ہے "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (المائدہ-۲) "اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو"۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ہاتھ بٹانا واجب ہے۔(۱) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ" "نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے"۔ مفسر ابن عطیہؒ نے تصریح کی ہے کہ لفظ "بر"، واجب و مستحب دونوں کو شامل ہے اور تقویٰ، واجب کی رعایت کو کہتے ہیں۔

علامہ ماوردی نے کہا ہے "تعاون" کا "بر" اور "تقویٰ" کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ "تقویٰ" میں اللہ کی خوشنودی اور "بر" میں لوگوں کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، یہی سعادت و نعمت کی تکمیل ہے۔"(۲)

ابن خویز منداد نے "احکام القرآن" میں لکھا ہے کہ "تعاون کئی طرح ہوتا ہے چنانچہ عالم پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم سے لوگوں کی مدد کرے، مالدار پر ضروری ہے کہ وہ اپنے مال سے تعاون کرے اور مسلمانوں پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت لازم ہے۔"(۳) شخصی، شاہی اور علمی کتب خانوں سے استفادہ کے لیے دوسروں کو موقع فراہم کرنے کا اصل محرک یہ تعاون کا جذبہ تھا، جو ہمیشہ بڑھتا رہا اور کتب خانوں کی خدمات میں اضافہ ہوتا رہا۔

۲۲-مثالی انسان بننا:

جو آدمی دوسروں کی مدد کرتا، انہیں فائدہ پہنچاتا ہے اسلام اس کو معاشرہ میں سب سے بہتر انسان قرار دیتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ" (۴) "بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے۔" دنیا میں سب سے زیادہ مفید کام وہی ہے جس کا اجر و ثواب منقطع نہیں ہوتا

۱-أحکام القرآن: ۲/ ۷۱-۳۔ ۲-تفسیر فتح القدیر: ۲/ ۶ (سورۃ المائدہ: ۲) ۳-الجامع لاحکام القرآن: ۶/ ۴۶۔

۴-فیض القدیر: ۳/ ۴۸۱۔

اور وہ اقراء کے نور کو پھیلانا، کتابیں لکھنا، پڑھانا، دینا، کتب خانے قائم کرنا ہے تا کہ کتاب زندگی سنور سکے اور سیرت وکردار کی مثالی تعمیر ہو سکے۔

۲۳-انفاق:

خدا کی راہ میں خرچ کرنا اُمت اور معاشرے کی مصلحت عامہ سے عبارت ہے۔(۱) نیکوکاروں کا شیوہ ومومنین کی صفت ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" (البقرہ۔۳) "اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔ اس آیت شریفہ میں لفظ "ما" عام ہے اس میں ہر چیز داخل ہے،(۲) چنانچہ جلیل القدر مفسر حسن بصری سے آیتِ شریفہ کی تفسیر "انفاقِ علم" منقول ہے(۳) یہ ایسا عمل ہے جس کا نفع لوٹ کر اسی کو ملتا ہے "وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ" (البقرہ۔۲۷۲) "اور (مومنو) تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں کو ہے"۔ اس لیے ہدایت کی گئی ہے کہ اپنی کمائی اور حاصل کی ہوئی چیزوں میں سے پاکیزہ اور اچھی چیزیں نکالو(۴) اور سب سے بہتر ومحبوب چیز خرچ کرو(۵) خبیث وناپاک چیزوں سے احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے روکا گیا ہے۔(۶)

انفاق کا اجر دوگنا، چوگنا بلکہ سات سوگنا تک بتایا گیا ہے، یہ کبھی عددی اور کبھی معنوی ہوتا ہے کہ حزن و خوف نہیں رہتا(۷) تمام رفاہی وفلاحی کام اور کارنامے مسجدیں، سرائیں، مدرسے اور کتب خانے اس انفاق کی وجہ سے قائم ہوئے اور پروان چڑھے ہیں، کتابوں پر رقم خرچ کرنا، سماج سے علمی افلاس کا خاتمہ کرنا شرفِ انسانی کا موجب سمجھا جاتا تھا، اس لیے عرب کتابوں پر روپیہ خرچ کرنے، ان کا ذخیرہ کرنے کو بہت پسند کرتے اور اسے شرفِ انسانی کی علامت سمجھتے تھے۔(۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ نجد میں لیلیٰ کو ڈھونڈنے والے مجنوں ہی نہ تھے، بلکہ حقائق اشیاء کو جاننے پہچاننے اور ذہن انسانی کی فکری کاوشوں اور علمی تحقیقات سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہونے کے لیے

۱-الفکر الاسلامی: ۷، شمارہ: ۱۱/۳۔ ۲-تاریخ الطبری: ۱/ ۸۱۔ ۳-نقض المنطق: ۳۶۔ ۴-سورۃ البقرہ: ۲۶۷۔
۵-سورۃ آلِ عمران: ۹۲۔ ۶-سورۃ البقرہ: ۲۶۲-۲۶۷۔ ۷-أضواء الشریعۃ، شمارہ: ۴، ۱۹۹۳ء ص ۱۵۔
۸-رسالۃ فی مدح الکتب: ۱/ ۳۴۱۔

کتابوں کے پرستار بھی کم نہ تھے، سماج نے عربوں کو یہ امر ذہن نشین کرایا تھا کہ مال نفسانی لذت سے زیادہ علمی اور رُوحانی لذت کی تسکین پر خرچ کرنا چاہیے، اس لیے وہ اپنی دولت کا بیشتر حصہ حصولِ کتب پر خرچ کرتے تھے۔

۲۴-بخل:

لغت میں بخل اپنے جمع کیے ہوئے ذخیروں کو خرچ کے موقع پر خرچ نہ کرنا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ۱- انسان اپنی چیزوں کو خرچ نہ کرے ۲- دوسروں کو بھی خرچ کرنے سے روکے یہ دونوں باتیں بُری ہیں، البتہ دوسری قسم پہلی سے بھی بدتر ہے، قرآن نے دونوں قسموں کی طرف اشارہ کیا ہے "وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ" (سورۂ محمد-۳۸) "اور جو بخل کرتا ہے اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔" دوسرے مقام پر فرمایا "اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا آتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَاباً مُهِيْناً" (۱) (النساء-۳۷) "جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو (مال) خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھیں اور ہم نے ناشکروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

یعنی جو لوگ اپنے مال اور علمِ خداداد کو لوگوں سے چھپاتے ہیں کسی کو نفع نہیں پہنچاتے اور قولاً اور عملاً علمی ضرورتوں کو پورا کرنے سے روکتے ہیں، وہ بھی اس وعید کے مصداق ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک مومن میں یہ دو خصلت جمع نہیں ہوتیں بخل اور کج خلقی۔" (۲)

علم و کتاب بنی نوعِ انسان کی متاعِ مشترک ہے، اس سے نہ خود بہرہ مند ہونا اور نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دینا کتاب کے بنیادی مقصد "استعمال" اور "خواندگی" (۳) کے خلاف ہے۔ اسلام فرد واحد کو اپنی ملکیت میں اس قسم کے ناروا تصرف کا اختیار نہیں دیتا کیوں کہ اس سے علم کی نشر و اشاعت کے راستے بند ہوتے ہیں، اسلام میں حوائج ضروریہ سے زائد چیزوں کو بلاوجہ اپنے پاس رکھنا اور دوسروں کو بہرہ ور نہ ہونے دینا حق واجب سے محروم کرنا اور ادائیگی حق واجب میں مانع بن جانا بخل ہے۔ (۴) اس سے وہ اپنے پیروکاروں کو سختی سے روکتا ہے۔

۱- المفردات: ۳۸۔ ۲- الادب المفرد: ۱۰۶-۱۰۷۔

The Eneyelopacolia Britannica,Vol.13,p 1031-۳ ۴- الطب الروحانی: ۱۴۔

۲۵-ذخیرہ اندوزی وکتابوں کی بہتات:

مال و دولت اور ضروری سامان کی اس طرح ذخیرہ اندوزی جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے روا نہیں، اس طرح سے کتابوں کی ذخیرہ اندوزی کرنا کہ کسی کو اس کی ہوا نہ لگے نہ خود اس سے بہرہ مند ہونا اور نہ حاجت مندوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دینا کتاب کے بنیادی مقصد سے انحراف کرنا ہے۔

ابوحیان توحیدی التوفی ۴۰۰ھ نے اس قسم کے کتب خانہ سازوں کی سخت مذمت کی ہے، وہ کہتا ہے ''کتابوں کا جمع کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے سونا چاندی جمع کرنے والا، اس کا مشتاق بدترین قسم کا لالچی ہوتا ہے اس کا عاشق ایسا ہے جو کثرت پر اتراتا ہے۔''(۱)

اس لیے ابن الجوزی نے کہا ''جس کے پاس کتابوں کا ذخیرہ ہو اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ حاجت مندوں کو کتابیں عاریتاً دینے میں بخل نہ کرے، ایسے طلبہ و اساتذہ کی مشکلات کو حل کرنا چاہیے، طلب گاروں کو فائدہ نہ پہنچانا، علم اور کتاب کے معاملہ میں ان سے پہلو تہی کرنا ان کو علم سے محروم کرنا ہے، ان باتوں سے بچنا چاہیے، یہ مصائب کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔''(۲)

۲۶-علم کو چھپانا:

اسلام نے کتاب کو حق وشہادت قرار دیا ہے۔ علم نافع کو چھپانا، کتاب میں جو نظریات وتحقیقات ہیں ان سے دوسروں کو محروم کرنا حق اور علم چھپانا ہے، اس کی اسلام کسی حال میں اجازت نہیں دیتا۔ قرآن کہتا ہے ''وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ'' (آل عمران ۱۸۷) ''اور جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اقرار کر لیا کہ (جو کچھ اس میں لکھا ہے) اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا۔''

اس لیے حدیث میں اخفاء کتمانِ علم وکتاب روکنے کی سزا قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں ڈالے جانا قرار دی ہے۔ اس لیے کہ اس سے علم کی راہ کھوٹی ہوتی اور جہل ترقی و فروغ پاتا ہے۔

ان کے علاوہ بعض عوامل جو اثر و عامل دونوں حیثیت رکھتے ہیں، وہ ہدیۂ ناظرین ہیں:

۱-معجم الادباء: ۵/ ۳۹۰۔ ۲-کتاب الآداب الشرعیہ: ۳/ ۱۷۸۔

۲۵- عزت وشہرت۔

۲۶- سجاوٹ اور زینتِ مکین ومکان۔

۲۷- تعلیمی وتحقیقی ضروریات کی تکمیل۔

۲۸- رشتۂ ازدواج کے لیے وجہ انتخاب۔

۲۹- کیف وسرور اور سیر وتفریح کا مرکز۔

۳۰- سیادت وقیادت کا بھرم۔

۳۱- غذا اور دوا دینے والا طبیب۔

۳۲- اہلِ مشرق ومغرب میں وجہ تفاخر۔

۳۳- ایک عالم کے پاس کتابوں کا ذخیرہ ہونا۔

مسلم معاشرے میں ایک عالم کے پاس کراسوں (کتابوں) کا ذخیرہ مجد وافتخار کا ذریعہ تھا، چنانچہ اسلامی قلمرو میں یہ کہاوت مشہور تھی۔

اَلتَّاجِرُ مَجْدُهٗ فِیْ کِیْسِهٖ

وَالْعَالِمُ مَجْدُهٗ فِیْ کُرَّا رِیْسِهٖ

سوداگر کا مجد وفخر اس کے روپوں کی تھیلی میں اور عالم کا مجد وفخر اس کے ذخیرۂ کتب میں ہے، اس سے ظاہر ہے کہ مسلم معاشرے میں عالم کا کتب خانہ اس کے مجد وفخر کا باعث تھا اور کتب خانہ سازی کے من جملہ عوامل میں ایک یہ عامل (محرک) بھی معاشرے میں تیزی سے کارفرما تھا، یہ وہ محرکات ہیں جن کا تذکرہ اِقْرَأْ اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کی عالمگیر تحریک کے اثرات میں کیا گیا ہے، اس لیے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

کتب خانوں کے تاریخی پس منظر کے پیشِ نظر علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مذکورۂ بالا عوامل میں بعض عوامل ہر مذہب وملت میں مشترک وعام ہیں، البتہ گزشتہ ادوار میں ان پر عمل نہیں کیا گیا، اس لیے کتب خانہ سازی کی تحریک اقوامِ عالم میں پروان نہیں چڑھ سکی۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں قیامِ کتب خانہ کے جتنے عوامل ومحرکات پائے جاتے ہیں، وہ کسی مذہب وملت میں نہیں پائے جاتے، یہ عوامل نہایت سادہ، جامع، قیدِ زمان ومکان سے بالاتر اور نہایت دُور رس

نتائج کے حامل اور آفاقی ہیں۔

تاریخ کتب خانہ میں اس سے قبل ان عمومی و خصوصی عوامل کی نہ کہیں نشاندہی کی ایسی کوشش کی گئی ہے اور نہ جذبۂ انسانی کو ابھارنے میں معاون اجزاء کا کہیں احاطہ کیا گیا ہے، ہم نے پہلی مرتبہ کوشش کی ہے کہ ایسے تمام ممکنہ اجزاء کو یکجا نمایاں کیا جائے جو علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سبب بنتے رہے تھے اور آج بھی بنے ہوئے ہیں۔

اس باب میں جن امور سے بحث کی گئی ہے ان سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ کتب خانہ انسانی تمدن و ثقافت کا اولین مظہر ہے اور یہ بنی نوع انسان کی ذہنی کاوشوں اور علمی تحقیقات و تخلیقات کا پاسبان ہے، جس قوم میں ان کا چلن رہا ہے یہ اس کی ذہنی رفعت اور علمی ترقی کا آئینہ دار رہا ہے، جس قوم میں کتابوں کی کثرت اور کتب خانوں کی وسعت رہی ہے وہی قوم اقوامِ عالم میں حکمران رہی، گو اس کی حکومت کسی مخصوص خطۂ زمین پر محدود زمانہ تک رہی، لیکن وہ اپنے علمی ورثہ کی وجہ سے برابر حکمرانی کرتی رہی ہے، یہی وہ پائیدار اور ناقابلِ فراموش نقوش ہیں جن سے اس قوم کو اقوامِ عالم میں ممتاز مقام حاصل ہوتا ہے، مسلمانوں کے دور میں عباسی دور ہی ایک ایسا دور ہے جس میں کتب و کتب خانوں کا سب سے زیادہ چلن رہا ہے اور مسلمانوں نے اس دور میں جو تخلیقات کی ہیں، انہی کے سہارے یورپ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوا ہے، اس لحاظ سے عباسی دور بہت شاندار اور سنہرا دور ہے، اس کا تذکرہ تیسرے باب میں کیا جا رہا ہے۔

تیسرا باب

عہدِ عباسی میں خلفاء کے کتب خانے

باب سوم جس کا عنوان ''عہدِ عباسی (۱۳۲-۶۵۶ھ/ ۷۵۰-۱۲۵۸ء) میں خلفاء کے کتب خانے ہیں'' اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ خلفاءِ عباسیہ کے کتب خانوں پر اور دوسرا حصہ خلفائے بغداد سے الحاق رکھنے والوں اور ان سے ہمسری کرنے والے خلفاء کے کتب خانوں پر محیط ہے۔ حصہ اوّل میں پہلے عہدِ عباسی کی تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، پھر سترہ (۱۷) خلفاءِ بغداد کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

دوسرا حصہ خلفاءِ بغداد سے الحاق رکھنے والے بیس (۲۰) شاہی سلسلوں، طاہریہ، صفاریہ، سامانیہ، طولونیہ، حسنویہ، دیالمہ، بنوکاکویہ، شاہان بنومزید، خوارزم، غزنہ، سلاجقہ، غور، نیمروز سجستان، آلِ نہاوند زیدیہ یمن، شاہ ماردین، حسام الدین، حاکم جزرہ محمد، ایوبیہ، اغالبہ کے مشہور و معروف تینتیس (۳۳) کتب خانوں کا اور خلفاء عباسیہ سے ہمسری کرنے والے چار (۴) شاہی سلسلوں، فاطمین مصر، بنوحمدان، بنوعمار اور اموی خلفاء اندلس کے نو (۹) کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس طرح بابِ سوم میں عہدِ عباسی کے مشہور خلفاء کے کل انسٹھ (۵۹) کتب خانوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے کتب خانوں کے قیام و اہتمام میں شاہانِ عباسی کی سرگرمیوں اور ان کے کتب خانوں کے اثرات اسلامی قلمرو کے ہر حصے میں روشن نظر آئیں گے۔ نیز کتب خانہ سازی کی تحریک کا عالمی پیمانے پر ارتقاء نظروں سے اوجھل نہ ہو سکے گا۔ کتب خانوں کی شناخت کے جو اصول ہم نے وضع کیے ہیں، ان کی روشنی میں عہدِ عباسی کے جملہ اصناف کے کتب خانوں کا اگر احاطہ کیا جائے تو اس کے لیے کئی مقالے بھی کافی نہیں ہو سکتے، ہم نے بطورِ مثال ہر مشہور صنف میں سے گلے از گلزار مشہور ترین کتب خانوں کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔

تیسرا باب

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ عہدِ عباسی میں تعلیمی وثقافتی سرگرمیاں

۱- خلفاءِ بغداد منصور۔
۲- مہدی۔
۳- ہارون۔
۴- مامون۔
۵- متوکل۔
۶- مہتدی باللہ۔
۷- معتضد باللہ۔
۸- مکتفی باللہ۔
۹- مقتدر باللہ۔
۱۰- راضی باللہ۔
۱۱- قائم بامر اللہ۔
۱۲- مقتدی بامر اللہ۔
۱۳- مستنجد باللہ۔
۱۴- مستضی باللہ۔
۱۵- ناصر لدین اللہ۔
۱۶- مستنصر باللہ۔
۱۷- معتصم باللہ کے کتب خانے۔

۱-عہدِ عباسی میں تعلیمی وثقافتی سرگرمیاں

عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی تاریخ سے قبل اس دور کی تعلیمی سرگرمیوں پر روشنی ڈالنا اس لیے ضروری ہے کہ تعلیم اور کتب خانے لازم وملزوم ہیں۔ تعلیم کے فروغ سے کتب خانوں میں کثرت وتنوع آتی ہے اور وہ فروغ پاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ تعلیم کا یہ اثر تھا کہ عہدِ اموی میں تعلیم اور علم وکتاب سے کوئی گھر خالی نہ تھا(۱)۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب اصطلاحی مدارس کا رواج نہیں ہوا تھا، یہ نظام اتنا مستحکم، ہمہ گیر اور نتائج کے اعتبار سے اتنا دُور رس تھا کہ اسلامی قلمرو کے ہر شہر وبستی میں ضرورت کے مطابق تعلیم کا سلسلہ بحسن وخوبی جاری تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں بیدار دل، روشن دماغ، خوش کردار ارباب کمال وماہرینِ فن کی جماعت تیار ہو کر نکلتی اور اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح پورا کرتی رہی تھی۔ ہر فن میں ہزاروں اربابِ کمال کی عہد بعہد موجودگی پر تذکرہ، طبقات، انساب وبلاد کی تاریخ شاہدِ عدل ہے۔

عہدِ عباسی میں تعلیم کا بہت چرچا تھا۔ ایک ایک جامع میں پچاس پچاس اربابِ کمال کے حلقہائے درس جدا جدا قائم تھے۔ امام شافعی کا جب بغداد میں ورود ہوا تو جامع بغداد میں پچاس درس کے حلقے قائم تھے(۲)۔ محمد بن عبداللہ المعافری المعروف بابن العربی (۴۶۸-۵۴۳ھ) جب بیت المقدس میں آئے تو دیکھا کہ وہاں درس کے اٹھائیس حلقے آباد تھے، جہاں تشنگانِ علوم اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ دو مدرسے ایک شافعیہ کا دوسرا حنفیہ کا تھا(۳)۔ ایک استاد کے ایک جامع میں مختلف حلقے ہوتے تھے۔ وہ مختلف اوقات میں مختلف موضوعات پڑھاتا تھا۔ چنانچہ ابوالفرج عبدالوہاب تمیمی (۳۵۳-۴۲۵ھ) کا جامع منصور میں وعظ وفتوے کا حلقہ ہوتا(۴) فقیہ ابوبکر احمد بن سلمان المعروف بالنجار کا جمعہ کو جامع منصور میں پہلا فقہ حنبلی کا، دوسرا املاء حدیث کا حلقہ ہوتا تھا(۵)

بعض اربابِ فن کے اختصاصی حلقے ہوتے تھے۔ ابوعبداللہ خلیجی کا جامع بغداد میں صرف تصوف اور

۱-الاحکام:۵/ ۱۰۳۔ ۲-تاریخ بغداد:۲/ ۶۸، ۶۹۔ ۳-کتاب الاعتصام:۱/ ۱۹۳۔
۴-تاریخ بغداد:۱۱/ ۳۲۔ ۵-ایضاً:۴/ ۱۹۰۔

مکائدِ نفس وریاضیات ہی موضوع درس رہتا تھا۔(۱)

یہ تدریسی حلقے ائمہ فن واَرباب کمال کی عزت، عظمت، شہرت وقبولیت کا موجب تھے۔اس لیے علماء مرکزی درس گاہ میں پڑھانے کے لائق بننے کی آرزو اور دعا کرتے، نذر مانتے تھے، چنانچہ حافظ ابومسلم کجی التوفی ۲۹۲ھ نے نذر مانی تھی کہ جب وہ حدیث بیان کرنے کے لائق ہوجائیں گے تو دس ہزار درہم صدقہ کریں گے(۲) مورخ خطیب بغدادی نے زمزم پی کر دعا کی تھی یاالٰہی! مجھے جامع منصور میں درس دینا نصیب فرما(۳)۔

ان وجوہ سے استادانِ فن ایک ہی جگہ پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ برس طلبہ کو پڑھاتے اور علم وکتب کی اشاعت کرتے رہتے، عوام وخواص میں ان کی قبولیت وہردلعزیزی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ان اہلِ علم کا جب کسی مرکزی شہر میں ورود ہوتا نہایت شاندار طریقے پر ان کا استقبال کیا جاتا تھا۔جب ابوبکر جعفر فریابی بغداد پہنچے لوگوں نے ان کا طبل بجا کر استقبال کیا تھا(۴)۔

اسلامی قلمرو میں مساجد کے تعلیمی حلقے تعلیم وتربیت علم وکتب کی اشاعت کا مرکز تھے، جب کوئی زائر، مسافر، سیاح شہر کی کسی مسجد میں آنکلتا تو اسے کوئی نہ کوئی استاد و ماہرِ فن مسجد میں درس دیتا ہوا ملتا تھا(۵)۔جامع سوس میں فقہاء، قراء اور ادباء کے بہت سے حلقے آباد تھے(۶)۔سجستان کے تعلیمی حلقوں کا تذکرہ ابنِ حوقل نے بھی کیا ہے۔(۷)

اس سے یہ حقیقت بھی روشن ہوجاتی ہے کہ یہ تعلیمی وتدریسی حلقے علوم وکتب کی نشرواشاعت اور ذخیرۂ کتب میں روزافزوں اضافہ کا محرک رہے ہیں۔عہدِ عباسی کے کتب خانوں کی تاریخ وذخیرہ سازی میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ان اربابِ فن کے تعلیمی حلقے بہت وسیع ہوتے تھے۔تذکرہ نگاران کی وسعت وعظمت اور اہمیت کی نشاندہی مندرجہ ذیل امور سے کرتے تھے:

۱- اربابِ کمال کی(۸)

۲- مستملیوں (حدیثیں لکھنے والوں) کی(۹)

۱-تاریخ بغداد:۱۴/۴۵۔ ۲-ایضاً:۶/۱۲۲۔ ۳-تذکرۃ الحفاظ:۳/۱۱۳۹۔ ۴-تاریخ بغداد:۷/۲۰۲۔
۵-احسن التقاسیم:۴۱۵۔ ۶-ایضاً:۱۷۹-۱۸۳-۲۰۸-۴۳۹۔ ۷-کتاب صورۃ الأرض:۳۱۷۔
۸-الأنساب:۲/۴۵۱۔ ۹-تاریخ بغداد:۷/۲۰۴۔

۳- نگرانوں کی (۱)

۴- یا ان کے دروازے پر کھڑی ہوئی سواریوں کی (۲)

۵- یا ان کے ہاتھوں میں دواتوں کی تعداد و شمار سے (۳)

۶- یا جو لوگ امتیازی لباس (نشانِ فضیلت) زیب تن کر کے آتے ان سے (۴)

۷- یا جو ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے والے تھے، ان کی تعداد سے (۵) تعلیمی ترقی اور اساتذہ فن کی مہارتِ فن کی قبولیت و ہر دل عزیزی کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ اسلام نے تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ تعلیم میں کوتاہی و غفلت سے علم اٹھ جاتا ہے، جہل فروغ پاتا ہے۔ زمامِ کار جب جاہلوں اور نااہلوں کے ہاتھ میں آتی ہے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا ہے اور یہ قیامت کی نشانی ہے (۶) اس لیے اسلام نے سب سے زیادہ زور تحصیلِ علم، تحقیق و ابلاغ پر دیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ علم کا تعلق لوازمِ حیات و مقاصدِ حیات دونوں سے ہے۔ اس لیے اس نے اولین ذمہ داری فرد پر اور آخری ذمہ داری معاشرہ پر عائد کی ہے۔ اس کے تحفظ و ابلاغ اور ترویج و اشاعت کا فرد و معاشرہ دونوں کو پابند کیا (۷) اور تعلیم کا سلسلہ مفت رکھا، اسلام کی پہلی درسگاہ کے طلبہ اصحابِ صفہ اس کی بہترین مثال ہیں، وہ علمی و کتابی ضروریات کی تکمیل میں سرگرمِ عمل رہے، اہلِ ثروت ان کی معاونت کرتے رہے اور تعلیم و تربیت مفت ہوتی رہی۔

حکمِ اقرأ اور علم بالقلم نے مسلمانوں کو علوم و معارف اور تحقیق و جستجو کا ایسا جویا و شیدا بنایا کہ انہوں نے اپنے اس ترقی پذیر جذبہ کی تشکیل و تکمیل کے لیے تحفظ و تدوینِ علوم اور ابلاغ علم و کتاب کے تمام ذرائع اختیار کیے چنانچہ عہدِ عباسی میں تحصیل و تحقیقِ علم اور حصولِ کتب کے مقدس فریضہ کی تکمیل کے لیے جو سفر کیا جاتا، وہ رِحلۃ اور جس علمی شخصیت کی طرف کیا جاتا اسے رُحلۃ کہا جاتا تھا (۸)۔

مسلم معاشرے میں یہ بات مشہور تھی کہ علم ایک شہر ہے اور اس میں داخل ہونے کے دو دروازے ہیں۔

۱- تاریخ بغداد: ۷ر ۲۰۳، معرفۃ القراء الکبار: ۱/ ۲۱۷۔ ۲- معجم الأدباء: ۶/ ۲۸۲۔ ۳- تاریخ بغداد: ۶/ ۱۲۲۔

۴- الطبقات الشافعیہ: ۲/ ۲۸۵۔ ۵- کتاب الاداب الشرعیہ: ۲/ ۲۰۹۔ ۶- صحیح البخاری: ۱/ ۱۴-۱۹، لامع الدراری: ۱/ ۴۲۔

۷- احکام القرآن: ۳/ ۱۱۶-۱۱۷۔ ۸- لسان العرب: ۱۳/ ۲۹۶ (مادہ رحل)

۱- روایت وحفظ (۱)

۲- درایت وفہم: جو استاد ان دونوں صفتوں سے ممتاز ہوتا مقبول انام رہتا تھا۔

عہد عباسی میں تعلیم حاصل کرنے کے پانچ طریقے رائج تھے:

۱- روایت وحفظ۔ ۲- درایت وفہم۔

۳- سماع، سننا۔ ۴- اِملاء، لکھوانا۔

۵- قرأت وعرض۔

اس لیے کہا جاتا تھا حضُورُ الْمَجَالِسِ بِلَا نُسخۃٍ ذُلٌ (۲) "درس کے حلقوں میں کتاب کے بغیر آنا ذلت کی بات ہے۔"

مذکورۂ بالا طریقۂ تعلیم سے عہدِ عباسی میں کتابوں کو بہت فروغ حاصل ہوا اور کتب خانوں کے ذخیروں میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

شاہانِ عباسی میں پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح (۱۳۲-۱۳۶ھ/ ۷۵۰-۷۵۴ء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی اولاد میں سے تھا، اس نسبت سے ان کو عباسی کہا جاتا ہے۔ ان میں کل سینتیس (۳۷) خلیفہ گزرے ہیں۔ ان کی خلافت (اندلس کے سوا کہ وہاں اموی خلفاء حکمران تھے) بحر اوقیانوس سے وادیٔ سندھ تک کم وبیش پانچ ہزار میل کے طویل وعریض رقبے پر محیط تھا۔ انہوں نے ۵۲۴ سال حکمرانی کی، ان کے اس طویل زمانۂ خلافت کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور ابوالعباس السفاح ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء سے شروع ہوکر دسویں (۱۰) خلیفہ متوکل علی اللہ (۲۳۲ھ-۲۴۷-۸۴۷-۸۶۱ء) پر ختم ہوتا ہے۔ یہ ان کے عروج کا دور تھا۔

دوسرے دور کا آغاز گیارہویں خلیفہ مستنصر باللہ (۲۴۷-۲۴۸ھ/۸۶۱-۸۶۲ء) سے ہوا اور بائیسویں (۲۲) خلیفہ مستکفی باللہ (۳۳۳-۳۳۴ھ/ ۹۴۴-۹۴۵ء) تک منتہی رہا۔ یہ زوال وانتشار کا دور ہے۔ تیسرا دور مطیع باللہ کے عہد (۳۳۴-۵۴۷ھ/ ۹۴۵-۱۱۵۲ء) پر ختم ہوتا ہے جس میں ان کا اقتدار سمٹ کر نواح بغداد تک رہ گیا تھا۔

۱- وفیات الأعیان: ۱/ ۵۸۸، ازھار الریاض: ۳/ ۲۱۳۔ ۲- البدایۃ والنھایۃ: ۹/ ۳۴۵ (۱۲۴ھ)

چوتھا دور مستنجد باللہ کے زمانے (۵۵۵-۶۵۶ھ/ ۱۱۶۰-۱۲۵۷ء) سے مستعصم پر ختم ہوتا ہے۔

عباسی خلفاء کا پہلا دور بہت شاندار، پُرامن، معاشی خوشحالی، علمی وادبی ثروت، سیاسی استحکام اور تمدنی و ثقافتی ترقی کا دور تھا۔ علمی وادبی ترقی کے اعتبار سے ان کا ابتدائی ڈھائی سو سالہ دور ہی سنہری دور ہے جس کے تحقیقی کارناموں کو آئندہ کے لیے اساسی ماخذ کی حیثیت اور اس دورِ عروج کی تصنیفات کو ادب عالیہ کا مقام حاصل ہے۔ ان کے پورے دور میں اسلامی قلمرو میں عربی کو سرکاری و علمی زبان کی حیثیت حاصل رہی، کم وبیش ہر بڑے چھوٹے شہر و قصبے میں تعلیم کے لیے مدرسے، مطالعہ کے لیے کتب خانے، بعض مرکزی شہروں میں مشاہدات کے لیے رصدگاہیں اور علاج و تجربات کے لیے شفا خانے قائم کیے گئے تھے۔ صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ حاصل تھا۔

اسلامی قلمرو کے شہروں کی شہرت وعظمت اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ فلاں فلاں بادشاہ کے دارالخلافہ تھے بلکہ ان کی عظمت وشہرت کی بنیاد ہی یہ تھی کہ ان شہروں میں علم وفن پروان چڑھتا رہا تھا۔ ان میں اہلِ علم کی علمی و کتابی ضروریات کی تکمیل کے لیے بڑے بڑے کتب خانے قائم تھے اور وہ تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھے۔

۲- خلفاءِ بغداد کے کتب خانے

اسلامی کتب خانوں کی اساس حکم "اِقْرَأْ وَعَلَّمَ بِالْقَلَم" پر قائم ہے اوراس کی تمام تر ترقی اسی کا فیضان ہے جیسا کہ گزر چکا۔

غارِ حرا میں اقرأ کے حکم نے عربوں کو اولاً الکتاب کی اور ثانیاً کتاب السنہ والآثار کی مندرجہ ذیل چار باتوں:

۱- قرأت۔

۲- کتابت۔

۳- حفاظت۔

۴- اشاعت۔

کا پابند کر کے علم وعرفان کا والہ وشیدا بنایا، پھر ان کی دعوت پر جس قوم وملت نے اقرأ کی روشنی سے دلوں کو روشن کیا وہ بھی مذکورۂ بالا باتوں کی خوگر ہوگئی، اس طرح نور "اقرأ" اور "علم بالقلم" سے عالم میں علمی دور کا آغاز ہوا اور تحریکِ علوم وکتب کے احیاء وتحفظ کا ایسا ترقی پذیر سلسلہ شروع ہوا کہ جب تک اس عالم میں "اقرأ وعلم بالقلم" کا جلوہ قائم ہے اس کی تحریکِ احیاء وتحفظِ علوم وکتب کا دریائے فیض رواں رہے گا۔

اقرأ کی اس تحریک سے کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا۔ پھر شاہانِ عباسی نے خزانۃ الحِکمہ، بیت الحکمہ، خزانۃ الکتب قائم کر کے بنی نوعِ انسان کے تمدنی وثقافتی مشترکہ ورثہ کی حفاظت کے جذبہ کو مزید توانائی بخشی اوران کے عہد میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ عباسی خلفاء کے عہد میں جو کوششیں بارآور ہوئی ہیں ان کا تذکرہ اس مختصر مقالہ میں کیا گیا، اوران کے کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

بغداد شاہانِ عباسی کا دارالخلافہ ہونے کی بناء پر مختلف ثقافتوں کا سنگم بن گیا تھا۔ یہ عربی وعجمی تمدن کا دو آتشہ تھا۔ عباسی خلفاء نے اقوامِ عالم کے علمی، تمدنی، تاریخی وثقافتی برباد شدہ ورثہ، سربمہر کتب خانوں اور کامل و ناقص کتابوں کو دُور دُور کے علمی گہواروں سے سراغ رساں وفد کے ذریعے ڈھونڈ نکالا اور عالمی علمی سرمایہ کو اپنی اصل شکل میں بیت الحکمہ بغداد میں محفوظ ہی نہیں کرایا بلکہ اربابِ فن سے نقدی کے بھاؤ ان کا عربی میں ترجمہ

کرا کر اس فیض کو عام کیا۔

شاہانِ عباسی نے اقوامِ عالم کے ضائع شدہ تمدنی وثقافتی ورثہ کے حصول، پاسبانی اور فیض رسانی کے لیے ''بیت الحکمہ'' قائم کیا اور غیر زبانوں کو سیکھنے کے لیے سب سے پہلے اسلام میں ایک علیحدہ مدرسہ قائم کیا تھا جس میں چھ ہزار طلبہ مفت پڑھتے تھے اور پندرہ ہزار دینار خرچ تھا(۱) جبکہ پوری علمی دنیا ایک تماشائی کی طرح بنی نوع انسان کے قدیم ثقافتی ورثہ کے اس مظلوم گوشہ کی طرف جو صدیوں سے متمدن اقوام کے بادشاہوں، مذہبی رہنماؤں کے ظلم وستم کا شکار چلا آرہا تھا، اور جسے نسلی، قومی، مذہبی وگروہی تعصب وتنگ نظری کی وجہ سے کبھی جلایا جاتا، کبھی نام نہاد تحفظ کے بہانے سر بمہر کر کے دیمک کے رحم وکرم پر چھوڑا جاتا، اور کبھی سفینوں سے دفینوں میں منتقل کیا جاتا تھا، دیکھتی رہی تھی اور اس کے تحفظ کی تدابیر اختیار کرنے میں زبانِ حال سے اپنی بے بسی کا اظہار کر چکی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کے صدیوں پرانے ذہنی کاوشوں کے قیمتی نتائج وثمرات کا یہ بیش بہا اثاثہ بس شاہانِ عباسی کے نظرِ کرم کا محتاج ومنتظر تھا۔ چنانچہ وہ وقت آگیا کہ عباسی خلفاء نے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے اس علمی سرمایہ کو سینے سے لگایا اور غیر زبانوں کو سیکھنے کے لیے سب سے پہلے اسلام میں ایک علیحدہ مدرسہ قائم کیا تا کہ ان زبانوں کا علمی سرمایہ ترجمہ کے ذریعے جلد عام ہو سکے۔ اس علمی ذخیرے کو ترجمے اور نت نئی تحقیقات کے ذریعے آئندہ نسلوں تک پہنچایا، انہی خلفاء اور مسلمان حکماء وفلاسفہ ہی کی مساعیٔ جمیلہ اور تحقیقات تھیں جو موجودہ ترقی کی اساس بنی ہیں۔

شاہانِ عباسی کا یہ وہ ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے جس کی وجہ سے آئندہ نسلیں ہمیشہ ان کے احسان سے گراں بار رہیں گی اور رہتی دنیا تک ان کا نام روشن رہے گا۔

عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کی تشہیر کا آغاز شاہی کتب خانہ ''بیت الحکمہ'' سے ہوا، جس نے وزراء، امراء، روساء اور دولت مندوں کے دلوں میں اپنے علوم ومعارف ہی کے جذبہ کو نہیں، اقوامِ عالم کے علوم کی تحصیل اور پاسبانی کے جذبہ کو بھی ابھارا اور اسلامی کتب خانوں کا دائرۂ کار علومِ اسلامی کے علاوہ علومِ اوائل وعلومِ قدیمہ تک پھیلایا جو کتب خانوں کے ذخیروں میں ہمہ گیر اور غیر معمولی اضافہ ووسعت کا سبب ہوا۔

۱- خلاصۃ تاریخ العرب: ۱۱۳-۱۱۴۔

شاہانِ عباسی مطلق العنان فرمانروا تھے۔ اس لیے شاہی کتب خانوں کا انتساب انہی کی طرف کیا جاتا تھا حالانکہ وہ قومی سرمایہ سے بنائے جاتے تھے۔ شاہی کتب خانے اپنے وظائف کے اعتبار سے قومی کتب خانے کہے جانے کے مستحق تھے۔ خزانۃ الحکمہ میں نقلِ کتب، ترجمہ و تحقیق اور استفادہ کی سہولت مہیا کی گئی تھی، البتہ کتابوں کو کتب خانہ کے حدود سے باہر لے جانے کی اجازت نہ تھی۔

یہ پہلا کتب خانہ تھا جس کا کیٹلاگ کتابی صورت میں مرتب کیا گیا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قومی کتب خانوں کی تاسیس بھی عباسی خلفاء کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

خلیفہ مامون نے قصرِ شاہی میں خزانۃ المامون کے نام سے اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کر کے ''بیت الحکمہ'' کی قومی حیثیت کو اور بھی ممتاز کر دیا تھا۔ خزانۃ الحکمہ کی عظمت، وسعت، تنوع اور کتابوں کے ذخیروں کی کثرت کی وجہ سے اس کی شہرت دُور دُور پہنچ گئی تھی۔

شاہانِ عباسی کا ذوقِ کتب خانہ سازی نسلاً بعد نسل قائم رہا۔ شاہی کتب خانے ورثے میں ایک دوسرے کو منتقل ہوتے رہے۔ اس لیے ہر جانے والے کا نام خارج ہوتا اور ہر آنے والے بادشاہ کا نام اس میں درج ہوتا رہا۔ ان کتب خانوں کی علمی شہرت اور عوام میں قبولیت ہر دور میں کم و بیش برابر قائم رہی۔ ہر خلیفہ نے اس ذخیرۂ کتب میں اضافہ کیا اور اس میں ہر علمی و مشہور کتاب کی غیر موجودگی کو باعثِ ننگ و عار سمجھا جاتا رہا۔ جیسا کہ خلیفہ راضی باللہ کے کتب خانہ میں صولی کے بیان سے ظاہر و عیاں ہے۔

عباسی خلفاء اور مسلمان حکمران علوم و فنون کے مربی تھے۔ وہ تصانیف پر انعام دے کر علماء و اربابِ کمال کی ہمت افزائی کرتے، کتب خانوں کے ذخائر بڑھاتے۔ ہر دور میں ان کے نام جو کتابیں معنون کی جاتی تھیں ان سے کتب خانوں کا سراغ ملتا ہے۔ اس لیے ان واقعات کو بھی نقل کیا گیا۔

شاہانِ عباسی نے اوائل عہدِ عباسی میں کتب و کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کی غرض سے مثالی کتب خانے ''خِزَانَةُ الْحِكْمَة'' ''بَيْتُ الْحِكْمَة'' قائم کیے اور اپنے اختتامی دور میں علم کی اشاعت، کتب خانوں کے فروغ کے لیے مثالی جامعات قائم کیں۔ اس بناء پر مؤرخ ابنِ خلدون نے آخری عباسی خلفاء میں سے ناصرلدین اللہ بن مستضی باللہ کو مشرق میں مغربی خلیفۃ الحکم الثانی کا نظیر و مثیل قرار دیا(۱) ان کی بنائی ہوئی

۱- تاریخ ابن خلدون: ۳/ ۳۱۷۔

دانشگاہیں یورپ کی جامعات کے لیے نمونۂ عمل بنیں اور موجودہ دور کی یونیورسٹیوں کے قیام ونظام میں ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا گیا۔ چنانچہ ان کے اوائل عہد کے کتب خانے اور اواخر عہد کی جامعات، کتب خانوں کے نظام، مدارس کے طریقۂ درس اور طرزِ تعمیر پر بہت زیادہ اثر انداز رہی ہیں۔ یہ وہ عظیم الشان قابلِ فخر کارنامے ہیں جن کی وجہ سے کتب خانوں کی تاریخ میں ان کا نام سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

(ا) خلیفۂ منصور کا کتب خانہ:

المنصور ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن علی عباسی (۹۵-۱۵۸ھ/ ۷۱۴-۷۷۵ء) فقیہ، محدث، حافظِ حدیث وادیب تھا(۱) اسے فلسفہ، نجوم وہیئت سے بھی دلچسپی تھی۔ علماء وحکماء کی قدر کرتا تھا(۲)۔ شاہانِ عرب میں یہ پہلا بادشاہ تھا جس کے عہد میں عربوں نے یونان وفارس کے علوم کی طرف خصوصی توجہ کی اور دوسری زبانوں کے علمی و فنی کتابوں کے ترجمہ کی تحریک شروع کی (۳)۔ خلفائے عباسیہ میں یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے امام مالکؒ سے حدیث کی مشہور کتاب الموطاء(۴) اور مؤرخ محمد ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ سے شہزادہ مہدی کے لیے سیرت النبی لکھوائی۔ وہ پہلی مرتبہ سیرت النبی بہت لمبی لکھ لائے۔ منصور نے اس کو ان سے مختصر کرایا، وہی مختصر آج سیرت ابنِ اسحاق کے نام سے مشہور ہے۔ مطول تاریخ امیر المومنین کے خِزَانَةُ الْکُتُب میں داخل کی گئی۔ (۵)

ابوالہیثم کا بیان ہے کہ محمد بن اسحاق نے یہ سیرت قراطیس پر لکھی تھی (۶) اس خِزَانَةُ الْکُتُب میں مشاہیر کے خطوط بھی نقل کرا کر رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ کاتب منصور ابو عبداللہ کا بیان ہے "منصور کے پاس امام اوزاعی کے بہت مکاتیب آتے تھے، ہمیں ان کی کثرت پر تعجب تھا اور ان کی نقل سے عاجز تھے، وہ پہلے کتابوں میں اتارے جاتے، پھر منصور کو پیش کیے جاتے تھے" (۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطوط کا تعلق اس کے دورِ خلافت (۱۳۶-۱۵۸ھ) سے ہے۔ یہ خطوط اور کتابیں سب قصرِ شاہی کے خِزَانَةُ الْکُتُب میں رکھی جاتی تھیں۔

۱- البدایہ والنھایہ: ۱۰/ ۱۲۶، سیرۃ مغلطائی: ۱۰۲۔ ۲- تاریخ الحکماء: ۱۶۰۔

۳- طبقات الأمم: ۶۴، عیون الأنباء: ۲/ ۳۶۹،۳۷، تاریخ الحکماء: ۲۲۰، ۲۷۰، تاریخ الخلفاء: ۲۶۹۔

۴- ترتیب المدارک: ۱/ ۱۹۲، جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/ ۱۳۲۔ ۵- تاریخ بغداد: ۱/ ۲۲۱۔

۶- ایضاً، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۰۳، ۱۰۵۔ ۷- تاریخ الاسلام: ۶/ ۲۰۳۔

(ب) خلیفہ مہدی کا کتب خانہ:

المہدی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المنصور بن محمد العباسی (۱۲۷-۱۲۹ھ/ ۷۴۴-۷۸۵ء) بہت سخی (۱) دیندار اور علم کا قدردان تھا۔ اس نے بغداد میں "جامع رصافہ" جو مشہور درسگاہ بھی رہی ہے، تعمیر کرائی تھی، اس کو شاہی کتب خانہ ورثے میں ملا تھا۔ عباسی خلفاء میں (۲) یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے الحاد و زندقہ کے تدارک اور عالموں کو ان کی تردید میں کتابیں لکھنے کا حکم دیا تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء میں رقمطراز ہیں۔

"هُوَ اَوَّلُ مَنْ أَمَرَ بِتَصْنِيفِ كُتُبِ الْجَدَلِ فِي الرَّدِّ عَلَى الزَّنَادِقَةِ وَ الْمُلْحِدِيْنَ"

یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے بے دینوں اور زندیقوں کی تردید میں متکلمانہ مناظرانہ (کتابیں لکھنے کا فرمان جاری کیا تھا) جس سے علمِ کلام کو حکومت کی سرپرستی میں ترقی کرنے کا موقع ملا اور مناظرانہ ادب میں وسعت و تنوع پیدا ہوا۔ (۳)

علامہ ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

"تم دیکھو گے جب اسلام و ایمان پھیلا اور اس کی شوکت بڑھی تو سنت و اہلِ سنت کو فروغ حاصل ہوا، ان کا زور زیادہ ہوا اور جب کفر و نفاق پھیلا تو اس کے بقدر بدعت کی اشاعت ہوئی۔ المہدی و ہارون رشید جیسے خلفاء کا دورِ حکومت اس کی مثال ہے۔ یہ وہ خلفاء تھے جن کے دورِ حکومت میں اسلام اور مسلمانوں کی تعظیم کی جاتی تھی، یہ دشمنانِ اسلام یعنی کفار و منافقین سے جنگ کرتے تھے۔ خلیفہ مہدی نے بے شمار منافقین و زنادقہ کا قلع قمع کیا، المہدی خلفاء عباسیہ میں سب سے بہتر خلیفہ تھا۔ وہ سب سے زیادہ ایماندار، منصف مزاج اور سب سے بڑھ کر سخی تھا۔ وہ منافقین و زنادقہ کی بیخ کنی کرتا رہتا تھا" (۴) اس کے دور میں اسلامی ادب کو برگ و بار لانے کا پورا موقع ملا تھا۔

مفضل ضبی المتوفی ۱۶۸ھ نے جاہلی شعراء کے ۱۲۸ قصائد کا منتخب "المفضلیات" کے نام سے مہدی کے لیے مرتب کیا تھا۔ (۵)

۱- سیرۃ مغلطائی: ۱۰۳، تاریخ الخلفاء: ۲۷۱۔ ۲- طبقات الشعراء: ۹۳۔ ۳- تاریخ الخلفاء: ۲۷۱-۲۷۳۔

۴- نقض المنطق: ۱۸-۱۹۔ ۵- الفہرست: ۱۰۲، المفضلیات: ۱۱۔

(ج) خلیفہ ہارون رشید کا کتب خانہ:

الرشید، ابوجعفر ہارون بن محمد بن المنصور عباسی (۱۴۹-۱۹۳ھ/۷۶۶-۸۰۹ء) بڑا فاضل ادیب و شاعر تھا(۱) اسے فقہ، ادب وحدیث سے بہت مناسبت تھی (۲) ایک سال حج کرتا، ایک سال جہاد کرتا، سو علماء و فقہاء کو اپنے ہمراہ حج کے لیے لے جاتا (۳) علم دوست، علماء، ادباء وشعراء کا قدردان تھا (۴) اس کے دربار میں جتنے عالم، شاعر، فقیہ، قاضی، کاتب، ندیم اور گویے جمع ہوئے کسی خلیفہ کے دربار میں نہیں ہوئے۔ اس کے وزیر برامکہ اور اس کے قاضی ابویوسف تھے۔ درباری شاعر جریر اور مروان بن اَبی حفصہ تھا (۵) یہ خود، اخبار و آثار اور اشعار کا راوی تھا۔ (۶)

ہارون رشید نے علمی ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اس کی طبیعت میں علم کی طلب وجستجو تھی۔ وہ ائمہ فن کی مجالس میں حاضر ہوتا اور اپنے دربار میں بھی علمی مجلسیں منعقد کرتا تھا۔ فلاسفہ، حکماء، اطباء، ادباء، فقہاء اور قضاۃ کا ہم نشیں تھا۔ تحقیقات کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے واقف تھا، اس لیے تحقیق کرنے والوں کے لیے تحقیقی و علمی مواد کے حصول کی خاطر نہایت وسیع پیمانہ پر قصرِ شاہی میں ''خِزَانَۃُ الْحِکْمَۃ'' کی بنیاد رکھی اور اس کو ترقی یافتہ اقوام کے علمی ذخیروں سے مالا مال کرنے کی سعی بلیغ کی۔ ''خِزَانَۃُ الْحِکْمَۃ'' کتب خانہ و دارالترجمہ پر مشتمل تھا (۷) ابوسہل فضل بن بخت فارسی المتوفی بعد ۱۹۳ھ کو ''خزانۃ الحکمہ'' کا خازن بنایا تھا۔ یہ فارسی زبان سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ بھی کرتا تھا۔ (۸)

''خِزَانَۃُ الْحِکْمَۃ'' کے ذخائر میں اضافہ کے لیے نساخ و وراق مقرر تھے جو مصنفین کی کتابیں نقل کر کے خزانۃ الحکمہ میں پہنچاتے تھے چنانچہ ابوالحسن علی بن المغیرہ الاثرم المتوفی ۲۳۲ھ جو اصمعی و ابوعبیدہ کا شاگرد و نساخ تھا، خلیفہ ہارون الرشید کے لیے ابوعبیدہ کی کتابیں نقل کرتا تھا (۹) اس میں علان شعوبی المتوفی ۲۱۸ھ برامکہ کے واسطے کتابیں نقل کرتا تھا (۱۰) ہارون رشید کو انقرہ وعموریہ اور دوسرے رومی شہروں کی فتح میں جو

۱- فوات الوفیات: ۲/ ۲۶۱۔ ۲- العبر: ۱/ ۳۱۳۔ ۳- تاریخ بغداد: ۱۴/ ۶۔ ۴- ایضاً: ۷، الکامل فی التاریخ: ۶/ ۲۱۷، البدایہ والنہایہ: ۱۰/ ۲۱۴ (۱۹۳ھ) ۵- تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۱۔ ۶- تاریخ الدول الاسلامیہ: ۱۹۶۔ ۷- تاریخ الحکماء: ۳۰-۳۱، کشف الظنون: ۱/ ۳۴-۳۵۔ ۸- الفہرست: ۳۸۲، تاریخ الحکماء: ۲۵۵، تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی: ۵۹۔ ۹- نزہۃ الألبّاء: ۱۲۲۔ ۱۰- الفہرست: ۱۵۴، معجم الأدباء: ۵/ ۶۶، تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی: ۴۸۔

کتابیں ملی تھیں ان کے ترجمہ پر مشہور طبیب یوحنا بن ماسویہ المتوفی ۲۴۳ھ کو مامور کیا تھا(۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خزانۃ الحکمہ انقرہ کی فتح ۱۸۱ھ/۷۹۷ء(۲) سے پہلے قائم ہو چکا تھا اور عہد ہارونی میں رومیوں کا شہر عموریہ (۷۹۲ء/۱۷۲ھ) میں فتح ہوا تھا،(۳) اس لیے کچھ عجب نہیں کہ اس سے قبل ''خِزَانَۃُ الْحِکْمَۃ'' کا قیام عمل میں آ چکا ہو اور ممکن ہے کہ ان ذخائر کے حصول کے فوراً بعد ایک قومی کتب خانے کے قیام کا خیال پیدا ہوا ہو۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ خلیفہ ہارون رشید نے ''خِزَانَۃُ الْحِکْمَۃ'' قائم کیا تھا اور اس نے غیر زبانوں کی علمی وفنی کتابوں کو جمع کرنے اور ان کا عربی زبان میں ترجمہ کرانے کی علمی تحریک کو جس کا آغاز منصور نے کیا تھا ترقی دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی بلکہ بہت ممکن ہے کہ رومیوں پر اس کے سالانہ جنگی حملوں کا جنھیں ''صوائف'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک مقصد نفیس یونانی مخطوطات کو بغداد منتقل کرنا ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال موسم گرما میں بلادِ روم پر اس کے فوجی حملوں کا مقصد رومیوں کی قوت و شوکت کو پامال کرنا ہی نہ تھا بلکہ مختلف علوم وفنون، طب، فلکیات، ریاضیات و فلسفہ میں مزید مخطوطات حاصل کرنا بھی تھا۔ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ یونانیوں کے ایشیا کوچک میں ثقافتی مرکز عموریہ وانقرہ وغیرہ پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھا جاتا۔ ان شہروں کو قدیم ونادر مخطوطات کی کثرت میں شہرت خاص حاصل تھی۔ یہاں کے رہنے والوں کو اپنی نادانی کی بناء پر اس کے سوا کہ وہ ان کے بزرگوں کا چھوڑا ہوا اثاثہ ہے۔ ان کی قدر و قیمت کا صحیح علم نہ تھا اس لیے ہارون رشید کی شرائطِ صلح میں یہ بات بھی ذکر کی گئی تھی کہ وہ ان میں سے جن کتابوں کو چاہے گا، لے گا اور رومی اس سے تعرض نہیں کریں گے۔(۴)

اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہارون رشید کی یہ فوجی مہمیں توسیع پسندانہ سرگرمیاں نہیں تھیں بلکہ اس کی یہ مہمات بنی نوع انسان کے برباد شدہ علمی و ثقافتی ورثہ کے تحفظ، کتابوں اور کتب خانوں کے حصول، علوم کی نشر واشاعت، آئندہ نسلوں کی کتابی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی علمی، اخلاقی، تمدنی اور ثقافتی ترقی کی خاطر تھیں۔

۱- تاریخ الحکماء: ۳۸۰، عیون الأنباء: ۲/ ۱۲۴۔ ۲- العبر: ۱/ ۲۷۸، دول الاسلام، ط:۳، ۱/ ۸۴۔

۳- ایضاً: ۸۳۔ ۴- المکتبات فی الاسلام: ۵۶-۵۷۔

ہارون رشید نے یوحنا کو جسے مسلمانوں نے فتح ممالک کے وقت قیدی بنایا تھا، طبی کتابوں کے عربی میں ترجمہ کرنے پر مامور کیا، جو اسے انقرہ، عموریہ اور روم کے دوسرے شہروں میں ملی تھیں، پھر خلیفہ نے اس کو ترجمہ کا نگران و امین بنایا اور اس کے ماتحت ماہر کاتبوں کو مقرر کیا جو لکھتے اور نقل کرتے تھے۔(۱)

یوحنا ایک قیدی کی حیثیت سے بغداد میں آیا تھا، لیکن علم کی قدر و منزلت نے اس کو قید سے رہائی دلائی اور خلیفہ ہارون رشید نے اسے ''خِزَانَةُ الْحِکْمَة'' جیسے بین الاقوامی علمی و تحقیقی ادارہ میں نہایت عظیم الشان منصب ''تراجم کتب'' پر فائز کیا۔ غزوۂ بدر کے بعد ہاشمی خاندان میں یہ دوسری اور خلفاء عباسیہ میں پہلی مثال ہے۔ ہارون رشید کی معارف پروری اور علم و فن کی قدردانی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ قومی کتب خانے کے ذخیرہ کو ترجموں سے مالا مال کرنے کے لیے مندرجہ ذیل ترجمہ نگاروں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

حجاج بن یوسف بن مطر، اس نے کتاب اقلیدس (اصل الہندسہ) کا ترجمہ عربی میں کیا تھا جو نقلِ ہارونی کے نام سے موسوم ہے(۲) بخت منجم، یحییٰ بن البطریق، جورجیس بن بختیشوع، عبداللہ بن المقفع، سلام ابرش، باسیل مطران اور سہل بن نوبخت۔(۳)

(و) خلیفہ مامون کا کتب خانہ:

المامون، ابوالعباس عبداللہ بن ہارون بن محمد عباسی (۱۷۰-۲۱۸ھ/ ۷۸۶-۸۳۳ء) امام، محدث، نجومی، لغوی اور فلسفی تھا(۴) شاہانِ عباسی میں فقہ اور کلام کا سب سے بڑا عالم(۵) اور تین کتابوں کا مصنف تھا(۶) اس کو متعدد علومِ فقہ، طب، شعر، فرائض، نحو، لغت، حدیث، علمِ نجوم اور تاریخ(۷) میں درک حاصل تھا۔ علومِ اوائل سے خاص اعتناء تھا۔ اس نے فلسفہ میں مہارت پیدا کی۔ یہی مہارت اسے خلقِ قرآن کی طرف لے گئی(۸) مسئلہ خلقِ قرآن کا آغاز ۲۱۲ھ میں ہوا لیکن اس پر اصرار ۲۱۸ھ میں شروع ہوا اور اس سال جب یہ روم کی طرف لشکر لے کر نکلا بیمار پڑا اور مر گیا۔ اس عقیدہ سے اس نے رجوع نہیں کیا(۹) مؤرخ ذبیح اللہ صفا کا

۱- طبقات الاطباء والحکماء: ۶۵، تاریخ الحکماء: ۳۸۰، عیون الانباء: ۲/ ۱۲۳۔ ۲- الفہرست: ۳۷۱۔

۳- تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی: ۱/ ۴۲۔ ۴- سیرۃ مغلطائی: ۱۰۵۔ ۵- الفہرست: ۱۶۸، الطبقات السنیہ: ۱/ ۳۴۷۔

۶- ایضاً۔ ۷- البدایہ والنھایہ: ۱۰/ ۲۷۵ (۲۱۸ھ) ۸- فوات الوفیات: ۱/ ۵۰۱۔

۹- الطبقات الشافعیہ: ۱/ ۲۰۷، النجوم الزاہرہ: ۲/ ۲۲۵ (۲۱۸ھ)، الطبقات السنیہ: ۱/ ۳۴۸۔

خیال ہے کہ مامون چونکہ ایک ایرانی خاتون مراجل کے بطن سے تھا اور اس کی تربیت برامکہ کے زیرِ نگرانی ہوئی تھی اس لیے وہ آزادیٔ فکر کا زیادہ قائل، فلسفہ، علومِ قدیمہ اور حکماء کا دلدادہ تھا (۱)

ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

دولتِ عباسیہ کا جب دائرہ وسیع تر ہوا۔ اہلِ مشرق اور وہ عجمی گروہ جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اَلْفِتْنَۃُ مِنْ هٰنَا، فتنہ یہاں نمودار ہوگا اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے، چنانچہ بدعات بکثرت پھیل گئیں۔ اسی دور میں مجوسیوں، فارسیوں، صابیوں، رومیوں اور مشرکوں کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

خلیفہ ابو العباس المامون کے دورِ حکمرانی میں خرمیہ جیسے منافقین کو سر اٹھانے کا موقع ملا، بلادِ روم سے قدماء یونان کی کتابیں لائی گئی تھیں ان کا عربی میں ترجمہ کیا گیا، ان کی وجہ سے صابیوں کے افکار و عقائد کی نشر و اشاعت ہوئی ہندوستان جیسے مشرک فرمانرواؤں سے مراسلت قائم ہوئی، اس کے اور ان کے درمیان دوستی کے رشتے ناطے استوار ہوئے اور مسلمانوں میں کفر و نفاق نمودار ہوا، مشرکین و اہلِ کتاب کو جو قوت و طاقت حاصل ہوئی وہ اس کا اثر تھا، گمراہ فرقے جہمیہ و روافض کو غلبہ حاصل ہوا اور صابئین و فلاسفہ کو تقرب شاہی ملا، یہ اس فہم و فراست کا اثر تھا جو خلیفہ مامون اپنی عقل و انصاف پسندی سے سمجھ بیٹھا تھا حالانکہ یہ جہل و ظلم تھا، اس کی وجہ سے جہمیہ کا فتنہ ابھرا تا آنکہ اُمتِ مسلمہ نفی صفات باری تعالیٰ و تکذیب کلام اللہ رؤیت باری کے مسائل سے دوچار ہوئی اور امام احمد وغیرہ امتحان و آزمائش سے گزرے جس کی داستان طولانی ہے (۲)۔

ابنِ تیمیہ کے مذکورۂ بالا تبصرہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مامون کے دور میں غیر اسلامی ادب نے کس طرح اسلامی ادب میں بار پایا اور کن اصناف کو فروغ حاصل ہوا۔

مامون کا معاصر الخوارزمی کہتا ہے: "یہ معارف پرور، علوم و فنون کا سرپرست، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا، ان سے قریب رہتا، انہیں اپنے قریب رکھتا اور انعام و اکرام سے سرفراز کرتا تھا" (۳) اذکیاء عالم میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ (۴) اس نے محدثین کی ریس میں حدیثیں بھی املا کرائیں اور خلیفہ منصور کے علمی و فنی کتابوں کے ترجمے کا کام تکمیل کو پہنچایا، علمی کتابوں اور کتب خانوں کو معلوم کرایا، حصولِ کتب کے لیے فوجی مہموں کے علاوہ

۱۔ تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی: ۱/ ۴۲۔ ۲۔ نقض المنطق: ۱۸-۱۹۔

۳۔ کتاب الجبر والمقابلۃ، ط: ۲، ج ۲/ ۱۵-۱۶۔ ۴۔ العبر: ۱/ ۳۷۵۔

تحفے تحائف کی روش بھی اختیار کی، مساویانہ و دوستانہ برتاؤ کو اپنایا۔ گویا مامون نے حصولِ کتب و کتب خانوں کے لیے طاقت کے بجائے احسان و اکرام کا راستہ اختیار کیا۔ شاہانِ روم سے تعلقات پیدا کیے، ان کو قیمتی تحفے بھیجے اور ان سے فلاسفۂ یونان، ارسطو، بقراط، جالینوس، بطلیموس وغیرہ کی کتابیں منگوائیں، عوام و خواص کے فائدے کے لیے ماہرینِ فن سے ان کا ترجمہ کرایا، پھر ان کے پڑھنے پڑھانے کی لوگوں کو ترغیب دی، اس سے فلسفہ کی خوب گرم بازاری ہوئی (۱)۔

مامون فلاسفہ کا ہم جلیس تھا، ان کے مناظروں سے لطف اندوز ہوتا، انہیں عنایاتِ خسروانہ سے سرفراز کرتا تھا۔ علماء، فقہاء، محدثین، متکلمین، اہلسنت، مؤرخین، ماہرینِ انساب و نامور شعراء کے ساتھ مامون کا یہی برتاؤ تھا۔ علماء کی ایک جماعت نے علومِ فلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ آئندہ نسلوں کے لیے علمِ طب اور میڈیکل سائنس کی تحصیل کو آسان کیا، انہوں نے ادب کے اصول اور طریقے وضع کیے تاآنکہ عباسی سلطنت اپنے دورِ عروج میں سلطنتِ روما کی ہمسری کرنے لگی تھی۔ ہارون کی طرح مامون کا بھی رومیوں پر جنگی حملوں سے مقصد علمی فتوحات حاصل کرنا تھا۔ اس نے قسطنطنیہ، صقلیہ و قبرص میں کتابیں جمع کرنے کے لیے حجاج بن مطر، ابن بطریق اور سلم خازن بیت الحکمۃ پر مشتمل وفود بھیجے تھے (۲) بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے، شاہ صقلیہ کو مامون کا جب مکتوب ملا، اس نے اپنے مذہبی رہنماؤں اور مملکت کے سربراہوں سے مشورہ کیا، ان کے بڑے مذہبی پیشوا نے کہا: بخدا، آپ یہ کتابیں ان کو بھیج دیں، یہ علوم جس قوم میں بھی پہنچے ہیں اس قوم کو ان علوم نے تباہ کیا۔ بادشاہ نے اس کے مشورہ کے مطابق عمل کیا۔" (۳) پاپائیت کی اساس میں استحکام نہیں پایا جاتا تھا۔ فکری جولانیوں کی اس میں کوئی گنجائش نہ تھی، فلسفہ کو اس نے وبالِ جان سمجھا ہوا تھا اور اسلام کے بارے میں اس کا کم و بیش یہی تصور تھا کہ یونانی فلسفہ سے اس میں اختلال پیدا ہو جائے گا۔ یونانی فلسفہ نے کم علموں کے ذہنوں کو کسی حد تک متاثر ضرور کیا لیکن مسلمانوں کے ایمان و ایقان کی جڑیں کھوکھلی نہ کر سکا۔

ایک مرتبہ مامون نے حنین بن اسحاق کو جو بیت الحکمۃ میں علومِ قدیمہ کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور تھا بلادِ روم میں کتابیں حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا (۴) اس نے جن کتابوں کو قابلِ اعتناء سمجھا اور منتخب کیا۔ جب

۱- طبقات الأمم: ۶۴-۶۵۔　　۲- الفہرست: ۳۳۹، عیون الأنباء: ۲/ ۱۴۳۔
۳- عصر المامون، ط: ۴، ۱/ ۳۷۵-۳۷۶، المکتبات فی الاسلام: ۶۱۔　　۴- الفہرست: ۴۰۹، تاریخ الحکماء: ۱۷۳۔

وہ کتابیں بغداد پہنچیں، مامون نے ان کے ترجمہ کا حکم دیا۔ یہ ایک ہزار بارِ شتر کتابیں ایک عبادت خانہ میں محفوظ تھیں؛ اس کا دروازہ ہر وقت بند رہتا تھا، کچھ اچھی حالت میں اور کچھ بوسیدہ تھیں۔ کچھ کو دیمک چاٹ گئی تھی (۱) بلادِ روم سے پانچ بارِ شتر کتابیں لائی گئی تھیں، ان میں جو پوری آ گئیں وہ آج تک پوری ہیں اور جو ناقص رہ گئیں وہ آج تک ناقص ہیں (۲)۔

اس طرح مامون نے مشہور مصنف، مترجم، امین (۳) دارالترجمہ یوحنا بن بطریق کو بلادِ روم کی طرف بھیجا تھا۔ اس کا بیان ہے ''وہ ہیکل عبد شمس میں پہنچا، اس نے پادری کو لطائف حیل سے رام کیا، پھر اس نے یوحنا بن بطریق کو ہیکل میں رکھی ہوئی کتابیں دکھائیں، ان میں وہ کتابیں بھی تھیں جن کی امیر المومنین نے نشاندہی کی تھی، میں نے مطلوب کو پالینے کے بعد امیر المومنین کو خبر کی۔'' (۴)

اس سے معلوم ہوا کہ کتابوں کے ترجمہ پر مختلف علوم اور زبانوں کے ماہر مختلف شعبوں کے نگران مقرر کیے جاتے تھے۔ چنانچہ ابن نباتہ نے تصریح کی ہے کہ سہل بن ہارون کو خزانۃ الحکمت سے فلسفہ کی ان کتابوں پر جو جزیرۂ قبرص سے منتقل کی گئی تھیں، (۵) کاتب مقرر کیا تھا، شاہانِ عباسیہ کی فلاسفۂ یونان کے علوم و فنون سے دلچسپی اور اس کی نشر و اشاعت میں غیر معمولی سرگرمی کے باوجود فلاسفہ یونان کے علمی سرمایہ کے ٹھیکیداران خلفاء کے ساتھ نہایت سرد مہری اور حقارت آمیز طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے تھے۔

ڈریپر لکھتا ہے: ''جب علم پرست مامون نے قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ تھیوفلی (Thiophile) کو ایک خط لکھا کہ لیون (Leon) نامی عالم کو بغداد آنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ مجھے ریاضیات کی تعلیم دے، میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے مجبور نہ ہوتا تو خود حاضر ہوتا، بادشاہ نے مامون کی اس استدعا کو رد کر دیا اور جواب دیا کہ وہ علوم جن سے رومیوں کا نام آسمانِ شہرت پر چمکا ایک وحشی (عربی) کو نہیں سکھائے جا سکتے'' (۶)۔

اسی رومی بادشاہ پر فلسفۂ پاپائیت (Theocracy) کا غلبہ تھا، نسلی تعصب سے اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ علم و حکمت کے شیدائی کو نہ سمجھ سکا، وہ متاعِ مشترک کو اپنی جاگیر سمجھ بیٹھا تھا۔ اس کے باوجود سرد مہری فلاسفۂ یونان کی کتب و کتب خانوں کے حصول اور ان کے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت سے خلیفہ مامون کی سرگرمیاں

۱- الفہرست: ۳۳۹-۴۰۹۔ ۲- ایضاً: ۳۰۔ ۳- ایضاً: ۳۹۳۔
۴- طبقات الاطباء: ۶۷۔ ۵- ضحی الاسلام، ط: ۵، ۲/ ۶۳۔ ۶- طبقات الامم: ۸۳، ۸۴، خلاصۃ تاریخ العرب: ۱۱۰۔

برابر جاری رہیں اور اس کی داد و دہش اور قدر دانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

چنانچہ ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے:

''میں نے حنین کے کاتب ازرق کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بہت سی کتابیں جمع کی ہیں، ان کے حروف بڑے بڑے ہیں'' قلم موٹا ہے، سطریں پھیلی ہوئی ہیں، ان کے اوراق کی موٹائی اتنی ہے جتنی اس دور (ساتویں صدی ہجری) کے بنے ہوئے تین یا چار ورق کی ہوتی ہے اور اس کی تقطیع ایک تہائی بغدادی کاغذ کے بقدر ہے۔ حنین کا اس سے مقصد کتاب کے وزن و حجم کو بڑھا کر زیادہ سے زیادہ درہم حاصل کرنا تھا۔ اس کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ وہ کاغذ اپنی موٹائی کی وجہ سے مدت مدید (ساتویں صدی ہجری) تک محفوظ رہ سکا۔''(۱)

مامون کی مساعئ جمیلہ سے حکومت کی زیرِ سرپرستی فلسفہ، نجوم، ریاضیات، طب، ادب اور سیاست کے موضوع پر علمی وفنی کتابوں کا یونانی، (۲) پہلوی، (۳) (ہندی)، (۴) نبطی، عبرانی، لاطینی اور قبطی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا گیا (۵) اور مختلف علوم وفنون میں مسلمانوں کی تحقیقات کا سلسلہ شروع ہوا۔

خزانۃ المامون:

مامون نے قصرِ شاہی میں دو کتب خانے بنائے تھے۔ ایک ذاتی جس کا نام ''خزانۃ المامون''(۶) کتب خانہ مامون تھا۔ ابن الندیم نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ''الفہرست'' میں جہاں ''خزانۃ المامون'' کا لفظ لکھتا ہے اس سے مامون کا یہی ذاتی کتب خانہ اور ''خزانۃ الحکمہ'' اور ''بیت خزانۃ الحکمہ'' سے (سرکاری کتب خانہ) مراد ہوتا ہے۔

مامون نے خزانۃ المامون میں اپنے مذاق کی کتابیں اور دوسری ثقافتی چیزیں بھی جمع کی تھیں (۷)۔

ابن الندیم کا بیان ہے:

''اس نے خزانۃ المامون میں چمڑے پر عبدالمطلب بن ہاشم کا ایک نوشتہ (۸)، خط حمیری (۹) اور سوڈانی خط کا نمونہ بھی دیکھا تھا: (۱۰) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مامون علم کا سچا شیدائی تھا، اس کی طلب وجستجو نے

۱-عیون الأنباء: ۲/ ۱۴۴، ۱۹۰، تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی: ۲/ ۶۵-۶۶۔ ۲-عصر المامون: ۱/ ۳۸۱-۳۸۷۔

۳-ایضاً: ۳۸۷-۳۸۸۔ ۴-ایضاً: ۳۸۸، ۳۹۲۔ ۵-ایضاً: ۳۹۲۔ ۶-ایضاً: ۳۹۲۔

۷-الفہرست: ۷، ۸، ۲۹، ۳۲۔ ۸-ایضاً: ۷، ۸۔ ۹-ایضاً۔ ۱۰-ایضاً: ۲۹۔

علم کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ تحقیق کے لیے علم وحکمت کے شہ پاروں کو جہاں بھی پاتا حاصل کرتا اور اپنے نجی کتب خانے کو اس سے زینت دیتا تھا۔ خزانۃ المامون کی نگرانی اور نظم وترتیب کا کام خازن بیت الحکمہ سہل بن ہارون کے سپرد تھا۔(۱) اس اعتبار سے خزانۃ المامون کو قومی کتب خانے ''بیت الحکمہ'' کی شاخ (Branch Library) بھی کہا جا سکتا ہے۔

بیت الحکمہ کا تاسیسی سال:

مستشرقین میں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار D.Sourdel نے ''خزانۃ الحکمہ'' کا بانی ہارون رشید کو اور ''بیت الحکمہ'' کا بانی خلیفہ مامون کو تسلیم کیا ہے، لیکن ان کے سالِ تاسیس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا(۲) نکلسن نے ہارون رشید کے خزانۃ الحکمہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ مامون کے بیت الحکمۃ کا ذکر کیا ہے اور سالِ تاسیس کی نشاندہی نہیں کی ہے۔(۳) ہٹی نے بیت الحکمۃ کو مامون کا کارنامہ قرار دیا اور بیت الحکمہ کا سالِ تاسیس ۸۳۰ء یعنی ۲۱۵ھ بتایا ہے۔ وہ رصدگاہ باب شماسیہ کے سالِ تاسیس کو بیت الحکمۃ کا سالِ تاسیس سمجھا ہے(۴) اس لیے بیت الحکمہ کا سالِ تاسیس ۲۱۵ھ/ ۸۳۰ء نقل کیا ہے،(۵) لیکن حسبِ ذیل تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ کہنا کہ بیت الحکمۃ سے پہلے قائم ہو چکا تھا، کچھ بے جا نہیں۔

۱- امامِ لغت فراء (۱۴۴-۲۰۷ھ/ ۷۶۱-۸۲۲ء) نے کتاب الحدود کئی برس قصرِ شاہی میں املاء کرائی تھی۔(۶)

۲- مامون کے خسر وزیر حسن بن سہل المتوفی ۲۳۶ھ نے اپنے دورِ وزارت (۲۰۲-۲۰۵ھ) میں عمر بن بکیر تلمیذِ فراء سے آیاتِ قرآنی کے متعلق سوالات کیے، وہ ان کے جوابات سے قاصر رہا تو اس نے فراء سے اس مشکل کو حل کرنے کی درخواست کی، فراء نے کتاب ''معانی القرآن'' املا کرائی (۷)۔

۳- مامون نے ان کتابوں کو نقل کرا کر بیت الحکمہ کے خزانوں میں رکھنے کی ہدایت کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ''بیت الحکمہ'' کا آغاز یقیناً اس سے قبل ہو چکا تھا۔

۱- امراء البیان: ۱۵۲، عصر المامون: ۱/ ۳۷۵، المکتبات فی الاسلام: ۶۶۔
۲- The Eneyelapaedia Of Islam ,Vol .1, P 1141 Hitti P310   ۳- Nichalsom ,P358.359
۴- تاریخ الحکماء: ۳۵۷۔   ۵- ہٹی: ۴۱۰۔   ۶- تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۵۰۔   ۷- الفہرست: ۹۹۔

۴- مامون کا درباری منجم موسیٰ بن شاکر تقریباً (۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء) (۱) میں چھوٹے چھوٹے لڑکے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا تو مامون نے اس کے فرزندوں کو یحییٰ بن ابی منصور مہندس کے سپرد کیا۔ یہ محمد اور احسن کی بیت الحکمہ میں تربیت کرتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت الحکمۃ ۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء میں فنی تربیت گاہ کے فرائض بھی انجام دیتا تھا (۲) غالباً اس لیے ہٹی نے اس کو اسلام میں اعلیٰ فنی تعلیم کا ادارہ قرار دیا ہے۔ (۳)

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خلیفہ مامون نے سریر آرائے تختِ خلافت ہونے کے بعد یعنی ۱۹۸ھ/ ۸۱۳ء میں بیت الحکمۃ قائم کیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔

خزانۃ الحکمہ کی وجہ تسمیہ:

''خزانۃ الحکمہ'' اور ''بیت الحکمۃ'' بمعنی کتب خانہ ہیں۔ اس سے مقصد ذخیرۂ کتب کی نوعیت کی وضاحت تھی کہ اس میں طب، فلکیات، ریاضیات، طبعیات اور منطق و معاشرتی علوم سب ہی داخل تھے۔ (۴)

بیت الحکمہ:

''بیت الحکمہ'' ایک بین الاقوامی علمی و تحقیقی ادارہ تھا جس میں ہر مذہب، ہر ملک و ملت کے نامور محقق و ماہر السنہ اور گوناگوں علوم و فنون کے اربابِ کمال باہم مل جل کر علمی و تحقیقی کام کرتے تھے۔ یہ علمی ادارہ ہر قسم کے نسلی، مذہبی و گروہی تعصب سے پاک تھا۔ یہاں ہر محقق و دانشور کی پذیرائی ہوتی تھی، اس بین الاقوامی تحقیقی ادارہ کی شہرت اس کے علمی و تحقیقی کاموں کی بہ نسبت ان ذخائرِ کتب و خدمات کی وجہ سے تھی جو اس کتب خانہ میں مہیا کی گئی تھیں۔

''بیت الحکمۃ'' اپنی تنظیم اور حسنِ کارکردگی کی وجہ سے اس لائق تھا کہ سب کچھ فراموش کر کے اسی کو یاد رکھا جاتا اور ایسا ہی ہوا دنیا میں آج اس کا نام اپنی درخشاں خدمات اور علمی و تحقیقی مواد کی وجہ سے زندہ و تابندہ ہے۔

۱- الأعلام: ۸/ ۲۷۳، ط: ۳، معجم المؤلفین: ۱۳/ ۳۰۔
۲- نکلسن: ۳۵۹۔
۳- ہٹی: ۴۱۰۔
۴- المکتبات فی الاسلام: ۶۹۔

بیت الحکمہ کے شعبے:

۱- اسٹیک (Steck) کتب کا ذخیرہ گاہ تھا۔(۱)

۲- دارالمطالعہ تھا جہاں بیٹھ کر کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔

۳- دارالترجمہ، بیت الحکمہ میں دارالترجمہ کے شعبوں کو لسانی اعتبار سے تقسیم کیا گیا تھا، ہر شعبہ کا نگران جدا تھا، یونانی زبان کا، پہلوی اور سنسکرت زبان کے دارالترجمہ کا سربراہ جدا جدا تھا۔

۴- دارالنقل و دارالنسخ کا بھی سربراہ جدا تھا، علان شعوبی یہاں بیٹھ کر کتابیں نقل کرتا تھا۔(۲)

۵- دارالتجلید، جہاں کتابوں کی جلد باندھی جاتی تھی۔(۳)

۶- دارالمناظرہ: یہ اس دور کی سماعت گاہ (Auditorium) تھا۔ ہر منگل اور جمعہ کو اس سماعت گاہ میں محدثین، فقہاء اور ادباء و متکلمین جمع ہوتے، مجلس مناظرہ منعقد ہوتی تھی (۴) اور خلیفہ خود پس پردہ بیٹھا مناظرہ دیکھتا اور سنتا تھا۔(۵)

۷- دارالتحقیق و دارالتصنیف: اس میں علمی اور تحقیقی کام کرایا جاتا تھا۔ یہ قصرِ شاہی میں قائم کیا گیا تھا۔ یہاں اَربابِ کمال و اہلِ فن کو بلا کر ٹھہرایا جاتا، انہیں رہنے کے لیے کمرہ دیا جاتا تھا۔ خدمت کے لیے خادم مامور کیے جاتے تھے تاکہ جس چیز کی انہیں ضرورت پیش آئے بروقت پہنچائی جائے اور ان کے دماغی سکون میں خلل نہ واقع ہو، اذان کے اوقات کے سوا انہیں اٹھایا نہ جائے، دولت مندوں اور شعبوں کے نگران کو استفادہ کی ہدایت کی جاتی تھی، کاتب و وراق مقرر کیے جاتے تاکہ جو وہ لکھوائیں اسے قلم بند کریں اور ان کی تصانیف کو بیت الحکمہ میں رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ فراء المتوفی ۲۰۷ھ کو بغداد میں بلایا تھا تو یہ ساری سہولتیں انہیں مہیا کی گئی تھیں۔ موصوف نے کئی برس یہاں رہ کر ''کتاب الحدود'' لکھوائی تھی، مامون نے فراء کی تمام کتابوں کو خزائنِ کتب میں رکھنے کا فرمان بھی جاری کیا تھا۔(۶)

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دارالتحقیق کے ساتھ دارالاقامہ بھی بنایا گیا تھا۔ ''خزانة الحکمہ''

۱- المکتبات فی الاسلام: ۵۳۔ ۲- مروج الذہب ومعادن الجوہر: ۳/ ۱۹، کتاب العمدہ: ۱۴۹۔ ۳- دلیل خارطة بغداد المفصل: ۱۳۰۔
۴- تاریخ بغداد ۱۴/ ۱۴۹، ۱۵۰، معجم الأدباء: ۷/ ۲۷۷۔ ۵- الفہرست: ۱۵۴۔ ۶- ایضاً: ۱۴۔

دراصل خزائن الحکمۃ تھا، اس کے جتنے شعبے تھے ان میں سے ہر شعبہ موضوع کے اعتبار سے ایک جداگانہ شعبہ تھا، اس لیے مامون نے فراء کی کتابوں کے لیے ''خزائن'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ چنانچہ خطیب بغدادی کا بیان ہے:

''اَمَرَ الْمَامُوْنُ بِکُتُبِهٖ فِی الْخَزَائِنِ'' (۱) مامون نے فراء کی کتابوں کے لیے حکم دیا تھا کہ انہیں خزائن میں رکھیں یعنی جو کتاب جس موضوع کی ہے اس کو اس کے ''خزانہ کتب'' میں پہنچا ئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خزانۃ الحکمہ موضوع کے اعتبار سے مرتب تھا اور اس میں کتابیں تنظیم علوم (Classifiedorder) کے اعتبار سے رکھی ہوئی تھیں۔

اس طرح ''بیت الحکمہ'' بھی بیوت الحکم تھا اور ہر شعبے اور بڑے موضوع کا خازن علیحدہ تھا، چنانچہ حسن بن مرار ضبی المعروف بصنوبری کے متعلق ان کے پوتے ابوبکر احمد بن محمد صنوبری کا بیان ہے: ''کَانَ جَدِّیْ صَاحِبَ بَیْتِ الْحِکْمَۃِ مِنْ بُیُوْتِ حِکَمِ الْمَامُوْنِ فَجَرَتْ لَهٗ بَیْنَ یَدَیْهِ مُنَاظَرَۃٌ یَسْتَحْسِنُ کَلَامَهٗ وَحِدَّۃَ مِزَاجِهٖ وَقَالَ لَهٗ اِنَّکَ صَنُوْبَرِیُّ الشَّکْلِ یُرِیْدُ بِذٰلِکَ الذَّکَاءَ وَحِدَّۃَ الْمِزَاجِ'' (۲) میرے دادا خلیفہ مامون کے بیوت حکم کے خازن بیت الحکمہ تھے۔ ایک مرتبہ مامون کے سامنے ان کا مناظرہ ہوا۔ خلیفہ کو ان کا کلام اور ذکاوت بہت پسند آئی اور اس نے کہا تم صنوبری صورت ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم بڑے ذہین اور تیز مزاج ہو۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ابن الندیم نے بیت الحکمہ اور خزانۃ الحکمہ کے چند مشہور بڑے بڑے خازنوں (Senior Librarians) کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ بیت الحکمۃ میں متعدد خازن تھے جیسے حسن بن مرار ضبی، ابوسہل فضل بن نوبخت، علان شعوبی، سہل بن ہارون ایرانی نژاد تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جو اہلِ علم خزانۃ الحکمہ سے وابستہ ہوئے وہ ایرانی تھے۔ (۳)

۸ - بیت الحکمہ کے قریب باب الشماسیہ سے متصل ایک رصدگاہ بھی قائم کی گئی تھی، جس کی علمی ضروریات بھی بیت الحکمہ پوری کرتا تھا، اس کا سربراہ اور آلات کی درستگی کے لیے سند بن علی (۴) اور یحییٰ بن

۱- تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۵۰ب ۲- التاریخ الکبیر: ۱/ ۴۵۶۔ ۳- تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی: ۱/ ۸۔

۴- الفہرست: ۳۸۳، ۳۸۴، تاریخ الحکماء: ۲۰۶، ۲۰۷، ۳۵۷، دلیل خارطۃ بغداد: ۱۳۱، المکتبات فی الاسلام: ۵۳،

History Of the arabs,p373,375

ابومنصور (المتوفی ۸۳۱ء یا ۸۳۰ء) کو مقرر کیا گیا تھا، ان کے رفقاءِ کار میں عباس بن سعید جوہری (۱)، عمر بن فرخان طبری، عمر مرورودی (۲) تھے۔ اسلام میں خلیفہ مامون نے سب سے پہلی رصدگاہ قائم کی تھی (۳) اس نے دوسری رصدگاہ سفح قاسیون دمشق میں بنائی تھی۔ (۴)

شناخت کتب کی علامت کا آغاز:

بیت الحکمہ میں جو کتاب داخل کی جاتی تھی اس پر خلیفہ مامون کی نشانی ''علامۃ المامون'' کی مہر لگائی جاتی تھی (۵) ایسی بہت سی کتابیں جن پر مامون کی مہر ثبت تھی، ابن ابی اصیبعہ کے پاس محفوظ تھیں۔ (۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتابوں پر علامت (Stamping) اور شناخت کتاب کی علامت لگانے کا آغاز مامون کے دور سے ہوا تھا جس کا مقصد امتیاز و گرفت اور شناختِ کتب تھا، اس کا چلن آج بھی ہے اور اس ترقی یافتہ دور میں ہر بڑے اور چھوٹے کتب خانوں میں انہی وجوہ سے کتابوں پر مہر اور خاص علامت لگائی جاتی ہے۔

بیت الحکمہ کا کیٹلاگ:

بیت الحکمۃ کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتابوں کے ناموں پر مرتب تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مامون نے جاویدان خرد کی طلب میں فہرست بیت الحکمہ کو دیکھا تو اس میں اس کتاب کا نام نہیں ملا، اس نے باز پرس کی کہ اس کتاب کا نام فہرست میں اندراج سے کیسے رہ گیا، (۷) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ بھی بیت الحکمہ کا کیٹلاگ استعمال کرتا، بیت الحکمہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا اور آگاہ رہتا تھا۔

انواع موضوعات ذخائر:

بیت الحکمہ میں یونانی، پہلوی، ہندی، لاطینی اور نبطی زبانوں (۸) سے حسب ذیل موضوعات پر کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔

۱- تاریخ الحکماء: ۲۱۹، ۲۳۰، ۲۴۱۔ ۲- ایضاً: ۲۴۲۔ ۳- ایضاً: ۲۱۹۔ ۴- ایضاً: ۳۵۰۔ ۵- عیون الانباء: ۲/ ۱۴۴۔
۶- ایضاً: ۳۵۰۔ ۷- رسائل البلغاء، ط: ۳، ص: ۴۷۹-۴۸۰، المکتبات فی الاسلام: ۱۵۴۔ ۸- عصر المامون: ۱/ ۳۸۱۔

۱- فلسفہ و ادب (۱) یونانی۔

۲- طب اور اقسامِ طب (۲)۔

۳- ریاضیات، فلکیات (۳) نجوم، ہندسہ، موسیقی۔

۴- ٹیکنالوجی۔

۵- آداب و اخبار، قصص و حکایات اور تاریخ (۴) (فارسی)

۶- طب، نجوم، ریاضیات، حساب، کہانیاں، تاریخ (۵) (ہندی)

یحیٰی بن بطریق، لاطینی زبان جانتا تھا، اس لیے اس نے لاطینی زبان سے ترجمہ کیا ہوگا (۶)۔

ان موضوعات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ "بیت الحکمہ" کا ذخیرۂ کتب موضوعات و مضامین کے اعتبار سے مرتب تھا۔

بیت الحکمہ کی علمی خدمات:

لفظی ترجمے سے بامحاورہ ترجمہ کا آغاز بیت الحکمہ سے ہوا۔ مشہور مترجم حنین بن اسحاق کو دو اہم ذمہ داریاں سپرد کی گئی تھیں۔

۱- حکمائے یونان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنا۔

۲- عربی میں ترجمہ شدہ کتابوں کی اصلاح کرنا (۷) حنین کی وجہ سے یونانی کتابوں کا ترجمہ یونانی سے براہِ راست عربی میں ہونے لگا تھا، ورنہ اس سے قبل یونانی سے سریانی میں اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں کتابوں کا ترجمہ رواں کیا جاتا تھا، غیر زبان کے الفاظ کے بالمقابل عربی زبان کے الفاظ رکھے جاتے تھے، حنین کے زمانہ سے رواں و بامحاورہ ترجمہ شروع ہوا اور اس نے ترجمہ میں مطالب و معانی کو عربی الفاظ کا جامہ پہنایا۔ اس طرح الفاظ کے ترجمہ میں تقدیم و تاخیر شروع ہوئی اور تراجم میں روانی آئی (۸)۔

۱- عصر المأمون: ۱/ ۳۸۱، ۳۸۳۔ ۲- ایضاً: ۱/ ۳۸۳-۳۸۵۔ ۳- ایضاً: ۱/ ۳۸۶-۳۸۷۔

۴- ایضاً: ۱/ ۳۸۷-۳۸۸۔ ۵- ایضاً: ۱/ ۳۸۸-۳۹۲۔ ۶- ایضاً: ۱/ ۳۹۳۔

۷- عیون الأنباء: ۲/ ۱۴۳، الفہرست: ۳۴۴۔ ۸- عیون الأنباء: ۱/ ۲۰۷۔

فنی اصطلاحات سازی کا آغاز:

اس دار الترجمہ میں سرکاری طور پر عجمی زبانوں کی علمی وفنی اصطلاحات کے عربی زبان میں بدل ڈھونڈے گئے، چنانچہ یونانی زبان کی زیادہ تر فنی اصطلاحات یورپ میں عربی مصطلحات کے ذریعے منتقل ہوئی تھیں۔

ایجادات واختراعات:

بیت الحکمہ میں بیٹھ کر خوارزمی نے علمِ جبر ومقابلہ ایجاد کیا، یہیں بنوشاکر نے مامون کے لیے محیطِ ارض کی پیمائش کی اور طول میں ان کا اندازہ صحیح نکلا (۱)۔ بیت الحکمہ میں حکماء نے مامون کے لیے دنیا کا مصور نقشہ تیار کیا تھا چنانچہ مورخ مسعودی کا بیان ہے:

"اَلصُّوْرَۃُ الْمَامُوْنِیَّۃُ" وہ نقشہ تھا جسے متعدد حکماء نے تیار کیا تھا جس میں عالمِ آسمان، ستارے، خشکی، تری، آباد وغیر آباد علاقے، اقوام کے مسکن، شہر وغیرہ کو با تصویر دکھایا گیا تھا اور یہ بطلیموس، مارینوس وغیرہ کے جغرافیائی نقشوں سے بہتر نقشہ تھا (۲)۔ معلوم ہوتا ہے یہیں زیج مامونی تیار کی گئی تھی (۳)۔

(۵) المتوکل کا کتب خانہ:

متوکل علی اللہ ابو الفضل جعفر بن محمد بن ہارون عباسی (۲۰۶-۲۴۷ھ/۸۲۱-۸۶۱ء) یہ علم اور اہلِ علم کا قدردان اور سنت کا دلدادہ، سخی اور شاندار عمارتیں بنوانے کا شوقین تھا۔ اس نے بغداد میں سامرا کے قریب متوکلیہ نامی شہر آباد کیا تھا (۴) متوکل کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سریر آرائے تختِ خلافت ہوتے ہی ۲۳۴ھ میں رؤیت باری اور خلقِ قرآن میں سرکاری طور پر معتزلہ کی ہمنوائی یکسر ممنوع قرار دی۔ اس لیے قاضیٔ بصرہ ابراہیم بن محمد تمیمی فرماتے تھے:

"تین خلفاء نے کارنامے دکھائے۔ ابوبکر صدیقؓ نے ارتداد کے فتنہ کا انسداد کیا، عمر بن عبد العزیزؒ نے بنی اُمیہ کے مظالم کا خاتمہ کیا اور متوکل نے بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا (۵)۔

۱- المکتبات فی الاسلام: ۶۵۔ ۲- التنبیہ والاشراف: ۳۰۔ ۳- البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/۲۷۵ (۲۱۸ھ)
۴- معجم البلدان: ۵/۵۳۔ ۵- تاریخ بغداد: ۷/۱۷۰۔

علامہ ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں:

"خلیفہ متوکل کے دورِ حکمرانی میں اسلام کا بول بالا ہوا یہاں تک کہ ذمیوں پر عمری شرائط کی پابندی عائد کی گئی اور اہلِ سنت والجماعۃ کو عزت وشوکت حاصل ہوئی جہمیہ ورافضیوں جیسے فرقوں کی بیخ کنی کی گئی۔ اس طرح معتضد ومہدی اور قادر باللہ وغیرہ کے دور میں ہوا، جو سیرت وکردار کے اعتبار سے لائقِ تعریف خلیفہ تھے۔ ان کا طریقہ کار بہت اچھا تھا، ان کے دور میں اسلام وسنت کا بول بالا رہا۔"(۱)

مذکورۂ بالا خلفاء کے دور میں ہر نوع کے اسلامی ادب کو پھلنے پھولنے کا زیادہ موقع ملا ہر نوع کی کتابوں کے ذخیروں میں اضافہ ہوا۔

اسے بھی کتابوں کا شوق تھا، ائمۂ فن کے کتب خانے نگاہ میں رکھتا اور انہیں حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ چنانچہ امام احمد کا جب وصال ہوا تو اس نے ابنِ طاہر کو امام ممدوح کے مکان پر بھیجا کہ اہلِ خانہ کی تعزیت کرو اور ان کی کتابیں لدوانے کے متعلق گفتگو کرو، خلیفہ کی طرف سے اس کتب خانہ کو حاصل کرنے کی کوشش جاری رہی لیکن وہ اس کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا (۲)۔

خلیفہ راضی باللہ کے کتب خانہ میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ اس کے پیشرو خلفاء کے پاس کتب خانے تھے۔ یہ امر بھی خلیفہ متوکل کے کتب خانہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ پھر اہلِ علم وفنکار اس کے لیے کتابیں لکھتے تھے۔ چنانچہ حسن بن موسیٰ النصبی نے اس کے لیے کتاب الاغانی حروفِ تہجی کی ترتیب پر تالیف کی تھی اور اس میں غنا کے متعلق ایسی چیزیں بیان کی تھیں جو نہ اسحاق موصلی نے لکھی تھیں اور نہ عمرو بن بانہ نے کہیں ذکر کی تھیں، اس میں اس نے دورِ جاہلیت ودورِ اسلامی کے مغنی مردوں اور عورتوں کے نام بھی بیان کیے تھے (۳)۔ اس طرح ابنِ اُخی حزام نے کتاب فی البیطرہ متوکل کے نام معنون کی تھی (۴)۔

۶- المہتدی باللہ کا کتب خانہ:

المہتدی باللہ ابوعبداللہ محمد بن ہارون بن محمد عباسی (۲۲۲-۲۵۶ھ/ ۸۳۷-۸۷۰ء) فاضل، ادیب،

۱- نقض المنطق: ۲۰۔ ۲- تاریخ الاسلام: ۸۲۔
۳- الفہرست: ۳۰۸۔ ۴- ایضاً: ۴۳۷۔

شاعر(۱) علماء وفقہاء کا قدردان(۲) اور دین کے معاملہ میں خلفاء راشدینؓ کی روش پر قائم تھا۔ اس کے زمانے تک خلفاء عباسیہ کے خزائنِ کتب کا سلسلہ برابر قائم تھا۔ مؤرخ مسعودی کا بیان ہے:

''ایک دن خلیفہ مہتدی کے سامنے خزائنِ کتب سے کتابیں پیش کی گئیں تو ان میں ایک کتاب کی پشت پر وہ اشعار موجود تھے جو معتز باللہ نے کہے اور اپنے قلم سے اس پر لکھے تھے(۳)۔

۷-المعتضد باللہ کا کتب خانہ:

المعتضد باللہ ابوالعباس احمد بن طلحہ(۴) بن جعفر عباسی (۲۴۲-۲۸۹ھ/ ۷۵۷-۹۰۲ء) ادیب و شاعر(۵) اور علم دوست خلیفہ تھا۔ اَربابِ کمال کی صحبت کو پسند کرتا۔ رفاہِ عامہ کے کاموں سے دلچسپی رکھتا تھا۔ علماء، محدثین اور اربابِ فضل و کمال کی صحبت میں رہتا، شہر آباد کرتا اور رعیت کے ساتھ نرمی کرتا تھا(۶)۔ ایک دن یہ اپنے باغ فردوس میں ثابت بن قرہ کے ساتھ ٹہل رہا تھا، اس کا ہاتھ ثابت کے ہاتھ پر لگا تو کہنے لگا ''اَلْعُلَمَاءُ یَعْلُوْنَ وَلَا یُعْلَوْنَ'' علماء کا حق برتری کا ہے، ان پر کوئی برتری نہیں جتا سکتا(۷)۔ اس سے اس کے قلب ونظر میں علم وکتب کی عظمت و احترام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا بھی خزانۃ الکتب تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے:

''ابوجعفر محمد بن یحییٰ عسکری نے ''جامع المنطق'' کتاب لکھی، اس میں جدولیں قائم کیں۔ معتضد کے ندیم نے اس کی خلیفہ سے تعریف کی، خلیفہ نے وزیر قاسم بن عبیداللہ کو حکم دیا کہ کسی ماہر فن سے اس کی تشریح کرائیں، مبرد کے مشورہ سے یہ کام ابواسحاق ابراہیم زجاج کے سپرد ہوا، زجاج نے کہا میں کتاب کے نسخے اور جدولوں کو پیش نظر رکھے بغیر ہی یہ کام انجام دوں گا، تاہم اس کو دوسرا نسخہ تیار کرا کر دیا گیا، اس نے ثعلب وسکری سے لغت کی کتابیں مستعار لے کر کتاب کے ایک حصہ کی شرح لکھی اور ابوالحسن صغیر سے نقل کرا کر اور جلد بندھوا کر وزیر کو دی۔ اس نے جب معتضد کو دکھائی تو وہ بہت خوش ہوا۔ تین سو دینار انعام دیا اور پوری کتاب کی شرح کی فرمائش کی(۸)۔

۱-معجم الشعراء: ۴۰۱۔ ۲-التنبیہ والاشراف: ۴/ ۱۸۹۔ ۳-خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۹۲-۱۹۳۔

۴-خطیب نے تاریخ بغداد میں طلحہ کے بجائے محمد نقل کیا ہے۔ ۵-فوات الوفیات: ۱/ ۸۴، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۹۲۔

۶-تدریب الراوی: ۲/ ۷۲۳۔ ۷-سیرۃ مغلطائی: ۱۰۹۔ ۸-عیون الانباء: ۲/ ۱۹۲-۱۹۴۔

زجاج کی شرح کا علم صرف معتضد کے کتب خانہ سے ہوسکا تھا، اس کی سلطنت کی تباہی کے بعد یہ شرح سلطان کے باقی ماندہ سامان میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں دستیاب ہوئی تھی۔ یہ باریک ونرم طلحی کاغذ پر لکھی ہوئی تھی (۱)۔

اس شرح کی وجہ سے زجاج کی اتنی قدر ومنزلت بڑھ گئی تھی کہ تین سرکاری شعبوں ندماء، فقہاء اور علماء کے زمرے میں اس کا شمار ہونے لگا، ہر شعبہ سے سو دینار وظیفہ جاری ہوگیا اور تین سو دینار ماہانہ ملنے لگا تھا (۲) محمد بن شاذان جوہری نے "كتاب الجوهر و أصنافه" خلیفہ معتضد کے لیے لکھی تھی (۳) یہ وظیفہ کتب خانے کے ذخیرہ کو بڑھانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتا تھا۔

عہدِ عباسی میں کم علموں کے عقائد وخیالات پر یونانی فلسفہ کا بُرا اثر پڑا تھا، اس لیے معتضد نے ۲۷۹ھ میں کتب فروشوں پر فلسفہ کی کتابوں کی فروخت واشاعت پر پابندی لگائی اور منادی عام کرائی تھی کہ کلام، فلسفہ اور جدل کی کتابیں نہ بیچی جائیں (۴)۔

اہلِ علم اس کے نام کتابیں معنون کرتے تھے۔ طبیب احمد بن طیب سرخسی المتوفی ۲۸۶ھ نے، جو معتضد کا استاد، ندیم اور بغداد کے محکمہ احتساب کا سربراہ تھا، كتاب اللهو والملاهي و نزهة المفكر والساهي، كتاب البطيخ، كتاب في ادب النفس، اس کے نام معنون کی تھیں (۵)۔ ثابت بن قرہ نے "جوابات عن مسائلِ سأله المعتضد" مرتب کی تھی (۶) یحییٰ بن علی المنجم المتوفی ۳۰۰ھ نے موصوف کے لیے ایک رسالہ موسیقی پر لکھا تھا۔ یہ چار صفحات پر مشتمل ہے اور برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ (۷)

۸-خلیفہ المکتفی باللہ کا کتب خانہ:

المکتفی باللہ ابو محمد علی بن احمد عباسی (۸) (۲۶۳-۲۹۵ھ/۸۷۶-۹۰۸ء) عالم، ادیب، شاعر (۹) اور

۱-الفہرست: ۹۰، معجم الأدباء: ۱/ ۵۸، تاریخ الحکماء: ۱/ ۱۶۴۔ ۲-الفہرست: ۹۰۔ ۳-ایضاً: ۱۴۴۔

۴-البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۶۴ (۲۸۶ھ)، الکامل فی التاریخ: ۴/ ۵۳، ۴۵۳، ۴۵۳، المنتظم: ۵/ ۱۲۲، تاریخ الخلفاء: ۳۷۰

۵-عیون الأنباء: ۲/ ۱۹۲، ۳۰۰۔ ۶-ایضاً ۲/ ۱۹۴۔ ۷- Supplement to the catalogaue of the Arabic manuscript in the british museum london 1894 No,823,p.561

۸-الکتبی نے فوات الوفیات میں محمد کے بجائے طلحہ نقل کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ ۹-معجم الشعراء: ۱۵۲، فوات الوفیات: ۲/ ۸۸۔

صاحب خزانۃ الکتب تھا۔ صولی کا بیان ہے:

''مکتفی باللہ نے انہیں سونے سے لکھے ہوئے اشعار جو مدارج (لپٹی ہوئی کتابوں) کی صورت میں تھے نکال کر دکھائے تھے۔(۱) ملکۂ فرنگ نے دیار مغرب سے ایک مرتبہ مکتفی کے نام ایک مکتوب فرنگی رسم الخط میں سفید ریشم پر لکھ کر خادم علبا کے ہاتھ بھیجا جس میں مکتفی باللہ سے دوستی و شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا(۲)۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی کتب خانہ میں خطوط اور خارجہ پالیسی سے متعلق دستاویزات رکھی جاتی تھیں۔

۹-خلیفہ المقتدر باللہ کا کتب خانہ:

المقتدر باللہ ابوالفضل جعفر بن احمد بن طلحہ عباسی (۲۸۲-۳۲۰ھ/ ۸۹۵-۹۳۲ء) کا خزانۃ الکتب تھا۔ ایک شخص اس خزانۃ الکتب سے ایک مصحف مصر میں لایا۔ اس پر خون کے دھبے تھے۔ وہ کہتا تھا کہ حضرت عثمانؓ شہادت کے وقت اس میں تلاوت فرما رہے تھے۔ قاضیٔ مصر نے اس کو جامع مصر میں رکھوا دیا اور تمام ماجرا ایک لکڑی پر کندہ کرا کر پاس کھڑی کی، امامِ مسجد ایک دن اس مصحف میں پڑھتا اور ایک دن مصحف اسماءؓ میں پڑھتا تھا(۳)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں نادر ذخیرہ کی حفاظت کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں چنانچہ اس مصحف کی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے ایک تختی پر اس کی پوری کیفیت کندہ کی گئی تھی۔ اس واقعہ سے ہمیں نوادر کی حفاظت کے سامان کا علم ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مصحف سے وابستگی قائم رکھنے کے لیے عام لوگوں کے سامنے ایک دن اس مصحف کی بھی تلاوت کی جاتی تھی۔

۱۰-خلیفہ الرّاضی باللہ کا کتب خانہ:

الراضی باللہ ابوالعباس محمد بن جعفر بن احمد عباسی (۲۹۷-۳۲۹ھ/ ۹۱۰-۹۴۰ء) یہ صاحب دیوان، شاعر و ادیب تھا(۴) تاریخ سے دلچسپی رکھتا، اہلِ علم و اربابِ کمال کا قدردان (۵) اور کتابوں کا شوقین تھا۔ اس

۱-الدیارات، ط:۲، ص:۱۰۰، خزائن الکتب القدیمہ:۱۴۔ ۲-الفہرست:۳۰۔ ۳-الخطط المقریزیہ:۲/۲۵۵۔

۴-تاریخ بغداد:۲/ ۱۴۳، معجم الشعراء:۴۳۰، سیرۃ مغلطائی:۱۱۱، فوات الوفیات:۲/ ۳۷۵۔

۵-التنبیہ والاشراف:۴/۳۳۶، العبر:۲/۲۱۹، ۳۷۵، الوافی بالوفیات:۲/ ۲۹۷، الکامل فی التاریخ:۸/ ۳۶۷(۳۲۹ھ)

کے خزانۃ الکتب کی بنیاد طالب علمی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی۔ اس کے اتالیق صولی کا بیان ہے۔

''راضی باللہ اور اس کے بھائی ہارون کو جب نصر حاجب نے میرے سپرد کیا تو میں نے اس کو ذہین و ہوشمند پایا لیکن علوم سے عاری۔ میں نے محسوس کیا کہ راضی زیادہ تیز اور ادب کا زیادہ دلدادہ ہے۔ میں نے ان میں علم کی رغبت پیدا کی۔ انہیں فقہ، شعر، لغت و تاریخ کی منتخب و عمدہ کتابیں خرید کر دیں تو دیکھا کہ ان میں مسابقت و منافست کا جذبہ کارفرما ہے اور ہر ایک نے اپنی کتابوں کے لیے علیحدہ کتب خانہ بنایا ہے۔ پھر میں نے ان کو پڑھانا شروع کیا۔''(۱)

یہ خزانۃ الکتب دورِ خلافت میں زیادہ وسعت اختیار کر گیا تھا اور عوام و خواص میں اس کی شہرت ہو گئی تھی۔ اس کے دورِ خلافت کا ایک اہم واقعہ نقل کرتے ہوئے صولی کہتا ہے:

''ایک شعر کی روایت میں اختلاف نظر آیا تو مجھ سے راضی نے کہا شاید ورّاق سے غلطی ہوئی ہے، میں نے عرض کیا نہیں طبری نے ''نیشا'' کتاب میں دیکھا اور نہیں سمجھ سکا۔ اس نے خیال سے اس کو نیشا کسی آدمی کا نام سمجھا حالانکہ یہ شعر ''نہشل بن جزی'' نہشلی کا ہے، اس کا دیوان خزانۃ الکتب میں موجود ہے۔ اس نے اسے منگوایا، وہ کتب خانہ میں نہیں ملا، میں نے عرض کیا یہ بڑے تعجب کی بات ہے، عوام میں چرچا ہے کہ ہمارے بادشاہ نے جلالتِ علمی و علو ہمت کے باوجود خزانۃ الکتب بنایا ہے جیسا کہ پیشرو خلیفہ بناتے چلے آئے ہیں، اس میں ایک مشہور شاعر کے کلام کو طلب کیا وہ بھی نہیں ملا''(۲)۔

خلفاء عباسیہ کی معارف پروری و دولت کی فراوانی کی وجہ سے انہیں حصولِ کتب کی بڑی سہولتیں حاصل تھیں، اس لیے ان کے کتب خانے حقیقت میں نوادرِ کتب کے جامع سمجھے جاتے تھے اور عوام و خواص میں ان کی بہت شہرت ہوتی تھی جیسا کہ مؤرخ صولی کے مذکورۂ بالا بیان سے عیاں ہے۔ صولی کا کہنا ہے:

''خلیفہ نے میری باتیں سننے کے بعد کہا اب کیا تدبیر کی جائے، ہم تو اور کاموں میں مشغول ہیں، میں نے عرض کیا آپ کے خدّام کی کتابیں حاضر ہیں، کتب خانہ میں دواوین کی ابتداء مضر سے کی جائے۔ پھر ربیعہ اور اس کے بعد یمن کے شعراء کے دواوین رکھے جائیں، جو دواوین خزانۃ الکتب میں نہ ہوں اس کے لیے خدام کی کتابیں جو خدام کی مسموعات سے ہیں حاضر ہیں، اس کا کوئی معاوضہ بھی مطلوب نہیں۔ آپ کے خزانۃ

۱- اخبار الراضی باللہ: ۲۴-۲۵، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۱۶۔

۲- اخبار الراضی باللہ: ۲۲-۲۲۵۔

الکتب میں ورّاق ہیں انہیں مشاہرہ ملتا ہے، نقل کرلیں، کتب خانہ میں جلد ساز ہیں وہ ان کی جلدیں باندھیں، یہ سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا، میں نے عرض کیا یہ کسی پیش بندی کے لیے نہیں، ایسی حالت میں مجھے خود اپنی کتابوں پر افسوس ہے، مگر میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ جس کام کو ہمارے آقا کریں وہ کمال کو نہ پہنچے، کہنے لگا جب ہم دوسرے کاموں میں مصروف ہیں تو کیا کریں، میں نے عرض کیا سرکار! اس خزانۃ الکتب کو اپنے دونوں ولی عہد ابوجعفر اور ابوالفضل کے نام کردیں اور جن کتابوں کو چاہیں اپنے پاس رکھیں۔ اس پر خلیفہ راضی باللہ راضی ہوگیا، کتابیں نکالنے کا حکم دیا، ہمیں بٹھالیا، ہم انہیں چھانٹنے لگے اور خلیفہ کے سامنے ان کے فرزندوں میں تقسیم کرنے لگے، جو پسند خاطر ہوئیں وہ رکھ لیں باقی ہمیں بخش دیں، جن میں بیشتر کتابیں ایسی تھیں جو سونے کے مول بیچی جاسکتی تھیں۔"(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کتب خانہ میں کتابیں باعتبارِ موضوع ترتیب سے رکھی جاتی تھیں، کتابیں بیش قیمت رکھی جاتی تھیں، وراقوں اور جلد سازوں کا عملہ رکھا جاتا تھا۔

راضی باللہ کے کتب خانہ میں صرف کتابیں ہی نہ تھیں بلکہ تحائف، خطوط اور تحریریں بھی محفوظ کی جاتی تھیں۔ ۳۲۶ھ/ ۹۳۷ء میں شاہِ روم کا خط راضی باللہ کے نام آیا۔ یہ رومی زبان میں تھا متن سونے سے، ترجمہ چاندی سے لکھا گیا تھا۔ اس میں یہ بھی وضاحت کی گئی تھی کہ ہم نے بارگاہِ خلافت میں سونے چاندی کے مٹکے، پیالے، جواہرات، چاندی کی ٹہنیاں، پردے اور ریشمی سونے کے کاموں کے کپڑے رومال اور بہت سی عمدہ عمدہ چیزیں بھیجی ہیں۔ قبول فرمائیں اور قیدیوں کو رہا کریں۔ خلیفہ نے جواب دیا "ہم نے یہ تحفے قبول کیے اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا حکم دیا۔"(۲)

۱۱- خلیفہ قائم بامر اللہ کا کتب خانہ:

قائم بامر اللہ ابوجعفر عبداللہ بن احمد بن اسحاق عباسی (۳۹۱-۴۶۷ھ/۱۰۰۱-۱۰۷۵ء) خدا ترس، بیدار مغز، انصاف پسند، انشا پرداز، ادیب و شاعر تھا (۳) اسے بھی اپنے اسلاف سے ورثے میں خزانۃ الکتب ملا

۱- أخبار الراضی باللہ ۲۲، ص ۲۲۵۔ ۲- ایضاً: ۴۰، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۱۶۔

۳- المنتظم: ۶/ ۲۹۳، الکامل فی التاریخ: ۸/ ۲۶۴، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۱۸۸، النجوم الزاھرہ: ۳/ ۲۶۲-۲۶۳ (۳۲۶ھ)، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۱۷۔

تھا، اس میں کتابوں کے علاوہ شاہِ روم وقسطنطین کا وہ تاریخی خط بھی تھا جس کا متن ایک چادر پر یونانی زبان میں بین السطور عربی ترجمہ کے ساتھ ۴۴۳ھ میں خلیفہ کو بغداد بھیجا گیا تھا(۱) اور وہ کتابیں جو خلیفہ کے نام معنون کی گئی محفوظ تھیں۔(۲)

۱۲-خلیفہ المقتدی بامر اللہ کا کتب خانہ:

المقتدی بامر اللہ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبداللہ عباسی (۴۴۸-۴۸۷ھ/۱۰۵۶-۱۰۹۴ء) ادیب، شاعر، علم اور اہلِ علم کا قدر دان تھا(۳) خلفاء عباسیہ کی طرح مقتدی کا بھی خزانۃ الکتب تھا، جس کا نام خزائن الحکمۃ المولویہ المقتدیہ تھا۔ مشہور شاہی طبیب ابوعلی یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلہ بغدادی المتوفی ۴۹۳ھ نے "تقویم الابدان فی تدبیر الانسان" اس کے نام معنون کی تھی۔ وہ اس کے آغاز میں لکھتا ہے "خادم ابن جزله خزائن حکمة مولويه المقتديه" اللہ تعالیٰ اسے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ علم طب کی بقدرِ ضرورت جو بہت بڑے اطباء کی لکھی ہوئی کتابوں اور تدبیر امراض ومعرفت اسباب و اغراض سے مستغنی کرے۔ خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے اس غرض کے لیے یہ کتاب لکھی ہے"(۴)۔ اس طرح ابنِ جزلہ نے مواد طبیہ کے موضوع پر "منهاج البيان فيما يستعمله الانسان" مقتدی کے لیے لکھی تھی(۵) اور اس کی فرمائش پر ابوالحسن سعید بن ہبۃ اللہ المتوفی ۴۹۵ھ نے "المغنی فی الطب" لکھی تھی۔(۶)

۱۳-خلیفہ المستنجد باللہ کا کتب خانہ:

المستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف بن محمد ابن مستظہر عباسی (۵۱۰-۵۶۶ھ/۱۱۱۶-۱۱۷۰ء) منصف ورعایا پرور خلیفہ تھا،(۷) اس کا خزانۃ الکتب اس کے وزیر ابن ہبیرہ المتوفی ۵۶۰ھ نے کتاب الافصاح کا نسخہ نقل کرا کر اس کے کتب خانہ میں داخل کیا تھا(۸) جو مستنجد کے خزانۃ الکتب کا بیّن ثبوت ہے۔

۱-الکامل فی التاریخ:۱۰/۹۵(۳۲۶ھ)، البدایۃ والنہایۃ:۱۲/۲۱۰، فوات الوفیات:۱/۲۳۲۔ ۲-خزائن الکتب القدیمہ:۱۱۷-۱۱۸۔
۳- فوات الوفیات:۱/۴۸۹۔ ۴-خزائن الکتب القدیمہ:۱۱۵۔ ۵-ایضاً:۱۱۹۔ ۶-ایضاً:۱۱۹؛ عیون الانباء:۲/۲۶۰، ۱۱۹۔
۷-البدایہ والنھایہ:۱۲/۲۶۳(۵۶۶ھ) ۸-ذیل بطبقات الحنابلہ:۱/۲۵۲، المنہج الاحمد:۲/۲۸۷۔

۱۴-خلیفہ المستضی باللہ کا کتب خانہ:

المستضی باللہ ابو محمد حسن بن یوسف المقتفی عباسی (۵۳۶-۵۷۵ھ/ ۱۱۴۲-۱۱۸۰ء) درگزر کرنے والا خلیفہ تھا۔ اس نے بہت سے ٹیکس معاف کیے، اچھی باتوں کا حکم دیتا اور بری باتوں سے روکتا تھا۔ اس کا خزانۃ الکتب تھا۔ اس نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد خیرات وصدقات کے علاوہ اپنے خزانۃ الکتب سے مصاحف کا تحفہ نامور اہلِ علم کو بھیجا تھا۔ اس میں ایک نہایت خوشخط ومطلا مصحف ابن الجوزی کو بھی پہنچایا تھا(۱)۔ مدارس میں مال ودولت بھی بانٹا تھا، (۲) یہ علماء کو مجالسِ وعظ منعقد کرنے کی ترغیب دیتا اور خود بھی لوگوں سے نظر بچا کر ان کا وعظ سنتا تھا، (۳) جو اس کی علم دوستی کی دلیل ہے۔

۱۵-خلیفہ الناصر لدین اللہ کا کتب خانہ:

الناصر لدین اللہ ابو العباس احمد بن حسن بن یوسف عباسی (۵۵۳-۶۲۲ھ/۱۱۵۸-۱۲۲۵ء) اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ بڑا مدبر، ہوشمند وجاہ وجلال کا فرمانروا، عالم، مصنف، اہلِ علم کا قدردان و معارف پرور تھا(۴) علماء کو کتابیں اور مصحف تحفہ میں بھیجتا، ان کے وظیفے جاری کرتا تھا(۵) اسے شاندار عمارتیں بنوانے اور ان میں کتب خانے قائم کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے پینتالیس (۴۵) برس حکومت کی۔ اس مدت میں عمارتیں، رباطات، مہمان خانے، مسجدیں بنوائیں، ان میں دار المطالعہ کھولا، رفاہِ عامہ کے کام کیے، رباطِ اخلاطیہ، تکیہ اخلاطیہ، رباطِ حریم طاہری، مشہد عبداللہ، تکیہ عون ومعین بنوائے، اپنی ماں کا تکیہ بنوایا، اس سے متصل مدرسہ تعمیر کرایا، والدہ کے محل کو سرائے میں تبدیل کرایا، شاہی بازار کی مسجد بنوائی، رباط مرزبانیہ کو آباد کیا، ہر محلہ میں حاجیوں کے واسطے مہمان خانے بنوائے، ان پر بے دریغ روپیہ صرف کیا، ان مقامات میں کتب خانے اور دار المطالعہ کھولا (۶) مؤرخ ابن الدبیثی کا بیان ہے:

''موصوف نے مسجدیں، رباطات اور مدرسے آباد کیے۔'' کتاب روح العارفین'' لکھی، اس میں اپنے

۱-مرأۃ الزمان: ۸/ ۳۳۹،ق:۲۔ ۲-العبر: ۴/ ۲۲۳-۲۲۴۔ ۳-البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۳۰۴ (۵۷۵ھ)

۴-تاریخ الدول الاسلامیہ: ۲/ ۳۳۲، کتاب السلوک: ۱/ ۲۱۷، ۲۱۸، ق:۱۔ ۵-تاریخ الخلفاء: ۴۵۱۔

۶-مرأۃ الزمان: ۸/ ۱۳۷۔

شیوخ کی سند سے حدیثیں جمع کی تھیں۔ محدثین کو اس کی اجازت دیتا تھا۔ یہ کتاب بغداد کی سو سے زیادہ مسجدوں میں پڑھائی جاتی تھی۔''(۱)

اس سے ظاہر ہے کہ بغداد میں دبیثی کے زمانہ میں سو سے زیادہ مسجدوں میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا اور ان میں کتب خانے بھی موجود تھے، اس لیے مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جوامع و مساجد میں کتب خانے قائم کیے جاتے تھے۔(۲) مؤرخ ابن الطقطقی نے تصریح کی ہے کہ موصوف نے مہمان خانے، مسجدیں، رباطات، مدرسے زیادہ بنوائے تھے(۳)۔

مشرق میں خلفاء میں علم دوستی، معارف پروری، کتب خانوں کے قیام اور علم کی نشر و اشاعت میں خلیفہ ناصرلدین اللہ خلیفہ الحکم الثانی کی نظیر تھا۔ مؤرخ ابنِ خلدون لکھتا ہے:

''الحکم الثانی کے زمانہ میں اندلس میں اتنے کتب خانے جمع ہو گئے تھے جو نہ اس سے پہلے کسی کے عہد میں اور نہ اس کے بعد کسی کے دور میں جمع ہوئے سوائے الناصر عباسی ابن المستضی کے''(۴)۔

خلیفہ الناصر عباسی کا عظیم الشان کتب خانہ تھا، اس میں مختلف علوم وفنون کی اس کثرت سے کتابیں جمع کی گئی تھیں کہ اس کتب خانہ سے مختلف کتب خانوں میں ہزاروں کی تعداد میں کتابیں وقف کی گئی تھیں، صرف مدرسہ نظامیہ بغداد میں دس ہزار مجلدات بھیجی گئی تھیں۔ سبط ابن الجوزی کا بیان ہے: ''۵۸۹ھ میں خلیفہ نے مدرسہ نظامیہ کے دارالکتب کی تجدید کی اور اس میں دس ہزار مجلدات بھیجیں جن میں نامور خطاط کی لکھی ہوئی کتابیں تھیں۔''(۵)

خلیفہ نے شاہی کتب خانہ سے انتخاب کا اہم کام نامور مہندس و عالم محاسب برہان الدین ابوالرشید مبشر بن احمد رازی المتوفی ۵۸۹ھ کے سپرد کیا تھا اور انہی کے زیرِ نگرانی خزانہ دار المسناة، خزانہ رباط خاتونی اور کتب خانہ جامع نظامیہ میں کتابیں انتخاب کرا کر بھیجی گئی تھیں(۶)۔

۱-ایضاً، خلاصۃ الذھب المسبوک: ۲۸۰۔ ۲-الفخری الحتاج: ۱۵/ ۱۸۰۔ ۳-وفیات الاعیان: ۱/ ۴۴۔
۴-تاریخ الدول الاسلامیہ: ۳۲۲۔ ۵-تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۳۱۷۔ ۶-مرآۃ الزمان: ۸/ ۴۲۲،۴۲۱، ق: ۲
(۵۸۹ھ)، البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۶، الکامل فی التاریخ: ۱۲/ ۱۰۴، النجوم الزاہرہ: ۶/ ۱۳۲، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۸۹ (۴۲۰ھ)، دلیل خارطہ بغداد: ۱۸۵۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتابوں کے انتخاب وخریداری کے لیے مخصوص طور پر نگران بھی مقرر کیے جاتے تھے۔ بادشاہوں، وزیروں اور امیروں کے کتب خانوں میں ایک ایک کتاب کے کئی کئی نسخے تحقیق کے لیے ہی نہیں تقسیم کی غرض سے بھی رکھے جاتے تھے جیسا کہ یحییٰ بن خالد برکی اور عبدالملک زیات کے کتب خانے میں اس کا تفصیل سے ذکر آئے گا۔

۱۶-خلیفہ المستنصر باللہ کا کتب خانہ:

المستنصر باللہ ابوجعفر منصور بن محمد بن احمد عباسی (۵۸۸-۶۴۰ھ/ ۱۱۹۲-۱۲۴۲ء) بڑا فاضل، سخی، معارف پرور، علم واہلِ علم کا قدردان اور بزرگوں کا عقیدت مند تھا۔ دادودہش بہت کرتا تھا۔ رفاہِ عامہ کے کاموں میں خوب دلچسپی لیتا تھا۔ اسے تعلیم اور کتب خانوں سے خاص شغف تھا، اس نے جامعہ مستنصریہ قائم کیا تھا۔ سبط ابن الجوزی کا بیان ہے: ''مذہب کے معاملہ میں متعصب نہیں تھا، دنیا میں جامعہ مستنصریہ کی نظیر نہ تھی اور نہ عراق میں پہلے کبھی اس جیسا مدرسہ بنایا گیا تھا، اس نے مسجدیں اور مزار بنوائے، راستوں پر سرائیں آباد کی تھیں۔ یہ بزرگوں کی زیارت کرتا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا، ان کے حالات معلوم کرتا رہتا۔''(۱)

مؤرخ ابن الفوطی لکھتا ہے: ''اس کا ظاہر وباطن بہت اچھا تھا، رعایا کے ساتھ انصاف کرتا اور علماء کا احترام کرتا تھا''(۲)۔

مؤرخ ابن الطقطقی رقمطراز ہے: ''اس کی عمدہ یادگاریں ہیں، ان میں سب سے بڑی یادگار المستنصریہ ہے اور انہی میں خان حربی، اس کا پل، نواح واسط میں نہر سابس کی رباط، خاتونی رباط، مسجدیں، رباطات اور مہمان خانے وغیرہ ہیں''(۳)۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

''اس نے اہلِ علم اور اہلِ دین کو اپنے قریب رکھا، مدرسے، سرائیں، شفاخانے بنوائے، دین کا بول بالا کیا، سنن کی اشاعت کی''(۴)۔

۱-تاریخ الحکماء:۲۶۹، دلیل خارطہ بغداد:۱۸۷۔ ۲-مرأۃ الزمان:۸/۷۳۹، ق:۲(۵۸۸ھ)

۳-الحوادث الجامعہ:۱۵۶، تاریخ الاسلام:۱۴/۳۳۰۔ ۴-تاریخ الدول الاسلامیہ ۳۳۰۔

مستنصر باللہ کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا، اس کی وسعت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جامعہ مستنصریہ کی تکمیل کے بعد اس میں دینی، سائنسی، تاریخی و ادبی علوم کی نہایت نفیس ایک سو ساٹھ (۱۶۰) بار شتر کتابیں خزانہ شاہی سے منتقل کی گئی تھیں۔ اس کے وزیر نصیر الدین ابوالازہر احمد بن ناقد المتوفی ۶۴۳ھ نے خازنِ کتب وشیخ رباط حریم عبدالعزیز بن دلف اور خزانہ شاہی کے خازن ضیاء الدین احمد کو مدرسہ میں آکر کتابوں کو رجسٹر میں داخل کرنے اور فہرست سے مقابلہ کرنے پر مامور کیا تھا، انہوں نے فہرست سے مقابلہ بھی کیا اور انہیں اچھی ترتیب پر فنوار مرتب کیا تاکہ آسانی سے نکالا جاسکے اور نکالنے والے کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دانشگاہوں کے کتب خانوں میں کتابیں موضوعی ترتیب سے رکھی جاتی تھیں۔ جامعہ مستنصریہ کا کتب خانہ کتابوں کی کثرت اور نسخوں کی ندرت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس میں بہت سے خزائنِ کتب وقف کیے گئے تھے اور اس میں وقف کردہ نسخوں کے حسن وخوبی کی مثال کبھی کانوں نے سنی بھی نہ تھی۔ (۲)

۱۷- خلیفہ مستعصم باللہ کا کتب خانہ:

مستعصم باللہ ابو احمد عبداللہ بن منصور بن محمد عباسی (۶۰۹-۶۵۶ھ/ ۱۲۱۲-۱۲۵۸ء) یہ آخری عباسی تاجدارِ علم اور اہلِ علم کا قدردان تھا، اس نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے سال بھر بعد ۶۴۱ھ میں اپنے محل سرا کے پاس منظرۃ الریحانیین میں باغ کے پیچھے ایک عظیم الشان کتب خانہ بنوایا تھا۔ اس کی دیواروں پر ملک الشعراء صفی الدین عبدالمومن کے حسب ذیل اشعار کندہ کرائے تھے۔

اَنْشَأَ	خَلِيْفَةُ	الْعُلُومَ	خِزَانَةً
سَارَتْ	بِسِيْرَةِ	فَضْلِهِ	اَخْبَارُهَا

خلیفہ نے علوم کا خزانہ بنایا خلیفہ کی فضیلت مآب سیرت کی وجہ سے اس کی داستان دُور تک پھیل گئی ہے۔

تَجْلُوْ	عُرُوْساً	مِنْ	غَرَائِبِ حُسْنِهَا
دُرُّ الْفَضَائِلِ		وَالْعِلْمِ	نِثَارُهَا

۱- تاریخ الخلفاء: ۴۶۰، ۴۶۱، النجوم الزاہرہ: ۶/ ۳۴۵۔ ۲- خزائن الکتب القدیمہ: ۱۲۲۔

فضائل کے موتی اور علوم کی لڑیاں دلہن کے انوکھے حسن کو نکھار رہے ہیں۔

أُهْدِيْ مَنَاقِبَهُ لَهَا مُسْتَعْصِمْ

بِاللهِ مِنْ لَأْ لَا ئِهِ أَنْوَارُهَا(۱)

اللہ سے اس خلیفہ کے لیے حفظ وامان کا طالب ہوں، علوم وفضائل کے موتی اور انوار کو اس کے حضور میں بطورِ تحفہ پیش کرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ افتتاحِ کتب خانہ کے موقع پر شاعر اشعار کہتے تھے اور انہیں کتب خانوں کی دیواروں پر کندہ کرایا جاتا تھا۔ اس کتب خانہ میں نہایت نفیس کتابیں منتقل کی گئیں اور اس کی چابیاں اس کے خازن صفی الدین کے سپرد کی گئی تھیں (۲)۔ خلیفہ نے وسطِ بغداد میں عطر فروشوں کے بازار سے متصل، قصرِ شاہی کے قریب بہت بڑے باغ کے پیچھے آمنے سامنے بابِ بدر کے پاس دو کتب خانے بنائے تھے۔ صفی الدین کا بیان ہے: ''یہ منظرہ، مستظہر باللہ کے محل سرا سے متصل بنوایا تھا۔ اس کے پیچھے بڑا وسیع باغ تھا اور اس میں آمنے سامنے دو کتب خانے تھے جنہیں خلیفہ شہید مستعصم باللہ نے المنظرہ کے پیچھے تعمیر کرایا تھا (۳)۔

ان میں سب سے پہلے کتب خانے پر مندرجہ ذیل اشعار کندہ تھے:

أَنْشَأَ عِمَارَتَهَا خَلِيْفَةُ عَصْرِهٖ

وَلَا زَالَتِ الْأَمْلَاكُ مِنْ أَنْصَارِهٖ

(ترجمہ): خلیفۂ وقت نے اس عمارت کتب خانہ کو تعمیر کرایا ہے، تمام املاک اس کی مددگار اور اس کے زیرِ تصرف ہیں۔

مُسْتَعْصِمْ بِاللهِ مِنْ أَوْصَافِهٖ

جَمْعُ الْعُلُوْمِ بِلَيْلِهٖ وَنَهَارِهٖ

(ترجمہ): مستعصم باللہ اللہ کی رسّی کو تھامے رکھنا اور اسی سے التجا کرنا، اس کے اوصاف میں سے ہے اس نے علوم وفنون کو شب وروز جمع کیا ہے۔

۱- خزائن الکتب القدیمہ: ۱۲۵، الحوادث الجامعہ: ۱۸۴۔ ۲- تاریخ الدول الاسلامیہ ۳۳۳-۳۳۴۔

۳- مراصد الاطلاع: ۳/۲۲ ۱۳، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۲۲-۱۲۵۔

فَأُصُوْلُهَا مِنْ بَيْتِهِ وَفُرُوْعُهَا
تُقْرَأُ عَلَيْهِ وَكُتْبُهُ فِيْ دَارِهِ

(ترجمہ): اصول وفروع اس کے گھر سے نکلے ہیں، وہ اس پر پڑھے جاتے ہیں اور اس کی کتابیں اس کے گھر میں ہیں۔

اور دوسرے کتب خانہ پر حسب ذیل شعر لکھے ہوئے تھے:

خَلِيْفَةُ اللهِ قَدْ أَكْمَلَتْ بِنْيَتَهَا
فَلَيْسَ لِي وَقْتِهَا شَيْئٌ يُدَانِيْهَا

(ترجمہ): خلیفۃ اللہ نے اس عمارت کی بنیاد کی تکمیل کی ہے، چنانچہ اس وقت کوئی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کرتی۔

أَوْدِعَتْهَا مِنْ عُقُوْلِ النَّاسِ مَاسَمَحَتْ
بِهِ النُّفُوْسُ وَ أَبْدَتْ مِنْ مَعَانِيْهَا

(ترجمہ): اہلِ علم ودانش نے جو علوم وفنون کتابوں میں یادگار چھوڑے ہیں اور جو معانی بیان کیے ہیں ان کو اس کتب خانہ میں ودیعت رکھا گیا ہے۔

حَتّٰى كَانَ شُيُوْخُ الْعِلْمِ قَاطِبَةً
جَاءُ وْا اِلَيْكَ وَقَدْ أَنْكَبْتَهُمْ فِيْهَا(۱)

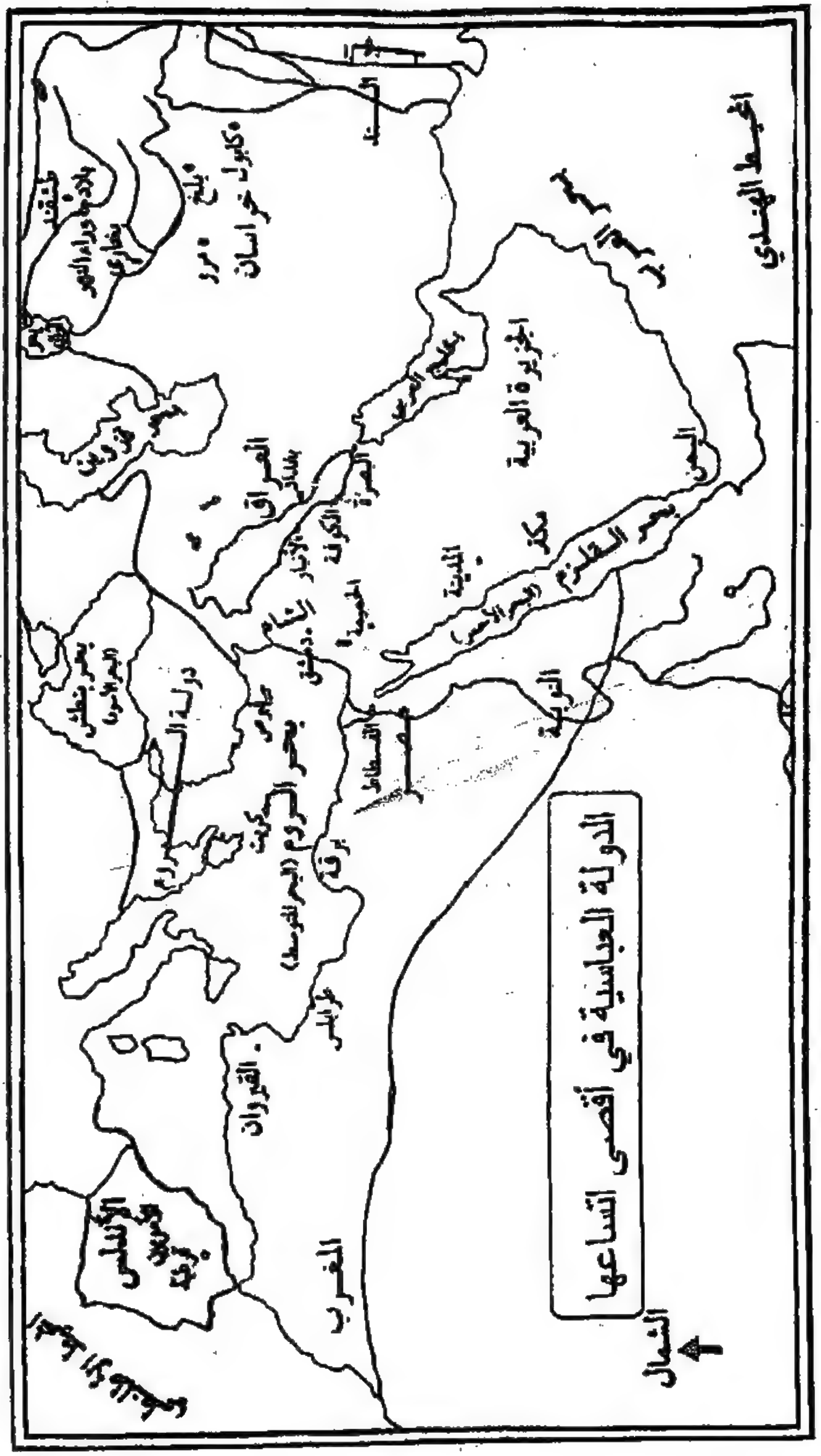
(ترجمہ): تا آنکہ تمام شیوخِ علم تیرے پاس آئے اور تم نے کتب خانہ قائم کر کے ان کے علوم و معارف کو محفوظ کر دیا۔

ان کتب خانوں میں ایک ''خزانۃ الکتب القدیمہ'' اور دوسرا ''خزانۃ الکتب الجدیدہ'' کے نام سے موسوم تھا۔ ان کے خازن بھی دو تھے، قدیم کتب خانہ کے خازن صدرالدین علی بن نیار اور کتب خانۂ جدید کے خازن صفی الدین عبدالمومن ارموی موسیقار تھے(۲)۔ خلیفہ مستعصم باللہ قدیم خزانۃ الکتب میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کرتا اور جن لوگوں کی درخواست پر صدرالدین سفارش کرتے تھے اپنی مہر ثبت کرتا تھا(۳)۔

۱-المسبوک والجواہر المکوک: ۵۱۶۔ ۲-الحوادث الجامعہ: ۱۶۳۔ ۳-تاریخ الدول الاسلامیہ: ۳۳۴۔

عباسی دورِ خلافت

عباسی دورِ خلافت کی ابتداء ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء میں ابوالعباس عبداللہ السفاح سے ہوئی۔ تیسری صدی ہجری یا نویں صدی عیسوی میں عباسی خلفاء کا اقتدار اپنے عروج پر رہا۔ اس دور کا ایک نقشہ جس سے اس کی وسعتوں کا اندازہ ہوگا، صفحہ مقابل پر پیش کیا جاتا ہے۔


الدولة العباسية في أقصى اتساعها
الشمال
المحيط الهندي
الجزيرة العربية
مكة
المدينة
بحر القلزم (البحر الأحمر)
اليمن
العراق
بغداد
البصرة
الكوفة
الشام
دمشق
بحر الروم (البحر المتوسط)
برقة
الفسطاط
القيروان
المغرب
النوبة
خراسان
مرو
بلخ
بخارى
سمرقند
بحر قزوين

تیسرا باب

دوسرا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ خلفاءِ بغداد سے وابستگی و اِلحاق رکھنے والے سلسلہ شاہی کے کتب خانے:۔

۱۔ طاہریہ۔ ۲۔ صفاریہ۔
۳۔ سامانیہ۔ ۴۔ طولونیہ۔
۵۔ حَسنکُویہّ۔ ۶۔ دیلمی۔
۷۔ بنوکاکُویہ۔ ۸۔ بنومزید۔
۹۔ خوارزم۔ ۱۰۔ غزنویہ۔
۱۱۔ سلجوق۔ ۱۲۔ نیمروز۔
۱۳۔ آلِ نہاوند۔ ۱۴۔ زیدیہ یمن۔
۱۵۔ ماردین۔ ۱۶۔ جزرہ۔
۱۷۔ ایوبیہ۔ ۱۸۔ اغالبہ کے کتب خانے۔

☆ خلفاءِ بغداد سے ہمسری کرنے والے خلفاء:۔

۱۔ فاطمیین مصر۔ ۲۔ بنوحمدان حلب۔
۳۔ بنوعمار شام۔ ۴۔ اموی خلفاءِ اندلس کے کتب خانے۔

۳- خلفاءِ بغداد سے الحاق رکھنے والے فرمانرواؤں کے کتب خانے

۱- طاہریہ (۲۰۵-۲۵۹ھ/ ۸۲۰-۸۶۲ء) کا کتب خانہ:

خانوادۂ طاہریہ عہدِ عباسی میں سب سے پہلا نیم خودمختار حکمران خانوادہ تھا جو ۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ تک خراسان پر حکمرانی کرتا رہا اور علم وفضل کا چرچا اس خاندان میں چوتھی صدی ہجری تک رہا۔

ابوالعباس عبداللہ بن طاہر بن الحسین الخزاعی (۱۸۲-۲۳۰ھ/ ۷۹۸-۸۴۴ء) عالم، بہت سخی، علم دوست (۱) ادیب، شاعر، موسیقی کا ماہر (۲) نہایت ہوشمند و بہادر تھا (۳) اس کے ادیبانہ و دانشمندانہ اقوال ثعالبی نے ثمار القلوب میں نقل کیے ہیں، (۴) فراء نے کتاب الحدود اس کے نام معنون کی تھی (۵) یہ اشاعتِ علم پر بہت زور دیتا اور کہتا تھا "يَنْبَغِي أَنْ يُبْذَلَ الْعِلْمُ لِأَهْلِهِ وَغَيْرِ أَهْلِهِ فَإِنَّ الْعِلْمَ أَمْنَعُ لِنَفْسِهِ مِنْ أَنْ يَصِيْرَ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهِ" (۶) (ترجمہ): لائق تر بات یہ ہے کہ علم، اہل و نا اہل ہر ایک کو بتایا جائے کیوں کہ علم بالطبع اس سے مانع ہے کہ وہ غیر اہل کو ملے۔

شعراء اور علماء کو خوب داد و دہش کرتا تھا، (۷) اس خانوادہ میں طاہر بن عبداللہ المتوفی ۲۴۸ھ جو محدث بھی تھا خراسان میں ان کے کتب خانے کا نام "خزانۃ الحکمہ" تھا، ابن الاعرابی اور ابوعمرو شیبانی کے تلمیذ و راوی ابوسعید احمد بغدادی ضریر (نابینا) (۸) اور أَبُو الْعُمَيْثَلِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ خُلَيْدٍ الْمُتَوَفّٰى ۲۴۰ھ نامور لغوی، شاعر و مصنف (۹) اس کتب خانے کے ناظم و خازن تھے۔ (۱۰) محمد بن طاہر المتوفی ۲۶۲ھ بھی عالم و فاضل اور طلحہ بن طاہر آل طاہر کا حکیم و فلسفی مشہور تھا، انہوں نے کتب خانہ کے ذخیرے کے بڑھانے میں بے دریغ دولت خرچ کی تھی۔

۱- تاریخ بغداد:۹/ ۴۸۳، الکامل فی التاریخ: ۷/ ۱۵(۲۲۰ھ) ۲- وفیات الاعیان: ۱/ ۲۶۱۔ ۳- العبر: ۱/ ۴۰۶(۲۲۰ھ)

۴- ثمار القلوب: ۳۸۴، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱۔ ۵- الفہرست: ۶۱۰۰-الکامل: ۷/ ۱۴، ۶/ ۸۲(۲۳۰ھ)

۷- تاریخ بغداد: ۹/ ۳۵۳۔ ۸- انباہ الرواۃ: ۱/ ۶۷، معجم الادباء: ۱/ ۱۱۸-۱۲۳، نکت العمیان: ۹۶، ۹۹،

بغیۃ الوعاۃ: ۱/ ۳۰۵، المزہر: ۲/ ۴۱۱۔ ۹- طبقات الشعراء: ط:۲، ص: ۲۸۷، الفہرست: ۷۲، ۷۳۔

۱۰- الموازنہ بین شعر ابی تمام: ۱/ ۲۰۔

رَے میں اس خاندان کا ایک کتابوں کا خزانہ تھا جہاں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کی گئی تھیں اور وہ ''خزائنِ طاہریہ'' کے نام سے مشہور تھا۔ خلیل بن احمد کی کتاب العین کا نسخہ اس کتب خانہ میں محفوظ تھا۔ یہاں سے وہ نسخہ عراق میں آیا تھا(۱) نیشاپور کے مشہور محلہ رمیان میں بھی آل طاہر بن الحسین کے محلات تھے(۲) اور شاذیاخ (۳) میں بھی، اس لیے بہت ممکن ہے کہ یہاں بھی اس کا کتب خانہ ہو۔

آل طاہریہ پر جب زوال آیا اور خزائن طاہریہ ورثاء میں تقسیم ہوا تو معلوم ہوا کہ اس خزائن کتب میں مشہور مصنفین کی بعض ایسی کتابیں بھی تھیں جو انہوں نے قدر دانی کی وجہ سے انہیں بھیجی تھیں اور ان کے نسخے بھی اپنے پاس نہیں رکھے تھے، اس لیے وہ کتابیں ان کے شاگردوں کی روایت سے بھی نہیں پھیل سکی تھیں۔ ابوعبید قاسم بن سلام جن کی تصانیف ان کے شاگردوں کے ذریعے مشرق و مغرب (ایشیا و یورپ) میں پہنچ گئی تھیں۔ حریم طاہری بغداد میں جو آلِ طاہر کا مسکن تھا ان کی تصانیف فروخت کے لیے رکھی گئیں تو ابوعبید کی بعض تصانیف خطیب کی نظر سے گزریں جن کا کسی کو علم بھی نہ تھا(۴) اس سے خزائن طاہریہ کی ندرت و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۲- شاہانِ لیثیہ صفاریہ (۲۵۴-۳۹۳ھ/۸۶۸-۱۰۰۲ء) کے کتب خانے:

اس خانوادۂ شاہی کو معارف پروری اور کتب خانہ سازی میں شہرت حاصل ہے۔

(ا) یعقوب صفار کا کتب خانہ:

ابو یوسف یعقوب بن لیث صفار (شھرا) (۰۰-۲۶۵ھ/۰۰-۸۷۹ء) بڑا بہادر اور خراسان و فارس کا فرمانروا تھا۔ یہ علم و اہلِ علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا عمدہ کتب خانہ تھا۔ اس نے ابوحاتم سجستانی المتوفی ۲۵۰ھ کا کتب خانہ چودہ ہزار دینار میں خریدا تھا(۵) یہ اہلِ علم کو سفر میں بھی ساتھ رکھتا تھا،(۶) اس کے جانشینوں میں ابوجعفر احمد بن محمد المتوفی ۳۵۲ھ اور خلف بن احمد بڑا عالم اور علم و فن کا مربی تھا(۷)۔

۱- الفہرست: ۶۴۔ ۲- معجم البلدان: ۵/ ۲۳۹۔ ۳- ایضاً: ۳/ ۵۰۳۔ ۴- تاریخ بغداد: ۱۲/ ۴۰۴۔
۵- انباہ الرواۃ: ۲/ ۶۴۔ ۶- انباہ الرواۃ: ۲/ ۷۷، ۷۸، تہذیب اللغۃ: ۱/ ۲۵۔ ۷- تاریخ علوم عقلی: ۳۰۵۔

(ب) خلف سجزی کا کتب خانہ:

ابواحمد خلف بن احمد بن محمد صفار سجزی (۳۲۶-۳۹۹ھ/ ۹۳۷-۱۰۰۹ء) عالم، سخی، علماء واہلِ فن کا قدر دان تھا(۱) اس نے اپنی فرمانروائی کے زمانہ میں ایک ہزار رباطات اور پانچ سو مسجدیں بنوائی تھیں (۲)۔ نہایت بلند پایہ محدث تھا۔

حاکم نیشاپوری نے جوان کا تلمیذ تھا، تاریخ نیشاپور میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ جلالتِ علم واہلِ علم کی قدردانی میں یکتائے زمانہ فرمانروا تھا۔ اہلِ علم میں سے جو کوئی اس کے پاس آتا اس کے ساتھ احسان کرتا تھا۔ ۳۴۳ھ میں موصوف کا ورود نیشاپور میں ہوا تو دارابی منصور میں قیام فرمایا، سماع حدیث کی خاطر علماء صبح وشام ان کے پاس آتے رہے، بغداد پہنچے تو امام دارقطنی نے ان سے فوائد کی تخریج کی (۳)۔

ابوسعید حسن بن احمد زیادرازی کا بیان ہے کہ بادشاہوں اور حکمرانوں میں اس سے بڑھ کر اہلِ علم کے حقوق وآداب کا ملحوظ رکھنے والا کوئی نیشاپور میں نہیں آیا۔ (۴)

موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایک عظیم منصوبے کے تحت سجستان میں بڑے بڑے علماء کو بلا کر انہیں قرآن مجید کی نہایت جامع مبسوط تفسیر لکھنے پر مامور کیا اور ہدایت کی کہ نحو ولغت، فقہ وحدیث، ادب و قرأت کا کوئی نکتہ فراموش نہ کریں۔ اس عظیم منصوبہ کی تکمیل پر بیس ہزار دینار صرف کیے۔ یہ عظیم الشان تفسیر سو جلدوں میں مکمل ہوئی تھی (۵) سب سے بڑی تفسیروں میں اس کا شمار ہے (۶) اس کا نسخہ ۵۴۵ھ تک مدرسہ صابونی نیشاپور میں موجود تھا (۷)۔

ابوالشرف ناصح بن ظفر جرباذقانی المتوفی ۶۰۴ھ نے اصفہان میں کتب خانہ آلِ خجند میں اس کا مکمل نسخہ دیکھا تھا (۸) ہندوستان میں بحالتِ قید اس فرمانروا کا انتقال ہوا تھا (۹)۔ موصوف کے پاس موروثی کتب خانہ تھا۔

۱-الکامل فی التاریخ: ۸/ ۵۶۳،۹/ ۱۷۳، العبر: ۳/ ۷۰ (۳۹۹ھ)
۲-ہنر ومردم، شمارہ: ۱۰۷، ۱۰۸ ص: ۶-۷۔
۳-الأنساب: ۲۹۱۔ ۴-ایضاً، معجم البلدان: ۲/ ۱۹۲، الأنساب: ۳/ ۲۲۴۔
۵-آئینہ صفی: ۹۲، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۷۸۳،
تاریخ علوم عقلی: ۲۳۴۔ ۶-الکامل فی التاریخ: ۹/ ۱۷۳۔
۷-تاریخ العتبی: ۹۲، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۷۸۳۔
۸-سلطنت غزنویاں (کامل مطبعہ عموی، ۱۳۳۳ف)
۹-معجم البلدان: ۳/ ۱۹۲۔

۳-شاہانِ سامانیہ (۲۰۴-۳۹۰ھ/ ۸۷۴-۹۹۹ء) کا کتب خانہ:

یہ خانوادۂ شاہی علماء و فضلاء کی قدردانی، علوم و فنون کی سرپرستی و کتب خانوں کی ترقی میں بہت ممتاز ہے۔ ان کے دورِ حکمرانی میں خراسان و ماوراء النہر کا علاقہ مرکزِ علم و خیر کی کان بنا ہوا تھا۔ فقہاء کو شاہوں کا رُتبہ حاصل تھا(۱) اس خانوادۂ شاہی کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ صوان الحکمہ قصرِ شاہی میں محفوظ تھا جس کا ذکر کتبِ تاریخ میں چھٹی صدی ہجری تک ملتا ہے۔

رضی الدین ابوالقاسم نوح بن منصور بن نوح بن نصر سامانی (۳۵۳-۳۸۷ھ/ ۹۶۴-۹۹۷ء) کے دور میں اس خانوادۂ شاہی کے موروثی کتب خانہ کی عظمت و وسعت کا راز کھلا جو بخارا میں قصرِ شاہی میں صوان الحکمہ کے نام سے موسوم تھا(۲)۔

ابنِ سینا کا بیان ہے:

''نوح بن منصور ایک مرتبہ بیمار ہوگیا اور مجھے علاج کے لیے بلایا گیا۔ میں نے علاج کیا، وہ اچھا ہوگیا، میں نے ان کے کتب خانہ میں مطالعہ کی اجازت چاہی، اجازت مل گئی، جب داخل ہوا تو دیکھا کہ بہت سے کمرے ہیں اور ہر کمرے میں کتابیں صندوقوں میں تہہ بہ تہہ اوپر تلے رکھی ہوئی ہیں۔ ایک کمرے میں ادب کی کتابیں ہیں، ایک میں فقہ کی رکھی ہوئی ہیں۔ اس طرح ہر کمرے میں ہر ایک موضوع کی کتابیں علیحدہ رکھی ہوئی تھیں، میں نے قدماء کی کتابوں کی فہرست کا مطالعہ کیا اور ان میں ایسی ایسی کتابوں کے نام دیکھے جن کا اہلِ علم نے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔ یہ ایسی کتابیں تھیں جنہیں میں نے نہ پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں کبھی مجھے ان کا دیکھنا نصیب ہوسکا۔ میں نے ان کتابوں کو پڑھا اور ان کے فوائد سے بہرہ مند ہوا۔''(۳)

بعد میں ابنِ سینا کو اس کتب خانہ کا خازن بنایا گیا(۴)۔ پھر اس میں آگ لگ گئی، اس کا الزام بھی اس کو دیا جاتا ہے لیکن یہ درست نہیں(۵)۔

۱-احسن التقاسیم: ۲۹۴۔ ۲-کشف الظنون: ۱/ ۲۸۳۔

۳-عیون الانباء: ۳/ ۴-۶ (۴۲۸ھ)، سرگزشت ابن سینا: ۴-۵۔ ۴-البدایہ والنهایہ: ۱۲/ ۴۲، (۴۲۸ھ)، AL literary history of the Arabs :265.266، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱/ ۵۶۰۔ ۵-کشف الظنون: ۱/ ۶۸۳۔

ابنِ سینا کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ شاہانِ سامانیہ کا موروثی کتب خانہ صوان الحکمہ موضوعی ترتیب پر مرتب تھا اور اس کا کیٹلاگ کتابی صورت میں موجود تھا، نیز اس سے اس کی کثرت و ندرت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے مگر اس کی مجموعی تعداد کا سراغ نہیں لگتا۔

اس حکمران خاندان کی علم دوستی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نوح بن منصور نے صاحب بن عباد کو منصب وزارت کے لیے خفیہ خط بھیجا جس کے جواب میں اس نے لکھا کہ میرا کتب خانہ چار سو بار شتر کتابوں پر مشتمل ہے، اس کا لے جانا آسان نہیں اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں (۱)۔ نوح بن منصور سامانی نے ۳۴۰ھ میں قاضی ابوسعید سیرانی نحوی، سے ایک خط میں دریافت کیا تھا کہ ایسی کتابیں بتائیں جس میں نحو و ادب کے چار سو سے زیادہ مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہو (۲)۔

حاکم ماوراء النہر نوح بن منصور المتوفی ۳۴۳ھ بلند پایہ و بالغ نظر عالم تھا۔ وزیر بلعمی، مرزبان بن محمد ابن خنزابہ، ابوجعفر شاہ بحستان جیسے نامور فضلاء اپنے مکاتیب میں اس کو امام المسلمین، شیخ الاسلام، الشیخ الجلیل، الشیخ الفرد کے القاب سے یاد کرتے اور قرآن و حدیث، شعر و لغت کے سینکڑوں مسائل موصوف سے پوچھتے تھے (۳)۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ یہ خانوادہ اسماعیلی نہ تھا نیز یہ سوالات نوح بن منصور کے علمی وق اور اس کے خزانۃ الکتب کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان بالغ نظر ادباء، علماء، فرمانرواؤں کی وجہ سے ان کے قلمرو خراسان و ماوراء النہر میں علم کا خوب چرچا تھا یہاں فقہاء کو بادشاہوں کا مرتبہ حاصل تھا (۴)۔

اس ترقی یافتہ دور میں سائنس دانوں کو بھی بادشاہ کا مرتبہ حاصل نہیں ہے۔ شاہانِ سامانیہ کی اپنے قلمرو میں علمی تحریک سے بیشمار علماء کو تفسیر، فقہ، حدیث، کلام، تصوف، ادب اور لغت میں اختصاص کا درجہ حاصل کرنے کے لیے ان بلاد کا سفر کرنا پڑا، ان علوم کی توجیہ میں شہرت اور فقہ و کلام میں سیادت انہی خراسانی علماء کو حاصل رہی (۵)۔

۴۔ شاہانِ طولونیہ (۲۵۴-۲۹۲ھ/۸۶۸-۹۰۴ء) کا کتب خانہ:

ابوالعباس احمد بن طولون (۲۲۰-۲۷۰ھ/۸۳۵-۸۸۴ء) حاکم مصر و شام، حافظِ قرآن، بہادر و سخی

۱۔ معجم الأدباء: ۲/۳۱۵۔ ۲۔ ایضاً: ۳/۹۹۔ ۳۔ ایضاً: ۳/۱۰۰۔
۴۔ احسن التقاسیم: ۲۹۴۔ ۵۔ ظہر الاسلام، ط: ۱،۳/۲۶۱۔

تھا(۱)۔اس نے قاہرہ میں مسجد تعمیر کرائی جو جامع ابنِ طولون کے نام سے مشہور ہے۔اس سے متصل شفا خانہ بنایا اوراس میں خزانۃ الکتب قائم کیا جس میں تمام علوم وفنون کی ایک لاکھ سے زیادہ مجلدات جمع کی تھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں شفا خانے کے ساتھ کتب خانے بنانے کا سہرا مسلمان فرمانروا ابنِ طولون کے سر ہے۔عہدِ عباسی میں جس طرح جسمانی صحت کی بقاء وترقی کے لیے شفا خانہ بنایا جاتا تھا اسی طرح علمی وذماغی ترقی اور رُوحانی صحت کو پروان چڑھانے کے لیے کتب خانے کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا(۲)۔

۵-شاہانِ حسنویہ(۳۴۸-۴۰۶ھ/۹۵۹-۱۰۱۵ء) کے کتب خانے:

حسنویہ بن حسین کردی (۰۰-۳۶۹ھ/۰۰-۹۷۱ء) پچاس برس (۵۰) تک بلادِ دینور، ہمدان، نہاوند کا حکمران رہا(۳) نیک سیرت، مخیر(۴) معارف پرور، اہلِ علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا۔اس کا ذاتی کتب خانہ چوتھی صدی ہجری کا قابلِ اعتناء ولائقِ دید کتب خانوں میں سے ایک تھا(۵)۔حکیم وشاعر ابوعبداللہ ضمیری نے محمد بن زکریا رازی کی طب کی کتاب المنصوری کا دانش نامہ کے نام سے ۳۵۸ھ میں منظوم ترجمہ کر کے حسنویہ کے نام معنون کیا تھا(۶)۔

اس کا فرزند ناصرالدین الدولہ ابوالنجم بدر بن حسنویہ بن الحسین کردی(۱۰۱۴ء/المقتول ۴۰۵ھ) بڑا دیندار، منصف، مخیر ومدبّر فرمانروا تھا۔۳۶۹ھ میں عضدالدولہ نے ان کو کردستان کا حاکم بنایا،اس نے دوہزار سے زیادہ مسجدیں، رباطات وغیرہ تعمیر کرائی تھیں(۷)ایک لاکھ دینار رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کیے تھے(۸)اس کے باپ کا مشہور کتب خانہ اس کی جانشینی کے بعد اس کے تصرف میں رہنا ظاہر وباہر ہے۔

۶-شاہانِ دیلمی(۳۲۰-۴۴۷ھ/۹۳۲-۱۰۵۵ء) کے کتب خانے:

یہ شیعی فرمانروا کا خانوادہ بھی کتب خانہ سازی میں ممتاز رہا ہے،لیکن ان کے زیرِ سایہ کس قسم کا ادب پروان چڑھا اس کا اندازہ علامہ ابنِ تیمیہؒ کے مندرجہ ذیل تبصرہ سے کیا جاسکتا ہے۔موصوف لکھتے ہیں:

۱-العبر:۲/۴۲-۴۳۔ ۲-تاریخ البیمارستانات فی الاسلام:۳۹،لواء الاسلام:۲/۱۰،جمادی الاٰخرہ ۱۳۶۸،ص:۶-۱۲۔

۳-تاریخ ابن خلدون:۴/۱۰۹۷۔ ۴-البدایہ والنھایہ:۱۱/۲۹۶(۳۶۹ھ) ۵-ہنرومردم،شمارہ:۵۸،ص:۱۷۔

۶-ہنرومردم،شمارہ ۵۸،ص ۱۷۔ ۷-المنتظم:۷/۲۷۲(۴۰۵ھ)،البدایہ والنھایہ:۱۱/۳۵۴(۴۰۵ھ) ۸-ایضاً۔

''شاہانِ بنی بویہ کے دور میں معاملہ برعکس رہا، ان کے دور میں مذاہبِ مذمومہ کی بہت سی اصناف پنپیں، زنادقہ، قرامطہ کی کثرت رہی، فلاسفہ، معتزلہ ورافضیوں کو غلبہ حاصل رہا، ان کے عقائد ونظریات کو فروغ ہوا، مسلمان اور اہلِ سنت کمزور وکسمپرسی کے عالم میں رہے، یہاں تک کہ نصاریٰ نے اسلام کی سرحدوں پر تسلط جمایا۔ سرزمینِ مصر اور مغرب ومشرق وغیرہ میں قرامطہ پھیل گئے اور بہت سے واقعات رونما ہوئے (۱)

اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگئی کہ ان کے زیرِ سایہ جو ادب پروان چڑھا وہ کس نوع کا ادب تھا اور اس سے کس صنف ادب کا اضافہ ہوا۔

حبشی بن معز الدولہ احمد بن بویہ بویہی کا کتب خانہ:

۱- حبشی بن معز الدین احمد بن بویہ بویہی (۰۰-۳۶۹ھ/ ۰۰-۹۷۹ء) کا بصرہ میں بہت عمدہ کتب خانہ تھا۔ جب عزالدولہ بختیار بن معز الدولہ کے فرزند ابوالفضل عباس بن حسین شیرازی المتوفی ۳۶۲ھ نے ۳۵۷ھ/ ۹۶۷ء میں اس کو رامہر مز میں قید کیا اور بصرہ میں اس کے مال ومتاع کے ساتھ اس کا کتب خانہ جس میں پندرہ ہزار مجلد کتابیں تھیں، اجزاء، شیرازہ بند، مصاحف وغیر مجلد کتابوں کا شمار نہیں (۲) اس کے بھائی کے قبضہ وتصرف میں آگیا تھا۔

عزالدولہ ابوالمنصور بختیار بن معز الدولہ احمد بویہی کا کتب خانہ:

۲- عزالدولہ ابوالمنصور بختیار بن معز الدولہ احمد بویہی (۳۳۱-۳۶۸ھ/ ۹۴۲-۹۷۸ء) ادب کا دلدادہ تھا، اس کے بھائی حبشی کا کتب خانہ اس کے تصرف میں آیا تھا۔ اس نے اپنے فرزند مرزبان کو بصرہ کا حاکم بنایا تھا، اس لیے ممکن ہے کہ یہ کتب خانہ بھی مرزبان کی تحویل میں رہا ہو (۳)۔

عضد الدولہ ابوشجاع فناخسرو ابن الحسن ابن بویہ دیلمی کا کتب خانہ:

۳- عضد الدولہ ابوشجاع فناخسرو ابن الحسن ابن بویہ دیلمی (۳۲۴-۳۷۲ھ/ ۹۳۶-۹۸۳ء) عالم،

۱- نقض المنطق: ۲۰۔

۲- تجارب الأمم: ۲/ ۲۳۶، الکامل فی التاریخ: ۶/ ۳۱۴ (۳۶۹ھ) و ۸/ ۵۸۳-۵۸۴، الحضارۃ الاسلامیہ: ۶/ ۲۴۶۔

۳- تجارب الأمم: ۲/ ۳۴۲، الکامل فی التاریخ: ۸/ ۵۸۴، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۲۳۔

ادیب وشاعر، نجومی اور علوم اوائل کا دلدادہ تھا۔ خلیفہ بغداد کے بعد خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا تھا(۱) رفاہِ عامہ کے کاموں میں بہت دلچسپی رکھتا، شفا خانے اور پل بناتا تھا، اہلِ علم کا قدردان (۲) اور کتابوں کا شوقین تھا(۳) اس نے شیراز میں تین سو ساٹھ کمروں کا نہایت عالیشان محل تعمیر کرایا۔ اس میں کتب خانہ رکھا تھا۔ اس کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتاب تھی، عملہ تھا اور کتابیں بہت نظم و ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ مقدسی نے اس کتب خانہ کو دیکھا تھا(۴)۔

مجد الدولہ ابو طالب رستم بن فخر الدولہ بن بویہ کا کتب خانہ:

۴- مجد الدولہ ابو طالب رستم بن فخر الدولہ بن بویہ (۳۸۷-۴۲۰ھ) کا عیش و عشرت و فلسفہ کی کتابوں کے مطالعہ اور ان کی نقل وغیرہ کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ رے میں اس کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں سو (۱۰۰) بارِ شتر کتابیں سلطان محمود غزنوی ۴۲۰ھ میں غزنہ لے گیا تھا(۵)۔

۷- بنو کاکویہ (۳۹۸-۴۸۸ھ/۱۰۰۷-۱۰۹۵ء) کا کتب خانہ:

علاء الدولہ محمد بن کاکویہ (۰۰-۴۲۷ھ/۰۰-۱۰۳۴ء) علم دوست اور اربابِ کمال کا قدردان تھا۔ اس کا اصفہان میں نہایت شاندار کتب خانہ تھا۔ ابنِ سینا کا جو اس کے دربار سے وابستہ تھا، بیان ہے کہ ابو سہل نے ۴۲۵ھ میں جب اصفہان پر قبضہ کیا تو اس کے مال و متاع کے ساتھ اس کا خزانۃ الکتب بھی غزنہ لے گیا اور مسعود بن محمود غزنوی کے خزانۃ الکتب میں داخل کیا جسے بعد میں حسین بن حسین غوری کے لشکر نے تباہ کیا تھا(۶)۔

۸- بنو مزید، فرمانروایانِ تکریت و حلہ کا کتب خانہ:

ان میں سیف الدولہ کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ سیف الدولہ ابو الحسن صدقہ بن منصور بن دبیس اسدی (۴۴۲-۵۰۱ھ/۱۰۵۰-۱۱۰۸ء) عرب اور شرفاء کی تاریخ تھا(۷) شیعی خانوادہ کا چشم و چراغ اور شعر و ادب کا دلدادہ تھا(۸) لکھنا بہت اچھا نہ جانتا تھا لیکن مشکل کتابوں کو پڑھتا تھا، کتابوں کا شوقین تھا، اس نے اپنے خزانۃ

۱- وفیات الاعیان: ۱/۴۱۶، بغیۃ الوعاۃ: ۲/۲۴۷، ۲۴۸۔ ۲- البدایہ والنہایہ: ۱۱/۳۰۰، العبر: ۲/۳۶۱، بغیۃ الوعاۃ: ۲/۲۴۷، ۲۴۸۔ ۳- یتیمۃ الدہر: ۲/۲۱۶۔ ۴- احسن التقاسیم: ۴۴۹۔ ۵- الکامل فی التاریخ: ۹/۳۷۲ (۴۲۵ھ)۔ ۶- ایضاً: ۸/۴۳۶ (۴۲۵ھ) ۷- مرآۃ الزمان: ۸/۲۶، ق: ۱۔ ۸- وفیات الاعیان: ۱/۱۷۷، ۱۷۸۔

الکتب میں نہایت نفیس کتابیں جمع کی تھیں (۱) مصنفین و نامور خوشنویسوں کے ہزاروں مجلدات اس میں محفوظ تھے (۲)۔

۹-شاہانِ خوارزم (۳۴۰-۶۱۷ھ/۹۵۱-۱۲۲۰ء) کے کتب خانے:

خوارزم یا خیوہ دریائے آموکی زیریں گزرگاہ پر واقع ہے، وسطِ ایشیاء کے تہذیبی ارتقاء میں یہ بڑی اہمیت کا حامل ہے (۳) شاہانِ خوارزم کو معارف پروری اور کتب خانوں کی ترویج و ترقی میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ عہدِ اسلامی میں پانچویں صدی ہجری میں خوارزم کا دارالخلافہ گوکانج علمی مرکز تھا۔

۱-مامون بن محمد بن احمد خوارزم (۰۰-۳۸۷ھ/۰۰-۹۹۷ء) خوارزم، جرجان کا حاکم (۴) اور علم وفن کا مربی تھا۔ اس کا خزانۃ الکتب شاہی محل سرا میں تھا، اس کے درباری طبیب حکیم ابوسہل جرجانی مسیحی نے اس کے خزانۃ الکتب کی زینت کے لیے ایک کتاب فنِ تعمیر میں لکھی تھی (۵) ثعالبی نے نیشاپور میں کتاب الکنایات و التعریض اسی خلیفہ کے لیے لکھی تھی (۶)۔

۲-اتعز بن خوارزم (۵۲۱-۵۵۱ھ/۱۱۲۷-۱۱۵۶ء) کا بھی خزانۃ الکتب تھا، زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ نے "مقدمۃ الادب" اس کے خزانۃ الکتب کے لیے لکھی تھی، اس میں اس کی علم دوستی کا ذکر کیا ہے (۷)۔

۳-ابوالفتح خوارزم شاہ ایل ارسلان بن اتعز بن محمد (۰۰-۵۶۸ھ/۰۰-۱۱۷۲ء) ۵۵۱ھ/۱۱۵۶ء میں تخت پر بیٹھا (۸) بہت علم دوست، معارف پرور بادشاہ تھا، اس کے پاس بھی کتب خانہ تھا۔ رشید الدین وطواط نے اس کے لیے "فصل الخطاب من کلام امیر المومنین عمر بن الخطاب" لکھی تھی جسے شاہی کتب خانہ کی زینت بنایا گیا تھا (۹)۔

۴-ابوالقاسم محمود بن ایل ارسلان بن اتعز بن خوارزم شاہ (۰۰-۵۸۹ھ/۰۰-۱۱۹۳ء) ۵۶۸ھ/

۱-البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۱۷۰ (۵۰۱ھ)، الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۴۴۸۔ ۲-ایضاً: ۱۰/ ۴۴۸، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۲۰۹۔
۳-اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹/ ۲۲، کراسہ: ۱۔ ۴-معجم الانساب: ۲/ ۳۱۶، الکامل فی التاریخ: ۹/ ۱۳۲ ((۳۸۷ھ)
۵-البیہقی: ۸۸۔ ۶-کشف الظنون: ۲/ ۱۴۵۳۔ ۷-دراسات النحویہ: ۹۔
۸-روضۃ الصفا: ۴/ ۱۲۸، معجم الانساب: ۲/ ۳۱۷۔ ۹-حدائق السحر: ۳۲۔

۱۱۷۲ء میں تخت نشین ہوا (۱) معارف پروری اور علم دوستی میں باپ کا سچا جانشین تھا۔ ان کا ذاتی کتب خانہ تھا۔ وطواط نے اس کے کتب خانے کے لیے متعدد کتابیں لکھی تھیں (۲)۔

۵- ابوالمظفر تکش بن ایل ارسلان بن اتسز خوارزم شاہ (۵۶۸-۵۹۶ھ/ ۱۱۷۲-۱۱۹۹ء) علم و فن کا دلدادہ و اہلِ علم کا قدر دان تھا۔ اس نے اہلِ کمال و ادباء کو اپنے گرد جمع کیا تھا۔ نامور فضلاء نے اس کے نام کتابیں معنون کی تھیں۔ فخر الدین رازی نے تقسیمِ علوم میں کتاب الستینی اس کے نام معنون کی تھی (۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھی خزانۃ الکتب تھا۔

۱۰- شاہانِ غزنویہ (۳۵۱-۵۸۲ھ/ ۹۶۲-۱۱۸۶ء) کے کتب خانے:

۱- محمود بن سبکتگین کا کتب خانہ:

۱- یمین الدولہ ابوالقاسم محمود بن سبکتگین غزنوی (۳۶۱-۴۲۱ھ/ ۹۷۱-۱۰۳۰ء) علوم و فنون کا دلدادہ و معارف پرور تھا۔ غزنہ اس کے زمانہ میں علوم و معارف کا مرکز بنا ہوا تھا (۴) مؤرخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے:

"محمود کی مجلس علماء کا آستانہ، ائمہ و قضاۃ کا ٹھکانہ تھا، ہر شخص کے مرتبہ کو جانتا اور اس کے مطابق اس سے گفتگو کرتا تھا، ہر فن کے نامور علماء و ائمہ فن کو دارالخلافہ غزنہ میں بلاتا اور ان کے محلات قصرِ شاہی کے متصل بنواتا، ان کی قدر و منزلت کے مطابق انہیں بلند مناصب پر ممتاز کرتا، بڑے بڑے انعام سے سرفراز کرتا تھا (۵)۔ اس نے غزنی میں بہت بڑا مدرسہ اور اس کے متصل کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں نادر و قیمتی کتابیں جمع کی تھیں (۶) اس کے مصارف کے لیے گاؤں اور اراضی وقف کی تھیں (۷) علماء، طلبہ اور اساتذہ کے وظائف شاہی خزانے سے جاری کیے تھے (۸) اس کے زمانہ میں علمی و ادبی تحریک کو بہت فروغ حاصل ہوا (۹)۔

امام ابنِ تیمیہ اس کے دورِ حکومت کے متعلق رقمطراز ہیں:

۱- الکامل فی التاریخ: ۱۱/ ۳۷۷ (۵۸۹ھ)، معجم الأنساب: ۲/ ۳۱۷، روضۃ الصفا: ۴/ ۱۲۸، ۱۲۹۔ ۲- دیوان رشید: ۳۱۔
۳- جامع العلوم وحدائق الأنوار: ۱، ہنر و مردم، شمارہ: ۱۰۷، ۱۰۸، ص: ۱۱، ۱۲۔ ۴- الکامل فی التاریخ: ۹/ ۴۰۱ (۴۲۱ھ)، طبقات الشافعیہ: ۵/ ۳۲۰، نزہۃ الخواطر: ۱/ ۹۵، العبر: ۳/ ۱۴۵ (۴۲۱ھ) ۵- منتخب السیاق: ورق: ۱۲۱۔
۶- تاریخ العتبی: ۲/ ۲۰۹۹۔ ۷- تاریخ فرشتہ: ۳۰۔ ۸- ظہر الاسلام: ۱/ ۲۸۰۔ ۹- ایضا: ۱/ ۲۸۲۔

''سلطان محمود بن سبکتگین کی مملکت اپنے ہم عصروں میں سب سے بہتر مملکت تھی، اسلام و اہلِ سنت کو اس کی مملکت میں شوکت و غلبہ حاصل تھا، اس نے مشرکینِ ہند سے جنگیں لڑیں، انصاف کا ایسا بول بالا کیا کہ اس سے پہلے نہ تھا، اس کے دورِ حکمرانی میں سنت کو غلبہ تھا اور بدعات مخفی تھیں۔''(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس کی فرمانروائی کے زمانے میں ذخائرِ کتب میں خالص اسلامی ادب کو زیادہ فروغ حاصل رہا، اس نے دوسرے علوم کی بڑی سرپرستی کی ہے۔

محمود غزنوی خطیب و ممتاز حنفی فقہاء میں سے تھا، اس نے حنفی فقہ کے ساٹھ ہزار مسائل پر مشتمل کتاب التفرید لکھی تھی۔ بلادِ غزنہ، غور اور ہندوسندھ میں اس کا بہت چلن تھا(۲)۔ یہ علماء اور اربابِ کمال کا ایسا قدر دان تھا کہ جب اس کو معلوم ہوا کہ سلطان مامون کا دربار دانش مند اور فلسفی ابنِ سینا، البیرونی، ابونصر عراق اور ابوسہل مسیحی سے آراستہ ہے تو اس نے مامون کو خط لکھا کہ یہ اربابِ فن یہاں بھی تشریف لائیں ہم بھی ان کے علوم سے مستفید ہوں۔ بادشاہ نے ان کو سلطان کا خط پڑھ کر سنایا، ابنِ سینا نے انکار کیا، البیرونی، ابوسہل اور ابونصر عراق نے اس پیشکش کو قبول کیا(۳)۔

البیرونی کی سلطان محمود کے دربار سے وابستگی علمی دنیا پر ایسا احسان ہے جو کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی، ہندوستان کے مخصوص علوم ریاضی، فلسفہ والہیات کو اصل زبان سے منتقل کرنا، متعارف کرانا مشاہدے اور تبصرے سے ان کی صحت و غلطی کو بتانا اس کا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے جو بھی دنیا میں ہندوستان کے مخصوص علوم پر لکھنا چاہے اس کے لیے البیرونی کی تصانیف سے استفادہ ناگزیر ہے۔ البیرونی دولت غزنویہ کا ایسا ہی درخشاں موتی ہے جیسا دولت سامانیہ کا ابنِ سینا ہے(۴)۔ فردوسی سے شاہنامہ کی تدوین بھی اس کا کارنامہ ہے۔ خراسان و ملتان سے باطنی تحریک کو ختم کرنے کا فخر اسی کو حاصل ہے(۵)۔ سلطان محمود کتابوں کا شوقین تھا اس کے خزانۃ الکتب میں سو بار شتر کتابیں صرف رستم بن فخر الدولہ بویہی کے کتب خانہ سے داخل کی گئی تھیں(۶)۔

۱۔نقض المنطق:۲۰-۲۱۔ ۲-مقدمہ کتاب التعلیم:۲۸۳، الجواہر المضیہ:۲/۱۵۷ ۳- LiteraryHistory of persia,Vol:2,p:92، ظہر الاسلام:۱/۲۸۶۔ ۴-ظہر الاسلام:۱/۲۸۶۔

۵-الفرق بین الفرق:۱۷۳، ۱۷۴، الأنساب ۳/۱۰-۱۱، طبقات الشافعیہ:۵/۳۱۹-۳۲۰۔ ۶-تاریخ آداب اللغۃ العربیہ:۲/۳۱۶۔

۲-مسعود بن محمود کا کتب خانہ:

۲-مسعود بن محمود بن سبکتگین غزنوی (۰۰- المقتول ۴۳۲ھ/۰۰-۱۰۴۰ء) نجوم، حقائقِ علوم کا دلدادہ علماء کا قدردان، نہایت علم پرور(۱) اور اپنے باپ کا سچا جانشین تھا، علماء و اربابِ کمال کے ساتھ بیٹھتا اٹھتا اور داد و دہش کرتا تھا، انہوں نے اس کے نام کتابیں معنون کی تھیں، اس کی بہت سی یادگاریں مشہور ہیں، ان کا خط بھی بہت عمدہ تھا(۲) البیرونی نے ''القانون المسعودی'' اس کے نام معنون کی اس نے ہاتھی کے وزن کے برابر چاندی دی بایں ہمہ قدردانی اس نے بے نیازی کے ساتھ واپس خزانہ شاہی میں داخل کرادی اور تصنیف و تالیف میں منہمک ہو گیا(۳)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اہلِ کمال علم کی دولت کے آگے زر و جواہر کو خزف ریزوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے، اس قدردان کے لیے البیرونی نے کتاب ''لوازم الحرکتین'' لکھی تھی(۴)

۱۱-شاہانِ کبیر سلجوقی (۴۲۹-۵۵۲ھ/۱۰۳۷-۱۱۵۷ء) کے کتب خانے:

اس خانوادۂ شاہی میں معزالدین شاہ کو علوم و معارف اور کتب خانوں سے خاص شغف تھا معزالدین ابوالحارث بن ملکشاہ بن ارسلان (۵) سلجوقی المعروف سنجر (۴۷۹-۵۵۲ھ/۱۰۸۶-۱۱۵۷ء) جہانبانی و حکمرانی میں اپنے اسلاف کا سچا جانشین تھا۔ ۵۱۲ھ میں فرمانروا ہوا عراق و شام، جزیرہ آذربیجان، ایران، حرمین، خراسان، ماوراء النہر و غزنہ تک خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا اور اسے سلطان کے لقب سے پکارا جاتا تھا، پاک دامن، متقی تھا(۶)۔

اس کے زمانہ میں خراسان علم و فن کا مرکز بنا ہوا تھا، اس کے قلمرو میں بڑے شہر، مدارس و کتب خانوں سے آباد تھے، یہ مدارس و کتب خانے غزون (ترکوں کی ایک قوم) کے حملوں میں تباہ ہوئے تھے(۷)۔

سلطان سنجر شاہی کتب خانہ میں کتابوں کا مطالعہ کرتا اور علماء، حکماء اس میں کتابیں لکھتے تھے۔

۱-معجم الأدباء:۶/۳۱۰۔ ۲-الکامل فی التاریخ:۹/۴۸۷۔ ۳-معجم الأدباء:۶/۳۸۰۔
۴-حکمائے اسلام:۱/۳۶۵۔ ۵-العبر:۴/۱۳۷(۵۵۲ھ) ۶-وفیات الأعیان:۲/۲۱۷، تاریخ الاسلام:۴/۱۳۷۔
۷-الکامل فی التاریخ:۱۱/۱۸۲(۵۴۸ھ)

ظہیر الدین بیہقی المتوفی ۵۶۵ھ نے حکیم ابوالفتح کوشک کی تالیفات اس کتب خانہ میں دیکھی تھیں (۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ علم کو اس کتب خانہ سے استفادہ کی اجازت تھی۔

شاہانِ غور میں سلطان غیاث الدین معارف پروری وکتب خانہ سازی میں شہرت کا حامل تھا۔ غیاث الدین ابوالفتح محمد بن سام بن الحسین مسعودی (۰۰-۵۹۹ھ ۵۵۸ھ/ ۰۰-۱۲۰۲ء) میں تختِ شاہی پر بیٹھا بہت علم دوست نامور خطاط ادیب واہلِ علم کا قدردان تھا۔

اس نے شافعیہ کی تعلیم کے لیے بہت بڑا مدرسہ بنوایا تھا، (۲) خراسان میں شافعیہ کے مدرسے (اور کتب خانے) قائم کیے، مسجدیں اور راستوں پر خانقاہیں تعمیر کرائی تھیں۔ (۳) جب کسی شہر میں پہنچتا فقہاء اہلِ شہر پر احسان کرتا، انہیں خلعتیں پہناتا تھا، سال بھر کے لیے اپنے خزانہ سے ان کا وظیفہ جاری کرتا، فقیروں میں مال بنواتا تھا خود مصاحف لکھ کر مدرسوں میں وقف کرتا تھا (۴) اس کا دربار علماء سے بھرا رہتا تھا (۵) پہلے حنفی تھا پھر شیخ محمد بن محمود مروروزی شافعی المتوفی ۵۹۹ھ کی ترغیب سے شافعی مذہب اختیار کیا اور اس مذہب کی نشر و اشاعت میں سرگرمِ عمل رہا (۶)۔

۱۲-شاہانِ نیمروز بجستان (۴۶۰-۶۲۲ھ/ ۱۰۶۷-۱۲۲۵ء) کا کتب خانہ:

شاہانِ مرغیناں مدت تک خراسان میں فرمانروائی کرتے رہے، ان میں سلطان عز الدین عمر، سلطان تاج الدین عثمان اور ان کا بھانجا سلطان رکن الدین علوم وفنون کے مربی تھے۔ تاج الدین ابوالفتح حرب بن محمد (تقریباً ۵۱۲-۶۱۲ھ/ ۱۱۱۸-۱۲۱۹ء) نے سیستان میں مدرسے، دار العلوم اور کتب خانے بنوائے تھے اور یمین الدین بہرام شاہ حرب بھی علماء، فضلاء کا قدردان تھا، اس نے سیستان میں مدرسہ سرحوض بنوایا تھا اس میں سیستان کا مشہور ومعروف کتب خانہ تھا۔ (۷)

۱-تاریخ البیہقی، تتمہ صوان الحکمہ ص:۱۰۰۔
۲-البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۳۴ (۵۵۹ھ)، الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۱۸۱ (۵۵۹ھ)۔
۳-الکامل فی التاریخ: ۱۲/ ۱۸۱ (۵۵۸ھ)
۴-آثار البلاد: ۴۳۰، ایضاً: ۱۸۲۔
۵-الوافی بالوفیات: ۳/ ۸۳۔
۶-التکملہ لوفیات النقلہ: ۲/ ۴۱۲۔
۷-طبقات ناصری: ۱/ ۲۸۰، ہنر ومردم، شمارہ ۵۸، ص:۱۸۔

۱۳-شاہانِ آل نہاوند جبال (۴۶۶-۶۰۲ھ/ ۱۰۷۳-۱۲۰۵ء) کا کتب خانہ:

اس خانوادۂ شاہی میں رستم بن علی کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ رستم بن علی بن شہریار (۰۰-۵۶۰ھ / ۰۰-۱۱۶۴ء) یہ مازندان کا بادشاہ اور علم وعلماء کا قدردان تھا، اس نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو مدرسہ شاہ غازیِ رستم کے نام سے مشہور تھا، اس میں ایک دارالکتب بنوایا اور اس میں کتابوں کا عمدہ ذخیرہ جمع کیا تھا۔ تاریخ طبرستان کا مصنف اسفندیار اس میں بارہا استفادہ کی خاطر گیا تھا(۱)۔

۱۴-شاہانِ زیدیہ یمن کا کتب خانہ:

ان میں سلطان منصور کو شہرت حاصل ہوئی۔ الامام منصور عبداللہ بن حمزہ بن سلیمان زیدی یمنی (۵۶۱-۶۱۴ھ/۱۱۶۶-۱۲۱۷ء) یہ ۵۹۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ ادیب، شاعر، مصنف و زیدیہ کے ائمہ مجتہدین میں سے تھا، اس کا کتب خانہ قلعہ ظفار ذی بین میں زیدیہ کی کتابوں کا جامع تھا، اس نے نامور فقیہ ومتکلم قاضی جعفر بن احمد بن عبدالسلام المتوفی ۵۷۳ھ کو زیدی مسلک کی نشر واشاعت کے لیے عراق اور محمد بن منصور ترادی کو بلادِ جبل و دیلم کی طرف بھیجا تھا۔ اول الذکر یہ عراق سے معتزلہ کی کتابوں کا اور مؤخر الذکر فقہ واصولِ فقہ کا بہت ذخیرہ لایا اور شاہی کتب خانہ میں محفوظ کرایا تھا، یہ کتب خانہ اب جامع کبیر صنعاء کے کتب خانہ میں ملادیا گیا ہے، اس کی فہرست قاضی محمد حجری نے ۱۹۳۳ء میں شائع کی تھی(۲)۔

۱۵-شاہِ ماردین کا کتب خانہ:

حسام الدین تیمور تاش ابن ایلغازی ابن ارتق (۰۰-شہید ۵۴۵ھ/ ۰۰-۱۱۵۲ء) اکتیس برس تک ماردین کا فرمانروا رہا۔ بڑا بہادر، فاضل، فلسفی، علم واہلِ علم کا قدردان تھا۔ علمی بحثوں میں حصہ لیتا تھا، (۳) اس نے ماردین میں ایک مشہد (زیارت گاہ شہداء) بنوایا تھا (۴) اس میں حکمت وفلسفہ کی کتابیں وقف کی تھیں بعد میں اسی مشہد کے کتب خانہ میں فخر الدین ماردینی نے اپنا کتب خانہ وقف کیا تھا (۵) اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی

۱-تاریخ طبرستان: ۱/ ۴، ہنر ومردم، شمارہ ۵۸، ص: ۱۸۔ ۲-مجلہ المعہد المخطوطات العربیہ: (ج: ۱، شمارہ: ۲، ۱۹۵۵ء) ص: ۱۹۵-۱۹۶۔

۳-عیون الأنباء: ۲/ ۳۲۸۔ ۴-ذیل تاریخ دمشق: ۳۲۹، النجوم الزاہرہ: ۵/ ۵۴۶ (۵۴۷ھ)، مراۃ الزمان: ۱/ ۲۱۸-۲۱۹۔

۵-عیون الأنباء: ۲/ ۳۲۸۔

ہے کہ مشہد میں بھی کتب خانے قائم کیے جاتے تھے۔

۱۶-شاہ جزرہ کا کتب خانہ:

محی الدین محمد بن محمد بن سعید جزری دمشقی (۶۰۰-۶۵۱ھ) جزرہ کا حاکم اور ''الصاحب'' کے لقب سے مشہور تھا۔ بڑا فاضل ادیب، مصنف، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا، اس کا دربار علماء و ادباء سے بھرا رہتا تھا۔ مصنفین اپنی تصانیف اس کے نام معنون کرتے اور کتابیں تحفے میں پیش کرتے تھے(۱) ابنِ سعید مغربی نے ''کِتَابُ الْمُغْرِبْ فِیْ مَحَاسِنِ اَهْلِ الْمَغْرِبِ'' اور ''کِتَابُ الْمَشْرِقِ فِیْ اَخْبَارِ الْمَشْرِقِ'' اس کے نام معنون کی تھیں، اس کا عظیم الشان کتب خانہ ''خزائنِ صاحبیہ'' کے نام سے مشہور تھا۔ اس سے اہلِ علم استفادہ کرتے تھے، چنانچہ نورالدین علی بن موسیٰ ابن سعید غرناطی المتوفی ۶۸۵ھ نے ''فَصْلُ الْخِطَابِ فِیْ مَدَارِکِ الْحَوَاسِ الْخَمْسِ لِاُوْلِی الْاَلْبَابِ'' میں اعتراف کیا ہے کہ اس نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں ''خزائن صاحبیہ'' سے فائدہ اٹھایا تھا(۲)۔

نورالدین بن سعید جب مغرب سے مشرق میں آئے اور سمندر میں ان کا مال و متاع اور کتب خانہ ضائع ہوا تو الصاحب کے پاس مدت تک اس کا قیام رہا تھا۔

محی الدین کا باپ شمس الدین محمد بھی فاضل تھا، اس کی اولاد بھی فاضل و شاعر تھی (۳)۔

۱۷-سلاطین ایوبیہ(۵۶۴-۶۴۸ھ/۱۱۶۸-۱۲۵۰ء) کے کتب خانے:

آخری دورِ عباسی میں سلاطینِ ایوبیہ کو علوم و معارف کی سرپرستی اور کتب خانوں کی ترویج و ترقی میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ الملک المحسن ابوالعباس احمد بن یوسف بن ایوب (۵۷۷-۶۳۴ھ/۱۱۸۱-۱۲۳۶ء) محدثین کی قدر کرتا تھا(۴) اربل میں خود بھی کتابیں نقل کیں وراقوں سے بھی کرائیں اس کے کتب خانہ میں زیادہ تر حوالے کی کتابیں تھیں جو حلب میں اپنے بھائی کے مدرسہ میں وقف کی تھیں (۵)۔

۱-الوافی بالوفیات:۱/۲۷۱۔ ۲-الوافی بالوفیات:۱/۲۸۸۔ ۳-ایضاً:۱/۱۷۳۔

۴-ترویح القلوب:۹۹۔ ۵-الوافی بالوفیات:۸/۲۸۳۔

۱-الملک الظاہر ابو منصور غازی کا کتب خانہ:

۱- الملک الظاہر ابو منصور غازی بن صلاح الدین یوسف بن ایوب ایوبی (۵۶۸-۶۱۳ھ / ۱۱۷۳-۱۲۱۶ء) حلب کا فرمانروا، بڑا ہوشمند فقیہ محدث (۱) اور علماء و فضلاء کا قدردان تھا ان پر خوب داد و دہش کرتا تھا (۲) موصوف نے ۶۰۸ھ میں یاقوت رومی سے صور الاقالیم کا نہایت خوشخط و مصور نسخہ خریدا تھا (۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کتابوں کا شوق تھا اور اس کے پاس بھی عمدہ کتب خانہ تھا۔

۲-الملک المنصور ناصر الدین ابو المعالی کا کتب خانہ:

۲-الملک المنصور، ناصر الدین ابو المعالی محمد بن عمر بن شہنشاہ ایوبی (۵۷۷-۶۱۷ھ/ ۱۱۸۱-۱۲۲۰ء) تیئیس (۲۳) برس تک حماۃ کا فرمانروا رہا۔ مؤرخ، ادیب، شاعر (۴) اور مصنف تھا (۵) دو سو سے زیادہ فقہاء، ادباء، حکماء، فلاسفہ، نجومی، منجم و منشی اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ کتابوں کا بہت شوق تھا نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا تھا (۶)۔

۳-الملک المعظم شرف الدین عیسیٰ کا کتب خانہ:

۳- الملک المعظم شرف الدین عیسیٰ بن محمد ایوب دمشقی حنفی (۵۷۶-۶۲۴ھ/ ۱۱۸۰-۱۲۲۷ء) سلطان صلاح الدین کے بعد دمشق کا فرمانروا ہوا۔ عالم، فقیہ، نجومی، لغوی (۷)، ادیب، شاعر (۸) مصنف، علم و اہلِ علم کا قدردان اور بہت بہادر تھا۔ بہت داد و دہش کرتا تھا (۹) کئی مدرسے بنوائے تھے (۱۰) کتابوں کا بہت دلدادہ تھا، امام ابوحنیفہ کے فقہی مذہب کو دس (۱۱) جلدوں میں "کتاب التذکرہ" میں مرتب کرایا تھا (۱۲)۔

۱-التکملہ لوفیات النقلہ: ۴/ ۲۲۴-۲۲۵۔ ۲-الکامل فی التاریخ: ۱۲/ ۳۱۲ (۶۱۳ھ)، مراۃ الزمان: ۸/ ۵۷۹ (۶۱۳ھ)، ذیل الروضتین: ۹۴-۹۵، ابن الفوطی: ۴/ ۱۱۹۹، ق: ۲۔ ۳-معجم الأدباء: ۶/ ۱۴۷-۱۴۸۔
۴-فوات الوفیات: ۲/ ۴۹۹، السلوک: ۱/ ۲۰۵، ق: ۱۔ ۵-ایضاً: ۲/ ۴۹۹، تتمہ المختصر: ۲/ ۱۳۹، الوافی بالوفیات: ۴/ ۱۸۶، البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۹۳۔ ۶-فوات الوفیات: ۲/ ۲۹۹، المختصر: ۳/ ۱۲۵۔ ۷-النجوم الزاہرہ: ۶/ ۲۶۷۔
۸-شذرات الذھب: ۵/ ۱۱۵، السلوک: ۱/ ۲۲۴، ق: ۱۔ ۹-مراۃ الزمان: ۸/ ۶۴۷، ق: ۲، الکامل فی التاریخ: ۱۳/ ۱۲۱ (۶۲۴ھ)
۱۱-ایضاً: ۹-۶۴۹-۶۵۰۔ ۱۲-ایضاً: ۶۴۷ (۶۲۴ھ)

سفر وحضر میں اسے ساتھ رکھتا، اس نے اعلان کرایا تھا کہ جو فقہ میں امام محمد کی شرح الجامع الکبیر کو اور نحو میں زمخشری کی المفصل کو یاد کرے گا اسے سو دینار(۱) اور ابو علی فارسی کی کتاب الایضاح کو یاد کرے گا اسے دو سو دینار دیے جائیں گے(۲)۔

اس نے مسند احمد کو ابواب فقہ پر مرتب کرانے اور جمہرہ ابن درید، صحاح جوہری اور تہذیب ارموی سے ایک جامع لغت تیار کرانے کے لیے ماہرینِ فن کی ایک جماعت کو مامور کیا تھا اور فتح بن علی بنداری التوفی ۶۴۳ھ سے شاہنامہ فردوسی کا عربی میں ترجمہ کرایا تھا(۳) دمشق میں اس کا ذاتی کتب خانہ نوادر کتب پر مشتمل تھا۔ یاقوت نے ابوسعد عمیدی کی کتاب "تنقیح البلاغۃ" دس جلدوں میں اس کے کتب خانہ میں دیکھی تھی(۴)۔

۴-الملک الناصر داؤد بن عیسیٰ کا کتب خانہ:

۴-الملک الناصر داؤد بن عیسیٰ بن محمد حنفی (۶۰۳-۶۵۶ھ/۱۲۰۶-۱۲۵۸ء) الملک المعظم کا بیٹا اور کرک کا فرمانروا تھا علومِ اوائل وعلمِ کلام کا شناساں(۵) ادیب وشاعر، سخی، مناظر(۶) علم واہلِ علم کا قدردان تھا۔ سلاطین ایوبیہ میں یہ ایسا فاضل بادشاہ تھا جس نے جامعہ مستنصریہ میں فقہاء سے مناظرہ کیا اور ان پر غالب رہا تھا(۷) کتابیں جمع کرنے کا ذوق باپ سے ورثہ میں پایا تھا اس نے نہایت شاندار کتب خانہ بنایا تھا جو اس کی وفات کے بعد ضائع ہو گیا(۸)۔

۵-الملک الناصر صلاح الدین یوسف کا کتب خانہ:

۵-الملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ملک العزیز محمد بن الظاہر غازی ایوبی حلبی (۶۲۷-۶۶۹ھ/۱۲۳۰-۱۲۶۱ء)(۹) سات برس کی عمر ۶۳۴ھ میں خلیفہ بنایا گیا، یہ بنو ایوب میں آخری خلیفہ تھا جسے ہلاکو نے

۱-کشف الظنون:۱/۵۶۸، شذرات الذهب:۵/۱۱۵، الدارس:۱/۵۸۰۔

۲-مرآۃ الزمان:۸/۶۴۷(۶۲۴ھ)، الدارس:۱/۵۸۰۔ ۳-الشاھنامہ للفردوسی:۳۔ ۴-معجم الأدباء:۶/۳۲۸۔

۵-البدایہ والنھایہ:۱۳/۱۹۸(۶۵۶ھ) ۶-العبر:۵/۲۲۹، ۲۳۰، النجوم الزاھرہ:۷/۶۱، ۶۲(۶۵۶ھ)، کتاب الصبح الأعشی:۴/۱۷۵۔ ۷-ذیل مرآۃ الزمان:۱/۱۳۶(۶۵۶ھ) ۸-ایضا:۱۴۵(۶۵۶ھ)، فوات الوفیات:۱/۳۱۲۔

۹-أمراء دمشق:۱۰۲۔

قتل کیا تھا۔ ادیب وشاعر، علم واہلِ علم کا قدردان، کریم وبردبار تھا۔(۱) اس کی مجلس ندماء وادباء کی مجلس تھی(۲) اس نے سفح قاسیون دمشق میں دارالحدیث بنایا تھا(۳) اس کا عظیم الشان خزانہ کتب تھا، صدرالدین علی ابن الفرج بصری المتوفی ۶۵۶ھ نے کتاب الحماسۃ البصری اس کے خزانۃ الکتب کے لیے لکھی تھی، اس کی ترتیب و تدوین میں اس کے خزانۃ الکتب سے استفادہ کیا تھا چنانچہ موصوف کا بیان ہے:

''شعری مجموعے ذہن کو جلا بخشتے ہیں اور یہ نوع بنوع معانی کے ترجمان کی طرح ہیں ہمارے آقا شاہ ناصرالدین صلاح الدین دنیا و دین، ناصر اسلام ابوالمظفر یوسف بن شاہ عزیز بن شاہ ظاہر ایوبی (اللہ کرے ہمیشہ ان کا حکم ہر پست و بالا زمین میں نافذ رہے) ان شعری مجموعوں کے شیدا ہیں جو عرب کا دیوان کہلاتا ہے، اس لیے میں نے ان کے خزانۃ الکتب کے لیے اشعارِ کتب کا ایک مجموعہ تیار کرنے کا ارادہ کیا جو عمدہ اشعار و بہترین وقائع واخبار پر مشتمل ہو، طویل نہ ہو، ابوابِ کتاب کو جامع ہو چنانچہ جو بھی شعری مجموعے مجھے ان کے خزانۃ الکتب میں دستیاب ہوئے جیسے علماء کی امالی، ادباء کے حماسے، نامور قدماء ومتاخرین شعراء کے دواوین اور فضلاء کے مختارات جیسے ''کتاب الاشباہ والنظائر'' جو خالد بن (ابوعثمان سعید خالدی المتوفی ۳۹۱ھ و ابوبکر محمد خالدی المتوفی ۳۸۰ھ) کی تصنیف ہے بہترین اشعار کی جامع ہے گو اس میں شعروں کے کہنے والوں کی طرف ان اشعار کی نسبت مذکور نہیں نیز کتاب میں عنوانات بھی نہیں ہیں جن کی وجہ سے انہیں یاد کرنا اور سمجھنا دونوں مشکل ہے، میں نے جو مجموعہ تیار کیا ہے، وہ بدائع پر مشتمل ہے اور ترتیب کے اعتبار سے بہتر ہے۔(۴)

یہ نوسو اکسٹھ(۹۶۱) شعراء کے اور دو ہزار اکسٹھ(۲۰۶۱) قصائد ومقطعات کا جامع ہے(۵) ابن سعید اندلسی جب کمال الدین ابن العدیم کے پاس حلب پہنچا اس نے اسے سلطان موصوف سے ملایا، اس نے اس کے بلاد کے حالات معلوم کیے، آمد کا مقصد پوچھا تو اس نے انکشاف کیا کہ میں کتاب ''المشرق حلی المشرق'' لکھ رہا ہوں جیسے بلادِ مغرب میں ''مغرب فی حلی المغرب'' لکھی تو سلطان نے کہا:

تُعِيْنُکَ بِمَا عِنْدَنَا مِنَ الْخَزَائِنِ تُوْصِلُکَ إِلٰی مَالَيْسَ عِنْدَنَا کَخَزَائِنِ الْمَوْصِلِ وَ بَغْدَادَ(۶)

۱-النجوم الزاہرہ:۷/۲۰۳(۶۵۹ھ)،الحوادث الجامعہ:۲۳۹،اعلام النبلاء:۴/۴۲۵،فوات الوفیات:۲/۱۹۱،تاریخ ابن خلدون:۴/۳۱۶۔ ۲-العبر:۵/۲۵۶(۶۵۹ھ) ۳-الدارس:۱/۱۱۵۔ ۴-کتاب الحماسۃ البصری:۴۰۳۔

۵-التذکرۃ السعودیہ:۱۳۔ ۶-نفح الطیب:۸/۳۱،حامد بن سعید حیاتہ......۱۱۔

''ہمارے خزائنِ کتب میں جو کتابیں موجود ہیں ہم ان سے آپ کی مدد کو تیار ہیں اور جو ہمارے پاس نہیں ہیں، ہم آپ کو ان کتب خانوں تک پہنچائیں گے۔ جہاں وہ مل سکتی ہیں جیسے موصل و بغداد کے کتب خانے۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہی کتب خانے علماء و محققین کی خدمت کے لیے کھلے رہتے تھے اور جو کتابیں ان خزائنِ کتب میں نہ تھیں وہ اگر دوسرے کتب خانوں میں موجود ہوتیں تو انہیں وہاں پہنچایا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں علماء و محققین کو کتابوں کی فراہمی میں کتنی سہولت دی جاتی تھی۔

وزیر جمال الدین قفطی نے اپنے عظیم الشان کتب خانہ کی وصیت اس خلیفہ کے حق میں کی تھی (۱) اس سے اس کی عظمت، قدر و اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۸-شاہانِ اغالبہ (۱۸۴-۲۸۶ھ/۷۹۸-۹۰۹ء) کا کتب خانہ:

شاہانِ اغالبہ کا قیام ابتداہی سے عباسیہ میں تھا پھر ابراہیم اوّل (۱۸۴ھ) نے رقادہ میں حکمرانی کی یہیں ابراہیم اصغر منتقل ہوا، اس کو علوم ریاضی و حکمت و فلسفہ سے بہت لگاؤ تھا، اس نے ۲۶۴ھ/۸۷۸ء میں رقادہ میں بیت الحکمہ کی بنیاد رکھی۔ ماہر طبیبوں، مہندسوں کو جمع کیا۔ افریقہ میں اغالبہ خلفاءِ عباسیہ کے باج گزار تھے، انہوں نے دو شہر آباد کیے۔ عباسیوں کی قیادت و خوشنودی کے لیے ایک کا نام العباسیہ رکھا اور دوسرے کا رقادہ، العباسیہ کو اپنی قیام گاہ بنایا تھا۔ قیروان ان ایام میں مرکز تھا۔ اہلِ افریقہ یہاں آکر لغت و ادب، فلسفہ و شرعی علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ یونانی، فارسی، سریانی و ہندی کتابوں کے ترجمے یہاں آچکے تھے۔ آراءِ اہلِ عراق، آراءِ اہلِ مدینہ، آراءِ اوزاعی و شافعی اور آراءِ معتزلہ سے بحث کی جاتی تھی (۲)۔

بیت الحکمہ:

رقادہ کے شاہی محل کے ہال میں مقام فتح میں واقع تھا، اس کے ایک کمرے میں لکڑی کی الماریوں میں چمڑے یا قرطاس پر لکھی ہوئی کتابیں رکھی تھیں۔ کتابوں کے پڑھنے، مطالعہ و نقل و مقابلہ کرنے کی خاص اوقات میں عام اجازت بھی تھی، چنانچہ نادر کتابوں کے شوقین صحیح ترین نسخوں کے مطالعہ کے لیے قیروان سے رقادہ میں آتے اور مہینوں یہاں نقل و مقابلہ میں مصروف رہتے تھے (۳)۔

۱-فوات الوفیات: ۲/ ۱۹۲۔ ۲-الأقلام: ۱/ ۷، شمارہ: ۵۔ ۳-ایضاً: ص ۷-۸۔

موضوعات:

ان المساریوں میں دینی علوم کے علاوہ یونانی، سریانی، فارسی، سنسکرت، حساب، ہندسہ، فلکیات، نجوم، طب، نباتیات، منطق وفلسفہ کی کتابیں جن کا عہد اموی اور اوائل عہد عباسی میں شام، عراق، حیرہ وغیرہ میں ترجمہ کیا گیا تھا، رکھی ہوئی تھیں۔ ''بیت الحکمہ'' میں بیٹھنے اور مطالعہ کرنے کے لیے غالیچے بچھے ہوئے تھے۔ بعض کمروں میں آلات فلکیہ اصطرلاب، مقنطرات، جیوب، طول بلد، عرض بلد کی پیمائش کے آلات بھی رکھے ہوئے تھے۔

رقادہ میں یونانی علوم سے اعتناء کیا جاتا تھا، مساجد میں ان علوم سے اعتناء نہ تھا، اس لیے طبقات کی کتابوں میں ان علماء کا تذکرہ نہیں ملتا جن علماء نے ان علوم کی نشر واشاعت میں سرگرمی دکھائی تھی۔

بیت الحکمہ کے ذخیرے میں اضافے:

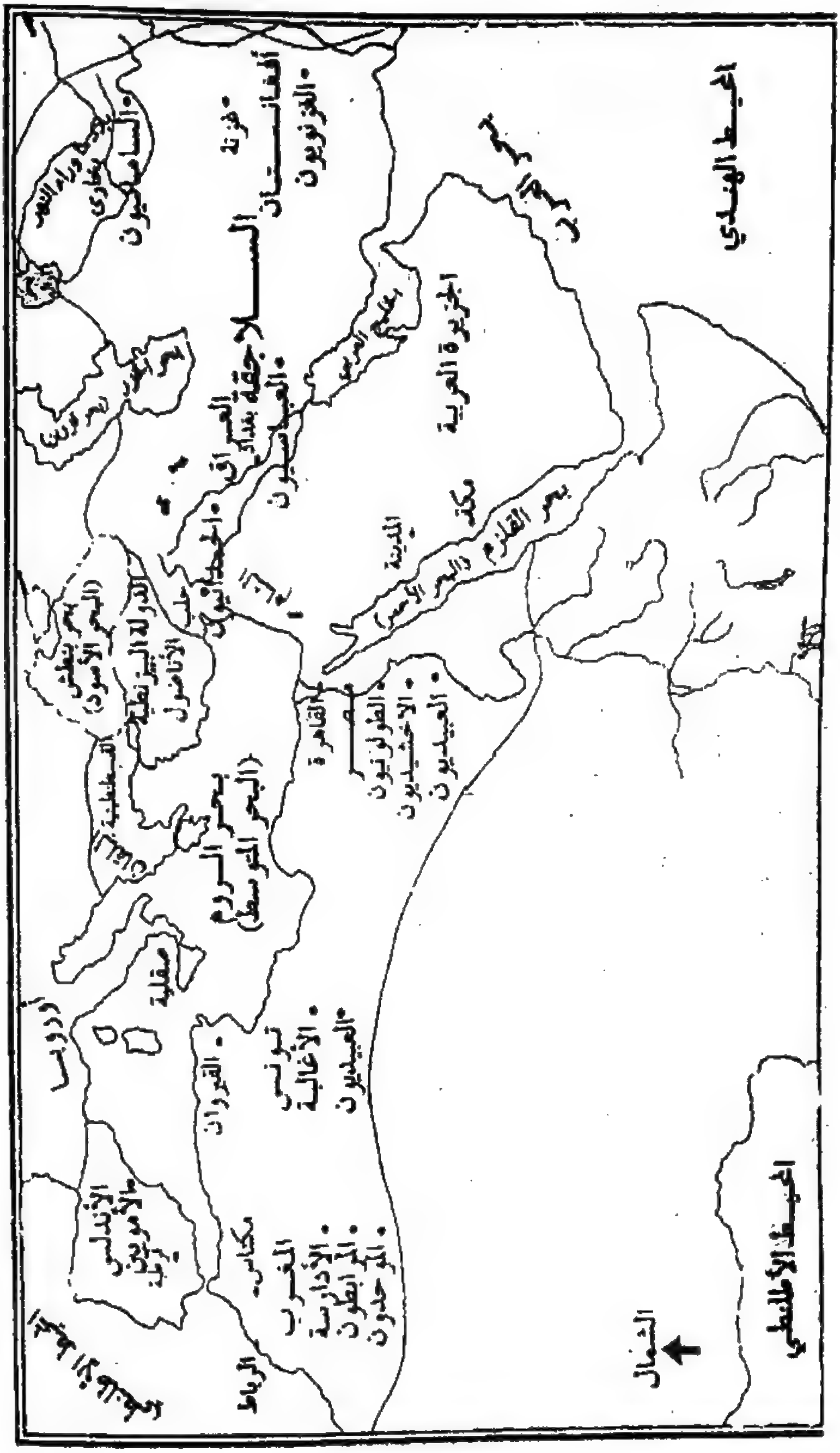
خلیفہ ابراہیم ثانی ہر سال اور بعض اوقات سال میں دو تین مرتبہ اپنا سفیر بغداد بھیجتا، یہ سفیر امور خلافت کی انجام دہی کے علاوہ کتابیں بھی مہیا کرتا تھا جن کی نظیر دیار مغرب میں نہیں ملتی، اس کے لیے سفیر کو بڑی رقم دی جاتی تھی، وہ اس رقم سے حکمت وفلکیات وغیرہ کی کتابیں مہیا کرتا اور نامور علماء کو ساتھ لاتا تھا۔

۲۹۶ھ میں جب فاطمی خلفاء کا افریقہ پر تسلط ہوا تو انہوں نے اس ذخیرہ کو نقل کرا کر اور تحفہ تحائف سے کتابیں وصول کر کے اپنے ذخیروں میں اضافہ کیا ۳۶۲ھ/ ۹۷۳ء میں یہ ذخیرہ قاہرہ منتقل کیا گیا۔ یہاں بھی لائبریرین کو صاحب بیت الحکمہ کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا۔ ابراہیم ثانی کے دور میں اس اہم خدمت پر ابراہیم شیبانی بغدادالمعروف بالریاضی مامور تھا۔ بیت الحکمہ میں دارالترجمہ بھی قائم تھا(۱)۔

نوٹ:

خلفاء بغداد سے وابستگی والحاق رکھنے والے شاہوں کے دور کا ایک نقشہ جس سے اس کی وسعتوں کا اندازہ ہوگا، صفحہ مقابل پر پیش کیا جاتا ہے۔

۱- الاقلام: ۷-۱۴۔


المحيط الهندي
بحر العرب
الجزيرة العربية
مكة
المدينة
بحر القلزم (البحر الأحمر)
القاهرة
بحر الروم (البحر المتوسط)
صقلية
أوروبا
القيروان
تونس
الأغالبة
العبيديون
المغرب
الأدارسة
الرباط
المحيط الأطلسي
الشمال
العباسيون
الغزنويون
غزنة
السامانيون
الدولة البيزنطية

۴۔خلفاءِ بغداد سے ہمسری کرنے والے خلفاء کے کتب خانے

۱۔فاطمیین مصر(۲۹۷-۵۶۷ھ/۹۰۹-۱۱۷۱ء) کے کتب خانے:

شاہانِ فاطمیین مصر کا عہد بھی نہایت شاندار عہد تھا، انہوں نے نہایت عظیم الشان تمدنی وثقافتی کارنامے انجام دیے، قاہرہ آباد کیا، جامع ازہر بنایا جو آگے چل کر اسلامی علوم ومعارف کا سرچشمہ بنا۔ دارالکتب ودارالحکمہ قائم کیے۔ دُور دُور سے کتابیں جمع کیں، نقل نویس ونگران مقرر کیے اہلِ علم، طلبہ، اساتذہ ومحققین کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں اور اس باب میں خلفاءِ عباسیہ کے نقشِ قدم پر چلے، اس لیے اسلام کے تین عظیم الشان کتب خانوں میں سے فاطمیین مصر کا کتب خانہ بھی شمار کیا گیا۔

المعزلدین اللہ ابوتمیم معد کا کتب خانہ:

۱۔المعزلدین اللہ ابوتمیم معد بن المنصور اسماعیل ابن القائم الفاطمی العبیدی (۳۴۱-۳۶۵ھ/۹۵۲-۹۷۵ء) کے سپہ سالار نے ۳۵۸ھ میں مصر فتح کر کے قاہرہ آباد کیا اور دو سال میں جامع ازہر تیار کی (۱)۔ فقہاء کے لیے کمرے بنائے گئے۔ ۳۷۸ھ میں اس میں تعلیم کا آغاز ہوا اور وہ جامع بن گئی۔ حاکم بامر اللہ نے اس کے مصارف کے لیے وقف کیے گئے کتب خانہ کو ترقی دی (۲) آج بھی جامع ازہر کے کتب خانہ میں تیس ہزار مخطوطات ہیں جن میں علامہ ابن الشحنہ، ابنِ حجر، سیوطی وغیرہ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے محفوظ ہیں اس کی فہرست چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

کتب خانہ مارستان:

ابن الطویر کا بیان ہے کہ ''مجالس المارستان'' میں تمام علوم کی کتابیں دو لاکھ مجلدات سے زیادہ تھیں، ان میں مذاہبِ اربعہ کی فقہ، نحو، لغت، حدیث، تاریخ، سیرِ ملوک، روحانیات، کیمیا غرض ہر صنفِ علم کی کتابوں کے کئی کئی نسخے محفوظ تھے۔ ناقص کتابیں اور مسودات دروازے سے متصل ہی اوپر الماریوں میں اور ابن مقلہ وابن البواب کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے بکسوں میں رکھے ہوئے تھے (۳) اس سے معلوم ہوا کہ موضوعات کی

۱۔الخطط المقریزیہ: ۲/ ۲۷۳-۲۷۵۔　۲۔النجوم الزاہرہ: ۴/ ۳۲۔　۳۔الخطط المقریزیہ: ۱/ ۴۰۹۔

مذکورۂ بالا ترتیب پر کتب خانہ مرتب تھا۔

۲-العزیز باللہ ابو منصور نزار کا کتب خانہ:

۲-العزیز باللہ ابومنصور نزار بن معد بن المنصوری عبیدی فاطمی (۳۴۴-۳۸۶ھ/ ۹۵۵-۹۹۶ء) ۳۶۵ھ/ ۹۷۵ء میں فرمانروا ہوا یہ بڑا فاضل وادیب تھا، اس نے جو شاہی کتب خانہ قائم کیا تھا وہ چالیس خزائنِ کتب پر مشتمل تھا اور ان میں سے ایک خزانۃ الکتب اٹھارہ ہزار کتابوں کا جامع تھا، مقریزی لکھتا ہے۔

"قَالَ فِيْ كِتَابِ الذَّخَائِرِ: عِدَّةُ الْخَزَائِنِ الَّتِيْ بِرَسْمِ الْكُتُبِ فِيْ سَائِرِ الْعُلُوْمِ بِالْقَصْرِ أَرْبَعُوْنَ خِزَانَةً، خِزَانَةٌ مِنْ جُمْلَتِهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ أَلْفِ كِتَابٍ مِنَ الْعُلُوْمِ الْقَدِيْمَةِ"(۱)

صاحبِ کتاب الذخائر کا بیان ہے کہ قصرِ شاہی میں سرکاری کتب خانوں کی تعداد چالیس تھی جو تمام علوم وفنون کی کتابوں کے جامع تھے، منجملہ ان کے ایک کتب خانہ میں صرف علومِ قدیمہ کی اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔

خزانۃ من جملتھا الخ ایسا قرینہ ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں خزانہ سے علوم کا نہایت وسیع ذخیرۂ کتب اور وہ شعبۂ علم مراد ہے جو اپنے ماتحت تمام انواع، اصناف واقسام کا جامع ہوتا ہے۔ چنانچہ علوم اس دور کے شروع میں جملہ انواع فلسفہ، منطق، ریاضیات، نجوم، فلکیات وغیرہ سے عبارت تھا۔

اولگا پنٹو نے مذکورۂ بالا عبارت کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ قصرِ شاہی کا کتب خانہ چالیس کمروں پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر احمد شلبی نے بھی یہی بات پنٹو کے حوالے سے نقل کی ہے حالانکہ اس عبارت سے مقصد کمروں کی تعداد بیان کرنا نہیں بلکہ کتب خانے کے بڑے اور اہم شعبوں کی نشاندہی کرنا ہے، کمرے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں اور کم بھی، ڈاکٹر شلبی کا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر کمرے میں اٹھارہ ہزار کتابوں کے رکھنے کی گنجائش تھی، درست نہیں (۲)۔

صاحبِ کتاب الذخائر کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ قصرِ شاہی کا کتب خانہ موضوعی ترتیب پر مرتب تھا اور اس کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھا۔

۱-الخطط المقریزیہ: ۱/ ۴۰۹ ۲-Pakistan Library Review ,Vol 11,No 1.2,P61

History of Muslim Education,p78

اس کتب خانہ میں نامور کاتبوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا ایک سے ایک اعلیٰ نسخہ رکھا جاتا تھا اس خصوصیت وندرت کی وجہ سے ایک ایک کتاب کے پینتیس پینتیس (۳۵) اور سینتیس (۳۷) نسخے کتب خانہ میں محفوظ تھے، چنانچہ ایک مرتبہ العزیز باللہ فاطمی کے سامنے خلیل کی کتاب العین کا ذکر آیا خزائنِ کتب سے اس کے چالیس سے کچھ ہی کم نسخے نکال کر پیش کیے گئے ان میں ایک نسخہ خلیل کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا (۱) اس طرح اس کے سامنے تاریخ طبری کا وہ نسخہ جو سو دینار میں خریدا گیا تھا پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے خُزّان (خازنان کتب خانہ) سے اس کتاب کے دوسرے نسخے طلب کیے، انہوں نے بیس (۲۰) نسخے دکھائے جن میں ایک نسخہ طبری کا لکھا ہوا تھا (۲)۔

لفظ خُزّان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شعبہ کا خازن علیحدہ تھا، فاطمی خلفاء کے شاہی کتب خانہ کے اس نظم و نسق کو دیکھ کر یہ کہنا درست ہے کہ فاطمی خلفاء نے اس امر میں عباسی خلفاء کے نظم کی اتباع کی تھی۔

الحاکم بامر اللہ ابو علی منصور کا کتب خانہ:

۳- الحاکم بامر اللہ ابو علی منصور بن نزار ابن سعد عبیدی فاطمی (۳۸۶-۴۱۱ھ/۹۹۶-۱۰۲۰ء) نے جامع ازہر کے بالکل سامنے قصرِ شاہی کے جنوبی سمت میں دار الحکمہ قائم کیا تھا۔ یہ اس دور میں ایک مدرسہ اور اکادمی تھا جس میں فقہاء، اطباء، ریاضی دان وہیئت دان تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ اس میں جو کتب خانہ بنا، وہ دار العلم کے نام سے موسوم تھا۔ شاہی خزانۃ الکتب سے جو چھ لاکھ کتابوں پر مشتمل تھا اس میں کتابیں منتقل کی گئی تھیں۔ اہلِ علم کو داخلہ کی عام اجازت تھی اور ان کے لیے ضرورت کی ہر چیز اس میں مہیا کی گئی تھی، قلم، دوات و کاغذ وغیرہ یہاں مفت ملتا تھا (۳)۔

مؤرخ ابنِ خلدون نے دار العلم کو دار المعرفہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔

ذخیرۂ کتب:

قصرِ شاہی کے ذخیرۂ کتب کی تعداد میں اختلاف ہے، مؤرخ ابنِ ابی طی المتوفی ۶۳۰ھ نے دو لاکھ (۲۰۰،۰۰۰) ابن الطویر نے چھ لاکھ (۶۰۰،۰۰۰) اور عماد الدین اصفہانی المتوفی ۵۹۷ھ نے بیس لاکھ

۱- الخطط المقریزیہ: ۱/۴۰۸، اتعاظ الحنفاء: ۱/۲۷۸، ۳۵۸۔ ۲- ایضاً: ۴۰۸۔

۳- ایضاً: ۱/۴۵۸-۴۶۰، تاریخ الدولۃ العالیہ: ۱۶۶، ۳۳۱، ۳۵۵، ۴۲۸، تاریخ آداب اللغۃ العربیہ: ۳/۲۳۲، تاریخ ابن خلدون: ۴/۷۹، دائرہ معارف اسلامیہ: ۷/۲۶۶-۲۷۰۔

(۲۰۰۰،۰۰۰) بیان کی ہے۔

فاطمیین مصر کے ذخیرۂ کتب کے تدریجی ارتقاء واضافہ کے پیش نظر ابن ابی طی کے قول کو ابتدائی ذخیرہ، ابن الطویر کے قول کو درمیان زمانے کے ذخیرہ اور عماد اصفہانی کے قول کو زوال فاطمیہ سے قبل کے ذخیرۂ کتب پر محمول کریں تو ان مختلف اقوال میں اختلاف باقی نہیں رہتا ورنہ ابن الطویر کا قول تاریخی حقائق کے پیش نظر زیادہ صحیح قرار پاتا ہے کیوں کہ وزیر ابوالقاسم الملک الافضل احمد المقتول ۵۱۵ھ کا پانچ لاکھ کتابوں پر مشتمل کتب خانہ قصرِ شاہی میں منتقل کیا گیا تھا ان حقائق کی روشنی میں فاطمیین مصر کا کتب خانہ چھ لاکھ کتابوں سے کسی طرح کم نہیں قرار دیا جاسکتا (۱) بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک وزیر کا کتب خانہ پانچ لاکھ کتابوں کا جامع ہوسکتا ہے شاہی کتب خانہ میں بیس لاکھ کتابوں کا جمع ہوجانا مکرر نسخوں کے ساتھ چنداں مستبعد نہیں۔

مذکورۂ بالا تاریخی شواہد کی روشنی میں ابوالمحاسن کا کل ذخیرۂ کتب دس ہزار مجلدات بیان کرنا بداہۃً غلط ہے اور ابنِ واصل المتوفی ۶۹۷ھ کا ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں بتانا (۲) بھی قرین صحت نہیں کیوں کہ سلطان صلاح الدین نے اس کتب خانہ کی ایک لاکھ کتابیں قاضی فاضل کو بخش دی تھیں (۳) اور ابنِ صورہ دلال نے بقیہ ذخیرۂ کتب دس برس کے طویل عرصہ میں بیچا تھا (۴)۔ بیس ہزار کتابوں کی فروخت میں دس برس نہیں لگتے ہیں، وہ مختصر مدت میں بک جاتی ہیں، اس لیے یہ دونوں قول قابلِ قبول نہیں۔

یہ ذخیرۂ کتب، صحت، حسنِ خط، جلد کی خوبی وزینت میں اپنی نظیر آپ تھا۔ مستنصر کے دورِ زوال میں قرض خواہ ماہر خطاطوں کے دو ہزار چار سو قرآن مجید، طغرے اور اجزاء جن پر سونا منڈھا ہوا تھا باقی واجبات کی ادائیگی میں اٹھا کر لے گئے تھے، یہ وہ نسخے تھے جو کتب خانہ سے باہر رکھے ہوئے تھے۔ محلات کے اندر کے نسخوں تک کسی کی رسائی نہ تھی وہاں ابنِ مقلہ، ابن البواب وغیرہ کے قلموں سے صندوق بھرے ہوئے تھے (۵)۔

مؤرخ مسیحی المتوفی ۴۲۰ھ کا بیان ہے کہ میں نے ۴۱۶ھ میں وزیر ابوالفرج محمد بن جعفر مغربی کو پچیس اونٹوں پر کتابیں لے جاتے ہوئے دیکھا سبب پوچھا بتایا گیا کہ وزیر موصوف اور خطیر بن موفق خزائن قصر سے

۱- تاریخ الدولۃ الفاطمیہ: ۴۳۰، ۴۳۱۔ ۲- ایضاً: ۴۳۰۔ ۳- الخطط المقریزیہ: ۱/ ۴۰۹۔

۴- کتاب الروضتین: ۱/ ۱۶۸، ق: ۱۔ ۵- الخطط المقریزیہ: ۱/ ۴۰۹، تاریخ الدولۃ الفاطمیہ: ۴۲۸، ۴۲۹۔

اپنے قرض کے عوض کتابیں لیے جارہے ہیں۔ وزیرابوالفرح کا قرض پانچ ہزار دینار تھا کتابوں کے واقف کار نے بتایا کہ یہ کتابیں ایک لاکھ دینار سے زیادہ کی مالیت کی تھیں، لیکن ناصر الدولہ بن حمدون نے جب شکست کھائی اس کا محل سرا بھی لُٹ گیا (۱) اور دارالعلم قاہرہ کی کتابیں عماد الدولہ ابوالفضل بن المعز اسکندریہ لے گیا اس کے قتل کے بعد بہت سی کتابیں مغرب (اندلس) منتقل کردی گئیں (۲)۔

۲-بنوحمدان حلب (۳۹۹-۳۳۳ھ/ ۹۴۴-۱۰۰۸ء) کا کتب خانہ:

اس شیعی شاہی خانوادے میں معارف پروری کی وجہ سے جو شہرت سیف الدولہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نہ ہوسکی۔

سیف الدولہ علی بن عبداللہ بن حمدان تغلبی (۳۰۲-۳۶۵ھ/ ۹۱۵-۹۶۷ء) بڑا فاضل، ادیب، علم و اہلِ علم کا قدردان، بہادر و معارف پرور تھا، خلفاء عباسیہ کے بعد اس کے دربار میں علماء، فضلاء، حکماء، شعراء کا جیسا اجتماع ہوا کسی اور کے دربار میں نہیں ہوا (۳)۔ فارابی، متنبی، ابنِ خالویہ جیسی نادرۂ روزگار ہستیاں اس کے دربار سے وابستہ رہی تھیں (۴)۔ اس کا نہایت عالی شان کتب خانہ قصرِ شاہی میں ایک خوشنما مقام پر جسے الحلبہ کہا جاتا تھا واقع تھا (۵)۔ اس کے خازن اور منتظم کتب خانہ ابوعثمان سعید بن ہاشم خالدی المتوفی ۳۷۱ھ اس کا بھائی محمد بن ہاشم المتوفی ۳۸۰ھ رگلس کا نامور شاعر احمد بن محمد الحسن ضبی حلبی النطا کی المعروف بصنوبری المتوفی ۳۳۴ھ تھے۔ سیف الدولہ کے بسترِ مرگ کے موقع پر جب نسطور نے حلب پر فوج کشی کی اور مساجد کے کتب خانوں کو تباہ کیا تو ان کے قصر کو بھی لوٹا، اس وقت اس کے کتب خانے کو بھی نقصان پہنچا (۶)۔ پھر ابوالحسن ثابت بن اسلم حلبی اسماعیلی نے ۴۶۰ھ میں اسے نذرِ آتش کردیا (۷)۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی کا نسخہ بھیجا اس نے ایک ہزار دینار پہنچائے اور اس خطیر رقم پر معذرت بھی کی تھی (۸)۔

۱-اتعاظ الحنفاء: ۲/ ۲۶۴۔ ۲-الخطط المقریزیہ: ۱/ ۴۰۹۔
۳-یتیمۃ الدھر: ۱/ ۱۵-۲۱۶، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۶۴، العبر: ۲/ ۳۰۶ (۳۵۶ھ)، أعلام النبلاء: ۱/ ۲۷۵-۲۷۶۔ ۴-ایضاً: ۲۹۱۔
۵-دیوان المتنبی: ۱۳۔ ۶- سیف الدولہ وعصر الحمدانیین: ۱۱۴۔ ۷-أعلام النبلاء: ۲۸۰۔ ۸-ایضاً: ۲۷۲۔

۳-بنوعمار فرمانروایان طرابلس شام کے کتب خانے (پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی عیسوی)

۱-امیر الدولہ ابو طالب عبداللہ کا کتب خانہ:

امیر الدولہ ابو طالب عبداللہ بن محمد بن عثمان المعروف بالقاضی (۰۰-۴۶۴ھ/۰۰-۱۰۷۱ء) طرابلس شام کا مخیر فرمانروا تھا، اسے مستنصر فاطمی کے زمانہ میں تقریباً ۴۴۰ھ میں قاضی بنایا گیا(۱) اس نے ایک کتب خانہ وقف کیا تھا نوفل طرابلسی لکھتا ہے: ''طرابلس قدیم کے مقام جہاں اب ایمینا آباد ہے ایک کتب خانہ تھا جسے قاضی ابو طالب نے جمع کیا اور اس میں تین لاکھ کتابیں عربی، فارسی، یونانی زبانوں میں موجود تھیں۔(۲)

۲-جلالۃ الملک ابوالحسن علی کا کتب خانہ:

جلالۃ الملک ابوالحسن علی بن محمد بن احمد قاضی ابو طالب کا بھتیجا اور اس کا سچا جانشین تھا، اس نے بھی ۴۷۲ھ میں ایک کتب خانہ دارالعلم کے نام سے وقف کیا تھا، اس میں ابوالعلاء معری کی تصانیف میں سے کِتَاب الصَّامِلِ وَالشَّاحِجِ، کِتَابُ الْجعِ السُّلْطَانِی، کِتَابُ الْفُصُوْلِ وَالْغَایَاتِ، کِتَابُ السَّادِنِ، کِتَابُ اِقْلِیْدِ الْغَایَاتِ اور رِسَالَۃُ الْاَغْرِیْضِ وقف کی تھیں(۳)۔

آخری فرمانروا فخر الملک ابوعلی بن عمار تھا جو ریمنڈ بن صنجیل سے برسرپیکار رہا لیکن ریمنڈ پیر کے دن ۱۱ ذی الحجہ ۵۰۳ھ میں طرابلس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، اس نے مال و متاع اور وقف کے تمام کتب خانوں کو لوٹ کر تباہ کر دیا(۴)۔

بنوعمار کے دارالعلم کی عظمت، وسعت و کثرت کا اندازہ مؤرخ ابن الفرات کے نقل کردہ بیان سے کیا جاسکتا ہے۔ شیخ یحییٰ بن ابی علی حمید نجار غسانی حلبی کا بیان ہے:

''کثرتِ کتب میں دارالعلم طرابلس کی نظیر نہ تھی، مجھے طرابلس کے ایک بزرگ نے بتایا کہ میں

۱-خطط الشام: ۶/ ۱۹۷، الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۳۶۵، ۳۶۶ (۴۶۴ھ)، مراۃ الزمان: ۸/ ۱، ۲، ق: ۲۔

۲-آئینہ عرب: ۳۴۳، معجم العمران: ۲/ ۲۹۳۔ ۳-أعلام النبلاء: ۴/ ۱۳۸، تعریف القدماء: ۵۵۷۔

۴-الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۴۷۶ (۵۰۳ھ)، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۱۷۱ (۵۰۳ھ)

فخر الملک ابن عمار والی طرابلس کے ساتھ شیزر میں تھا جب اسے فرنگیوں کے قبضہ کی اطلاع ملی تو اس پر غشی طاری ہوگئی افاقہ ہوا تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے مجھ سے کہا، بخدا مجھے کسی چیز کا اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا کہ اس دارالعلم کی تباہی کا ہوا، اس میں دینیات، قرآن، حدیث وادب سے متعلق تیس لاکھ کتابیں تھیں جن میں سے صرف پچاس ہزار نسخے قرآن مجید کے اور بیس ہزار جلدیں تفاسیر کی تھیں۔ میرے والد مجھ سے کہتے تھے کہ یہ دارالعلم دنیا کے عجائبات میں سے تھا بنوعمار کی سب سے زیادہ توجہ اس کی تعمیر وترقی پر مرکوز تھی۔ ایک سو اسّی (۱۸۰) کاتب اس میں کام کرتے تھے چیدہ چیدہ کتابوں کی بہم رسانی کے لیے ہر شہر میں بنی عمار کی طرف سے ایجنٹ مقرر تھے جو کتابیں خرید کر پہنچاتے تھے (۱)۔

مذکورۂ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان کتب خانہ موضوعات ومضامین کے لحاظ سے مرتب تھا، بیان تعدادِ کتب سے ظاہر ہے کہ اس کا کیٹلاگ کتابی صورت میں موجود تھا ذخیرۂ کتب میں اضافہ کی خاطر اسّی (۸۰) کاتب اجرت پر کام کرتے تھے جن میں تیس کاتبوں کا ذخیرہ سب سے زیادہ تھا۔

فرنگی جب طرابلس میں داخل ہوئے تو ایک راہب اس کتب خانہ میں کتابوں کی کثرت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا وہ اتفاق سے مصاحف والے کمرہ میں داخل ہوا جو نسخہ اٹھا کر دیکھا وہ قرآن مجید ہی کا نسخہ تھا اس نے نذرِ آتش کیا اس کی تھوڑی بہت کتابیں مسلمان اپنے ساتھ لے گئے وہی کتابیں بلادِ اسلامی میں پہنچ سکی تھیں (۲) بنوعمار کے عہد میں اس دارالعلم سے استفادہ کی خاطر ہر طرف سے فضلاء طرابلس آتے تھے۔

۱۔ اورئینٹو اسلامی کتب خانے: ۱:۳۱-۳۲۔ ۲۔ اورئینٹو اسلامی کتب خانے: ۱:۳۱-۳۲۔

۴-اموی خلفاءِ اندلس (۱۳۸-۴۲۲ھ/ ۷۵۵-۱۰۳۱ء) کے کتب خانے

اموی خلفاءِ اندلس عباسی خلفاء سے ہمسری کا دعویٰ کرتے تھے لیکن کتب خانوں کے قیام واہتمام میں وہ ان ہی کے نقشِ قدم پر چلتے تھے اس امر میں جس اموی خلیفہ نے سب سے زیادہ ان کی پیروی اور ریس کی وہ خلیفہ الحکم الثانی تھا۔ جس طرح مشرق میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کے فروغ کا سہرا ہارون و مامون کے سر ہے اس طرح سرزمین اندلس میں اس تحریک کا علم بردار الحکم الثانی ہے، صاعد اندلسی کا بیان ہے:

''تیسری صدی ہجری کے وسط سے بعض اہلِ اندلس میں تحصیلِ علم کی تحریک پیدا ہوئی اور چوتھی صدی ہجری کے وسط تک بتدریج ترقی کرتی رہی۔''(۱) الحکم الثانی کی مساعی جمیلہ سے اندلس کی سرزمین کتب خانوں سے ہمیشہ سرسبز وشاداب رہی، اس تحریک کے اثرات کا اندازہ کرنے کے لیے شاہانِ قرطبہ کا سرسری سا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱-ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن بن الحکم کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن بن الحکم اموی قرطبی (۲۰۷-۲۷۳ھ/ ۸۲۲-۸۸۶ء) سنہ ۲۳۸ھ میں تخت نشین ہوا، عالم، ادیب وشاعر (۲) اور ایسا فصیح وبلیغ تھا کہ بادشاہوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا (۳)۔ مجاہد، سخی، علوم کا دلدادہ ومحدثین کا قدردان تھا (۴)۔ اس کے شاہی محل میں خزانۃ الکتب تھا۔ حافظ ابوعبدالرحمن بقی بن مخلد المتوفی ۲۷۶ھ نے مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ کا وہ نسخہ جو دیارِ مشرق سے اندلس لائے تھے روایت کرنا شروع کیا یہ بعض مالکیہ پر بہت گراں گزرا بات خلیفہ تک پہنچی، خلیفہ نے بقی اوران کے معترضین کو دربار میں بلایا فریقین کی گفتگو سننے کے بعد کتاب کو اول سے آخر تک غائر نظر سے دیکھا اور خازنِ کتب سے کہا:

''هٰذَا كِتَابٌ لَا تَسْتَغْنِي خِزَانَتُنَا عَنْهُ''(۵) ''یہ وہ کتاب ہے جس سے ہمارا کتب خانہ خالی نہیں رہنا

۱-طبقات الأمم:۸۶۔ ۲-الحلۃ السیراء:۱/۱۱۹۔ ۳-العبر:۲/۵۲۔

۴-جذوۃ المقتبس:۱/۱۱، ۱۲، البیان المغرب:۱/۵۲، الوافی بالوفیات:۳/۲۲۴-۲۲۵۔ ۵-ایضاً۔

چاہیے۔'' اسے نقل کراؤ اور بقی سے کہا '' آپ اپنے علم کی نشر و اشاعت کریں، حدیث کا جو ذخیرہ آپ کے پاس موجود ہے اسے بیان کریں، درسگاہ میں بیٹھ جائیں تاکہ آپ سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۱) اور معترضین کو ان سے تعرض کرنے سے منع کر دیا۔

اس سے خلیفہ کی علوم میں بصیرت و ذخیرۂ علوم کی اشاعت کی اہمیت، ہمت افزائی، اہلِ علم کی قدر و منزلت، کتابوں سے محبت اور انہیں اپنے کتب خانہ میں جمع کرنے سے دلچسپی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز خلیفہ کے مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خزانۃ الکتب میں اہم بنیادی، مشہور و متداول کتابیں مہیا کی جاتی تھیں اور ذخیرۂ کتب پر اس کی نظر رہتی تھی، اس لیے اس نے کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ اس کتاب سے ہمارا کتب خانہ خالی نہیں رہنا چاہیے۔

مذکورۂ بالا بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نئی کتابوں کی نقل کرا کر انہیں کتب خانہ میں رکھا جاتا تھا اور ذخیرہ اتنا وسیع تھا کہ اس کے لیے خازن بھی مقرر تھا ''خزانتنا'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خزانۃ الکتب ان کے اسلاف کی یادگار تھا جو نسلاً بعد نسل ان تک پہنچا تھا، اموی خلفاء میں حکم ثانی سے ایک صدی قبل اس کتب خانے کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔ اس ذخیرۂ کتب کا حکم ثانی کو وراثتاً ملنا کچھ مستبعد نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اوائل ہی سے اموی خلفاء کے شاہی کتب خانے کثرت و ندرت اور جامعیت میں اہمیت کے حامل ہوتے جا رہے تھے۔

۲-عبداللہ بن عبدالرحمن کا کتب خانہ:

عبداللہ بن عبدالرحمن بن محمد مروانی (المقتول ۳۳۹ھ/۹۵۱ء) عالم، فاضل، فقیہ، مورخ، ادیب، شاعر، مصنف، کتابوں کے جمع کرنے کا شوقین، اہلِ علم کی مجلس کا دلدادہ، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا (۲) اس کا خزانۃ الکتب علیحدہ تھا۔ یہ اور مستنصر دونوں بھائی کتب خانہ سازی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے (۳) لیکن یہ قبل از وقت خلیفہ بننے کی خواہش میں عیدالاضحیٰ کے دن باپ کے ہاتھوں ذبح ہوا پھر اس کا ذخیرۂ کتب اس کے بھائی الحکم الثانی کو مل گیا (۴)۔

۱- جذوۃ المقتبس ۱:/۱۱-۱۳۔ ۲-الحلۃ السیر ا۱:/۲۰۶، البیان المغرب ۲:/۳۲۴، طبقات الشافعیہ: ۳/۳۰۹-۳۱۰۔

۳-الحلۃ السیر ا۱:/۲۰۶۔ ۴-ایضاً: ۲۰۱۔

۳-المستنصر باللہ ابوالعاصی کا کتب خانہ:

المستنصر باللہ ابوالعاصی الحکم بن عبدالرحمن بن محمد اموی اندلسی (۳۰۲-۳۶۶ھ/ ۹۱۴-۹۷۶ء) فقہ (۱) انساب کا ماہر، شاعر حدیث ودیگر علوم کا دلدادہ، عالم اور علماء کا قدردان ومعارف پرور تھا (۲) دُور دُور سے علماء کو بلاتا ان کی مجالس میں جاتا ان سے حدیثیں سنتا اور روایت کرتا تھا۔ پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا ایسا شوقین تھا کہ اس نے اپنے خزانۃ العلوم کی بیشتر کتابوں کا مطالعہ کیا تھا (۳) اور تمام اصنافِ علوم وفنون پر اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ پہلے کسی بادشاہ نے نہیں کی تھیں (۴) اس نے عوام میں علم کی طلب کا جذبہ بیدار کیا اور اپنی داد ودہش کو ایشیا تک عام کیا تھا (۵)۔

ابوالفرج اصفہانی کو کتاب ''الاغانی'' کی تکمیل سے قبل ایک ہزار دینار بھیجے اس لیے اس نے کتاب مذکور کا نہایت عمدہ نسخہ عراق میں نقل واشاعت سے قبل ہی حکم کو بھیجا تھا اس نے بنی امیہ کے نسب، مناقب، مشاہیر کے تذکرہ پر کتاب لکھی اور قصیدہ میں بنی امیہ کے مناقب اور قریش میں ان کے مقام کو نظم کر کے حکم کو پہنچایا اور مزید انعام پایا (۶)۔

ابوعلی قالی نے کتاب الامالی جس کا شمار ادب کی امہات الکتب میں ہوتا ہے اس کے نام معنون نامور ادیب وفقیہ ابوعبداللہ محمد خشنی قیروانی المتوفی ۳۶۱ھ نے حکم کے لیے ایک ہزار دیوان مرتب کیے۔ اندلس کے اہلِ علم پر بھی کتاب لکھی جس سے ابن الفرضی نے بھی استفادہ کیا تھا (۷)۔

مستنصر ''بیت المقابلہ والنسخ'' میں جاتا اور علماء سے کتابوں کے متعلق گفتگو کرتا تھا۔ حکم نے محمد بن ابی الحسین کو ابوعلی قالی کے ساتھ خلیل کی ''کتاب العین'' کی تصحیح کے لیے مقرر کیا مقابلہ کے لیے جو نسخے تھے ان میں قاضی منذر بن سعید کا وہ نسخہ بھی تھا جو موصوف نے خود نقل کیا اور ابنِ ولاد سے مصر میں روایت کیا تھا۔ مستنصر نے ان نسخوں کے متعلق دریافت کیا تو بتایا گیا کہ قاضی موصوف کا نسخہ سب سے زیادہ غلط ہے جب اس کے اغلاط کی

۱-الکامل فی التاریخ: ۸/ ۶۷۷ (۳۶۶ھ)۔ ۲-الحلۃ السیر اء: ۲/ ۲۰۱، نفح الطیب: ۱/ ۳۶۱، الکامل فی التاریخ: ۸/ ۶۷۷ (۳۶۶ھ)

۳-الکامل فی التاریخ: ۸/ ۶۷۷ (۳۶۶ھ) ۴-ایضاً: ۱/ ۲۰۱، نفح الطیب: ۱/ ۳۶۱، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۳۱۶۔

۵-الحلۃ السیر اء: ۱/ ۲۰۱، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۳۱۷۔ ۶-الحلۃ السیر اء: ۱/ ۲۰۱-۲۰۲، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۳۱۷۔

۷-تاریخ العلماء: ۲/ ۱۱۳۔

نشاندہی کی گئی تو اسے بڑا تعجب ہوا(۱)۔

حمیدی نے حکم کے کتب خانے میں ابن عبدربہ کی کتاب "العقد الفرید" کے بیس سے زیادہ جز دیکھے تھے ان پر مستنصر نے ابنِ عبدربہ کی تاریخ ولادت و وفات بھی لکھ دی تھی (۲)۔

حکم مغربی علماء سے مشرقی علماء کے مقابلہ پر کتابیں مرتب کراتا تھا۔ ۳۵۲ھ میں مستنصر نے رومیوں سے جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ کیا اور بلند پایہ ادیب ابومحمد المعروف بابن الصفار المتوفی ۳۵۲ھ کو بھی جہاد میں شرکت کا حکم دیا۔ ابن الصفار نے ضعف کی وجہ سے معذرت کی، مستنصر نے کہا کہ اگر مشرقی و مغربی اموی خلفاء کے متعلق ایسی ہی کتاب لکھیں جیسی کہ صولی نے خلفاءِ بنی عباس کے متعلق لکھی ہے تو انہیں غزوہ میں شرکت سے معافی مل سکتی ہے۔

موصوف کے اس وعدہ پر کہ وہ یہ خدمت انجام دیں گے انہیں جہاد میں شرکت پر مجبور نہیں کیا گیا اور کہا گیا اگر وہ چاہیں تو یہ کتاب اپنے گھر بیٹھ کر اور چاہیں نہر کے کنارے دارالخلافہ میں لکھیں، انہوں نے محل میں بیٹھ کر لکھنے کو پسند کیا اور ایک مجلد تیار کر کے طلیطلہ میں حکم کو بھیجی۔ حکم اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا(۳)۔

حکم مشرق سے علمی مفاخرت و مسابقت کو پسند کرتا تھا چنانچہ فنِ جرح و تعدیل کے امام ابوالقاسم خالد قرطبی المتوفی ۳۵۲ھ کے متعلق کہتا تھا:

"إذا فَاخَرَنَا أَهلُ المَشرِق بِيَحيٰى بنِ مَعِينٍ فَاخَرنَاهم بخالدبن سعيد"(۴)

"اہلِ مشرق اگر یحییٰ بن معین پر فخر کرتے ہیں تو ہم کو خالد بن سعید پر فخر ہے۔ خالد نے اندلس کے اہلِ علم پر ایک کتاب لکھ کر حکم کو پیش کی تھی (۵)۔

اس کے دلالِ کتب مشرق و مغرب میں گھومتے اور کتابیں ڈھونڈ کر حکم کو پہنچاتے تھے، بلادِ اسلامیہ میں اس کے وراق کتابیں نقل کر کے بھیجتے رہتے تھے، بغداد میں محمد بن طرخان اسی کام پر مامور تھا(۶) کتب خانہ میں جن کتابوں کا مطالعہ کرتا ان کے شروع یا آخر میں حسب ذیل باتیں اپنے قلم سے لکھتا تھا:

۱- مؤلف کا نام
۲- مؤلف کا سالِ پیدائش و سالِ وفات
۳- کتاب کا اجمالی تعارف
۴- کتاب کا راوی اور اس کا سلسلۂ روایت

۱- جذوۃ المقتبس: ۱/ ۴۷-۴۸۔ ۲- ایضاً: ۱/ ۹۴۔ ۳- ایضاً: ۲۳۵-۲۳۶۔ ۴- تاریخ العلماء: ۱/ ۱۵۵، ۱۳۰۔
۵- تاریخ العلماء: ۱/ ۱۳۱۔ ۶- الحلۃ السیراء: ۱/ ۲۰۲، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۳۱۷۔

حکم علوم وفنون سے خصوصی اعتناء وکثرتِ مطالعہ کی بناء پر بسا اوقات ایسی معلومات لکھ جاتا تھا جو کہیں اور نہیں ملتی تھیں اس کی پیش کردہ معلومات اہلِ فن میں معتبر و حجت سمجھی جاتی ہیں۔ مؤرخین اندلس ان کو بطورِ سند اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں(۱) اس کی علمی مجالس میں علماء، شعراء اور اطباء سب ہی حاضر ہوتے اور اس کی علمی معلومات سے مستفید ہوتے تھے۔ چنانچہ حنین کی موت کا واقعہ ابنِ جلجل نے طبقات الاطباء والحکماء میں اس کے حوالہ سے نقل کیا ہے(۲)۔

اس نے اندلس کو علوم وفنون کی کتابوں سے بھر دیا تھا اس کا کتب خانہ گونا گوں علوم وفنون کی چار لاکھ کتابوں پر مشتمل تھا(۳) قصرِ شاہی کے کتب خانہ کے ملازم خاص تلید کا بیان ہے:

''اس کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھیں اور ہر جلد پچاس ورق پر مشتمل تھی ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام درج تھے۔(۴)

ان کتابوں پر اتنا روپیہ خرچ کیا تھا کہ خزانہ شاہی میں ان کے رکھنے کے لیے جگہ نہیں رہی تھی چنانچہ ان کتابوں کو دوسری جگہ منتقل کرنے میں چھ مہینے لگے تھے۔''(۵)

یہ کتب خانہ اہلِ علم کی خدمت کرتا رہا یہاں تک کہ منصور بن ابی عامر کے غلام حاجب واضح نے حصار بربر کے موقع پر اس کی کتابیں فروخت کرائیں اور انہیں کتب خانہ سے خارج کر دیا باقی بربر کے قرطبہ میں داخلہ کے وقت لٹ گئیں اور کتب خانہ برباد ہو گیا(۶)۔

حکم ثانی نے (۳۵۱-۳۵۵ھ) کے مابین جامع قرطبہ بنوائی، اس کے مغربی گوشہ میں دارالصدقہ کھولا، صدقات تقسیم کیے، ضعفاء ومساکین کی تعلیم کے لیے جامع قرطبہ کے نواح میں تنخواہ دار معلم مقرر کیے، قرطبہ کے ہر ربض (فصیل شہر سے متصل آبادی) میں سینتالیس (۴۷) درسگاہیں قائم کی تھیں جن میں سے تین (۳) جامع قرطبہ کے حوالی (اطراف) میں واقع تھیں (۸)۔

۱- الحلۃ السیراء: ۱/ ۲۰۲، نفح الطیب: ۱/ ۳۷۱-۳۷۲، جذوۃ المقتبس: ۱/ ۹۴۔ -طبقات الأطباء: ۶۹-۷۰۔
۳- جمہرۃ أنساب العرب: ۱۰۰۔ ۴- ایضاً، الحلۃ السیراء: ۱/ ۲۰۳، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۳۱۶۔ ۵- نفح الطیب: ۱/ ۳۷۱۔
۶- ایضاً: ۱/ ۳۶۲۔ ۷- نفح الطیب: ۳۹۴، ط: دارالکتب المصریہ القاہرہ۔
۸- مطبوعہ نسخہ میں ابن عذاری ۲/ ۳۵۸-۳۵۹ درج ہے، نفح الطیب: ۱/ ۳۶۲۔

حکم ثانی کی معارف پروری کی وجہ سے دولتِ مروانیہ میں قرطبہ "قبۃ الاسلام" کے لقب سے ممتاز ہوا۔ نامور علماء وارباب کمال کا مرکز بنا، روایت شعر کے لیے اس کی طرف سفر کیا جاتا۔

یہاں سے علوم کے چشمے پھوٹے، نظم ونثر کے شہسوار نکلے، عمدہ سے عمدہ کتابیں لکھی گئیں اور بہتر سے بہتر تصنیف کی گئی تھیں۔ ہمیشہ بحث وطلب کا بازار گرم اور علوم وفنون کا چرچا رہا، اس لیے اس کو تاریخ میں نہایت ممتاز مقام حاصل رہا ہے۔ اہلِ قرطبہ نے مغرب میں سب سے زیادہ علم اور کتابوں سے اعتناء کیا ہے(۱)۔

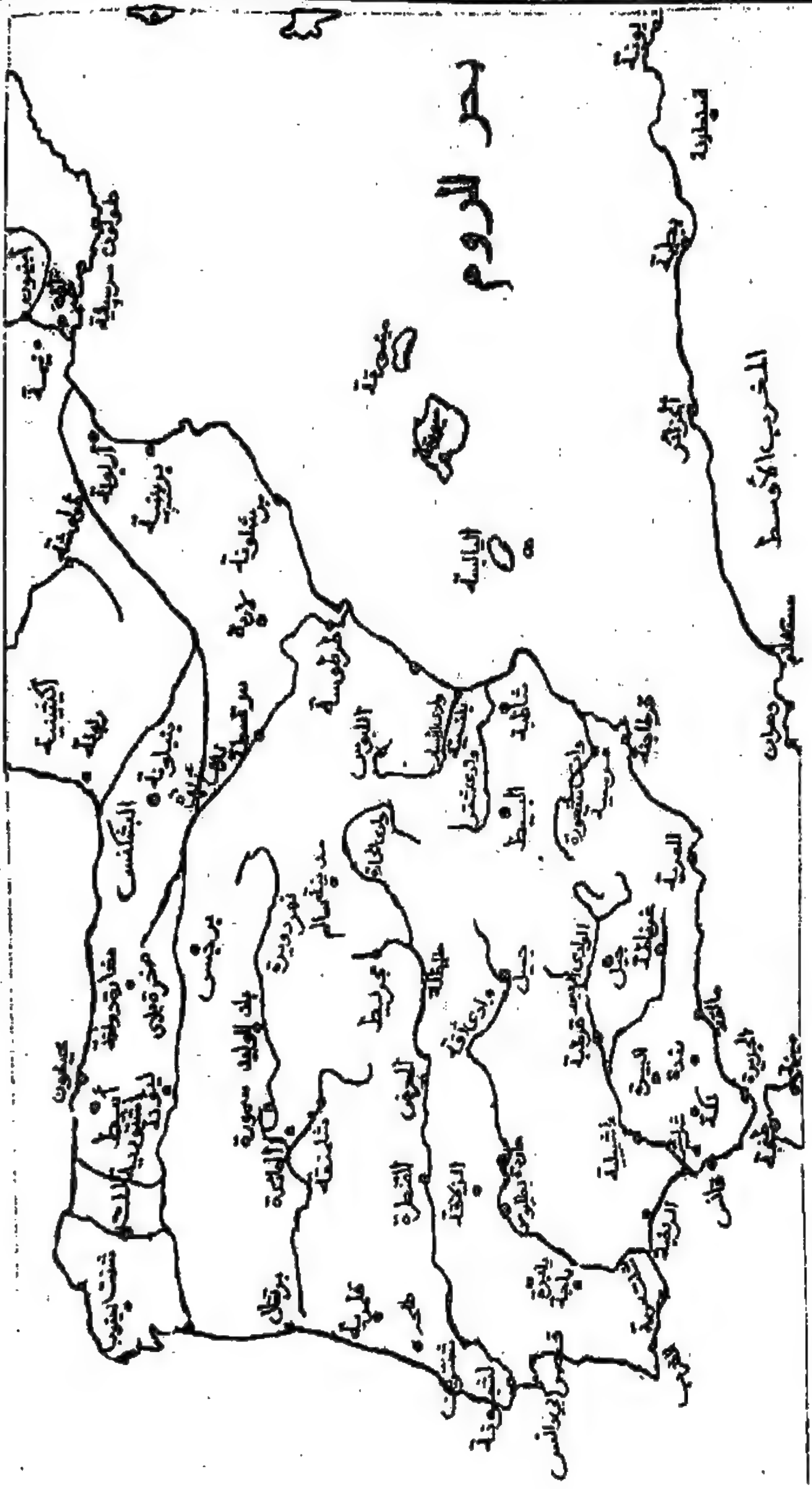
اس باب میں پہلے عباسی خلفاء کے کتب خانوں کا اور کتب خانوں کی ترقی میں ان کی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا پھر ان سے الحاق رکھنے والے فرمانرواؤں، ہمسری کرنے والے خلفاء کے کتب خانوں اور ان کی کتابی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی۔ اس سے عباسی خلفاء کی کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کے اثرات، علمی بیداری، معارف پروری، کتابی ذخیروں میں ترقی، علم واہلِ علم کی قدردانی، محققین ومصنفین کی حوصلہ افزائی وسرپرستی، کتب وکتب خانوں سے شیفتگی کی لہر اسلامی قلمرو کے مشرق ومغرب (ایشیا، افریقہ اور یورپ) کے فرمانرواؤں میں دوڑی اور ان کی مملکتیں مرکزِ علم وفن بنیں اس کا اندازہ با آسانی کیا جاسکتا ہے۔

اس تحریک سے وزراء، عمال، حکام وعوام میں جو علمی بیداری، کتابوں سے محبت وکتب خانہ سازی سے دلچسپی ہوئی اور انہوں نے اپنے محل سرا اور گھر میں حسبِ حیثیت واستطاعت چھوٹا بڑا کتب خانہ قائم کر کے افادہ و استفادۂ کتب کو عام کیا، اس کا تذکرہ باب چہارم میں کیا جاتا ہے۔

نوٹ:

اموی خلفاء اندلس کے دور کا ایک نقشہ جس سے اس کی وسعتوں کا اندازہ ہوگا، صفحہ مقابل پر پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ مطبوعہ نسخہ 'نفح الطیب' کا حوالہ درج ہے، البیان المغرب: ۲/ ۳۵۸-۳۵۹، نفح الطیب: ۱/ ۳۸۶، انباہ الرواۃ: ۲/ ۱۰۹، جذوۃ المقتبس: ۱۳-۱۶، بغیۃ الملتمس: ۱۸-۲۱، أزھار الریاض: ۲/ ۲۸۶، ۲۹۴، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۱۴۴، سیر أعلام النبلاء: ۱۶/ ۱۳۱، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۲۸۵۔


بحر الروم

چوتھا باب

انفرادی وعمومی اور فنی وخصوصی کتب خانے

اسلام کی دعوت پر جس قوم وملت نے اقرأ وعلم بالقلم کے نور معرفت کو دل میں جگہ دی وہ امور اربعہ:

۱- قرأت،

۲- کتابت،

۳- حفاظت،

۴- اشاعت کی خوگر ہوگئی۔

الکتاب اور کتاب السنه والآثار کے جن مختلف علمی گوشوں، قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، نحو ولغت، ادب، تاریخ، انساب، فلسفہ، ہندسہ وطب وغیرہ پر ائمہ فن نے علوم وآثار کو مدون ومرتب کیا، اس طرح ہر نوع علم میں انفرادی وخصوصی کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا۔ یہ کتب خانے اس اعتبار سے کہ فرد واحد کی ملکیت میں تھے، شخصی و انفرادی کتب خانے کہے جاتے ہیں، لیکن اپنی خدمات و ذخیروں اور علمی ثروت کے لحاظ سے ادارہ جاتی وعوامی کتب خانے کہے جانے کے مستحق ہیں۔ اس نوع کے کتب خانوں میں یہاں قاریوں، مفسروں، فقیہوں، قاضیوں، صوفیوں، ادیبوں، نحویوں، لغویوں، محدثوں، نسب نگاروں، طبیبوں، فلسفیوں، عالموں کے کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ انفرادی، عمومی، خصوصی وفنی کتب خانے خرید وفروخت، وقف، ہبہ اور وصیت کے ذریعے عمومی کتب خانوں کی زینت بنتے یا علمی گھرانوں میں وراثۃً چلے آتے تھے، اس لیے اسلامی کتب خانوں کی تاریخ میں ان انفرادی کتب خانوں کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔

چوتھا باب

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ انفرادی وعمومی کتب خانے۔

☆ وزیروں کے کتب خانے۔

☆ عمال کے کتب خانے۔

☆ حکام کے کتب خانے۔

☆ دربانوں کے کتب خانے۔

☆ موچی، رنگریز، عطاروں سے شہرت رکھنے والوں کے کتب خانے۔

☆ وراقوں کے کتب خانے۔

☆ خوشنویسوں کے کتب خانے۔

☆ خازنوں (مہتمم کتب خانہ) کے کتب خانے۔

☆ فنکاروں کے کتب خانے۔

☆ تاجروں کے کتب خانے۔

☆ دولت مندوں کے کتب خانے۔

☆ نادار وغریبوں کے کتب خانے۔

(پہلا حصہ)

انفرادی وعمومی کتب خانے

عصرِ حاضر میں کتب خانہ کی بحث میں انفرادی کتب خانوں کو اہمیت حاصل نہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ خدمات سے خالی ہوتے ہیں، لیکن عہدِ عباسی کے انفرادی کتب خانے اس سے یکسر مختلف تھے۔ اس دور میں ان کتب خانوں کے ذخیروں کے مطالعہ سے ذہنوں میں نئے نئے موضوع وعنوان ابھرتے تھے، تحقیقات کے لیے تحریک پیدا ہوتی تھی اور نت نئی کتابیں معرضِ وجود میں آتی تھیں، اس لیے اس دور میں یہ انفرادی کتب خانوں کے ذخیرے، ذخیروں میں اضافہ کا سرچشمہ تھے، تہذیبی وتمدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے عوام کے ذہنوں کو روشن کرتے تھے۔

انفرادی کتب خانے، تذکرہ نگاروں کی نظر میں:

یہ حقیقت ہے کہ عہدِ عباسی کے یہ انفرادی کتب خانے ہی کتابی تہذیب کے ارتقاء میں مددگار ومعاون تھے اور وہ بجا طور پر اپنی خدمات کے اعتبار سے ادارہ جاتی کتب خانے کہے جانے کے مستحق تھے۔ غالباً انہی وجوہ سے تاریخ نگاروں نے اسلامی کتب خانوں کے وسیع وشاندار باب میں انفرادی وخصوصی کتب خانوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔

عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کا جو اثر اسلامی قلمرو کے مسلم فرمانرواؤں پر ہوا اور عہدِ عباسی میں شاہی کتب خانوں کی جس تیزی سے توسیع واشاعت ہوئی، علوم ومعارف کی سرپرستی کا جو جذبہ بادشاہوں میں ابھرا، اِس کے اثرات کا تذکرہ بابِ سوم میں گزر چکا۔ اس عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی نے وزراء، عمال، حکام، وراق، خوشنویس، خازن، فنکار، دولتمند، غرباء، ائمہ فن قراء، تجار، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، صوفیہ، ائمہ نحو ولغت، ادباء، شعراء، مؤرخین، ماہرینِ انساب، فلاسفہ، سائنس دان، مہندسین واطباء کو متاثر کیا، انہیں علوم وکتب اور کتب خانوں کا فریفتہ بنایا اس سے انفرادی وعمومی اور فنی وخصوصی ذخیروں کا اس تیزی سے ارتقاء ہوا کہ گھر گھر کتب خانے قائم ہوگئے، اس کا تحقیقی جائزہ اس باب میں پیش کرنے کی غرض سے اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا

گیا ہے۔

پہلا حصہ انفرادی وعمومی کتب خانوں پر اور دوسرا حصہ فنی اور خصوصی کتب خانوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں بارہ (۱۲) اصناف کے باون (۵۲) اور دوسرے حصے میں سولہ (۱۶) اصناف کی دوسو ایک (۲۰۱) فنی وخصوصی کتب خانوں کا تذکرہ اور نشاندہی کی گئی ہے۔ اس طرح باب چہارم کل دوسو ترپن (۲۵۳) انفرادی و عمومی اور فنی وخصوصی کتب خانوں کا جامع ہے۔

اس بناء پر انفرادی وعمومی اور خصوصی وفنی کتب خانوں کا ذکر ہمیں تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ انفرادی کتب خانوں کے ذخیروں سے بڑے بڑے کتب خانے ترتیب پاتے تھے۔

انفرادی کتب خانے بادشاہوں، وزیروں، امیروں کی نظر میں:

بعض انفرادی کتب خانے اپنے ذخیروں کی کثرت وندرت میں وزیروں کے کتب خانوں سے بھی سبقت لے گئے تھے چنانچہ حافظ ابنِ عقدہ المتوفی ۳۳۲ھ کا کتب خانہ وزیر ابنِ عباد کے کتب خانہ سے جو چار سو (۴۰۰) بارِ شتر کتابوں پر مشتمل تھا دوسو (۲۰۰) بارِ شتر سے زیادہ کتابوں کا جامع تھا۔ انہی وجوہ سے وزراء، امراء، ملوک انہیں حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

عہدِ عباسی میں کتب خانہ سازی مسلم قوم کا شعار بن جانا اور کتب خانوں کا لوازمِ زندگی سے ہونا انفرادی کتب خانوں کی کثرت ہی پر موقوف ہے، ان کی طلب ورسد سے سوق الکتب آباد تھے جگہ جگہ پڑھنے لکھنے کا چرچا تھا، کتابوں کے ملنے کی سہولت تھی، ان سے وقف کے کتب خانوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ اس بناء پر انفرادی وعمومی اور خصوصی وفنی کتب خانوں کا ذکر جداگانہ باب میں کیا گیا ہے۔

❁❁❁

۱- وزیروں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں وزیر بھی عالم اور علم وفن کے قدردان تھے۔ وہ بادشاہوں کی روش پر چلتے، کتب خانہ سازی میں ان کی ریس کرتے، تحقیق کی غرض سے کتابوں کے بہتر سے بہتر اور کئی کئی نسخے کتب خانوں میں رکھتے، اہلِ علم کی سرپرستی کرتے، ان سے کتابیں لکھواتے، مصنفین ان کے نام کتابیں معنون کرتے، انعام پاتے، وراق کتب خانوں میں ان کے لیے کتابیں نقل کرتے اور ترجمہ نگار فنی کتابوں کا ترجمہ کر کے ان کے علم و کتب کے ذخیروں میں اضافہ کرتے تھے۔ یہ اہلِ علم کی مجالس سے لطف اندوز ہوتے اور عام لوگوں کی طرح کتب خانے خریدنے جاتے تھے، علم و کتب کی نشرواشاعت اور کتب خانوں کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، اپنے کتب خانوں میں ناظم کتب خانہ وعملہ رکھتے، کتابوں کا کیٹلاگ مرتب کراتے، نامور اہلِ علم سے کتابوں کی تصحیح کراتے، بعض وزیر عوامی کتب خانے قائم کرتے، مدرسے اور کتب خانے بنواتے تھے۔

۱- یحییٰ برمکی کا کتب خانہ:

ابوالفضل یحییٰ بن خالد بن برمک بلخی ثم بغدادی (۱۲۰-۱۹۰ھ/ ۷۳۸-۸۰۵ء) ہارون رشید کا مربّی و وزیر تھا۔ مامون اس کے متعلق کہتا تھا "بلاغت، کتابت، سخاوت، شجاعت میں یحییٰ بن خالد اور اس کے فرزند کی طرح کوئی نہ تھا" (۱) یحییٰ سائنس دان (۲) علم و اہلِ علم کا قدردان تھا (۳) علماء، ادباء و فقہاء اس کے نام کتابیں معنون کرتے تھے۔ (۴) یہ کتابوں کا بہت دلدادہ تھا، اس کے خزانۃ الکتب میں ہر کتاب کے تین تین نسخے رکھے جاتے تھے۔ جاحظ کا بیان ہے "مجھ سے موسیٰ بن یحییٰ نے بیان کیا کہ یحییٰ کے خزانۃ الکتب اور بیت مدارسہ (دارالمطالعہ اور بحث ونظر کے کمرے) میں ہر کتاب کے تین تین نسخے رکھے جاتے تھے" (۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صدی ہجری کے نصفِ آخر سے وزیروں کے کتب خانوں میں کتابوں کے کم از کم تین تین نسخے رکھے جاتے تھے تاکہ بیک وقت دو دو تین تین آدمی مطالعہ کر سکیں اور تحقیقی ضروریات کی

۱- تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۳۸، معجم الأدباء: ۷/ ۲۷۶۔ ۲- الفہرست: ۴۹۷۔ ۳- معجم الأدباء: ۷/ ۲۷۵، البدایہ والنہایہ: ۹/ ۲۰۵۔
۴- الفہرست: ۳۸۶-۴۳۸۔ ۵- کتاب الحیوان: ۶۰، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۷۷، ۱۷۸۔

بخوبی تکمیل ہو سکے۔ اس نے سب سے پہلے بغداد میں کاغذ بنانے کا کارخانہ قائم کیا تھا(۱)۔

اس کا مشہور مقولہ ہے:

"تین چیزیں عقلمندوں کی عقلمندی کو بتاتی ہیں، ہدیہ، کتاب اور سفیر"(۲)۔

۲-فتح بن خاقان کا کتب خانہ:

ابو محمد فتح بن احمد ترکی (المقتول ۲۴۷ھ/۰۰-۸۶۱ء) خلیفہ متوکل جعفر کا وزیر (۳)، ادیب، شاعر، مصنف، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا۔ اس کا محلسرا، ادباء، شعراء اور کوفی و بصری علماء کا مرکز تھا۔ کتابوں کا فریفتہ اور ان کے مطالعہ کا شوقین تھا۔ ہر وقت اپنی آستین میں کتاب رکھتا جب وقت ملتا مطالعہ میں منہمک ہو جاتا تھا حتیٰ کہ بیت الخلاء میں بھی کتاب کا مطالعہ نہیں چھوڑتا تھا۔ اس کے ذاتی کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتابیں مہیا کی گئی تھیں (۴)۔

اس کے کتب خانہ کو بالغ نظر فاضل شاعر و منجم ابوالحسن علی بن یحییٰ المتوفی ۲۷۵ھ نے بنایا تھا اور وہی اس کا خازن تھا۔ اس نے اس میں وہ تمام کتابیں مہیا کی تھیں جو اس کے خزانۃ الحکمہ میں موجود تھیں (۵)۔

۳-قاسم بن عبیداللہ حارثی کا کتب خانہ:

ولی الدولہ ابوالحسین قاسم بن عبیداللہ بن سلیمان حارثی (۲۵۸-۲۹۱ھ/ ۸۷۲-۹۰۴ء) وزیر ابن وزیر تھا، پہلے معتضد باللہ پھر مکتفی باللہ عباسی کا وزیر رہا۔ ادیب و شاعر تھا(۶)۔ اس کے دورِ وزارت جمادی الاخریٰ ۲۹۱ھ میں جب امام ثعلب کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے اتالیق زجاج المتوفی ۳۱۱ھ کے توسط سے ان کا کتب خانہ جو ایک ہزار دینار کی مالیت کا تھا تین سو دینار میں خرید اتھا(۷)۔ لیکن اسی سال ذیقعدہ میں اس کا بھی انتقال ہوا اور اس کا کتب خانہ بھی بکنا شروع ہوا۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ صولی بھی اسے خریدنے گئے تھے(۸)۔

۱-میراث الاسلام، ۴۴۸، The Legacy of Islam۔ ۲-تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۲۹۔ ۳-الأسرۃ الحاکمۃ: ۱/ ۴۲۔

۴-الفہرست: ۱۶۹، ۲۰۵، معجم الأدباء: ۶/ ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، الوافی بالوفیات: ۱/ ۳۵۶، فوات الوفیات: ۲/ ۲۴۶۔

۵-الفہرست: ۲۰۵، معجم الأدباء: ۵/ ۴۵۹، فوات الوفیات: ۲/ ۲۴۶، لغت نامہ دہخدا، شمارہ مسلسل ۷۹، شمارہ حرف ا، ص: ۴۹، دائرۃ المعارف: ۱/ ۴۸۶-۴۸۷، دائرۃ معارف القرن العشرین: ۷/ ۱۴۰، ص: ۴۔

۶-معجم الشعراء: ۲۲۰، تاریخ دول الاسلامیۃ: ۲۵۷۔ ۷- ترویح القلوب: ۱۶۶، معجم الأدباء: ۲/ ۱۴۴، انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۴۸، المنتظم: ۶/ ۴۶، ۴۷ (۲۹۱ھ) ۸-الفہرست: ۱۷۷، معجم الشعراء: ۳۶۵، وفیات الأعیان: ۲/ ۵۴، ۵۵، الوافی بالوفیات: ۲/ ۳۲۔

۴- محمد بن عبدالمالک الزیات کا کتب خانہ:

ابوجعفر محمد بن عبدالمالک بن ابان دسکری بغدادی المعروف بابن الزیات (تیل فروش کا بیٹا) (۱۷۳-۲۳۳ھ/۷۸۹-۸۴۷ء) ۲۲۵ھ سے عباسی خلفاء میں معتصم، واثق اور متوکل کا وزیر، بڑے پایہ کا ادیب، شاعر، مصنف (۱) نحوی، لغوی تھا (۲) کتابوں کا دلدادہ، انتخاب کتب کا نہایت عمدہ ذوق رکھتا تھا، اپنے کتب خانہ میں کتاب کا بہتر سے بہتر نسخہ رکھتا تھا۔

ایک مرتبہ اس نے فصد کھلوائی جب صحت ہوئی تو جاحظ بھی مبارک باد دینے گیا اور سیبویہ کی "الکتاب" پیش کی، ابن الزیات نے کہا تمہارا خیال تھا کہ ہمارا خزانۃ الکتب سیبویہ کی الکتاب سے خالی ہوگا، اس نے عرض کیا "نہیں" لیکن یہ نسخہ، فراء کے ہاتھ کا لکھا ہوا، کسائی کا مقابلہ کیا ہوا، ابوعمرو جاحظ کا آراستہ کیا ہوا، اور فراء کے وارثوں سے خریدا ہوا نسخہ ہے، ابن الزیات نے کہا تم سب سے پسندیدہ تحفہ لے کر آئے اور شکریہ کے ساتھ اسے قبول کیا (۳) ابن الزیات نقل نویسوں، ترجمہ نگاروں پر ہر مہینہ دو ہزار دینار خرچ کرتا تھا (۴)۔ حسن بن وہب جیسا نامور ادیب اس کے لیے کتابیں نقل کرتا تھا (۵)۔

۵- یحییٰ بن اکثم مروزی کا کتب خانہ:

ابومحمد یحییٰ بن اکثم بن محمد تمیمی مروزی (۱۵۹-۲۴۲ھ/۷۷۵-۸۵۶ء) فقیہ، ادیب، نامور عالم بغداد کے قاضی القضاۃ اور خلیفہ مامون کے وزیر تھے (۶)۔ کتابوں کے شوقین اور مصنف تھے (۷)۔ فقہ میں بہت کتابیں لکھی تھیں، یحییٰ بن معین کا انتقال ہوا تو ان کے کتب خانہ کے خریداروں میں یہ بھی تھے لیکن زہیر بن حرب المتوفی ۲۳۴ھ نے انہیں کتب خانہ لینے کی مہلت ہی نہ دی۔ پہلے ہی خرید لیا (۸)۔ موصوف مصر کے وراقوں سے بھی کتابیں خریدتے تھے (۹)۔

۱- الانساب: ۶/۳۵۶، تاریخ بغداد: ۲/۳۴۲، تاریخ الدول الاسلامیۃ: ۲۳۳-۲۳۴، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۷۸، الابانۃ: ۲۲۴۔

۲- وفیات الاعیان: ۲/۵۴۔ ۳- معجم الادباء: ۶/۸۵-۸۶، انباہ الرواۃ: ۲/۳۵۱۔ ۴- عیون الانباء: ۲/۱۷۶-۱۷۷، امراء البیان: ۲/۲۱۹، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۷۸-۱۷۹۔ ۵- الابانۃ: ۲۲۴۔ ۶- تاریخ بغداد: ۱۴/۱۶۷، وفیات الاعیان: ۲/۲۱۸۔ ۷- تہذیب التہذیب: ۱۲/۱۸۲۔ ۸- تاریخ بغداد: ۱۴/۱۸۳۔ ۹- تہذیب التہذیب: ۱۱/۱۸۰۔

٦- اسماعیل بن عباد طالقانی المعروف بصاحب ابن عباد کا کتب خانہ:

کافی الکفاۃ ابو القاسم اسماعیل بن عباد بن العباس طالقانی المعروف بصاحب ابن عباد (۳۲۶-۳۸۵ھ / ۹۳۸-۹۹۵ء) ابن العمید کے ساتھ ہمہ وقت کی ہمنشینی سے اس کا لقب الصاحب پڑگیا تھا یہ وزیر ابن الوزیر (۱) بلند پایہ ادیب، شاعر، انشاء پرداز لغوی، مصنف (۲) محدث (۳) متکلم (۴) علم کلام اور فلسفے کا مخالف تھا، موید الدولہ دیلمی اور اس کے بھائی فخر الدولہ دیلمی کا وزیر تھا۔ معارف پرور، علم و علماء کا قدردان تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے بعد سب سے زیادہ شعراء کا اجتماع اس کے محلِ سرا میں رہا ہے (۵) کتابوں کا بہت دلدادہ تھا۔ رے میں اس کا نہایت شاندار کتب خانہ تھا اس میں کتابوں کی اتنی کثرت تھی کہ ان کی بار برداری کے لیے چار سو سے زیادہ اونٹ درکار تھے (٦)۔ اہلِ علم کو ہر سال بغداد میں پانچ ہزار دینار بھیجتا اور انہی کے ساتھ زیادہ تر اٹھتا بیٹھتا اور ان سے کہتا تھا "نَحْنُ بِالنَّهَارِ سُلْطَانٌ وَبِاللَّيْلِ اِخْوَانٌ" (۷) ہم دن میں حاکم اور رات کو بھائی بھائی ہیں۔

اس کے خزائنِ کتب میں دو لاکھ چھ ہزار مجلدات تھے۔ موصوف کا بیان ہے:

"لَقَدِ اشْتَمَلَتْ خِزَانَتِیْ عَلٰی مِائَتَیْ اَلْفٍ وَسِتَّةِ الآفٍ مُجَلَّدٍ مَاهُوَ سَمِیْرِیْ وَا لَاِغَانِیْ مِنْهَا سِوَاهُ" (۸)

(ترجمہ): "میرے کتابوں کے خزانے میں دو لاکھ چھ ہزار مجلدات ہیں لیکن رات میں میری ہم سخن اور دل لبھانے والی ال اغانی کے سوا کوئی کتاب نہیں۔"

صاحب بن عباد کے کتب خانہ میں مصاحف کی اتنی کثیر تعداد تھی کہ بادشاہوں کے خزانۃ الکتب

۱- معجم الأدباء: ۲/ ۲۷۴۔ ۲- الفہرست: ۱۹۴، نزھۃ الالباء: ۲۲۲، انباہ الرواۃ: ۱/ ۲۰۱۔ ۳- حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۲۱۴۔

۴- معجم الأدباء: ۲/ ۲۷٦، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۲۱۵، لسان المیزان: ۱/ ۴۱۳-۴۱٦۔ ۵- یتیمۃ الدھر: ۳/ ۱۸۹، وفیات الأعیان ۱/ ۲۰۲، شذرات الذھب: ۳/ ۱۱۴۔ ٦- معجم الأدباء: ۲/ ۳۱۵، انباہ الرواۃ: ۱/ ۲۰۲، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۳۱۴-۳۱۵، وفیات الأعیان ۲/ ۷۹، الکامل فی التاریخ: ۹/ ۱۱۰، المختصر: ۲/ ۱۳۰، ۱: ۲۵۱، تاریخ ابن خلدون: ۴/ ۹۹۴، المختصر: ۳/ ۱۱۵۔ ۷- المنتظم: ۷/ ۱۸۔

۸- بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معجم الأدباء کے مطبوعہ نسخے (۵/ ۱۵۰) میں تصحیف ہوگئی ہے۔ اس لئے کہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (۱/ ۲۹) میں مائۃ ألف وسبعۃ عشر الف مجلد (ایک لاکھ سترہ ہزار مجلدات) کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ جسکی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ یہاں مأتی الف تھا۔ جو تصحیف ہوکر مأتین رہ گیا ہے۔ اس دور میں ساٹھ ہزار دو سو مجلدات کوئی قابل ذکر تعداد نہیں تھی۔ اس زمانہ میں عظیم الشان کتب خانوں کے ذخائر لاکھوں سے متجاوز رہی ہے، اس سے بھی ہمارے مذکورہ بالا خیال کی مزید تائید ہوتی ہے۔

کے سوا کسی کے کتب خانہ میں مصاحف کی اتنی بڑی تعداد موجود نہ تھی (۱)، چنانچہ کسی نے نہایت عمدہ لکھا ہوا مصحف اسے ہدیۃً بھیجا، ابن عباد شکریہ کے خط میں اس کو لکھتا ہے:

''میں اس خط کی تعریف کرتا ہوں جس سے آنکھیں روشن ہو گئیں وہ تعریف سے بالاتر اور صحت اقسام کا جامع ہے، اس نے قلم کی نخوت کو بڑھایا ہے اب میں اس کی ترک تعریف کو بیانِ تعریف سمجھتا ہوں میں قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ بادشاہوں کو چھوڑ کر میں نہیں سمجھتا کہ کسی نے اتنے مصحف جمع کیے ہوں جتنے میں نے کیے ہیں اور جتنی جدت میں نے ان کے لکھوانے میں کی ہے کسی نے کی ہو، بلاشبہ یہ مصحف ان تمام مصحفوں سے فائق ہے، اس کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے سر کو ماتھے پر فضیلت ہے بلکہ اتنی جتنی کہ حج کو عمرہ پر ہے۔''

لَقَدْ اَهْدَيْتَ عِلْقاً نَفِيساً وَمَا
يُهْدِیْ النَّفِيْسَ سِوَیٰ النَّفِيسِ (۲)

''واللہ! آپ نے ہدیہ میں نہایت ہی نفیس چیز دی ہے اور نفیس آدمی ہی نفیس چیز تحفہ میں دیتا ہے۔''

یہ نہایت نادر و منتخب روزگار کتابیں اپنے کتب خانہ میں رکھتا تھا، ایک مرتبہ قاضی قزوین عمیری نے اس کو کچھ کتابیں تحفہ میں بھیجیں اور ساتھ ہی یہ شعر بھی لکھ بھیجے:

اَلْعُمَيْرِیُّ عَبْدُ كَافِي الْكُفَاةِ
وَمَنِ اعْتُدَّ فِیْ وُجُوْهِ الْقُضَاةِ

''عمیری جو کافی الکفاۃ کا غلام ہے اور جس کا نامور قاضیوں میں شمار ہے۔''

خَدِمَ الْمَجْلِسَ الرَّفِيْعَ بِكُتُبٍ
مُفْعَمَاتٍ مِنْ حُسْنِهَا مُتْرَعَاتٍ

''اس نے مجلسِ عالی میں چند کتابیں پیش کی ہیں جو حُسن و خوبی کی مسرت سے لبریز ہیں۔''

صاحب ابن عباد نے ان میں سے ایک کتاب رکھ لی اور اس رقعہ کے نیچے یہ اشعار لکھ کر بقیہ کتابیں واپس کر دیں۔

قَدْ قَبِلْنَا مِنَ الْجَمِيْعِ كِتَاباً

۱-معجم الأدباء:۵/۱۵۰۔
۲-یتیمۃ الدھر:۳/۲۵۱،المنتظم:۷/۱۸۰،معجم الأدباء:۲/۳۱۲،البدایہ والنھایہ:۱۱/۳۱۵۔

وَرَدَدْنَا لِوَقْتِهَا الْبَاقِيَاتِ

''ہم نے ان تمام کتابوں سے ایک کتاب رکھ لی اور باقی فی الفور واپس کر دی ہیں۔''

لَسْتُ اَسْتَغْنِمُ الْكَثِيْرَ فَطَبْعِيْ قَوْلُ

خُذْ لَيْسَ مَذْهَبِيْ قَوْلُ هَاتِ (۱)

''میں زیادہ لینے کا خواہشمند نہیں ہوں، اس لیے کہ میرا مزاج دوسروں کو دینے کا ہے، دوسروں سے لینا میرا مذہب اور مشغلہ نہیں ہے۔''

مذکورۂ بالا اشعار سے ابن عباد کے خزانۃ الکتب کے معیار اور اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیسی اہم نادر و معیاری کتابیں اس نے کتب خانہ میں جمع کی تھیں۔

ابنِ عباد کے کتب خانہ میں جو کتابیں داخل کی جاتی تھیں ان کی تصحیح و مقابلہ بھی ائمۂ فن کی زیرِ نگرانی کرایا جاتا تھا۔ چنانچہ ابوالعلاء حسین بن محمد بن مہرویہ نے اپنی کتاب ''الاجناس الجواہر'' میں لکھا ہے کہ ''میں بغداد میں ابوعلی فارسی نحوی المتوفی ۳۷۷ھ کی خدمت میں جاتا رہتا تھا، خلیفۂ وقت نے کافی الکفاۃ کے کتب خانہ کے لیے کتاب ''التذکرہ'' کی تصحیح کی خاطر ہفتہ میں دو دن میرے بھی ان کے ساتھ مقرر کیے تھے ہم چند ورق پڑھتے تو ادبی بحثیں چھڑ جاتی تھیں''(۲)۔

مشہور امامِ لغت ابن فارس المتوفی ۳۶۵ھ نے اس کے خزانۃ الکتب کے لیے فقہ اللغۃ العربیہ کے موضوع پر کتاب لکھی اور اس کے نام معنون کی اسی نسبت سے اسے ''الصاحبی'' کہا جاتا ہے(۳)۔

موصوف کے کتب خانے کا کیٹلاگ بھی دس جلدوں میں کتابی صورت میں موجود تھا جو رَے میں ابوالحسن بیہقی کی نظر سے گزرا تھا۔ یہ صرف سو بار شتر کتابوں کا کیٹلاگ تھا(۴)۔

یہ کتب خانہ (۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء) تک محفوظ رہا سلطان محمود غزنوی نے جب رے پر قبضہ کیا اور اسے بتایا گیا کہ یہ رافضیوں کی کتابوں پر مشتمل ہے تو اس نے اس سے علمِ کلام کی کتابیں نکلوا کر بقیہ کتابیں غزنی بھیج دی تھیں(۵)۔

۱-معجم الأدباء: ۲/ ۳۱۲۔ ۲-ایضاً: ۳/ ۱۴۔ ۳-الصاحبی: ۳۔ ۴-معجم الأدباء: ۲/ ۳۱۵۔

۵-Life and Sultan Mehmood at Ghaznz .p.83

صاحب ابن عباد کا کتب خانہ بظاہر خانگی کتب خانے کی حیثیت رکھتا تھا لیکن علماء وفضلاء کو اس کتب خانے سے استفادہ اور سفر میں کتابیں انتخاب کر کے لے جانے کی سہولت بھی حاصل تھی۔ چنانچہ ابودلف مسعر بن مہلہل خزرجی ینبوعی المتوفی ۳۹۰ھ نامور شاعر وسیاح صاحب ابن عباد کے کتب خانے سے سفر میں کتابیں انتخاب کر کے لے جاتا تھا(۱)۔

۳۸۵ھ میں جب صاحب کا انتقال ہوا تو اس کے خازنِ کتب ابومحمد نے جو فخر الدولہ کا جاسوس تھا۔ مرنے کی اطلاع کی اس نے اس کے مال ومتاع پر قبضہ کیا، اس طرح اس کا کتب خانہ شاہی کتب خانے میں چلا گیا(۲)۔

۷-محمد بن الحسین قمی المعروف بکاتب ابن العمید کا کتب خانہ:

ابوالفضل محمد بن الحسین بن محمد قمی المعروف بکاتب ابن العمید (۰۰-۳۶۰ھ/۰۰-۹۷۱ء) بلند پایہ ادیب، انشاء پرداز، شاعر، فلسفی، ہیئت دان، مہندس ومصنف (۳) وزیر ابن الوزیر تھا، علم واہلِ علم کا قدردان اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔

۳۵۵ھ میں جب ڈاکوؤں نے اس کے محل سرا کو لوٹا اور اس کو خبر کی گئی تو اس نے سب سے پہلی بات یہی پوچھی تھی کہ کتب خانے کا کیا ہوا؟ اسے بتایا گیا کہ وہ بچ گیا ہے تو اس نے کہا تھا کہ ہر چیز مل سکتی ہے لیکن کتابیں اگر لٹ جاتیں تو ان کا بدل ممکن نہ تھا۔

ابنِ مسکویہ اس کے خزانۃ الکتب میں خازن ہونے کی وجہ سے الخازن کے لقب سے مشہور تھا۔

۸-یعقوب بن یوسف بغدادی ثم مصری المعروف بابن کلس کا کتب خانہ:

ابوالفرج یعقوب بن یوسف بن ابراہیم بغدادی ثم مصری المعروف بابن کلس (۳۱۸-۳۸۰ھ/۹۳۰-۹۹۰ء) وزیر، انشاء پرداز، متکلم اور باطنیوں کا نامور عالم تھا(۴)۔ ابن کلس کتابوں کا شیدائی تھا۔ محل سرا میں اس کا کتب

۱-یتیمۃ الدہر: ۳/ ۲۵۳۔ ۲-ذیل کتاب تجارب الامم: ۳/ ۲۶۲۔ ۳-یتیمۃ الدہر: ۳/ ۱۵۴-۱۵۵، الوافی بالوفیات: ۲/ ۳۸۱، وفیات الاعیان: ۲/ ۵۷، العبر: ۲/ ۳۱۷-۳۱۸، شذرات الذہب: ۳/ ۳۱۔

۴-وفیات الاعیان: ۲/ ۳۳۳، دائرۃ المعارف: ۳/ ۴۸۱۔

خانہ تھا اس میں بہت سے وراق کام کرتے تھے، کچھ قرآن لکھتے، کچھ حدیث، کچھ فقہ اور کچھ ادب وطب کی کتابیں نقل کرتے تھے۔ ایک جماعت مقابلہ کرتی رہتی تھی، کچھ قرآن پر نقطے اور اعراب لگاتے تھے (۱)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کتب خانہ موضوعاتِ علوم کی ترتیب پر مرتب تھا۔

۹- ابوالقاسم احمد جمالی کا کتب خانہ:

الملک الافضل ابوالقاسم احمد بن بدر جمالی (۴۵۸-۵۱۵ھ/ ۱۰۶۵-۱۱۲۱ء) کو خلیفہ مستنصر فاطمی نے ۴۸۸ھ میں مصر کا وزیر (امیر عساکر) بنایا۔ یہ وزیر بن وزیر نہایت دولت مند (۲) کتابوں کا شوقین اور صاحب سیف وقلم وزیر تھا۔

اس کے ذاتی کتب خانہ میں پانچ لاکھ مجلدات موجود تھیں (۳) کتابوں کے سلسلے میں موصوف کا جذبہ یہ تھا کہ مصر میں بیرون ملک سے کتابیں درآمد ہوں لیکن مصر کے ذخائرِ کتب سرزمینِ مصر سے باہر نہ جائیں چنانچہ شاہی طبیب افرائیم اسرائیلی کے طبی کتب خانہ سے جب دس ہزار (۱۰،۰۰۰) مجلدات ایک عراقی تاجر نے خریدیں اور اس کی خبر وزیر موصوف کو ہوئی تو وہ کتب خانہ خود خرید لیا۔ عراقی تاجر کے پاس نہ جانے دیا۔

مذکورۂ بالا واقعہ اسی جذبہ کا مظہر و بیّن ثبوت ہے، نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کتب خانہ میں ہر علم وفن کی کتابیں محفوظ تھیں۔ وزیر موصوف کے کتب خانہ میں جو نئی کتاب آتی اس پر ان کے القاب لکھے جاتے تھے (۴)۔

یہ عقائد میں فاطمیوں کے ہمنوا نہیں تھے اس لیے انہیں قتل کرایا گیا (۵)۔ ان کا سارا مال ومتاع بار بردار جانوروں پر لاد کر شاہی خزانہ میں جمع کرایا گیا (۶)۔ اس میں ان کا کتب خانہ بھی چلا گیا تھا۔ فاطمی عقائد کی آگ میں ایک محسن کتب خانہ الملک الافضل اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر گیا۔

۱- وفیات الأعیان: ۲/ ۵۷، تاریخ الدولۃ الفاطمیۃ: ۴۳۲۔ ۲- البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۱۸۸، ۱۸۹۔
۳- تاریخ الدولۃ الفاطمیۃ: ۴۳۱۔ ۴- عیون الانباء: ۳/ ۱۷۵۔
۵- العبر: ۴/ ۳۵۔ ۶- الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۵۸۹-۵۹۰، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۱۸۹۔

۱۰-احمد بن عبدالرحیم بیسانی مصری المعروف بقاضی اشرف کا کتب خانہ:

ابوالعباس احمد بن عبدالرحیم بن علی بیسانی مصری المعروف بقاضی اشرف (۵۷۳-۶۴۳ھ/۱۱۷۷-۱۲۴۵ء) قاضی فاضل کا فرزند، محدث (۱)، ادیب، شاعر اور الملک العادل ابوبکر ایوبی کا وزیر تھا (۲)۔ کتابوں کے جمع کرنے کا بہت دلدادہ تھا (۳)۔ ابن سعید اندلسی نے موصوف کے متعلق لکھا ہے:

"یہ علم وفضل سے آراستہ تھا، اس کا وجود غنیمت روزگار سے تھا، خوب علم حاصل کیا اور بہت لکھا تھا اس کے پاس باپ کے خزائنِ کتب سے بہت کچھ نادر ذخیرۂ علمی موجود تھا، اس نے بھی مختلف بلاد سے جمع کیا تھا اس کے باوجود فضائل، علمی باتوں کے بیان کرنے اور کتابوں کے دینے میں سب سے زیادہ بخیل تھا۔" (۴)

اس کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا جس کی وسعت اور کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جمادی الاولیٰ ۶۲۶ھ میں موصوف کے محل کا محاصرہ کیا گیا اور ان کے تمام خزائنِ کتب کو قلعۃ الجبل (قاہرہ) میں منتقل کیا گیا تو اس کتب خانہ کی جملہ کتب ۶۸ ہزار مجلدات پر مشتمل تھیں، ۳ جمادی الاخریٰ کو ان کے محل سے الماریوں کی لکڑیوں کے تختے منتقل کیے گئے تو وہ انچاس (۴۹) اونٹوں پر بھجوائے گئے تھے اور کتابیں ۵۹ اونٹوں پر تین پھیروں میں منتقل کی گئی تھیں (۵)۔

۱۱-کمال الدین بن ابی سعید دمشقی کا کتب خانہ:

کمال الدین امین الدولہ بن غزال بن ابی سعید دمشقی (۰۰-۶۴۸ھ/۰۰-۱۱۵۰ء) بلند پایہ طبیب، عالم ومصنف تھا۔ ۶۲۸ھ تک سلطان بعلبک، بہرام شاہ بن فرخ شاہ کا وزیر، پھر ۶۴۳ھ تک سلطان ابوالفداء اسماعیل بن ابی بکر کا وزیر رہا (۶) موصوف کو کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا جملہ علوم وفنون کی عمدہ کتابیں فراہم کی تھیں، نقل نویس ان کے پاس کتابیں نقل کرتے رہتے تھے۔

ابن ابی اصیبعہ کی کتاب "عیون الانباء" کا پتہ چلا تو ان کے باپ سدید الدین سے کہا "میرے کتب

۱-العبر: ۵/۱۷۵، شذرات الذہب: ۵/۲۱۸۔ ۲-الوافی بالوفیات: ۷/۵۷۔ ۳-وفیات الأعیان: ۱/۲۸۶۔

۴-ابن سعید الاندلسی حیاتہ وتراثہ الفکری والادبی: ۱۵۰۔ ۵-کتاب السلوک: ۱/۲۳۳۔

۶-عیون الانباء: ۳/۳۸۳، دائرۃ المعارف، قاموس: ۳/۴۱۲۔

خانہ میں بیس ہزار کتابیں ہیں، لیکن اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے میں یہ کتاب نقل کرانا چاہتا ہوں۔ ابن ابی اصیبعہ نے فاضل خطاط سے کتاب نقل کرا کر پہنچائی اس نے ابن ابی اصیبعہ کو انعام وخلعت سے سرفراز کیا۔"(۱)

۱۲- جمال الدین بن ابراہیم شیبانی قفطی کا کتب خانہ:

الوزیر الاکرم جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف بن ابراہیم شیبانی قفطی (۵۶۸-۶۴۶ھ/ ۱۱۷۲-۱۲۴۸ء) موصوف قاضی بن قاضی، وزیر اور ایک علمی گھرانے کے گوہر شب چراغ تھے۔(۲) موصوف کا محل علماء، شعراء، ادباء وغیرہ کا آستانہ تھا(۳)۔

یاقوت رومی کا بیان ہے "علی بن یوسف قفطی کتابوں کے جمع کرنے کا شوقین اور کتابوں کا بے حد حریص تھا، میں نے زندگی میں اس سے زیادہ کتابوں کا اہتمام کرنے اور حاصل کرنے کا حریص کوئی نہیں دیکھا، موصوف نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ معاصرین میں سے کسی کے پاس نہیں تھیں (۴)۔

یاقوت نے اپنی کتاب "معجم البلدان" کا نسخہ قفطی کو تحفہ میں پیش کیا تھا اور اس کے حوالہ سے بہت سی باتیں "معجم الادباء" میں نقل بھی کی ہیں (۵) اس کے کتب خانے میں ہر علم وفن کے تقریباً پچاس ہزار دینار کی مالیت کا ذخیرۂ کتب موجود تھا۔ جس کی وصیت الملک الناصر کے لیے کی تھی (۶)۔ اس کے انتقال کے بعد یہ کتب خانہ شاہی کتب خانے میں داخل کیا گیا تھا۔

موصوف کو کتابوں سے جیسی کچھ دلبستگی اور محبت تھی اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے:

"علامہ سمعانی کی کتاب "الانساب" کا خود سمعانی کا نسخہ انہیں ملا مگر وہ قدرے ناقص تھا جب موصوف کو یہ معلوم ہوا کہ ٹوپی فروش نے اس کے ورق میں کسی کو ٹوپی لپیٹ کر دی تھی تو بہت رنج ہوا اس رنج ہی رنج میں بستر پکڑ لیا، لوگ ان کی عیادت کو آنے لگے تھے (۷)۔

۱- عیون الأنباء: ۳/ ۳۸۶-۳۸۷۔ ۲- معجم الأدباء: ۵/ ۴۷۷۔ ۳- انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۳۔

۴- معجم الأدباء: ۵/ ۴۸۴، أعلام النبلاء: ۴/ ۴۲۱۔ ۵- انباہ الرواۃ: ۱/ ۳۔

۶- الحوادث الجامعہ: ۲۳۸، أعلام النبلاء: ۴/ ۴۲۵، وفیات الأعیان: ۲/ ۱۹۱۔ ۷- أعلام النبلاء: ۴/ ۴۲۶، انباہ الرواۃ: ۱/ ۲۰۔

۱۳-ابوطالب محمد بن علی العلقمی بغدادی کا کتب خانہ:

مؤیدالدین ابوطالب محمد بن احمد بن علی العلقمی بغدادی (۵۹۳-المقتول ۶۵۶ھ/۱۱۹۷-۱۲۵۸ء) بڑا فاضل ادیب و آخری خلیفہ مستعصم کا وزیر تھا۔ علم و اہل علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا(۱)۔

اس نے اپنے محل میں ۶۴۴ھ میں ایک خزانۃ الکتب قائم کیا تھا جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں جمع کی تھیں۔شعراء نے اس کی تعریف میں شعر لکھے اور عمدہ عمدہ قصیدے کہے تھے(۲)۔اس کے فرزند شرف الدین علی کا بیان ہے ''ابا جان کا خزانۃ الکتب دس ہزار (۱۰،۰۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا''(۳)۔

اس کتب خانہ سے اہلِ علم کو استفادہ اور نقل کی سہولت حاصل تھی،مرزبانی کی کتاب ''الموشح'' کے آخر میں ناقل نے تصریح کی ہے کہ ''میں نے یہ نسخہ وزیر محمد علقمی کے نسخہ سے نقل کیا ہے جس پر اس کے دستخط وتحریر موجود تھی اور وہ نسخہ محمد بن علی المعروف بالنقاش کا لکھا ہوا تھا''(۴) اہلِ علم اس کے نام کتابیں معنون کرتے تھے۔چنانچہ ابن الحدید المتوفی ۶۵۶ھ نے ''شرح نہج البلاغہ'' اس کے نام معنون کی تھی۔

۞۞۞

۱-تاریخ الدول الاسلامیہ:۷:۳۳۳،الوافی بالوفیات:۱/۱۸۴،الحوادث الجامعۃ:۱۵۷۔

۲-البدایہ والنھایہ:۱۳/۲/۱۷۲،الحوادث الجامعۃ:۲۰۹،دلیل خارطۃ بغداد:۲۵۵۔

۳-تاریخ الدول الاسلامیہ:۷:۳۳۷۔

۴-دلیل خارطۃ بغداد:۲۵۵۔

۲- عُمّال کے کتب خانے

عمال (گورنر) بھی بادشاہوں اور وزیروں کی طرح کتب خانے بناتے تھے ان کے کتب خانے ہر علم و فن کی کتابوں کے جامع ہوتے تھے۔ سرکاری منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد بعض عمال کی توجہ کا تمام تر مرکز ان کا کتب خانہ ہی ہوتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ سازی عہدِ عباسی میں سماجی زندگی کا اٹوٹ حصہ بن گئی تھی۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک عامل کتب خانہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- اسحاق بن علی ہاشمی عباسی کا کتب خانہ:

اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی عباسی (۰۰-۱۹۴ھ/۰۰-۸۰۹ء) مدینہ، سند، مکران، حمص، بصرہ، آرمینیہ کا عامل رہا۔(۱) موصوف علم و اہلِ علم کے قدر دان اور کتابوں کے شوقین تھے علوم اوائل، یونانی و ہندی علوم سے زیادہ شغف تھا ان زبانوں سے ترجمہ نگاروں کی ایک جماعت ان کے لیے کتابوں کا ترجمہ کرتی تھی۔ بغداد میں ان کا خزانۃ الکتب جداگانہ مکان میں تھا۔ آخر عمر میں یہیں بیٹھ کر مطالعہ کرتے رہتے تھے اپنے محل سرا کو جس میں موصوف کا کتب خانہ تھا چشم مربد کہتے تھے(۲)۔ جاحظ کی ان کے یہاں آمد و رفت تھی وہ ان کے دونوں زمانوں کا چشم دید حال لکھتا ہے:

''میں اسحاق بن سلیمان کے پاس ان کی گورنری کے زمانہ میں پہنچا تو دیکھا کہ فرش بچھا ہوا ہے لوگ دو رویہ بیٹھے ہوئے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں (بے حس و حرکت خاموش) اور اس کا فرش و فروش بھی دیکھا، سلیمان کی پوشاک بھی دیکھی تھی، جب معزول ہو گیا اس وقت بھی اس کے پاس پہنچا، دیکھا تو وہ اپنے کتب خانہ میں بیٹھا تھا آس پاس جامہ دان (کتابوں سے بھرے ہوئے) چمڑے کے نوشتے، جزدان، کتابیں، مسطر، دواتیں رکھی ہوئی تھیں، میں نے اس کو آج کے دن سے زیادہ پروقار، بلند تر، بارعب و باعظمت کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے کہ اس نے ہیبت کے ساتھ محبت کو اور عظمت کے ساتھ حلاوت اور سیادت کے ساتھ حکمت کو جمع کیا

۱- الکامل فی التاریخ: ۶/ ۱۰۸، ۱۲۱، ۱۴۱، النجوم الزاھرۃ: ۲/ ۸۷، کتاب الولاۃ والقضاۃ: ۱۳۶۔

۲- ثمار القلوب: ۱۶۲، لطائف المعارف: ۱۶۷۔

تھا۔"(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں کتب خانہ رکھنا لکھنے پڑھنے اور کتابوں میں منہمک رہنا اہلِ علم کی نظر میں کتنا پسندیدہ فعل سمجھا جاتا تھا وہ گورنری کے ٹھاٹ باٹ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اس لیے منکہ، ہندی سنسکرت (۲) سے اور داریشوع سریانی سے کتابوں کا ترجمہ کرتے اور شرح لکھتے تھے (۳)۔

اس قسم کے ذخیرۂ کتب مندرجہ ذیل عمال بھی رکھتے تھے:

ابوعبداللہ ہارون بن مقتدر باللہ جعفر عباسی المتوفی بعد ۳۲۰ھ (۴)

علاء الدین عطاء ملک بن محمد بن محمد جوینی المتوفی (۶۷۱ھ/ ۱۲۷۷ء) (۵)

۞ ۞۞

۱-کتاب الحیوان: ۱/ ۶۱-۶۲۔ ۲-الفہرست: ۳۲۱، تاریخ علوم نقلی: ۱/ ۸۹۔ ۳-ایضاً: ۳۴۲۔

۴-اخبار الراضی: ۲۱۱، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۲۰۔ ۵-خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۸۷-۱۸۸۔

۳- حکام کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں بیشتر سرکاری عہدے دار کتابوں کے شوقین تھے، وہ کتب خانے رکھتے اور اپنی بساط کے مطابق کتب خانہ بناتے، علوم وفنون اور کتابوں کی نشرواشاعت کرتے تھے ان میں سے بعض کے کتب خانے بہت عظیم الشان کتب خانے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں کم وبیش ہر صاحبِ سیف وقلم کتب خانہ رکھتا تھا۔

۱- تاج الدین بن حسین بغدادی کا کتب خانہ:

تاج الدین ابوسعد حسن بن محمد بن حسین بغدادی (۵۴۷-۶۰۸ھ/ ۱۱۵۳-۱۲۱۱ء) سیف الدولہ کے خاندان کا آخری عالم، ادیب، کاتب، مصنف تھا۔ بغداد میں شفاخانہ عضدی کا ناظم اور ٹکسال کا نگران تھا۔ کتابوں کے جمع کرنے کا شوق تھا بڑی قیمت دے کر بھی کتاب لیتا تھا۔ نامور کاتبوں اور مصنفوں کے لکھے ہوئے بنیادی نسخے جمع کیے تھے جو بہت سے اہلِ علم کے پاس نہیں تھے۔(۱) استادوں سے پڑھی ہوئی چھوٹی بڑی کتابیں خود باریک قلم سے لکھی تھیں ان کا مقابلہ وتصحیح کی تھی (۲)۔

موصوف کے معاصر یاقوت رومی کا بیان ہے:

''ان پر ایک وقت ایسا آیا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی کتابیں نکال کر بیچتے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہوتے تھے، ان کی اس وقت ایسی حالت ہوتی تھی جیسے کوئی اپنے عزیز کو جدا کرتا ہو یا اپنے پیارے دوست کی جدائی پر دل بھر آتا ہو، میں نے ان سے عرض کیا آپ پر کشائش کا زمانہ آئے گا، زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ آپ اس سے بہتر کتابیں جمع کرلیں گے فرمایا، صاحبزادے سنو:

''یہ میری پچاس سالہ زندگی کا حاصل ہے مانا کہ مال آجائے گا اور زندگی بھی بڑھ جائے گی کتابیں مل جائیں گی لیکن افسوس! اس کے بعد بھی ان سے جدائی ہوگی اور پھر ملنا نہ ہوگا۔ ان کا انتقال ہوگیا اور آرزو پوری نہ ہوسکی۔''(۳)

۱- معجم الأدباء: ۳/ ۲۱۵، کتاب الروضتین: ۹۷، البدایۃ والنھایۃ: ۳؍ ۶۲-۶۳۔ ۲- ایضا: ۲۱۷۔

۳- البدایۃ والنھایۃ: ۳/ ۶۱۶، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۶۶۔

ابنِ حمدون کتابوں کا فریفتہ تھا مگر دوسروں کو کتابیں مستعار دینے میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے "مجھے موصوف کو فوراً کتاب مستعار دینے پر تعجب ہوتا تھا انہوں نے ایک دن مجھ سے فرمایا، میں نے کبھی کتاب مستعار دینے میں بخل نہیں کیا اور نہ میں نے اس پر کبھی زرِ ضمانت طلب کیا مجھے معلوم نہیں کہ کبھی مستعار دینے میں میری کوئی کتاب کھوئی ہو۔"(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں مستعار دینے میں احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور عموماً زرِ ضمانت طلب کیا جاتا تھا اس لیے یاقوت کو ان کی فیاضی اور کتابوں کی بازیابی پر تعجب وحیرت تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بلا معاوضہ مستعار کتابیں دینے کا بھی چلن تھا اس پر نہ شخصی ضمانت لی جاتی تھی اور نہ زرِ ضمانت ہی طلب کیا جاتا تھا۔ حالانکہ یورپ میں یہ بات ۱۸۵۰ء تک بھی رائج نہیں ہو سکی تھی۔

۲-ابوالحسن علی بن رشید حربوی حنبلی کا کتب خانہ:

ابوالحسن علی بن رشید بن احمد حربوی حنبلی (۵۴۵-۶۰۵ھ/۱۱۴۸-۱۲۰۸ء) دجلہ کے آخری کنارے حربی میں قیام پذیر تھا۔ خلیفہ ناصرلدین اللہ کے زمانہ میں مختلف سرکاری عہدوں پر ممتاز رہا۔ محدث (۲) فقیہہ، ادیب وشاعر اور اچھا خوشنویس تھا۔ ابنِ مقلہ کی روش پر لکھتا تھا (۳) کتابوں کا دلدادہ تھا۔ بہت لکھا تھا اور بہت کتابیں جمع کی تھیں (۴) اس نوع کے ذخیرۂ کتب مندرجہ ذیل حکام کے پاس تھے:

۳-ابواحمد حسن بن احمد بن امیرک نیشاپوری المتوفی (۵۱۰ھ/۱۱۱۶ء) (۵)

۴-سپہ سالار افواج خوارزم شاہ ابوعلی حسین بن عبداللہ اور ان کے فرزند سپہ سالار ابوشجاع محمد بن حسین رکھتے تھے۔ رشید الدین وطواط المتوفی ۵۷۲ھ نے ابوعلی کے خزانہ کتب کے لیے "مفاتیح الحکم ومصابیح الظلم" اور ابوشجاع کے خزانہ کتب کے لیے "جواہر القلائد وزواہر الفرائد" لکھی تھیں۔(۶)

❁ ❁❁

۱-البدایہ والنھایہ: ۳/۶۱۶، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۶۶۔
۲-التکملۃ: ۳/۲۱۶-۲۶۲، الجامع المختصر: ۱/۶۷۔
۳-معجم البلدان: ۲/۲۳۷، ابن رجب: ۲/۴۸، شذرات الذھب: ۵/۱۷۔
۴-ایضاً: ۸/۲۳۸، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۶۱۔
۵-منتخب السیاق: ۸۔
۶-حدائق السحر: ۳۵-۳۶۔

۴- دربانوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں حاجب (دربان) بھی علم و کتب سے بہرہ ور تھے اور وہ بھی اپنے پاس کتب خانہ رکھتے تھے۔

۱- ابوالحسین عبدالعزیز کا کتب خانہ:

ابوالحسین عبدالعزیز بن ابراہیم بن نعمان (۰۰-۳۵۱ھ/۰۰-۹۶۲ء) کا باپ کاتب و دربان تھا۔ ابوالحسین ادیب، مصنف دفتری امور و کتابت کے فن میں طاق، معزالدولہ کے دورِ حکمرانی میں دیوان سواد (عراق) کا سربراہ اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔ بہت بڑا اور عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا۔

ابن الندیم کا بیان ہے:

''اس کے کتب خانہ سے زیادہ بہتر کتب خانہ نہیں دیکھا گیا کیوں کہ یہ اصل کتابوں اور ان کے یکتا و یگانہ دواوین پر (جو مصنفین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے تھے) مشتمل تھا''(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کتب خانوں میں اس کتب خانہ کو اہمیت و شہرت حاصل ہوتی تھی جس میں مصنفین کے اپنے ہاتھ کے نسخے محفوظ ہوتے تھے۔

محمد بن نصر حاجب (۰۰-۳۱۲ھ/۰۰-۹۲۵ء) صولی کا بیان ہے کہ موصوف نہایت عالی ہمت، بہت سے محاسن کے جامع اور علم کے دلدادہ تھے۔ حدیثیں لکھا کرتے تھے دو ہزار دینار سے زیادہ کا کتب خانہ چھوڑا تھا۔(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ میں کتابوں کی خریداری و مالیت کا ریکارڈ بھی رکھا جاتا تھا۔

۱- الفہرست: ۱۹۳، تاریخ بغداد: ۱۰/۴۵۶، الضائع من معجم الادباء (مجلہ المجمع العلمی العراقی): ۶/۱۵۵، خزائن الکتب القدیمہ: ۲۲۵۔
۲- صلۃ تاریخ طبری: ۱۸۱، الحضارۃ الاسلامیۃ: ۱/۱۳۶۔

۵-موچی، رنگریز اور عطاروں سے شہرت رکھنے والوں کے کتب خانے

۱-ابو مخلد عطاء بن مسلم حلبی المعروف بالخفاف کا کتب خانہ:

ابو مخلد عطا بن مسلم حلبی المعروف بالخفاف (چرمی جوتے ساز) اعمش (۶۱-۱۴۸ھ/۶۸۱-۷۶۵ء) اور سفیان ثوری المتوفی (۹۷-۱۶۱ھ/۷۱۶-۷۷۸ء) کے شاگرد تھے۔موصوف کے پاس کتب خانہ تھا جو انہوں نے زیر زمین دفن کرایا تھا(۱)

۲-ابو نصر محمود بن فضل بن محمود اصفہانی ثم بغدادی کا کتب خانہ:

ابو نصر محمود بن فضل بن محمود اصفہانی ثم بغدادی صباغ (رنگریز) (۰۰-۵۱۲ھ/۰۰-۱۱۱۸ء) حافظ حدیث ومحدث تھے زود نویس وخوشنویس تھے بڑی لمبی لمبی کتابیں نقل کی تھیں (۲)۔

۳-ابو عبداللہ محمد بن مخلد دوری بغدادی کا کتب خانہ:

ابو عبداللہ محمد بن مخلد بن حفص دوری بغدادی عطار (۲۳۳-۳۳۱ھ/۸۴۷-۹۴۲ء) حافظ حدیث، مسند بغداد، مورخ ومصنف تھے(۳) ان کا کتب خانہ ان کی مسموعات ومصنفات پر مشتمل تھا جس میں زیادہ تر حدیث، فقہ، رجال کی کتابیں تھیں۔(۴)

۴-ابو الفضل نصر بن محمد بن احمد طوسی عطار کا کتب خانہ:

ابو الفضل نصر بن محمد بن طوسی عطار (۳۱۱-۳۸۳ھ/۹۲۳-۹۹۴ء) محدث خراسان، حافظ حدیث، مصنف رفیق شبلی، بلند پایہ صوفی تھے۔موصوف نے حدیث کی کتابوں کا اتنا ذخیرہ جمع کیا تھا کہ ان کے معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھا۔(۵)

۱-الأنساب:۸/۱۷۰۔ ۲-تذکرۃ الحفاظ:۴/۱۲۵۲۔

۳-الأنساب:۵/۳۸۶،تاریخ بغداد:۳/۳۱۰-۳۱۱،الفہرست:۸۲۵۔ ۴-تذکرۃ الحفاظ:۳/۸۲۸۔

۵-النجوم الزاهرۃ:۴/۱۶۶۔

۵-ابوبکر محمد بن الحسین المعروف بابن الخفاف الوراق کا کتب خانہ:

ابوبکر محمد بن الحسین بن ابراہیم المعروف بابن خفاف الوراق (۰۰-۴۱۸ھ/۰۰-۱۰۲۷ء) محدث، وضاع وکذاب تھا، کتابوں کا بڑا ذخیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ بازار باب الطاق جل گیا تو اس کے ایک ہزار اسی من اجزاء نذر آتش ہو گئے تھے۔(۱)

محدثین کی اصطلاح میں ایک من دس جز کا ہوتا ہے۔(۲)

۱-تاریخ بغداد: ۲/۲۵۰، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۳۲۔ ۲-تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۰۳۴۔

۶- وراقوں کے کتب خانے

عہد عباسی میں وراق وخوشنویس کتابیں نقل ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان میں سے بعض اپنے پاس کتب خانے بھی رکھتے تھے اور کتابوں کے سلسلہ میں اہلِ علم کی رہنمائی بھی کرتے تھے۔

۱-ابواسحٰق ابراہیم بن سعید نعمانی کا کتب خانہ:

ابواسحٰق ابراہیم بن سعید بن عبداللہ نعمانی مولی تجیبی کتبی وراق مصری المعروف بحبال (۳۹۱-۴۸۲ھ/۱۰۰۱-۱۰۸۹ء) حافظِ حدیث، محدث ومصنف تھے، کتابوں کی تجارت کرتے اور خود بھی کتابیں جمع کرتے تھے اس لیے ان کے پاس حدیث کی کتابوں کے اصل نسخے اور اجزاء اتنے زیادہ جمع ہو گئے تھے کہ بیان نہیں کیے جاسکتے۔حبال اپنے نسخے اور کتابیں اپنی موجودگی میں طلبہ کو نقل کے لیے دیتے جب تک بیٹھتے نقل کرنے دیتے اور جب اٹھتے نسخے واپس لے لیتے تھے ان کے پاس ایک کتاب کے کئی کئی نسخے تھے اور اتنی کتابیں تھیں کہ معاصرین کے پاس نہ تھیں(۱)۔

۲-ابوبکر محمد بن احمد المعروف بابن الخاضبہ کا کتب خانہ:

ابوبکر محمد بن احمد بن عبدالباقی دقاق بغدادی المعروف بابن الخاضبہ (۰۰-۴۸۹ھ/۰۰-۱۰۹۵ء) حافظِ حدیث، امام فن، مفید بغداد(۲) قاری، ادیب، عمدہ خطاط ووراق تھے۔نقل نویسی پر ان کی گزر بسر تھی، صحیح پڑھتے، صحیح لکھتے تھے۔(۳)

ان کا ذاتی کتب خانہ تھا جو کوئی ان کے کتب خانے سے کتاب عاریۃً مانگتا اسے کتاب دیتے تھے اور اگر اپنے کتب خانہ میں نہ ہوتی جہاں سے مل سکتی اس کی طرف رہنمائی کرتے تھے(۴)۔

۞۞۞

۱-تذکرۃ الحفاظ:۳/ ۱۱۹۲-۱۱۹۳، دول الاسلام:۲/ ۱۳، العبر:۳/ ۲۶۵، ۲۶۶۔

۲-البدایہ والنہایہ:۱۲/ ۱۵۳، المنتظم:۹/ ۱۰۱، معجم الأدباء:۶/ ۳۳۶۔

۳-تذکرۃ الحفاظ:۴/ ۱۲۲۶، معجم الأدباء:۶/ ۳۳۶-۳۳۷، المنتظم:۹/ ۱۰۱، الوافی بالوفیات:۲/ ۸۹-۹۰۔

۴-تذکرۃ الحفاظ ۴/ ۱۲۲۴، معجم الادباء ۶/ ۳۳۶-۳۳۷، المنتظم ۹/ ۱۱۱، الوافی بالوفیات ۲/ ۸۹-۹۰، دائرۃ المعارف ۲/ ۳۸۵۔

۷-خوشنویسوں کے کتب خانے

۱-ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ حمصی کا کتب خانہ:

ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ بن دینار مولی اموی حمصی (۹۲-۱۶۲ھ/۷۱۰-۷۷۸ء) حافظِ حدیث، خوشنویس، خلیفہ ہشام بن عبدالملک المتوفی ۱۲۵ھ کے کاتب اور صاحب الزہری (شاگرد زہری) تھے۔ ان کے پاس حدیث کی کتابوں کا ذخیرہ تھا تمام کتابیں خوشخط زیر وزبر کے ساتھ لکھی ہوئی تھیں۔ امام احمد نے ان کی کتابوں کو دیکھا تھا(۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذاتی کتب خانوں کے دروازے بھی اہلِ علم کے استفادہ کے لیے کھلے رہتے تھے۔

۲-ابوالیسر ابراہیم بن احمد شیبانی کا کتب خانہ:

ابوالیسر ابراہیم بن احمد شیبانی بغدادی المعروف بالریاضی (۲۲۳-۲۹۸ھ/۸۳۸-۹۱۱ء) نحوی، لغوی، ادیب و شاعر، مصنف و خطاط (۲) اور ہر فن سے بہرہ ور تھا۔ اکثر کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کی تھیں، بہت اچھا وراق تھا بڑھاپے میں سیبویہ کی ''الکتاب'' ایک قلم سے نقل کی تھی۔ موصوف کے ذخیرۂ کتب خانہ میں ہر فن کی کتابیں تھیں الریاضی نے افریقہ ویورپ (اندلس) میں محدثین کے مسائل اور شعراء کا کلام وتذکرہ پہنچایا تھا۔ (۳)

۳-ابوعلی حسن بن عبداللہ مصری کا کتب خانہ:

ابوعلی حسن بن عبداللہ المعروف بابن ابی جرادہ مصری (۰۰-۵۵۱ھ/۰۰-۱۱۵۶ء) شاعر، ادیب، کاتب وخوشنویس تھا، ابنِ مقلہ کی طرز پر نسخ اور ابن البواب کی رَوِش پر رقاع لکھتا تھا۔ اس کا کتب خانہ ان کے باپ نے بنا کر دیا تھا(۴)۔ اس قسم کے کتب خانے مندرجہ ذیل خوشنویسوں کے پاس تھے۔

۱-تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۲۱، العبر: ۱/ ۲۲۲، تھذیب التھذیب: ۴/ ۳۵۱۔

۲-معجم المصنفین: ۳/ ۶۵، البیان المغرب فی اخبار المغرب: ۱/ ۶۲، ۶۳۔

۳-الأنساب: ۶/ ۲۱۰-۲۱۱۔

۴-معجم الأدباء: ۶/ ۲۱۰، أعلام النبلاء: ۴/ ۲۶۷-۲۶۸۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل خوشنویسوں کے کتب خانوں کا تذکرہ ملتا ہے:

۴-ابونصر حسن بن محمد بن ابراہیم تورتانی اصبہانی (۴۶۶-۵۲۷ھ/ ۱۰۷۳-۱۱۳۲ء)(۱)

۵-ابوالبرکات عبدالقاہر بن علی بن عبداللہ المعروف بابن جرادہ التوفی (۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء)(۲)

۱-المنتظم: ۱۰/ ۳۲۔

۲-معجم الأدباء: ۶/ ۳۴، أعلام النبلاء: ۴/ ۲۷۰۔

۸- خازنوں کے کتب خانے

عہد عباسی میں کتب خانوں کے خازن جن کی زندگی کتب خانوں میں گزرتی تھی کتابوں سے انہیں سیری نہیں ہوتی تھی، اپنے ذوقِ علمی کی تسکین کی خاطر ان میں سے بعض بہت عظیم کتب خانہ رکھتے تھے اور اسے اہلِ علم کے استفادہ کے لیے وقف کرتے تھے۔

۱-عبدالسلام بن الحسین لغوی کا کتب خانہ:

ابواحمد عبدالسلام بن الحسین بن محمد بصری لغوی (۳۲۹-۴۰۵ھ/ ۹۴۰-۱۰۱۴ء) بلند پایہ، لغوی، ادیب، دارالعلم سابور کا خازن وسخی تھا۔ اس کے پاس بھی کتابوں کا ذخیرہ تھا، جب کوئی سائل آتا اور درہم یا دینار کچھ پاس نہ ہوتا تو اپنے ذاتی اور نجی ذخیرۂ کتب سے کتاب نکال کر دیتا تھا۔ سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا تھا۔(۱)

۲-ابوالفضل اسعد بن احمد شعبی کا کتب خانہ:

ابوالفضل اسعد بن احمد بن ابی روح شعبی (۰۰-قبل ۵۲۰ھ/ ۰۰-۱۱۲۶ء) فقیہ، خطیب، مدرس، مصنف، شام کا قاضی اور دارالعلم طرابلس کا لائبریرین تھا۔ یہ خود بھی کتابیں جمع کرنے کا شوقین تھا۔ حیفا میں ایک دارالکتب بنایا تھا جس میں چار ہزار سے زیادہ مجلدات جمع کی تھیں (۲)۔

اس نوع کا کتب خانہ محدث ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد انصاری جیانی اندلسی نزیلِ حلب (۴۹۲-۵۷۳ھ/ ۱۰۹۹-۱۱۶۸ء) ناظمِ کتب خانہ مدرسہ نوریہ کے پاس تھا جو موصوف نے ''اصحابِ حدیث'' پر وقف کیا تھا(۳)۔

❁ ❁❁

۱-انباہ الرواۃ: ۲/ ۱۷۵-۱۷۶، تاریخ بغداد: ۱۱/ ۵۷-۵۸، المنتظم: ۷/ ۲۷۳-۲۷۴، غایۃ النہایہ: ۱/ ۳۸۵۔

۲-لسان المیزان: ۱/ ۳۸۶۔ ۳-نفح الطیب: ۱/ ۳۹۰-۳۹۶۔

۹- فنکاروں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں فنکاروں کو بھی اہلِ علم کی طرح کتابوں اور کتب خانوں سے گہری دلچسپی تھی چنانچہ بعض فنکاروں کا کتب خانہ اپنی کثرت وندرت میں نامور علماء کے کتب خانوں سے کم نہ ہوتا تھا۔ مشہور مغنی اسحاق موصلی کا کتب خانہ اس نوع کا تھا ہم نے بطورِ مثال اس کتب خانے کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔

۱- ابو محمد اسحاق بن ابراہیم موصلی کا کتب خانہ:

ابو محمد اسحاق بن ابراہیم بن میمون موصلی (۱۵۵-۲۳۵ھ/ ۷۷۲-۸۵۰ء) کو شعر، ادب، لغت، حدیث، کلام وفقہ میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ خلیفہ ہارون، مامون، معتصم اور واثق کا ندیم، مشہور مغنی وکثیر التصانیف مصنف تھا(۱)۔ اس کے ذاتی کتب خانہ میں صرف لغت میں اس کے سماع کیے ہوئے اور اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ایک ہزار جزء تھے، دار الخلافہ بغداد میں لغت کے اعتبار سے اس زمانے میں صرف دو ہی کتب خانے قابلِ ذکر تھے، ایک اسحاق موصلی اور دوسرا ابن الاعرابی کا، لیکن ابن الاعرابی کا ذخیرۂ کتب اس سے کم تھا۔(۲)

اس کے کتب خانے میں کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جب یہ ہارون رشید کے ساتھ رقہ گیا تو اس نے سفر میں مطالعہ کے لیے جو کتابیں انتخاب کی تھیں وہ سولہ اور بقول بعض اٹھارہ صندوقوں میں آٹھ اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں(۳)۔

۲- ابوبکر محمد بن یحیٰی المعروف بشطرنجی کا کتب خانہ:

ابوبکر محمد بن یحیٰی بن عبداللہ صولی المعروف بالشطرنجی (۰۰-۳۳۵ھ/ ۰۰-۹۴۶ء) ادب، تاریخ و طبقات میں یگانہ روزگار اور شطرنج کے کھیل میں لاثانی تھا، اس کا یہ کھیل ضرب المثل تھا۔ چنانچہ آج بھی کہا جاتا ہے "فُلَانٌ یَلْعَبُ الشَّطْرَنْجَ مِثْلَ الصَّوْلِی" فلاں صولی کی طرح شطرنج کھیلتا ہے۔ یہ خلیفہ راضی باللہ کا اتالیق منتخب

۱- الفہرست: ۲۰۱، وفیات الأعیان: ۱/ ۶۵، البدایہ والنہایہ: ۱۰/ ۳۱۴، العبر: ۱/ ۴۲۰، تاریخ دمشق: ۲/ ۴۱۶-۴۱۷، تاریخ بغداد: ۶/ ۳۳۸، معجم الأدباء: ۲/ ۱۹۸-۱۹۹، ۳۳۵، انباہ الرواۃ: ۱/ ۲۱۵۔

۲- انباہ الرواۃ: ۱/ ۲۱۶، وفیات الأعیان: ۱/ ۲۶۔

۳- تاریخ بغداد: ۶/ ۳۴۰، تاریخ دمشق: ۲/ ۴۱۷، معجم الأدباء: ۲/ ۱۹۸-۱۹۹، انباہ الرواۃ: ۱/ ۲۱۷، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۹۵-۱۹۶۔

باللہ و مقتدر باللہ کا ندیم تھا۔(۱) شاعر، مصنف اور کتابوں کا بہت دلدادہ تھا (۲)۔ اس کے شاگرد محمد مرزبانی المتوفی ۳۸۴ھ کا بیان ہے۔

''صولی کتابوں کی درجہ بندی اور انہیں موضوع کے اعتبار سے اپنی اپنی جگہ پر رکھنے میں ماہر تھا'' (۳)

ابوبکر بن شاذان کا بیان ہے:

''میں نے صولی کا کتابوں سے بھرا ہوا بہت بڑا مکان دیکھا ہے اس میں کتابیں قطار در قطار رکھی ہوئی تھیں، کتابوں کی جلدیں مختلف رنگوں کی تھیں کتابوں کی ایک قطار اور نوع دوسری قطار اور نوع سے رنگ میں جدا تھی، ایک صنف سرخ رنگ کی جلدوں کی تھی، دوسری سبز رنگ کی تھی، تیسری زرد رنگ کی تھی علیٰ ہٰذا القیاس یہ سب کتابیں ان کی استادوں سے سنی ہوئی اور پڑھی ہوئی تھیں'' (۴) ابوسعد عقیلی نے صولی کے کتب خانے کی نسبت سے حسب ذیل شعر کہے تھے:

إِنَّمَا الصَّوْلِيْ شَيْخٌ
أَعْلَمُ النَّاسِ خِزَانَتَهْ

(ترجمہ): ''بلاشبہ شیخ صولی اپنے کتب خانے کے زیادہ جاننے والے تھے''

إِنْ تَسْئَلُ عَنْ مُشْكِلَاتٍ
طَالِباً مِنْهُ إِبَانَهْ

(ترجمہ): ''اگر تم مشکل امور کے متعلق پوچھو اور صولی سے ان کا حل چاہو۔''

قَالَ! يَا غِلْمَانُ هَاتُوْا
رِزْمَةَ الْعِلْمِ فُلَانَهْ (۵)

۱- الفہرست: ۲۱۵، نزھۃ الألباء: ۱۸۸، وفیات الأعیان: ۱/ ۸-۵۔

۲- تاریخ بغداد: ۲/ ۴۲۷، نزھۃ الألباء: ۱۸۸، الأنساب: ورق: ۳۵۷، معجم الأدباء: ۷/ ۱۳۶، تاریخ الحکماء: ۲۳۵، الوافی بالوفیات ۵: / ۱۹۰۔

۳- تاریخ بغداد: ۳/ ۴۳۱، انباہ الرواۃ: ۳/ ۲۳۴، الوافی بالوفیات: ۵/ ۱۹۳، مرآۃ الجنان: ۲/ ۳۲۴-۳۲۵۔

۴- تاریخ بغداد: ۳/ ۴۳۲، انباہ الرواۃ: ۳/ ۲۳۵، معجم الشعراء: ۱/ ۴۳۱، نزھۃ الألباء: ۱۸۸، المنتظم: ۶/ ۳۵۹، الأنساب، ورق: ۳۵۷، لسان المیزان: ۵/ ۴۲۸۔

۵- تاریخ بغداد: ۳/ ۴۳۲، انباہ الرواۃ: ۳/ ۲۳۶، معجم الادباء: ۷/ ۱۳۶، وفیات الأعیان: ۱/ ۵۱۰، الوافی بالوفیات: ۵/ ۹۲۔

(ترجمہ): ''تو وہ خدام سے فرمائیں گے فلاں علم کی فلاں پوٹ اٹھالاؤ۔''

صولی رنگ کو نوٹیشن (Notation) کی جگہ استعمال کرتا تھا اور کلاسی فیکیشن (Classification) کے مطابق کتابوں کی ترتیب میں جلدوں کے رنگوں کے ذریعے امتیاز کرتا تھا، بصرہ میں اس کا انتقال ہوا۔ صولی کتب خانہ ساز تھا اس نے راضی باللہ کا کتب خانہ بنوایا تھا۔ صولی کا کتب خانہ (۳۲۹ھ/۹۴۰ء) میں دیلمیوں کے ہاتھوں برباد ہوا تھا۔(۱)

صولی کا کتب خانہ بہت عظیم الشان تھا خلیفہ راضی باللہ نے اپنے شاہی کتب خانہ سے ان کو کتابیں ھبہ کی تھیں(۲)۔

اس تباہی و بربادی کے باوجود معلوم ہوتا ہے کہ صولی نے پھر کتب خانہ بنایا تھا۔ ابن الندیم نے اسے دیکھا تھا۔(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اہلِ علم استفادہ کرتے تھے۔

۞ ۞۞

۱-اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ:۲۱۱۔ ۲-ایضاً:۳۹،۴۰،خزائن الکتب القدیمۃ:۲۱۹،۲۲۰۔ ۳-الفہرست:۲۱۵۔

۱۰- تاجروں کے کتب خانے

تاجر عہد عباسی میں نہ صرف تجارت میں مصروف رہتے بلکہ وہ پڑھنے لکھنے کے لیے بھی وقت نکالتے اور اپنے علم وآگہی میں اضافہ کی خاطر کتب خانے بناتے تھے، ان کے کتب خانوں کا ذخیرہ صرف اقتصادیات، معاشیات ہی پر مبنی نہیں ہوتا تھا بلکہ تمام علومِ متداولہ پر ان کا ذخیرہ پھیلا ہوتا تھا اپنے ذخیرۂ کتب کو منجمد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ اگر سفر و سیاحت کے لیے نکلتے تھے تو کتب خانہ بھی جو کئی بارشتر کتابوں پر مشتمل ہوتا تھا ساتھ لے کے چلتے تھے۔ یہ عہدِ عباسی میں تاجروں کے کتب و کتب خانوں سے شغف وشیفتگی کی نہایت بیّن دلیل ہے۔

۱- ابوبکر احمد بن محمد بن فضل جراح خزاز کا کتب خانہ:

ابوبکر احمد بن محمد بن فضل جراح خزاز بغدادی (۰۰-۳۸۱ھ/۰-۹۹۱ء) بڑا فاضل، راست گو، محدث، ادیب، شہسوار و تاجر تھا، اس کے پاس دس ہزار درہم کی قیمت کا کتب خانہ تھا۔ موصوف کا بیان ہے ''میری کتابیں، میری باندیاں، میرے ہتھیار اور میرے جانور ہر ایک دس ہزار درہم کے ہیں۔''(۱)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں عجیب جولانی تھی اس نے دس ہزار کے عدد کو اپنا مخصوص ہدف بنا رکھا تھا، ہر عزیز ومحبوب چیز کی مالیت کو دس ہزار درہم تک پہنچایا ہوا تھا۔

۲- ابومنصور عبدالمحسن بن محمد شیحی بغدادی کا کتب خانہ:

ابومنصور عبدالمحسن بن محمد شیحی بغدادی المعروف بابن شہدانکہ (۴۲۱-۴۸۹ھ/۱۰۳۰-۱۰۹۵ء) محدث، تاجر و جہان گشت تھے کتابوں کے بہت شوقین تھے بہت کتابیں جمع کی اور نقل کی تھیں۔(۲) حدیث سے خاص انس تھا(۳)۔ حدیث کی کتابوں کے اصل نسخے جمع کیے تھے(۴)۔

۳- ابواللیث نصر بن حسن بن قاسم شاشی کا کتب خانہ:

ابوالفتح، ابواللیث نصر بن حسن بن ابی قاسم تنکتی شاشی نیشاپوری (۴۰۶-۴۸۶ھ/۱۰۱۵-۱۰۹۳ء)

۱- تاریخ بغداد: ۵/۸۲، المنتظم (۳۸۱ھ)، الوافی بالوفیات: ۸/۸۰، النجوم الزاھرۃ: ۴/۳۸۱، خزائن الکتب القدیمۃ: ۳۲۳۔

۲- العبر: ۳/۳۲۵۔ ۳- الانساب، ورق: ۳۴۳، معجم البلدان: ۳/۳۷۹۔ ۴- العبر: ۳/۳۲۵۔

مشہور محدث و تاجر تھے، شہر شہر جاتے مال بیچتے اور حدیث پڑھاتے تھے۔ موصوف نے مشرق و مغرب (ایشیا، افریقہ، یورپ، اندلس) تک علمِ حدیث پہنچایا۔ مؤرخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت و علم میں برکت دی انہوں نے جب نیشاپور کو وطن بنایا تو ان کے پاس کئی بار شتر حدیث کے اجزاء اور خطیب کی نادر کتابیں تھیں۔" (۱)

۴-ابوالحسن سعدالخیر بلنسی اندلسی کا کتب خانہ:

ابوالحسن سعدالخیر بن محمد انصاری بلنسی اندلسی ثم بغدادی المتوفی (۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء) محدث، مصنف و تاجر تھے چین تک سفر کیا تھا (۲) بغداد میں موصوف کا ذاتی کتب خانہ نفیس کتابوں پر مشتمل تھا (۳)۔

۵-تقی الدین ابومحمد عبدالعزیز بزاز کا کتب خانہ:

تقی الدین ابومحمد عبدالعزیز بن محمود بن المبارک جنابذی بغدادی حنبلی بزاز المعروف بابن الاخضر (۵۴۴-۶۱۱ء/ ۱۱۳۰-۱۲۱۵ء) محدث بن محدث، حافظ حدیث، محدثِ عراق، فقیہ و مصنف تھے (۴) بغداد میں درب قیار میں رہتے تھے۔ زقاق ریحانیین میں خان حسبہ میں پڑھاتے تھے۔ (۵) جامع بغداد میں بھی ان کا حلقۂ درس قائم تھا۔ خان خلیفہ میں کپڑے کی دکان تھی۔ ان کے شاگرد منذری کا بیان ہے "موصوف نے اپنے قلم سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے لکھا، حدیث کی کتابوں کے اصلی نسخے خریدنے کیلئے قیمت بھی خوب دی تھی۔" (۶) یہ تاجر تھے دکان پر بیٹھتے تھے اس لیے اپنے مطالعہ و استفادہ کے لیے دکان پر کتابیں رکھتے تھے۔

❁ ❁❁

۱- السیاق، ورق: ۱۶۷، الأنساب: ۲/ ۸۸، اللباب: ۱/ ۲۲۵۔ ۲- مرآۃ الزمان فی تاریخ الأعیان: ۸/ ۱۹۲، ق، مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان: ۳/ ۲۷۴-۲۷۵، العبر: ۴/ ۱۱۲۔ ۳- المنتظم: ۱۰/ ۱۲۱، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۲۲۱-۲۲۲، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۴۸۔

۴- تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۸۳-۱۳۸۴، العبر: ۵/ ۳۸، ذیل طبقات الحنابلہ: ۲/ ۷۹، شذرات الذھب: ۵/ ۴۶-۴۷۔

۵- ذیل علی الروضتین: ۸۸۔

۶- التکملہ لوفیات النقلہ: ۳/ ۱۳۷، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۸۴، ذیل طبقات الحنابلہ: ۲/ ۷۹، التاج المکلل: ۲۲۳-۲۲۴۔

۱۱- دولت مندوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں امیر، غریب ہر ایک علم و کتب کا دلدادہ تھا اور بعض غریب قابلِ فخر نوادر پر مشتمل کتب خانہ رکھتے تھے جس پر بادشاہوں کا جی للچاتا تھا۔

۱- ابواسحاق ابراہیم حربی بغدادی کا کتب خانہ:

ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بن بشیر بغدادی حربی (۱۹۸-۲۸۵ھ/ ۸۱۵-۸۹۸ء) لغت، حدیث، فقہ، ادب، تاریخ کے امام، حافظِ حدیث وکثیر التصانیف مصنف تھے۔(۱) ان کی جاگیر بائیس مکان اور باغ تھے جو ایک ایک کر کے بیچے اور تمام رقم علمِ حدیث کی تحصیل میں خرچ کی (۲)۔

حربی بہت ہی عسرت کی زندگی بسر کرتے اور کتابیں جمع کرتے تھے ان کا کتب خانہ جداگانہ کمرے میں مکان کے دروازے سے متصل تھا جو بغداد میں شارع باب الدینار میں واقع تھا۔ یہ کتب خانہ اتنا وسیع تھا کہ اس کے صرف ایک گوشہ میں لغت وغریب الحدیث کے بارہ ہزار جزء ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے رکھے تھے۔ موصوف نے اس امر کا اظہار بھی مرتے وقت کیا تھا۔ قصہ بھی بہت دلچسپ ہے۔

''امام حربی جب بہت زیادہ بیمار پڑے تو خلیفہ معتضد نے دس ہزار درہم کی تھیلی بھیجی۔ انہوں نے واپس کردی حالانکہ گھر میں کچھ نہ تھا ان کی بیٹی نے چچا سے عرض کیا ہم پر بہت کڑے دن آگئے ہیں، مہینوں بیت جاتے ہیں گھر میں کھانے کو سوکھے ٹکڑوں اور نمک کے سوا کچھ نہیں ہوتا بسا اوقات نمک بھی نہیں ہوتا ہے کل معتضد نے ایک تھیلی بھیجی تھی، وہ بھی ابا جان نے واپس کردی۔ فلاں فلاں نے بھیجا وہ بھی قبول نہیں کیا اب بیمار پڑے ہیں، حربی یہ باتیں سن رہے تھے، بیٹی کی طرف منہ کر کے مسکرائے کہا تم فقر سے ڈرتی ہو، وہ بولی ''جی ہاں'' فرمایا: ذرا گھر کے اس حصے کو دیکھو، اس نے دیکھا کتابیں ہی کتابیں تھیں، فرمایا: یہاں بارہ ہزار جزء لغت اور غریب

۱- تاریخ بغداد:۶/ ۲۸، الفہرست: ۳۲۳، الأنساب: ۴/ ۱۱۲، انباہ الرواۃ:۱/ ۱۵۵، معجم الأدباء:۱/ ۳۷۔

۲- الأنساب: ۴/ ۱۱۲ (حربی)

الحدیث کے میرے لکھے ہوئے رکھے ہیں جس کے پاس بارہ ہزار درہم ہوں وہ کہیں فقیر ہوتا ہے۔"(۱)

یہ بیت الکتب کے صرف ایک گوشے کا حال تھا، لوگ ان کی تنگدستی کو اور ان کے کتب خانہ کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے ایک موقع پر کسی شخص سے نہ رہا گیا اور اس نے ابراہیم حربی سے پوچھ ہی لیا کہ آپ نے اتنی کتابیں کیسے جمع کیں، غصہ سے فرمایا: "بلحمی ودمی" خون پسینہ ایک کر کے جمع کی ہیں۔(۲) امام حربی کا کتب خانہ ان کے گھر کی دہلیز کے پاس ایک جداگانہ مکان میں تھا یہاں بیٹھ کر مطالعہ کرتے اور لکھتے پڑھتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ ان پر کئی دن فاقہ سے گزر گئے بیوی نے آکر کہا، میں اور آپ تو صبر سے بیٹھے رہیں گے، لیکن ان دو بچیوں کو کہاں تک بھوکا ماریں، اپنی کتابوں میں سے کچھ دیجیے انہیں بیچیں یا گروی رکھیں، انہوں نے ذرا بخل سے کام لیا اور کہا تم ان کے لیے کہیں سے قرض لے لو مجھے ایک دن کی اور مہلت دو، موصوف کا بیان ہے:

"رات کا وقت تھا میں بیت الکتب میں بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا کہ کسی نے دستک دی، میں نے پوچھا کون؟ اس نے کہا، آپ کا پڑوسی! میں نے کہا اندر آیئے وہ بولا چراغ بجھا دیجیے، میں نے چراغ بہت ہی مدھم کیا وہ آیا اور ایک رومال میں پانچ سو درہم اور کھانے کا سامان رکھ کر چلا گیا میں نے بیوی کو بلا کر کہا بچوں کو جگاؤ اور کھانا کھلاؤ۔"(۳)

فقر و فاقہ، پیٹ کی آگ سب کچھ اپنے ہی پر نہیں بیوی پر نہیں بچیوں پر بھی گوارا کی، لیکن کتابوں کی جدائی کو کسی قیمت پر گوارا نہیں کیا کیوں کہ انہی کتابوں نے ان کی کتاب زندگی کو سنوارا تھا۔ فکری تربیت کی تھی، ان کے ذہن کو جلا بخشی تھی، ان کے مذاق و مزاج پر حاوی ہوگئی تھیں ایسے رفیق اور ساتھی کو کون جدا کر سکتا ہے؟

اس قسم کا ذخیرۂ کتب مندرجہ ذیل دولتمند بھی رکھتے تھے۔

۲۔ ابولوفاء بن سلمہ ہمدانی کا کتب خانہ:

ابوالوفاء بن سلمہ ہمدانی (تیسری صدی ہجری) ہمدان کے رئیسوں میں تھا اس کا ہمدان میں بہت نادر کتابوں کا جامع کتب خانہ تھا۔ ابوتمام (۱۸۸-۲۲۱ھ/ ۸۰۴-۸۳۶ء) نے اس کے خزانۃ الکتب میں بیٹھ کر

۱۔ تاریخ بغداد: ۱/ ۳۲-۳۳، طبقات الحنابلہ: ۱/ ۸۸، انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۹۸، معجم الادباء: ۱/ ۴۰، انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۵۷-۱۵۸، معجم المصنفین: ۳/ ۷۷، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۰۸-۲۰۹، کتاب المناسک واماکن طرق الحج ومعالم الجزیرۃ: ۱۶۷-۱۶۸ (مقدمۃ المحقق)۔

۲۔ تاریخ بغداد: ۶/ ۳۲۔ ۳۔ تاریخ بغداد: ۶/ ۳۲، انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۵۶-۱۵۷۔

''دیوان الحماسہ'' مرتب کیا تھا اس کتب خانہ میں غالباً ابوتمام کو ابوالعطاء سندی، پاکستانی کا دیوان ملا تھا جس کے اشعار سے اس نے دیوان الحماسہ کو زینت بخشی تھی (۱)۔

۳-ابوجعفر محمد بن یعقوب خزجی کا کتب خانہ:

ابوجعفر محمد بن یعقوب بن الفرح خزجی (۲۷۱ھ/ ۸۸۴ء) محدث فقیہ وصوفی تھے، ان کے متعلق بنان بن احمد مصری کا بیان ہے: ''میں ان سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ ایسے مکان میں بیٹھے ہیں جو کتابوں سے بھرا ہوا ہے۔''(۲)

۴-ابوجعفر ہارون بن محمد ضبّی کا کتب خانہ:

ابوجعفر ہارون بن محمد بن ہارون ضبّی المتوفی ۳۳۵ھ/ ۹۶۵ء) لغت، شعر، نحو، معانی قرآن وکلام میں ممتاز تھا موصوف نے اپنے کتب خانہ میں نامور خطاط و مصنفین کی لکھی ہوئی کتابیں جمع کی تھیں ان کا محل سرا ہر فن کے ارباب کمال کا ٹھکانہ تھا۔ (۳)

۵-ابوالحسین محمد بن محمد حسنی علوی بغدادی کا کتب خانہ:

ابوالحسین محمد بن محمد بن زید حسنی علوی بغدادی نزیل سمرقند (۴۶۹-۵۶۰ھ/ ۱۰۷۶-۱۱۶۴ء) محدث، مصنف وخیر تھے بہت کتابیں جمع کی تھیں موصوف اپنے شاگردوں کو کتابیں نقل کرنے کے لیے دیتے تھے (۴)۔

۱-کشف الظنون ۱/ ۲۹۱-۲۹۲، نسائم الأسحار: ۷۹۔
۲-المنتظم: ۵/ ۸۳۔
۳-منتخب السیاق، ورق: ۱۴۔
۴-الفہرست: ۶۰۔

۱۲- غرباء کے کتب خانے

۱-محمد بن حسین شیعی کا کتب خانہ:

محمد بن حسین المعروف بابن ابی بعرہ شیعی (۰۰--۰۰) ابن الندیم صاحب ''الفہرست'' المتوفی (۴۳۸ھ/۱۰۴۷ء) کا ہمعصر ودوست اور کتابوں کا فریفتہ تھا، اس نے بہت ہی عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے: ''ابن ابی بعرہ کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوقین تھا، میں نے اس کے جیسا کثیر نوادر کا جامع کتب خانہ کسی کا نہیں دیکھا''(۱)۔

ابن الندیم کو اس ذخیرہ تک بڑی مشکل سے رسائی ہوئی تھی، وہ بنوحمدان کے ڈر سے کہ یہ ذخیرہ چھین نہ لیں کسی کو اس کی ہوا لگنے نہ دیتا تھا چنانچہ ابن الندیم کا بیان ہے:

''میں ابنِ ابی بعرہ سے کئی دفعہ ملا پھر وہ مجھ سے مانوس ہوا اگر چہ وہ میل جول سے متنفر تھا اور کتابوں کے معاملہ میں بے حد بخیل واقع ہوا تھا، اس کی وجہ بھی بنوحمدان کا خوف تھا، تاہم اس نے مجھ پر کرم کیا! ایک بہت بڑا بورا دکھایا جس کا وزن تین سو رطل (پونے چار من) تھا اور وہ حسب ذیل نوادر پر مشتمل تھا۔''

''گاؤ خر کے چمڑے پر اقرار نامے، مصری کاغذ، چینی اور تہامی اوراق، اونٹ کی کھال، خراسانی کاغذ اور ان پر ائمۂ لغت کے نوشتے، شعراء عرب کے قصائد، کچھ مسائل نحو، قصے کہانیاں، اسماء ونسب نامے وغیرہ، علوم عرب اور دیگر علوم کے بہت سے نوشتے تھے، یہ ذخیرہ کوفہ کے ایک شخص کا تھا جس کا نام میرے ذہن سے اتر گیا ہے وہ شخص قدیم نوشتے جمع کرنے کا شوقین تھا جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی دوستی، اتحادِ مسلک وعقیدہ کی وجہ سے محمد حسین کے حوالہ کیا۔ محمد حسین کے اس ذخیرے کو میں نے دیکھا اور خوب کھنگالا ہے، اس میں عجیب وغریب چیزیں دیکھنے میں آئی تھیں۔ زیادہ زمانہ بیت جانے کی وجہ سے ان چیزوں میں پرانے اور کہنگی کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، زمانہ کی دست برد سے اس کے نشانات اور نقوش واثرات مٹنے لگے تھے ان کے ہر جز اور کاغذ پر ترتیب کے ساتھ علماء کے دستخط اور مہریں ثبت تھیں۔ یہ بھی مذکور تھا کہ یہ کس کی تحریر ہے اور ہر مہر کے نیچے دوسرے کی مہر موجود تھی علماء کی شہادتیں ثبت تھیں۔

۱- تاریخ بغداد: ۱۴/۳۳۰، المنتظم: ۲/۳۵۶، النجوم الزاھرۃ: ۳/۳۹۴، البدایہ والنھایہ: ۱۱/۲۱۸۔

میں نے اس ڈھیر سے حضرت علیؓ کے مصاحب و رفیق خالد بن ابی الھیاج کا لکھا ہوا ایک مصحف بھی دیکھا جو ابوعبداللہ بن ہانیؒ کی طرف منتقل ہو گیا تھا، میں نے اس میں امام حسنؓ و حسینؓ کے مکتوبات بھی دیکھے، حضرت علیؓ اور صحابہ کرامؓ کے لکھے ہوئے عہد نامے بھی دیکھے تھے،

اس میں ابوعمرو بن العلاء، ابوعمرو شیبانی، اصمعی، ابن الاعرابی، سیبویہ، فراء، کسائی جیسے علماء نحو وائمہ لغت اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، اوزاعی وغیرہ ائمہ حدیث کے نوشتے اور ایسے کاغذات بھی میری نظر سے گزرے جو اس امر کے شاہد ہیں کہ علم نحو ابوالاسود سے منقول ہے، جن کاغذات میں یہ بات درج تھی وہ چار ورق تھے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ چینی کاغذ پر تھے جن کا عنوان تھا کہ ان میں فاعل ومفعول سے متعلق ابوالاسود کی بحث درج ہے۔ یہ تحریر یحییٰ بن یعمر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اور اس کے نیچے ابن علان نحوی کی اور اس کے نیچے نضر بن شمیل کی تحریر تھی۔

اس کی وفات کے بعد کتابوں کا یہ بورا اور اس کا ذخیرہ ایسا گم ہوا کہ سخت جدوجہد کے باوجود ایک مصحف کے سوا کچھ نہ مل سکا اور نہ ہم نے اس کے متعلق کچھ سنا اور نہ اس کی کوئی چیز کبھی دیکھنے میں آئی" (۱)۔

مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ بنوحمدان بادشاہ اور وزیر سب ہی کتابوں کے جویا و دلدادہ تھے۔ نادر ذخیرہ پر ان کی نگاہ رہتی تھی وہ اسے حاصل کرنے کی فکر میں رہتے تھے،

عوام بھی کتابوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، کسی قیمت پر کتابوں کو جدا کرنے پر راضی نہ ہوتے تھے۔ کتابوں کی قدر ان کی نظر میں دیناروں سے کہیں زیادہ تھی اس لیے ابن ابی بعرہ اس انمول ذخیرے کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتا تھا، لیکن اس اہتمام واحتیاط کے باوجود ابن الندیم کی آنکھوں نے وہ وقت بھی دیکھا جب کتابوں کا یہ انمول بورا ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کا سراغ زندگی بھر نہیں مل سکا۔

مولانا شبلی نے اس کتب خانہ کے تذکرہ کے موقع پر لکھا ہے:

"اس خزانۂ علمی کے حالات بہت کم معلوم ہیں جن کی وجہ مؤرخین کی بے پروائی کے سوا یہ بھی ہے کہ خود محمد حسین بانی کتب خانہ نے اس کو گمنامی کے پردہ میں رکھنا چاہا تھا وہ کسی سے اس کا ذکر تک نہیں کرتا تھا در حقیقت جو نایاب علمی یادگاریں اس کے کتب خانہ میں محفوظ تھیں اس کے لحاظ سے یہ احتیاط اور بخل بے جا بھی

۱- الفہرست: ۶۰۔

نہیں تھا''(۱)۔

مؤرخین علماء کے حالات میں ان کے کتب خانے ذکر کرتے ہیں، محمد بن حسین کوئی عالم نہ تھا، مصنف نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ابن الندیم نے بھی اس کے نام کے ساتھ کوئی ایسی کسی صفت کا ذکر نہیں کیا جس سے اس کے عالم ہونے کا شبہ بھی ہوسکے، اس لیے اس کا ذکر ہی مؤرخین وتذکرہ نگاروں کے یہاں کیوں آتا، پھر بخیل بھی تھا، کتابیں اہلِ علم کو دکھاتا نہیں، کتابیں اہلِ علم کے استعمال ومطالعہ میں نہیں آتیں، ان کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں ان کا ذکر تاریخ کے صفحات میں جگہ نہیں پاتا، اس لیے اس اہم ذخیرے کی شہرت علمی حلقوں میں نہیں ہوسکی تھی اگر یہ کتب خانہ اہلِ علم کے استعمال میں آتا تو اس کا ذکر مؤرخین کے یہاں بھی آتا کتب خانہ کی جان اس کا استعمال ہے۔

تاریخ میں جن ناخواندہ اور علمی لوگوں کے کتب خانہ کا ذکر ہمیں ملتا ہے وہ ان کے کتب خانوں کے وقف کرنے اور استعمال میں آنے کی وجہ سے آتا ہے، انہوں نے کتب خانے کے دروازے اہلِ علم کے لیے کھولے ہوئے تھے، اس لیے وہ کتابیں، کتب خانے اور ان کے بانی علمی حلقوں میں مانوس اور مشہور ہوتے تھے اور ہر اہلِ علم زیرِ بارِ احسان ہوکر ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتا، صرف ابن الندیم نے اس کو دیکھا اس سے فائدہ اٹھایا اس کا تذکرہ بھی اپنی کتاب ''الفہرست'' میں کرگیا اور آج تاریخ کے صفحات میں اس کے خزانۃ العلم کا نام باقی رہ گیا۔

۲- ابوالحسن علی بن ابوبکر ہروی موصلی کا کتب خانہ:

ابوالحسن علی بن ابوبکر بن علی ہروی موصلی (۰۰-۶۱۱ھ/۰۰-۱۲۱۵ء) خطیب، سیاح، مصنف اور سیاحت میں ضرب المثل تھا۔ موصوف کے پاس بھی کتب خانہ تھا(۲)۔ اس کی بیشتر کتابیں فرنگیوں نے چھین لی اور سمندر میں ڈبودی تھیں(۳)۔

۱- مقالات شبلی: ۶/ ۱۶۳-۱۶۴۔ ۲- وفیات الأعیان: ۱/ ۳۴۷، أعلام النبلاء: ۴/ ۳۳۵-۳۳۶۔

۳- کتاب الارشاد الی معرفۃ الزیادات: ۱۰۰۔

۴-ابوبکر معین الدین ابن نقطہ کا کتب خانہ:

ابوبکر معین الدین محمد بن عبدالغنی بن ابی بکر بغدادی حنبلی المعروف بابن نقطہ (۵۷۹-۶۲۹ھ/ ۱۱۸۳-۱۲۳۱ء) فقیر باپ کے بیٹے تھے، علوم میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ ابنِ نقطہ نے حدیث ورجال کے حوالے کی کتابیں جمع کی تھیں (۱)۔

❁ ❁❁

۱-البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۱۳۳، تاریخ الاسلام: ۴/ ۱۴۱۴۔

چوتھا باب

(دوسرا حصہ)

- ☆ فنی و خصوصی کتب خانے۔
- ☆ قراء کے کتب خانے۔
- ☆ مفسرین کے کتب خانے۔
- ☆ محدثین کے کتب خانے۔
- ☆ محدثہ خواتین کے کتب خانے۔
- ☆ فقہاء کے کتب خانے۔
- ☆ قاضیوں کے کتب خانے۔
- ☆ متکلمین کے کتب خانے۔
- ☆ صوفیہ کے کتب خانے۔
- ☆ نحویوں کے کتب خانے۔
- ☆ ائمۂ لغت کے کتب خانے۔
- ☆ ادیبوں کے کتب خانے۔
- ☆ شاعروں کے کتب خانے۔
- ☆ مؤرخین کے کتب خانے۔
- ☆ ماہرین انساب کے کتب خانے۔
- ☆ فلاسفہ کے کتب خانے۔
- ☆ مہندسوں کے کتب خانے۔
- ☆ طبیبوں کے کتب خانے۔

(دوسرا حصہ)

فنی وخصوصی کتب خانے

فنی اور خصوصی کتب خانوں کی ترتیب میں موضوع کی مناسبت سے اسلامی علوم کے ماہرین قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، صوفیہ، ائمۂ نحو، ائمۂ لغت، ادباء، شعراء، مورخین، ماہرین انساب کے کتب خانوں کا پہلے اور علومِ قدیمہ کے اربابِ کمال فلاسفہ، سائنس دان، مہندسین اور اطباء کے کتب خانوں کا تذکرہ بعد میں کیا گیا ہے۔

(ا) قراء کے کتب خانے

قراء کا ذخیرۂ کتب علومِ قرأت کے علاوہ علومِ تفسیر، حدیث، فقہ، لغت و تاریخ وغیرہ کے موضوعات پر مشتمل ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ قاری کے اپنے پسندیدہ موضوعات کی نشر و اشاعت، تصنیف و تالیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے چنانچہ ان میں سے بعض رات میں کھڑے ہو کر کتابیں لکھتے۔

سفری وگشتی کتب خانے:

سفر میں کتابوں کا پشتارہ اپنے ساتھ رکھتے تھے گویا حضری کتب خانہ کے علاوہ سفری وگشتی (Mobile) کتب خانہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔

ذخیرۂ کتب میں اضافہ کی خاطر سفر وحضر میں کتابیں خریدتے تھے ان کے ذخیروں کی ندرت وکثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے ذخیرے کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں مرتب ہوتا تھا۔

۱- ابوعمرو بن العلاء تمیمی مازنی بصری کا کتب خانہ:

ابوعمرو بن العلاء بن عمار تمیمی مازنی بصری (۷۰-۱۵۴ھ/ ۶۹۰-۷۷۱ء) ان کا شمار نحو ولغت، شعر وادب، ایامِ عرب قرأت کے ائمہ اور دبستان بصرہ کے پیشواؤں اور مصنفین میں ہوتا ہے (۱)۔ موصوف نے اتنا لکھا تھا کہ ان

۱- أخبار النحويين البصريين: ۷۶، تاريخ الاسلام: ۶/ ۳۲۳، معرفة القراء الكبار: ۱/ ۳۸۶، انباه الرواة: ۴/ ۱۲۷، معجم الأدباء: ۴/ ۲۱۸۔

کے نوشتوں اور کتابوں سے مکان چھت تک اٹا ہوا تھا پھر انہوں نے زہد اختیار کیا اور سب کتابوں کو جلا دیا تھا(۱)۔

۲-ابوبکر محمد بن الحسن النقاش کا کتب خانہ:

ابوبکر محمد بن الحسن بن محمد مولیٰ ابی دجانہ سماک انصاری موصلی بغدادی المعروف بالنقاش (۲۶۶-۳۵۱ھ/۸۸۰-۹۶۲ء) فن قرأت میں دبستانِ بغداد کے ائمہ میں سے تھے۔ تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم میں بھی موصوف کو بہت درک حاصل تھا پڑھاتے اور کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ موصوف کا کتب خانہ ایک کمرہ میں تھا یہ "بیت ملان کتب"(۲) یعنی کتابوں سے اٹا ہوا تھا، انہوں نے ایک تفسیر بارہ ہزار ورق میں لکھی تھی(۳) یعنی "کتاب الاغانی" سے دگنی تھی۔

۳-ابوالعلاء حسین بن احمد ہمدانی عطار حنبلی کا کتب خانہ:

ابوالعلاء حسن بن احمد بن الحسن ہمدانی عطار حنبلی (۴۸۸-۵۶۹ھ/۱۱۰۴-۱۱۷۳ء) حافظِ حدیث، محدث، قاری، نحوی، لغوی، ادیب، مؤرخ و مصنف تھے، فنِ تجوید وقرأت میں مشرق میں ان کا وہی مقام تھا جو مغرب میں علامہ دانی کو حاصل تھا۔

موصوف جو کتاب لکھتے اس پر نقطے اور زیر وزبر لگاتے تھے۔(۴) ابوالعلاء دن میں قرآن وحدیث پڑھاتے، مطالعہ کرتے اور لکھتے تھے، رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، پہلی تہائی رات میں لکھتے بغداد میں چراغ اونچی جگہ لٹکایا جاتا تھا اس لیے موصوف کھڑے ہو کر لکھتے تھے۔(۵) ان کا ذاتی کتب خانہ تھا(۶)۔

۱-حیات الحیوان:۱/۳۲۱، وفیات الاعیان:۱/۳۸۶، معجم الادباء:۴/۶۱۷، تاریخ الاسلام:۶/۳۲۳، العبر:۱/۲۲۳، معرفۃ القراء:۱/۸۶، غایۃ النہایہ فی طبقات القراء:۲۹۰، انباہ الرواۃ:۳/۱۲۷، اخبار النحاۃ:۲۵، دائرۃ المعارف:۴/۲۸۰، ۲۸۲، لغت نامہ دہخدا:۳/۱۸۷ (ابوسعد-اثبات) آریانہ دائرۃ المعارف:۱/۲۶-۲۷۔

۲-معرفۃ القراء:۱/۲۴۰، غایۃ النہایہ فی طبقات القراء:۲/۱۲۱، تاریخ بغداد:۲/۲۰۱، طبقات الشافعیہ:۳/۱۴۵۔

۳-الفہرست:۵۰۔

۴-المنتظم:۱۰/۲۴۸، معجم الادباء:۳/۲۶-۲۷، البدایہ والنہایہ:۱۲/۲۸۶، تذکرۃ الحفاظ:۴/۱۳۲۴-۱۳۲۵، العبر:۴/۲۰۶، معرفۃ القراء:۲/۴۳۴-۴۳۵، غایۃ النہایہ:۱/۲۰۴۔

۵-تذکرۃ الحفاظ:۳/۱۳۲۵-۱۳۲۶، معرفۃ القراء:۲/۴۳۶، العبر:۴/۶۰۷، غایۃ النہایہ:۱/۲۰۴، معجم الادباء:۳/۳۲۔

۶-معجم الادباء:۲/۴۳۵، المنتظم:۱/۲۴۸، مناقب الامام احمد بن حنبل:۵۳۲، البدایہ والنہایہ:۱۲/۲۸۶۔

۴-تاج الدین ابوالیمن زید بن الحسن کندی بغدادی ثم دمشقی حنفی کا کتب خانہ:

تاج الدین ابوالیمن زید بن الحسن کندی بغدادی ثم دمشقی حنفی (۵۲۰-۶۱۳ھ/۱۱۲۶-۱۲۱۶ء) مسندِ شام حافظِ حدیث، نحوی، ادیب، شاعر، لغوی، قاری، محدث و بلند پایہ مصنف (۱) عمدہ خطاط، قرأت در روایات نحو و لغت میں حرفِ آخر اور علوِ اسناد میں اپنی نظیر آپ تھے (۲)۔ کتابوں کا شوق تھا موصوف نے بنیادی اور اصولی نسخے جمع کیے تھے (۳)۔

ان کا کتب خانہ ان کی حویلی میں درب العجم (دمشق) میں واقع تھا۔ (۴) کندی نے یہ کتب خانہ اپنے آزاد کردہ غلام ادیب نجیب الدین یاقوت المعروف بعبد اللہ المتوفی ۶۲۴ھ اس کی اولاد اور علماء پر وقف کیا تھا۔ یاقوت نے اس کتب خانہ کو مقصورہ ابن سنان حنفیہ (جامع دمشق) میں جو مشہدِ زین العابدین سے متصل تھا منتقل کر دیا وہاں سے کتابیں چوری ہوئیں اور فروخت کر دی گئی تھیں (۵)۔

مؤرخ ابوشامہ مقدسی نے اس کتب خانے کا کیٹلاگ دیکھا تھا وہ لکھتا ہے: ''اس کتب خانہ میں کل سات سو اکسٹھ (۷۶۱) مجلدات تھیں جن میں:

۱-	علومِ قرآن میں	۱۴۰
۲-	علومِ حدیث میں	۱۹
۳-	علومِ فقہ میں	۳۹
۴-	علومِ لغت میں	۱۴۳
۵-	علومِ شعر و ادب میں	۱۳۲
۶-	علومِ نحو و صرف میں	۱۷۵

۱-معجم الأدباء: ۴/ ۲۲۲-۲۲۳، إنباہ الرواۃ: ۲/ ۱۲، الکامل فی التاریخ: ۱۲/ ۳۱۵، وفیات الأعیان: ۱/ ۱۹۷، الجواہر المضیۃ: ۱/ ۲۴۶، کتاب الروضتین: ۹۵، العبر: ۵/ ۴۴-۴۵، المنتظم: ۱/ ۲۹۷، بغیۃ الوعاۃ: ۱/ ۵۷۰، شذرات الذھب: ۵۴، الدارس: ۱/ ۴۸۳۔
۲-معرفۃ القراء: ۲/ ۴۶۸، النجوم الزاہرۃ: ۱/ ۲۱۷، بغیۃ الوعاۃ: ۱۰/ ۵۷۰، کتاب الروضتین: ۹۶۔ ۳-کتاب الروضتین: ۹۵۔
۴-معجم الأدباء: ۴/ ۲۲۳، انباہ الرواۃ: ۲/ ۱۱، بغیۃ الوعاۃ: ۱/ ۵۷۔ ۵-البدایۃ والنھایۃ: ۱۳/ ۲۷، معرفۃ القراء: ۲/ ۲۴۸، کتاب الروضتین: ۹۸، الدارس: ۱/ ۴۸۴۔

علومِ اوائل اور طب وغیرہ میں ۱۲۳ مجلدات تھیں (۱)۔

مذکورہ بالا بیان سے Division, Main Classes اور ترتیب کا پتہ چلتا ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیٹلاگ کلاسی فائڈ آرڈر میں تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذاتی کتب خانوں میں بھی کتابیں موضوعی ترتیب سے رکھی جاتی تھیں۔

۱۔ کتاب الروضتین: ۹۸، الدارس: ۱/ ۳۸۴۔

(ب) مفسرین کے کتب خانے

قرآن کی تفسیر کے لیے ایک مفسر کو جن علوم کی احتیاج ہوتی ہے ان کی تعداد پندرہ ہے (۱)۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان علوم کا ذخیرہ کم وبیش ہر مفسر کے پاس رہتا تھا، ان مفسروں میں بعض ایسے مفسر بھی گزرے ہیں جن کی تفاسیر کے مطالعہ سے مفسر کو استغنا نہیں لہٰذا ایسے مفسرین کی تفسیریں کم وبیش ہر مفسر کے کتب خانے کی زینت ہوتی تھیں۔

مفسرینِ علومِ قرآن سے خصوصی شغف کی بناء پر تفاسیر سے متعلق علوم کا خصوصاً اسلامی وادبی علوم کا عموماً اچھا ذخیرہ رکھتے تھے نمونے کے طور پر ہم نے صرف تین مفسروں کا ذکر کیا ہے۔

۱- ابوبکر محمد بن القاسم انباری کا کتب خانہ:

ابوبکر محمد بن القاسم بن محمد انباری (۲۷۱-۳۲۸ھ/ ۸۸۴-۹۴۰ء) حدیث، تفسیر، لغت، قرأت، ادب، نحو کے امام ومصنف، خلیفہ راضی باللہ کے شہزادوں کے اتالیق اور حاضر جوابی میں ضرب المثل تھے (۲)۔ موصوف کو پندرہ صندوق کتابیں اور ایک سوبیس قرآن کی تفسیر زبانی یاد تھیں (۳)۔ ایک مرتبہ یہ بیمار ہوگئے دوست وشاگرد مزاج پرسی کو آنے لگے ان کے والد کو بہت بے چین دیکھا تسلی دینے لگے قاسم نے کہا مجھے ایسے فرزند کی بیماری سے بے قراری کیوں نہ ہو جو وہ تمام کتابیں یاد رکھتا ہو جنہیں تم اپنی آنکھوں سے ''حیری'' میں دیکھ رہے ہو۔ ''حیری'' یہ وہ مکان تھا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ (۴)

۲- ابو یوسف عبدالسلام بن محمد المعروف بابنِ بندار کا کتب خانہ:

ابو یوسف عبدالسلام بن محمد بن یوسف قزوینی معتزلی المعروف بابنِ بندار (۳۹۲-۴۸۸ھ/ ۱۰۰۲-۱۰۹۵ء) نامور مفسر، فقیہ، متکلم، استاد ومصنف تھے، کتابوں کے دلدادہ تھے، اصفہان، ہمدان، رَے وطرابلس وغیرہ سے بہت کتابیں جمع کی تھیں۔ مصر وغیرہ سے گران قیمت میں بھی کتابیں خریدی تھیں اس لیے آخر

۱- الاتقان: ۲/ ۱۸۰۔ ۲- تاریخ بغداد: ۳/ ۱۸۲، الأنساب (الأنباری)، طبقات الحنابلہ: ۲/ ۷۰، معجم الأدباء: ۷/ ۷۳، انباہ الرواۃ: ۳/ ۲۰۲، نزھۃ الالباء: ۱۸۱۔ ۳- انباہ الرواۃ: ۳/ ۲۰۲، معجم الأدباء: ۷/ ۷۳، غایۃ النھایہ: ۲/ ۲۳۱۔
۴- تاریخ بغداد: ۳/ ۱۸۲، نزھۃ الألباء: ۱۸۷، طبقات الحنابلہ: ۲/ ۷۰، انباہ الرواۃ: ۳/ ۲۰۲۔

میں شادی کی تھی۔

ابنِ بندار جب مصر سے بغداد میں داخل ہوئے تو مختلف علوم وفنون کی کتابیں دس اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں ان میں زیادہ تر کتابیں مشہور خطاط و نامور مصنفین کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، ان میں ساٹھ صرف تفسیریں تھیں اور ان کے علاوہ فقہ، ادب، تفسیر، کلام وغیرہ کی چالیس ہزار مجلد کتابیں تھیں جو ان کے انتقال کے بعد کئی برس میں فروخت ہوئی تھیں۔ اس ذخیرے میں ان کی اپنی تصانیف سینکڑوں کی تعداد میں تھیں صرف قرآن کی تفسیر ہی موصوف نے تین سو مجلدات سے زیادہ میں لکھی تھی (۱)۔ بعض تذکرہ نگار چار سو (۲) اور بعض سات سو (۳) مجلدات بتاتے ہیں۔ یہ اسلام میں سب سے بڑی تفسیر ہے جسے ابنِ بندار نے مشہدِ ابی حنیفہ میں وقف کیا تھا (۴)۔

ابنِ بندار قزوینی نے تفاسیرِ قرآن کی جو تعداد بتائی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے کتب خانہ کی موضوعی فہرست (کیٹلاگ) کتابی صورت میں موجود تھی۔ تذکرہ نگاروں کا کتب خانہ کی جملہ مجلدات کو بیان کرنا اس کے کتب خانہ کی فہرست کا شاہدِ عدل ہے۔

ابنِ بندار قزوینی اپنے کتب خانے سے اہلِ علم ومربی علم وفن کو کتابیں بھی نذر کرتے تھے۔

ابنِ بندار کے کتب خانے کی جملہ مجلدات کی تعداد میں مؤرخین کے دو قول ہیں۔ عبدالقادر قرشی نے چالیس ہزار مجلدات بیان کی ہیں اور صفدی نے چار ہزار مجلدات بتائی ہیں، جرجی عواد نے مؤخر الذکر قول کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ دس اونٹوں پر چالیس ہزار کتابیں نہیں آسکتیں لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ابنِ بندار کے ورودِ بغداد کے موقع پر ان کے پاس چار ہزار مجلدات ہوں پھر کتابوں میں اضافہ ہوتے ہوتے آخر میں چالیس ہزار مجلدات ہوگئی ہوں یا کئی مرحلوں میں ان کی کتابیں بغداد منتقل ہوئی ہوں۔ صفدی نے ورودِ بغداد کی تعداد پر اکتفاء کیا ہو اس صورت میں مؤرخین کے اقوال میں اختلاف باقی نہیں رہتا۔

۱-الجواھر المضیۃ: ۱/ ۳۱۶، الطبقات الشافعیہ الکبری: ۵/ ۱۲۲، طبقات المفسرین: ۱۹، المنتظم: ۹/ ۹۰۔

۲-المنتظم: ۹/ ۹۰، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۱۵۰، الطبقات الشافعیۃ الکبری: ۲/ ۱۲۲۔ ۳-الطبقات الشافعیۃ الکبری: ۵/ ۱۲۱-۱۲۲، لسان المیزان: ۴/ ۱۱-۱۲۔

۴-النجوم الزاھرۃ: ۵/ ۱۵۶، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۵۲، مدارس بغداد فی العصر العباسی: ۲۲۔

۳-ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی کا کتب خانہ:

ابوالحسن علی بن احمد بن محمد واحدی نیشاپوری شافعی (۳۹۸-۴۶۸ھ/۱۰۰۷-۱۰۷۶ء) بلند پایہ مفسر، فقیہ، محدث، لغوی، نحوی، ادیب، شاعر و یکتائے زمانہ استاد تھے(۱) واحدی تاجر کے بیٹے تھے مگر علم کی راہ میں ساری دولت لٹادی تھی(۲) موصوف کے شاگرد مورخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے:

''واحدی نے بچپن اور جوانی تحصیلِ علوم میں بسر کی اور کتابوں کے اصل نسخے جمع کیے(۳) پھر واحدی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں منہمک ہوگئے، نصابی نقطۂ نگاہ سے تصانیف کیں انہیں حسن قبول حاصل ہوا۔

ان کی کتابوں کی حسن ترتیب وتدوین پر سب کا اتفاق ہے۔ استادانِ فن اپنے اسباق میں ان کا حوالہ دیتے تھے(۴)۔

امام غزالیؒ نے انہی کی کتابوں کو دیکھ کر اپنی کتابوں کے نام ''الوجیز'' ''الوسیط'' ''البسیط'' رکھے تھے وہ ان کی تفسیر کے بہت ہی مداح وقائل تھے(۵)۔

۞ ۞۞

۱-انباہ الرواۃ: ۲/ ۲۲۳، بغیۃ الوعاۃ: ۲/ ۱۴۵، طبقات المفسرین: ۲۳، الفلاکۃ والمفلوکون: ۱۵۲، طبقات الشافعیۃ: ۲/ ۵۳۹، غایۃ النھایۃ: ۵۲۳، العبر: ۳/ ۲۶۷۔ ۲-الفلاکۃ والمفلوکون: ۱۵۳، معجم الأدباء: ۵/ ۹۷، طبقات الشافعیۃ: ۵/ ۲۴۰۔

۳-السیاق، ورق: ۶۷۔ ۴-البدایہ والنھایۃ: ۱۲/ ۱۴، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۳۳ و ۳/ ۳۰۴۔ ۵-الفلاکۃ والمفلوکون: ۱۵۳۔

(ج) محدثین کے کتب خانے

محدثین کا ابتداء ہی سے خزانۃ الکتب کے فروغ، وسعت و کثرت میں غیر معمولی حصہ رہا ہے جس کی بڑی وجہ بقول حافظ حدیث مروان بن محمد التوفی ۲۱۰ھ یہ تھی کہ کسی محدث کو راست گوئی، حفظ اور صحتِ کتب کے بغیر چارہ نہ تھا اگر وہ صفتِ صدق (راست گوئی) صحتِ کتب سے آراستہ ہوتا اس کی تضعیف ممکن نہ تھی، اگر اس کی یادداشت قوی نہ ہوتی تو وہ اپنی صحیح کتابوں کو دیکھ کر حدیثیں بیان کر سکتا تھا(۱) اس بناء پر محدثین میں ہر ایک محدث ذاتی کتب خانہ رکھتا تھا(۲)۔ مذکورۂ بالا صفات سے آراستہ رہنا محدثین کے قیام کتب خانہ کا محرک تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتابوں کو جمع کرنا، ان کی حفاظت کرنا اور توسیع و اشاعت کرنا، محدثین کے فرائضِ منصبی میں سے تھا۔ محدثین اپنے اصل نسخوں کو محض تصرف کے خطرہ کی وجہ سے اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے اپنی موجودگی میں ان کی نقل کراتے اگر وہ کسی کو دیتے تو نہایت قابلِ اعتماد شاگرد اور عالم کو دیتے تھے جس کے متعلق انہیں ادنیٰ سے تصرف وضیاع کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا(۳)۔

ابوالعباس احمد بن محمد بن خلیل مفرج اموی معروف بعشاب جو بلند پایہ محدث و طبیب اور جڑی بوٹیوں کے ماہر تھے، فرماتے تھے، حدیث و نباتات کی صنعت میں قدرِ مشترک موجود ہے ان کا مواد، رحلہ (تحصیل و تحقیق اور علم کی خاطر سفر) کتابت، تصحیحِ اصول و مشکلاتِ لفظیہ کی تحقیق نیز حفظِ ادیان وابدان ہے(۴)۔

محدثین کی شنیدہ و تحریر کردہ روایات میں مطابقت شرط ہے۔ یہ امر بھی ان کے کتب خانہ رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کا محرک تھا(۵)۔

بعض محدثین کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اور طلبِ حدیث دو جداگانہ امر ہیں، طلبِ حدیث ایک اصطلاح ہے جو ماہیتِ حدیث کی تحصیل پر چند زائد امور سے عبارت ہے وہ امورِ علم کی ترقی کا باعث ہیں محدث کو ان میں زیادہ تر حسب ذیل امور سے شغف رہتا ہے:

۱- حدیث کی کتابوں کے عمدہ نسخے حاصل کرنا۔

۱- تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۳۴۹۔ ۲- الالماع: ۱۳۵۔ ۳- مقدمۃ ابن الصلاح و شرحہ التقیید والایضاح: ۱۸۴-۱۸۵، نزہۃ النظر: ۲۵۔
۴- الاحاطۃ فی أخبار غرناطۃ: ۱/ ۲۱۵۔ ۵- الالماع: ۱۳۵-۲۰۱۔

۲- عالی سند رکھنا۔

۳- زیادہ شیوخ سے سند لینا۔

۴- مسند، محدث و حاکم وغیرہ کے لقب سے ممتاز ہونا۔

۵- درازی عمر کا آرزومند رہنا۔

۶- بعض باتوں میں یکتا ہونا(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ شروع ہی سے کتب حدیث کے عمدہ نسخے حاصل کرنا ایک محدث کے لیے لازمی امر تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ محدثین حدیث تین مقاصد کے تحت قلمبند کرتے تھے۔

۱- تعمیر سیرت و عمل۔

۲- اضافۂ علم۔

۳- ضعیف راویوں کی شناخت اور ان سے اجتناب۔

یہ تمام امور محدثین کے کتب خانہ سازی کے محرکات میں سے تھے اس لیے محدثین کے منتخب کتب خانوں کی تعداد بھی دوسرے ائمۂ فن کے کتب خانوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

بعد کے دور میں محدثین کے ذخیرۂ کتب کے متعلق کہا جانے لگا تھا "زَوَامِلُ اَسْفَارٍ لَایَدْرُوْنَ مَا مَعَهُمْ" "یہ کتابوں کے بورے ہیں ان حدیث دانوں کو معلوم نہیں کہ ان کے کتابی ذخیروں میں کیا ہے۔"(۲)

۱- ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی (۹۷-۱۶۱ھ/۷۱۶-۷۷۸ء) اپنے زمانے میں فنِ حدیث، تفسیر، فقہ، زہد و ورع کے امام، محدث، حافظِ حدیث، مجتہد و مصنف اور صاحبِ مذہب تھے۔ تفسیر، حدیث، زہد و خلافیات کے موضوع پر کتابیں لکھی تھیں۔(۳)

ان کا خزانۃ الکتب کوفہ میں نو قمطر کتابوں پر مشتمل تھا(۴) موصوف کے ذخیرۂ علمی میں امام ابوحنیفہ کی

۱- تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۰۵۔ ۲- نقد العلم والعلماء: ۱۱۳۔ ۳- مشاہیر علماء الامصار: ۱۶۹-۱۷۰، الفہرست: ۳۱۵، تاریخ بغداد: ۹/ ۱۵۲، وفیات الاعیان: ۱/ ۲۱۰، ابن حجر: ۴/ ۱۱۴۔ ۴- تاریخ بغداد: ۹/ ۱۶۱۔

تصانیف بھی تھیں جو انہوں نے اپنے کتب خانہ کے لیے نقل کی تھیں، ثوری نے عمار بن سیف کو اپنی کتابیں جلا دینے کی وصیت کی تھی اس کے مطابق انہوں نے ان کو جلا دیا تھا محمد بن حسین المعروف با بن بعرہ کے خزانۃ الکتب میں ثوری کے بعض نوشتے محفوظ تھے (۱)۔

۲-ابو جعفر احمد بن مہدی اصفہانی کا کتب خانہ:

ابو جعفر احمد بن مہدی بن رستم اصفہانی (۰۰-۲۷۲ھ/۰۰-۸۸۵ء) یہ نامور محدث تھے، موصوف نے اپنے کتب خانہ میں کتابوں کے صحیح صحیح نسخے جمع کیے تھے اور ان پر موصوف نے تین لاکھ درہم خرچ کیے تھے (۲)۔

۳-ابو اسامہ حماد بن اسامہ مولی بنی ہاشم کوفی کا کتب خانہ:

ابو اسامہ حماد بن اسامہ بن زید مولی بنی ہاشم کوفیؒ (۱۲۱-۲۰۱ھ/۷۳۰-۸۱۷ء) حافظ حدیث، مؤرخ اور زاہد تھے۔ ان کی کتابیں نہایت صحیح تھیں (۳)۔ موصوف اہلِ علم کو کتابیں عاریۃً دیتے تھے۔ وکیع نے ان کو منع کیا تھا کہ کتابیں عاریتاً دینے سے ضائع ہو جاتی ہیں مگر یہ اس سے باز نہیں آئے۔

آخر عمر میں ان پر زہد کا غلبہ ہو گیا تو انہوں نے تمام کتابیں زیر زمین دفن کر دی تھیں (۴)۔

۴-ابو محمد روح بن عبادہ قیسی بصری کا کتب خانہ:

ابو محمد روح بن عبادہ بن العلاء بن حسان قیسی بصری (۰۰-۲۰۵ھ/۰۰-۸۲۰ء) محدث حافظِ حدیث و مصنف تھے، حدیث، تفسیر وفقہ وغیرہ کی احادیث اور کتابوں کا نہایت عمدہ ذخیرہ جمع کیا تھا اور ان موضوع پر کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔

علی بن المدینیؒ نے ان کے کتب خانے میں ایک لاکھ سے زیادہ لکھی ہوئی حدیثیں دیکھی تھیں ان میں سے دس ہزار حدیثیں انہوں نے نقل بھی کی تھیں (۵)۔ ان کے ذخیرۂ کتب میں مسائل زہری بھی تھے یہ اپنے

۱-عیون الاخبار: ۲۱۹، الفہرست: ۶۱، ۳۱۵، الامام الثوری وکتابہ فی التفسیر: ۱۸۰-۱۸۱، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۹۱-۱۹۲۔

۲-کتاب ذکر اخبار اصبہان: ۱/۸۵۔ ۳-تاریخ الاسلام: ۱/۳۲۱، میزان الاعتدال: ۱/۵۸۸۔ ۴-تہذیب التہذیب: ۳/۳۔

۵-تاریخ بغداد: ۸/۴۰۱، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۵۰، تہذیب التہذیب: ۳/۲۹۲-۲۹۴۔

کتب خانہ سے لوگوں کو کتابیں عاریتاً دیتے تھے۔عثمان بن عمر نے ان سے کتاب ہشام عاریتاً لی تھی (۱)۔

۵-ابوخیثمہ زہیر بن حرب شداد نسائیؒ کا کتب خانہ:

ابوخیثمہ زہیر بن حرب بن شداد نسائی (۱۶۰-۲۳۴ھ/ ۷۷۷-۸۴۸ء) بلند پایہ محدث بغداد، حافظِ حدیث ومصنف تھے (۲)۔ کتابوں کے شوقین تھے ان کے پاس احادیث اور اپنی تصانیف کا ذخیرہ تھا۔

موصوف نے یحییٰ بن معین کے مرنے کے بعد ان کا کتب خانہ دوسو دینار میں خریدا تھا (۳)۔

۶-ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم رازیؒ کا کتب خانہ:

ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید رازی (۲۰۰-۲۶۴ھ/ ۸۱۵-۸۷۸ء) موالی میں سے تھے، فنِ حدیث ورجال کے امام، بلند پایہ محدث، حافظِ حدیث تھے۔ بہت لکھا تھا۔ ایک لاکھ حدیثیں ابراہیم فراء اور ایک لاکھ ابنِ ابی شیبہ سے نقل کی تھیں (۴)۔

موصوف کا کتب خانہ ''بیت الکتب'' کے نام سے موسوم تھا چنانچہ ایک مرتبہ محمد بن مسلم بن وارہ المتوفی ۲۷۰ھ اور فضل بن العباس الصائغ المتوفی ۲۷۰ھ میں حدیث کا مذاکرہ شروع ہوا ابن وارہ نے ایک حدیث پڑھی اور الصائغ نے انہیں ٹوکا حدیث یوں نہیں، بحث شروع ہوگئی، فضل صائغ بولے فیصلہ ابوزرعہ پر ہے یہ ابوزرعہ کے پاس آئے، ابن وارہ نے ابوزرعہ کو قصہ سنایا اور پوچھا آپ کیا فرماتے ہیں ہم میں سے کون غلطی پر ہے، ابوزرعہ خاموش رہے، ابوزرعہ اور تغافل کرنے لگے ابنِ وارہ کا اصرار بڑھا اور کہنے لگے اگر میں غلطی پر ہوں یا وہ بتا دیجیے، فرمایا ابوالقاسم کو بلاؤ اس سے فرمایا ذرا ''بیت الکتب'' میں جاؤ اور قمطر اول سے سولہ تک گننے کے بعد سترہواں قمطر اٹھالاؤ، وہ اٹھالایا ابوزرعہ نے ورق پلٹا اور حدیث نکال کر ابنِ وارہ کو دے دی انہوں نے پڑھی اور کہا بلاشبہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے (۵)۔

اس لیے ابوزرعہ فرماتے تھے: ''میرے گھر میں پچاس برس سے حدیثیں لکھی ہوئی رکھی ہیں جب سے

۱-تاریخ بغداد: ۸/ ۴۰۴۔ ۲-ایضاً: ۸/ ۴۸۲۔ ۳-تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۸۳۔

۴-ایضاً: ۱۰/ ۳۲۷، کتاب الجرح والتعدیل: ۷/ ۳۳۔ ۵-تاریخ بغداد: ۱۰/ ۳۳۰-۳۳۱۔

انہیں لکھا ہے مطالعہ نہیں کر سکا ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ کون سی حدیث کس کتاب کے کس ورق، کس صفحے اور کس سطر میں موجود ہے۔"(۱)

عہدِ عباسی کے یہ انفرادی کتب خانے تھے لیکن اپنی ہیئت کے اعتبار سے ذاتی کتب خانوں کی حیثیت رکھتے تھے یہ ادارے تھے بلکہ ادارہ جاتی کتب خانے کہے جانے کے مستحق ہیں کیوں کہ یہ جن کے کتب خانے تھے وہ عوامی کتب خانوں کے تمام وظائف ولوازمات (Functions) تعلیم، تحقیق وذوقِ جمال کی تسکین کا سامان مہیا کرتے تھے۔

۷-ابوالحسن علی بن عبداللہ جعفر مولی سعدی بصری ابن المدینیؒ کا کتب خانہ:

ابوالحسن علی بن عبد اللہ بن جعفر مولیٰ سعدی بصری المعروف بابن المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ/ ۷۷۸-۸۴۸ء) بھی موالی کی اولاد سے تھے۔ حافظِ حدیث، محدث ابن محدث، فقیہ، اصولی، مؤرخ، انساب و رجال کے ماہر، لغوی اور دوسرے علوم میں مناسبت رکھتے تھے، فنِ حدیث کے امام و بلند پایہ مصنف تھے(۲)۔ امام احمد بن حنبل جلالت علمی کی بناء پر انہیں نام کے بجائے کنیت سے یاد کرتے تھے(۳)۔

موصوف کتابیں قمطر میں رکھتے تھے، ایک مسند قرطاس پر لکھی اور گھر میں اسے ایک بڑے قمطر میں رکھ کر سفر پر روانہ ہو گئے جب آ کر قمطر کے ہاتھ لگایا تو بہت وزنی معلوم ہوا کھول کر دیکھا تو دیمک چاٹ چکی تھی بہت صدمہ ہوا اور ساری مسرت جاتی رہی(۴)۔ اس سے ان کے کتابوں سے شغف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا کتب خانہ گھر ہی میں تھا۔

ان کے ذخیرۂ کتب میں امام شافعی کے "کتاب الرسالہ" کے علاوہ ان کی دوسو (۲۰۰) تصانیف بھی تھیں جن میں سے حدیث و رجال کی بعض کتابوں کے نام حاکم نے "معرفۃ علوم الحدیث" میں تقریباً ایک صفحے میں گنائے ہیں اور لکھا ہے "ہم نے اس مقام پر ان کی تصانیف کی فہرست پر اکتفاء کیا ہے جو ان کے تبحر علمی، فن میں برتری و کمال علمی کی دلیل ہے"(۵)۔

۱-تہذیب التہذیب: ۷/ ۳۳۰-۳۳۱۔ ۲-تاریخ بغداد: ۱۱/ ۴۵۸، طبقات الفقہاء: ۱۰۳-۱۰۴، الطبقات الشافعیۃ الکبری: ۲/ ۴۵، تہذیب الاسماء واللغات: ۱/ ۳۵، الفہرست: ۳۲۲، طبقات الحنابلہ: ۱/ ۱۶۸، تہذیب التہذیب: ۷/ ۳۵۲۔

۳-تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۴۲۸، تاریخ بغداد: ۱۱/ ۴۵۸-۴۵۹۔ ۴-تاریخ بغداد: ۱۱/ ۴۶۲، تہذیب التہذیب: ۷/ ۳۵۲۔

۵-معرفۃ علوم الحدیث: ۷۱-۷۲، تہذیب الاسماء واللغات: ۱/ ۳۵۰۔

ابن الندیم نے "الفہرست" میں ان کی صرف چھ کتابوں کے نام نقل کیے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نامور مصنفین کی تصانیف کا کس قدر کم ذخیرہ کتاب "الفہرست" میں آسکا ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ابن الندیم کی کتاب الفہرست سے زیادہ اعتناء نہیں کیا نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین، فقہاء وغیرہ کی تصانیف کی کتابیات تیار کی جاتی تھی اور اس کی اشاعت ان کے شاگردوں اور راویانِ کتب کے ذریعے ہوتی تھی۔

۸-ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل مولیٰ جعفی بخاریؒ کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم مولیٰ جعفی بخاریؒ (۱۹۴-۲۵۶ھ/ ۸۱۰-۸۷۰ء) حافظِ حدیث، حجت، فنونِ حدیث میں مجتہد اور کثیر التصانیف مصنف تھے(۱)۔ ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے حدیث لکھی تھیں، اٹھارہ برس کی عمر سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔(۲) اور تین لاکھ حدیثوں سے انتخاب کرکے صحیح بخاری لکھی تھی (۳)۔

موصوف کے کتب خانہ میں تین لاکھ حدیثوں کے علاوہ عبداللہ بن المبارک، وکیع اور موصوف کی اپنی تصانیف کا بھی ذخیرہ محفوظ تھا (۴)۔ اس دور میں ان کا یہ ذخیرۂ تالیف بھی ایسا عظیم الشان ذخیرہ تھا جس سے اسلامی کتب خانوں کی تاریخ میں صرفِ نظر نہیں کی جاسکتی۔

"صحیح بخاری" میں موصوف نے صرف استنباطِ مسائل کی خاطر اسلامی علوم کی درجہ بندی اور عنوانات کی ترتیب و "تبویب" بہت انوکھے طریقہ پر کی ہے، اسلامی علوم کی درجہ بندی کی تاریخ میں بخاریؒ کی تبویب بڑی اہمیت و افادیت کی حامل ہے، بخاریؒ نے یہ اہم کام روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور منبر کے مابین دوگانہ ادا کرکے انجام دیا تھا (۵)۔ اس دور میں حدیث میں اتنے زیادہ ابواب اور نوع بنوع تبویب کی یہ پہلی کوشش تھی۔

امام بخاریؒ نے "التاریخ الکبیر" میں صحابہؓ سے اپنے دور تک راویوں کے حالات قلمبند کیے ہیں، یہ علمی وفنی اعتبار سے بڑی اہم و مستند کتاب ہے حروفِ تہجی پر مرتب ہے موصوف نے اسے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھا تھا (۶) اور "التاریخ الصغیر" اسماء الرجال میں ایک مختصر کتاب (Hand-Book) ہے اس میں راویوں کے حالات بترتیب سنین ذکر کیے ہیں یہ دونوں کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی

۱-الفہرست:۱/۳۲۱-۳۲۲، تاریخ الاسلام:۲/۵۵۵، العبر:۲/۱۲۔ ۲-تاریخ بغداد:۲/۷، تذکرۃ الحفاظ:۲/۵۵۵،

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ:۱/۲۱۶۔ ۳-تاریخ بغداد:۲/۸-۱۴۔ ۴-ایضاً:۷، طبقات الحنابلہ:۱/۲۷۶۔

۵-تاریخ بغداد:۲/۹۔ ۶-تذکرۃ الحفاظ:۲/۵۵۵۔

ہیں، ''کتاب الکنی'' میں ایک ہزار راویان حدیث کی کنیتوں کو بیان کیا گیا ہے (۱)۔

موصوف علمی مصروفیت کی وجہ سے اپنے لکھنے کے لیے کاغذ اور سیاہی بھی کسی کو رقم دے کر منگواتے تھے ان چیزوں کو خود خریدنے کی نوبت ہی نہیں آ سکی تھی (۲)۔

۹- ابوعبداللہ محمد ایوب بجلی رازی ابن الضریس کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد ایوب بن یحییٰ بجلی رازی، المعروف بابن الضریس (۲۰۰-۲۹۴ھ/۸۱۶-۹۰۶ء) محدث ابن محدث، حافظِ حدیث، مسند و مصنف تھے، کتابوں کے شوقین تھے بہت کتابیں نقل کی اور کرائی تھیں اور کتابوں کی نقل حاصل کرنے پر زرِ خطیر صرف کیا تھا۔ موصوف کا بیان ہے: ''میں جب آخری مرتبہ بصرہ آیا میں نے وراقوں کو دس ہزار درہم اجرت ادا کی تھی'' (۳)۔

موصوف کے مذکورۂ بالا بیان سے ان کے کتب خانے کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مصر اہلِ علم کا مرکز تھا یہاں نقل نویس بہت زیادہ تھے اور سوق الوراقین ان سے بھرا ہوا تھا اس لیے اہلِ علم یہاں بار بار آتے اور کتابیں نقل کراتے تھے۔

۱۰- ابوعبداللہ محمد بن سنجر جرجانی ثم قطائی مصری کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن سنجر جرجانی ثم قطائی مصری (۰۰-۲۵۸ھ/۰۰-۸۷۱ء) محدث، حافظِ حدیث و مصنف تھے (۴)۔ حدیثیں لکھی (۵) اور اجرت پر کتابیں نقل کرائی تھیں موصوف نے ایک علمی سفر کے موقع پر نو ہزار دینار صرف کتابوں کے نقل کی اجرت ادا کی تھی۔

قطائی کا بیان ہے: ''میں نے علمی سفر کیا، اسحاق کوسج میرے ہمراہ تھے نو ہزار پانچ سو دینار پاس تھے، اسحاق میرے لیے ہر شہر میں اجرت پر کتابیں نقل کرتے اور شادی کرتے، میں ان کا مہر ادا کرتا تھا'' (۶)۔

موصوف کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ مشرق میں اسلامی قلمرو کے ہر شہر

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۴/ ۱۲۳۔ ۲- تاریخ بغداد: ۲/ ۶۱۔ ۳- تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۶۴۳، شذرات الذہب: ۲/ ۲۱۶۔

۴- ایضاً: ۸/ ۵۷۸، العبر: ۲/ ۱۷۔ ۵- تاریخ جرجان: ۷/ ۳۳، الانساب، ورق: ۴۵۶، ب، اللباب: ۳/ ۴۳۔

۶- الانساب، ورق: ۴۵۶، حسن المحاضرۃ: ۱/ ۳۴۸۔

میں سوق الکتب (کتابوں کا بازار) اور کتب خانے موجود تھے۔ شائقینِ کتب کتابوں کے حاصل کرنے کے لیے سفر کرتے تو سفر میں وراق بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

۱۱- ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ مولیٰ ذہلی نیشاپوری کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ مولیٰ ذہلی نیشاپوری (۱۷۲-۲۵۸ھ/ ۷۸۸-۸۷۲ء) موالی کی اولاد میں سے تھے۔ محدثِ خراسان، حافظِ حدیث، علومِ حدیث کے امام ومصنف تھے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار درہم تعلیم پر خرچ کیے تھے(۱)۔ بہت مرویات جمع کی تھیں، بہت لکھا اور کتابیں مدون کی تھیں۔(۲)

ان کے پاس بڑا کتب خانہ تھا جس میں ان کی مسموعات ومصنفات رکھی ہوئی تھیں، اس کتب خانہ میں زہری کی مرویات کا خاص ذخیرہ تھا۔ موصوف نے انہیں دو جلدوں میں جمع کیا تھا(۳)۔ اور اس اختصاص کی وجہ سے زہری کی نسبت سے بھی مشہور تھے(۴)۔ امام احمد بن حنبل زہری کی مرویات کے لیے محدثین کو ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے(۵)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں خصوصی کتب خانہ کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔

موصوف کے کتب خانے کے متعلق ان کے فرزند ابوزکریا یحییٰ کا بیان ہے:

''میں ابّا جان کے پاس سخت گرمی میں دوپہر کو آرام کے وقت پہنچا تو دیکھا کہ اپنے کتب خانے میں بیٹھے ہوئے تصنیف میں منہمک ہیں، چراغ جل رہا ہے میں نے عرض کیا ابّا جان یہ نماز کا وقت ہے اور دن میں اس چراغ کا دھواں! کاش اس کو آپ دُور رکھتے، فرمایا! جان پدر! میں اس وقت رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہؓ و تابعینؒ کے ساتھ مصروف تھا''(۶)۔

مؤرخ ذہبی کا خیال ہے کہ حدیثِ زہری کی تدوین کے زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا تھا(۷)۔

مؤرخین نے موصوف کے متعلق ''کتب الکثیر'' و''دون الکتب'' بہت لکھا اور کتابیں تصنیف کیں کے الفاظ لکھے ہیں۔

۱- الوافی بالوفیات: ۷/۱۸۶۔ ۲- تہذیب التہذیب: ۹/۵۱۲۔ ۳- تاریخ بغداد: ۶/۳۵۱۔ ۴- الانساب: ۶/۳۱۵۔

۵- تاریخ بغداد: ۳/۴۱۷، تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۱۲-۵۱۳۔ ۶- ایضاً: ۲/۴۱۹۔ ۷- تاریخ الاسلام: ۲/۵۳۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اس سے مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس کے پاس کتابیں اتنی ہوں کہ گھر بھرا ہو۔

مذکورۂ بالا واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علم کی اشاعت، کتابوں کی تدوین اور نشر واشاعت میں محدثین نے آرام وآسائش کیا، جان کی بھی پروانہیں کی تھی۔

۱۲-ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوریؒ کا کتب خانہ:

ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری (۲۰۴-۲۶۱ھ/ ۸۲۰-۸۷۵ء) مشہور محدث، حافظِ حدیث، فنِ حدیث ورجال کے امام تھے۔ تذکرہ نگار، ان کا ذکر "الامام الحافظ حجۃ الاسلام" کے الفاظ سے کرتے ہیں جن القاب وصفات کے ساتھ امام بخاریؒ کا تذکرہ نگار ذکر کرتے ہیں کم وبیش انھی الفاظ کے ساتھ امام موصوف کو یاد کرتے ہیں ان کے پاس حدیث ورجال کا اچھا کتب خانہ تھا۔ احمد بن سلمہ کا بیان ہے:

"ایک موقع پر مذاکرہ کی مجلس منعقد ہوئی ایک حدیث کا ذکر چھڑا موصوف نے اس پر بحث نہیں کی گھر واپس آئے رات ہوگئی تھی چراغ جلایا، اہلِ خانہ سے کہا تم میں سے کوئی اب کتب خانہ میں نہ آئے، عرض کیا گیا ایک ٹوکرا کھجور کا آیا ہوا رکھا ہے فرمایا میرے پاس کتب خانہ میں رکھ دو حدیث ڈھونڈتے جاتے اور کھجور کھاتے جاتے تھے اس میں صبح ہوگئی تو ٹوکرا بھی خالی ہوگیا حدیث بھی مل گئی اور امام مسلم بھی جان بحق ہوگئے"(۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کا کتب خانہ علیحدہ کمرے میں تھا اور ذخیرہ اتنا زیادہ تھا کہ ایک حدیث کی جستجو میں پوری رات گزر گئی تھی۔

۱۳-ابوزکریا یحییٰ بن معین سری بغدادیؒ کا کتب خانہ:

ابوزکریا یحییٰ بن معین بن عون سری بغدادی (۱۵۸-۲۳۳ھ/ ۷۷۵-۸۴۸ء) موالی کی اولاد سے تھے، موصوف کو "حجۃ الاسلام" "سید الحفاظ" اور "امام الجرح والتعدیل" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے (۲)۔ چھ لاکھ حدیثیں تو اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں (۳)۔ اور ایک سو چودہ قمطر اور بہشتی والے چار بڑے مٹکے کتابوں سے

۱-تاریخ بغداد: ۱۳/ ۱۰۳، المنتظم: ۵/ ۳۲، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۳۴، تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۱۲۷۔
۲-تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۷۷، العبر: ۱/ ۴۱۵، تہذیب التہذیب: ۱۱/ ۲۸۱۔
۳-تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۴۳۰، العبر: ۱/ ۴۱۵، شرح علل الترمذی: ۱۸۸۔

بھرے ہوئے موجود تھے۔ موصوف نے وفات کے وقت کتابوں کے تیس ۳۰ قمطر اور بیس ۲۰ بھرے ہوئے مٹکے چھوڑے تھے، قاضی یحییٰ بن اکثم المتوفی ۲۴۲ھ نے ان کی کتابیں دو سو دینار میں لینا چاہیں مگر ابوخیثمہ زہیر بن حرب بغدادی نے ان سے پہلے خرید لیں اور قاضی ابن اکثم اس سے محروم رہ گئے(۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں کتابوں کے شائقین کی کثرت ہوگئی تھی قاضی اور جسٹس جیسے بااثر لوگ بھی ایک معمولی عالم کے مقابلہ میں کتابیں حاصل کرنے میں ناکام ہوجاتے تھے۔

۱۴-ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید مولیٰ بن ہاشم ہمدانی کوفی زیدیؒ کا کتب خانہ:

ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید مولی بن ہاشم ہمدانی کوفی زیدی جارودی شیعی المعروف بابن عقدہ (۲۵۰-۳۳۲ھ/ ۸۶۲-۹۴۴ء) ان کا باپ نحوی و وراق تھا اس کا لقب عقدہ تھا، اس لئے موصوف ابن عقدہ کے لقب سے مشہور تھے۔ محدث، حافظِ حدیث و مصنف تھے۔ کوفہ میں ان کے پاس چھ سو بارِ شتر کتابیں تھیں۔

ابوالعباس بن عقدہ نے اپنی قیام گاہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا چاہا تو کتابیں اٹھوا کر لے جانے کے لیے حمالوں سے بات چیت کی، اونٹ والوں سے ہر پھیرا ایک دانق میں طے ہوا تو ان کی اجرت سو درہم بنی اور کتابیں چھ سو بارِ شتر تھیں(۲)۔

۱۵-ابوالعباس احمد بن منصور ثابت شیرازیؒ کا کتب خانہ:

ابوالعباس احمد بن منصور بن ثابت شیرازی (۲۹۴-۳۸۲ھ/ ۹۰۶-۹۹۲ء) محدثِ شیراز، حافظِ حدیث تھے۔ علوم حدیث کا اتنا ذخیرہ جمع کیا جو معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھا اس ذخیرہ میں تین لاکھ حدیثیں صرف امام طبرانیؒ سے منقول و محفوظ تھیں(۳)۔

۱-تاریخ بغداد: ۱۴/ ۱۸۳، وفیات الأعیان: ۲/ ۲۱۵، طبقات الحنابلہ: ۱/ ۱۸۳، ۴۹۵، تہذیب التہذیب: ۱۱/ ۲۸۲۔

۲-تاریخ بغداد: ۵/ ۱۸، ۱۸، المنتظم: ۶/ ۳۳۷، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۲۰۹، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۸۳۹-۸۴۰، میزان الاعتدال: ۱/ ۱۳۷، لسان المیزان: ۴/ ۲۶۴، شذرات الذھب: ۲/ ۳۳۲، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۱۷، مراۃ الجنان: ۲/ ۳۱۱۔

۳-مختصر تاریخ دمشق: ۲/ ۹۶-۹۷، الوافی بالوفیات: ۸/ ۱۸۹، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۰۹-۱۰۱۰۔

۱۶-ابوالقاسم سلیمان بن احمد عجمی شامی طبرانی کا کتب خانہ:

ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب عجمی شامی طبرانی (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء) مسند الدنیا محدث، بلند پایہ حافظ، فقیہ، فنِ رجال کے ماہر، شاعر اور کثیر التصانیف مصنف تھے، ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے سماع کیا پھر املا کرایا، موصوف جب املا کراتے تھے تو اجزاء حدیث کو اپنی بغل میں رکھتے تھے (۱)۔ حدیث کا اتنا ذخیرہ جمع کیا تھا کہ تعجب ہوتا تھا، حافظ ذکوانی کا بیان ہے کہ میں نے پوچھا اتنا ذخیرہ کیسے جمع کیا، فرمایا تیس برس تک چٹائی پر سویا ہوں (۲)۔

ان کا ذخیرۂ کتب ان کی مسموعات ومصنفات پر مشتمل تھا جن میں دو دو سو جزء کی تالیفات بھی تھیں، ان کی تصانیف کے نام ذہبی نے ایک ورق میں گنائے ہیں اور لکھا ہے کہ اکثر تصانیف کو حافظ یحییٰ بن مندہ نے خود دیکھا ہے (۳)۔

۱۷-ابو محمد عبداللہ بن قرشی مطلبی نیشاپوری المعروف ابنِ شیرویہ کا کتب خانہ:

ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن قرشی مطلبی نیشاپوری المعروف بابن شیرویہ (۰۰-۳۰۵ھ /۰۰-۹۱۷ء) محدث، حافظِ حدیث، فقیہ اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ تھا کتابوں پر اتنی رقم خرچ کی تھی کہ مفلس رہتے اور ان کے استاد بندار ان سے کہتے تھے کہ:

"تم نے مجھے مفلس کردیا (میرا تمام علم تم نے حاصل کرلیا میرے پاس اب کچھ نہیں رہا) اور تمہیں وراقوں نے مفلس کردیا" (۴)۔

۱۸-ابو حفص عمر بن احمد ابنِ شاہین کا کتب خانہ:

ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بغدادی واعظ المعروف بابن شاہین (۲۹۷-۳۸۵ھ/۹۰۹-۹۹۵ء) محدث، حافظِ حدیث، مفسر، مؤرخ، ادیب اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ ۳۰۸ھ میں احادیث کا سماع

۱-تاریخ دمشق: ۶/ ۲۴۰-۲۴۲، وفیات الاعیان: ۲/ ۲۱۵۔
۲-تاریخ دمشق: ۶/ ۲۴۰-۲۴۲، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۱۲، معجم البلدان: ۳/ ۱۸۔ ۳-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۱۳-۹۱۴۔
۴-ایضاً: ۲/ ۷۰۶۔

شروع کیا تحصیلِ علوم کے لیے شام، فارس وبصرہ وغیرہ کا سفر کیا۔ گیارہ برس کی عمر سے حدیث لکھنا شروع کیں بہت ذخیرہ جمع کیا تھا، امام الازھری کا بیان ہے:

''ابنِ شاہین کے پاس سات سو جزء صرف بغوی کی مرویات کے موجود تھے، اتنا لکھا تھا کہ سات سو درہم کی چار سو (۴۰۰) رطل سیاہی خرچ ہوگئی تھی''(۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے کتب خانے کا بجٹ بھی علیحدہ تھا، موصوف نے اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ کتابیں لکھی تھیں (۲) ان کی تصانیف کے متعلق ان کا بیان ہے:

''میں نے تین سو تیس تصنیفات لکھی ہیں، ''تفسیر الکبیر'' ایک ہزار اجزاء میں، ''المسند رک'' ایک ہزار تین جزء میں، ''التاریخ'' ڈیڑھ سو اور ''الزھد'' سو جزء میں لکھی تھیں''(۳)۔

ابنِ شاہین کے مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی تصانیف کی فہرست (کتابیات) مرتب کی تھی۔ عمادالدین حزامی نے واسط میں ان کی تفسیر تیس مجلدات میں دیکھی تھی (۴)۔ ابنِ شاہین کی تصانیف تاریخ، رجال، حدیث، تفسیر اور زھد کے موضوع پر تھیں۔

۱۹- ابوالعباس محمد بن اسحٰق سراج کا کتب خانہ:

ابوالعباس محمد بن اسحٰق بن ابراہیم مولیٰ ثقفی خراسانی نیشاپوری شافعی المعروف سراج (۲۱۶-۳۱۳ھ / ۸۳۱-۹۲۵ء) محدث، مؤرخ، شیخ خراسان، حافظِ حدیث، کثیر التصانیف (۵) اور بہت دولت مند آدمی تھے۔ کتابوں کا شوق تھا ان کے کتب خانہ میں امام مالکؒ کے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) مسائل کا مجموعہ محفوظ تھا (۶) موصوف نے اپنی کتاب ''التاریخ'' میں ایسی اہم معلومات جمع کی تھیں کہ ائمۂ فن اس سے استفادہ کی خاطر ان کے کتب خانہ میں آتے تھے۔ موصوف کا بیان ہے:

۱- تاریخ بغداد: ۱۱/ ۲۶۸۔ ۲- تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۹۸۔ ۳- تاریخ بغداد: ۱۱/ ۲۶۷، المنتظم: ۷/ ۱۹۹، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۳۱۶، ۳۱۷، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۹۸ تہذیب التھذیب: ۴/ ۲۸۴، دائرۃ المعارف قاموس عام لکل فن ومطلب: ۳/ ۲۲۸۔ ۴- تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۸۹۔ ۵- تاریخ بغداد: ۱/ ۲۴۸، المنتظم: ۱/ ۱۹۹، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۱۵، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۷۳۱، الوافی بالوفیات: ۲/ ۱۸۷، شذرات الذھب: ۳/ ۱۰۸، الطبقات الشافعیۃ الکبری: ۳/ ۱۰۸۔

۶- تاریخ بغداد: ۱/ ۲۵۱، المنتظم: ۶/ ۱۹۹، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۷۳۲۔

تاریخ بخاری کا ماخذ:

''محمد بن اسماعیل بخاری نے میری کتاب ''التاریخ'' کا مطالعہ کیا اور اس سے ورق کے ورق اپنے قلم سے نقل کیے تھے''(۱) ان کے کتب خانہ میں کتابوں کے مستند نسخے محفوظ تھے حافظ ابوعبداللہ بن اخرم کا بیان ہے:

''سراج نے صحیح مسلم پر تخریج کی تو مجھ سے بھی مدد لی، مجھے بڑی حیرت ہوئی کیوں کہ ان کے پاس احادیث کی کثرت تھی اور اصول (حوالے) کی کتابیں بھی عمدہ تھیں (۲) کتابیں کتب خانے میں منضدہ تہ بتہ رکھی ہوئی تھیں''(۳)۔

۲۰-ابوعبداللہ بن اسحاق ابنِ مندہ کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ بن اسحاق بن محمد عبدی اصبہانی المعروف باابن مندہ (۳۱۰-۳۹۵ھ/ ۹۲۲-۱۰۰۵ء) کا گھرانہ محدثین وحفاظِ حدیث کا گھرانہ تھا (۴)۔خود بھی محدث اصبہان، حافظِ حدیث، فقہ، حدیث، تاریخ ورجال کے ماہر تھے۔سترہ سو شیوخِ حدیث سے پڑھا (۵) اور کتابیں جمع کی تھیں۔جعفر مستغفری کا بیان ہے:

''میں نے ایک مرتبہ ابوعبداللہ ابنِ مندہ سے پوچھا کہ آپ نے شیوخِ حدیث سے کتنا سنا ہے۔فرمایا جتنا سنا ہے وہ پانچ ہزار من ہے۔''(۶)

جرجی عواد نے لکھا ہے کہ ''من'' کی حقیقت معلوم نہیں (۷) لیکن مؤرخ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ ''من''محدثین کی اصطلاح میں دس اجزاء کو کہتے ہیں (۸) جس کے معنی یہ ہیں ۵۰،۰۰۰ ہزار اجزاء ان کے پاس صرف اپنے شیوخ کی مسموعات پر مشتمل تھے جب تکمیلِ علوم کے بعد اصفہان واپس آئے چالیس اونٹوں پر کتابیں لے کر آئے تھے (۹)۔

۱-تاریخ بغداد: ۱/ ۳۵۰، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۷۳۲۔ ۲-تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۷۳۳۔ ۳-ایضاً، تاریخ بغداد: ۱/ ۳۵۰۔

۴-حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۳۰۶۔ ۵-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۳۲-۱۰۳۳، العبر: ۳/ ۵۹-۶۰، میزان الاعتدال: ۳/ ۴۷۹، الوافی بالوفیات: ۲/ ۱۹۰، المنتظم: ۵/ ۹۸، شذرات الذھب: ۳/ ۴۶، لسان المیزان: ۵/ ۷۱۔ ۶-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۳۴۔

۷-خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۳۲۔ ۸-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۳۴۔ ۹-ایضاً: ۵/ ۱۰۳۵، الحضارۃ الاسلامیۃ ۱/ ۲۶۸، تاریخ بغداد: ۳/ ۱۲۳، الانساب، ورق: ۲۰ب، المنتظم: ۷/ ۱۷۷، الکامل فی التاریخ: ۹/ ۱۰۶، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۲۱۴۔

۲۱-ابوالحسن محمد بن العباس بغدادی ابن الفرات کا کتب خانہ:

ابوالحسن محمد بن العباس بن احمد بغدادی المعروف بابن الفرات (۳۱۹-۳۸۴ھ/۹۳۱-۹۹۴ء) محدث، حافظِ حدیث، حفظ وصحتِ نقل میں سند تھے، بہت کتابیں نقل کی تھیں، موصوف کے پاس اتنی کتابیں تھیں کہ ان کے ہمعصروں میں سے کسی کے پاس نہ تھیں ان کے ذخیرۂ کتب میں ایک ہزار جزء علی بن محمد بصری کی سند سے موجود تھے اور سو تفسیریں اور سو تاریخ کی کتابیں تھیں (۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کتب خانہ کا کیٹلاگ کتابی صورت میں موجود تھا۔ اٹھارہ صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے ان کے پاس محفوظ تھے یہ سب وہ کتابیں تھیں جو چوری کے بعد رہ گئی تھیں (۲) ابن الفرات کا حافظہ بہت اچھا تھا ان کی خادمہ ان کے لکھے ہوئے کا ان سے مقابلہ کرتی تھی (۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ خواتین پروف ریڈنگ کا کام کرتی، کتابوں کا مقابلہ کرتی اور کتابیں لکھتی بھی تھیں۔

۲۲-ابوعبداللہ محمد بن المسیب ارغیانی اسفنجی کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن المسیب بن اسحاق نیشاپوری ارغیانی اسفنجیؒ (۲۲۳-۳۱۵ھ/۸۳۸-۹۲۷ء) ممتاز حافظِ حدیث، کثیر التصانیف مصنف ولائقِ اتباع بزرگ تھے۔ فرماتے تھے "اسلام کا کوئی منبر ایسا نہیں جہاں میں نے جا کر حدیث نہ سنی ہو۔"

ان کے پاس کتب خانہ تھا اور ایک لاکھ حدیثوں کا مختصر کتب خانہ ہر وقت اپنی قمیص کی آستین میں ساتھ رکھتے تھے، موصوف کا بیان ہے "میں مصر میں چلتا پھرتا تھا اور میری آستین میں سو جزء ہوتے تھے ہر جزء میں ایک ہزار حدیث ہوتی تھیں" (۴)۔

یہ بات بڑی اچنبھے کی تھی، ابوعلی نے جب یہ واقعہ مجلسِ درس میں بیان کیا تو بعض طلبہ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے شیخ ابوعلی حافظ سے آخر پوچھا، یہ کیسے ممکن ہوا تھا۔

انہوں نے بتایا ان کے جزء بہت چھوٹے ہوتے تھے خط بہت باریک تھا، ہر جز میں ایک ہزار حدیثیں

۱-تاریخ بغداد ۳/ ۱۲۲، المنتظم ۷/ ۱۷۶، شذرات الذہب ۳/ ۱۱۰۔ ۲-ایضاً، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۱۰۱۵، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۳۱۴، الوافی بالوفیات: ۳/ ۱۹۶، النجوم الزاھرۃ: ۴/ ۱۶۸۔ ۳-البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۲۷۱۔ ۴-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۷۸۹-۷۹۰۔

گن کر لکھی تھیں۔ یہ سو جزء اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تھے اور ان کی یہ بات بہت مشہور تھی (۱)۔

۲۳-ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری کا کتب خانہ:

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد المعروف بحاکم نیشاپوری (۳۲۱-۴۰۵ھ) جلیل القدر محدث، حافظِ زمانہ محقق اور ناقد تھے۔ ۹ سال کی عمر میں سماع حدیث شروع کیا (۲) اور تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں ابو حاتم ابن حبان کے مستملی رہے (۳)۔ علم حدیث کے حصول کے لئے بہت سفر کیے اور تقریباً دو ہزار شیوخ حدیث سے استفادہ کیا۔ اور یوں فنون حدیث میں کمالِ تام حاصل کیا (۴)۔ چنانچہ حافظ ابو علی نیشاپوری، حاکم کے متعلق فرماتے تھے کہ جب تم نے حاکم کو دیکھا گویا ایک ہزار محدثین کو دیکھا (۵)۔ موصوف کثیر التصانیف بزرگ تھے ،عبدالغافر ابن اسماعیل کا بیان ہے کہ حاکم نے ایک ہزار کے قریب اجزاء لکھے ان کی مشہور تصانیف میں مستدرک علی الصحیحین، تاریخ نیشاپور، معرفۃ علوم الحدیث، المدخل وغیرہ کو شہرت حاصل ہے۔ (۶)

۲۴-ابو عثمان سعید بن محمد بحیری نیشاپوری کا کتب خانہ:

ابو عثمان سعید بن احمد بحیری نیشاپوریؒ (۰۰-۴۵۱ھ/۰۰-۱۰۵۹ء) محدثین اور صوفیہ کے خانوادہ کے گوہر شب چراغ، مسندِ خراسان (۷) ثقہ، زاہد، شجاع و غازی تھے، صاحبِ سیف و قلم تھے، ان کے آباؤ اجداد کا تذکرہ حاکم نے "تاریخِ نیشاپور" میں کیا ہے نیشاپور میں ان کی خانقاہ، مسجد اور "بیت الکتب" تھا یہ مؤرخ عبدا لغافر فارسی المتوفی ۵۲۹ھ کی زندگی تک آباد تھا۔ موصوف نے سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان پر حملہ میں دادِ شجاعت دی تھی (۸)۔

۲۵-ابوذر عبد بن احمد بن السماک کا کتب خانہ:

ابوذر عبد بن احمد بن محمد بن انصاری ہروی مالکی المعروف بابن السماکؒ (۳۵۵-۴۳۴ھ

۱-منتخب السیاق، ورق: ۱۳۔ ۲-تذکرۃ الحفاظ: ۲/۱۰۳۹۔ ۳-تاریخ الاسلام: ۹/۸۹۔
۴-تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۰۲۹۔ ۵-سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۱۷۶۔ ۶-ایضاً: ۱۷/۱۷۰۔
۷-العبر: ۳/۲۶۔ ۸-منتخب السیاق، ورق: ۳۳۔

/۹۶۶-۱۰۴۳ء) علامۂ وقت، محدث، حافظِ حدیث، شیخ الحرم، فقیہ اصولی، متکلم، صوفی مصنف تھے گیارہ سو سے زیادہ شیوخِ وقت سے علوم کی تحصیل کی تھی (۱)۔

موصوف کا کتب خانہ ایک علیحدہ مکان میں تھا اور اس کا خازن بھی تھا، فقیہ ابو عمران قابسی مکہ میں ان سے پڑھنے جارہے تھے، سراۃ میں ابوذر ہروی سے ملاقات ہوئی، قابسی نے ابوذر کے خازنِ کتب سے کہا کہ مجھے ان کی کتابیں نکال دو، جب تک وہ نہیں آتے میں انہیں نقل کرتا رہوں گا۔ جب وہ حرم میں آئیں گے میں ان سے پڑھ لوں گا، خازن نے جواب دیا میں یہ جرأت نہیں کرسکتا یہ چابیاں موجود ہیں، آپ چاہیں تو خود نکال لیں اس نے جو کتابیں چاہیں نکال لیں، ابوذر ہروی کو جب خبر لگی وہ سوار ہو کر مکہ آئے اور اپنی کتابیں ان سے لے لیں انہیں حدیث نہیں پڑھائی۔ ابوذر ہروی نسخوں میں تصرف کے خدشہ سے اتنی احتیاط کرتے تھے (۲) موصوف کا کتب خانہ حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ وکلام کی کتابوں پر مشتمل تھا۔

۲۶- ابومحمد عبدالصمد بن احمد سلیطی رازی نیشاپوری کا کتب خانہ:

ابو محمد عبدالصمد بن احمد بن علی سلیطی رازی المعروف بابن طاہر نیشاپوریؒ ثم ہمدانی (۰۰-۴۸۲ھ /۰۰-۱۰۸۹ء) محدث، حافظِ حدیث تھے۔ موصوف نے اپنے قلم سے اچھے خط میں زیر وزبر کے ساتھ اتنا لکھا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔

ابوالحارث عبداللہ بن ارسلان بساسیری المتوفی (۴۵۱ھ) نے ۴۵۰ھ میں بغداد پر قبضہ کیا تو کتب خانوں پر تباہی آئی، لٹی ہوئی کتابیں بکیں، ان کتابوں میں سے کچھ سلیطی نے بھی خریدیں تھیں جس پر مسعود ناصر سجزی نے کہا تھا کہ سلیطی کو ان لٹی ہوئی کتابوں سے فائدہ اٹھانا روا نہیں، کیوں کہ وہ بغداد میں بساسیری کا لوٹا مال ہے (۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ معاشرہ میں جائز وصحیح طریقہ سے کتابوں کے حصول کو پسندیدہ نظر سے دیکھا جاتا تھا اور حصولِ کتب کے ذرائع پر بھی کڑی نظر رکھی جاتی تھی، کسی بھی ناپسندیدہ طریقہ سے کتابوں کو حاصل کرنا گوارا

۱- الدیباج المذھب: ۶۱۷، تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۰۶، العقد الثمین: ۵/۵۴۰، تبیین کذب المفتری: ۳۵۵، تاریخ بغداد: ۱۱/۱۴۱، نفح الطیب: ۲/۲۷۵۔ ۲- تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۰۵-۱۱۰۶۔

۳- تذکرۃ الحفاظ: ۴/۱۲۲۳، المنتظم: ۹/۵۰، البدایہ والنھایہ: ۱۲/۱۳۵۔

نہیں تھا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور میں حصولِ کتب میں کتنی جانچ پڑتال کی جاتی تھی اور کس قدر احتیاط برتی جاتی تھی۔

۲۷-شیخ الاسلام ابومحمد عطیہ قفصی اندلسی کا کتب خانہ:

شیخ الاسلام ابومحمد عطیہ بن سعید بن عبداللہ قفصی اندلسی (۰۰-۴۰۷ھ/۰۰-۱۰۱۶ء) محدث، حافظِ حدیث، فقیہ، صوفی و مصنف تھے (۱) بہت لکھا اور بہت کتابیں جمع کی تھیں (۲) کتابوں کا بہت شوق تھا اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ ان کا کتب خانہ بہت سے بختی اونٹوں پر ان کے ساتھ چلتا تھا (۳) مکہ میں انتقال ہوا (۴) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کتب خانہ مکہ میں رہا۔

۲۸-عمادالدین (صدرالدین) احمد بن محمد سلفی اصفہانی اسکندری شافعی کا کتب خانہ:

عمادالدین (صدرالدین) احمد بن محمد بن احمد سلفی اصفہانی اسکندری شافعیؒ (۴۷۵-۵۷۶ھ/۱۰۸۲-۱۱۸۰ء) محدث، حافظِ حدیث، فقیہ، لغوی، ادیب، شاعر و مصنف تھے۔ حدیث، فقہ، ادب وغیرہ میں اتنی کتابیں لکھی تھیں کہ شمار سے باہر ہے (۵) ان کی نقل کی ہوئی کتابیں خوشخط، صحیح اور زیر و زبر لگی ہوئی ہوتی تھیں (۶)۔

کتابوں کے عاشق تھے بہت مالدار عورت سے شادی کی تھی اس کے باغات کی آمدنی سے کتابیں خریدی جاتی تھیں (۷) ان کا نہایت نفیس کتب خانہ تھا، دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہوگیا۔ حافظ عبدالعظیم منذری کا بیان ہے:

"سلفی کتابوں کے جمع کرنے کے عاشق تھے جو رقم ملتی تھی وہ کتابوں کی خریداری کی نذر ہوجاتی تھی، ان کے پاس کتابوں کے خزانے تھے مگر انہیں دیکھنے کی فرصت نہ تھی، اسکندریہ کے نمناک ہونے کی وجہ سے

۱- جذوۃ المقتبس: ۳۰۱، تاریخ بغداد: ۱۲/ ۳۲۲-۳۲۳، بغیۃ الملتمس: ۴۲۰۔

۲-کتاب الصلۃ: ۲/ ۴۴۹، تاریخ الاسلام: ۳/ ۱۰۸۸۔ ۳-کتاب الصلۃ: ۲/ ۴۴۹۔ ۴-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۸۹، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۸۸۔ ۵-الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۶/ ۳۹۔ ۶-تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۰۱، الوافی بالوفیات: ۷/ ۳۵۴۔

۷-العبر: ۴/ ۲۰۳، الطبقات الشافعیۃ: ۶/ ۳۷، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۴۴۹، المنتظم: ۸/ ۳۶۱، ق: ۱، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۳۰۸۔

کتابوں سے بدبو آنے لگی تھی اوران کے اوراق چپک گئے تھے، انہیں دھار دار آلات سے چھڑاتے تھے جس کی وجہ سے زیادہ تر کتابیں برباد ہو گئی تھیں"(۱)۔

کم وبیش اس قسم کے کتب خانے مندرجہ ذیل نامور محدثین کے پاس بھی تھے:

۲۹-ابواسحاق ابراہیم بن منقذ بن ابراہیم عصفری مولیٰ خولانی مصریؒ المتوفی (۲۶۹ھ/ ۸۸۲ء)(۲)

۳۰- ابومسعود احمد بن الفرات بن خالد ضبی رازیؒ المتوفی (۲۵۸ھ/ ۸۷۲ء)(۳)

۳۱- ابوالفضل عباس بن یزید بن ابی حبیب بحرانی بصریؒ المتوفی (۲۵۸ھ ۸۷۲ء)(۴)

۳۲- ابوبکر عبداللہ بن محمد بن علی بلخی طرخانی، امام بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ کے معاصر وشاگرد، محدث و مصنف تھے۔(۵)

۳۳- علی بن عاصم۔(۶)

۳۴- قتیبہ ابن سعید۔(۷)

۳۵- خالد المدائنی۔(۸)

۳۶- ابوکریب محمد العلاء بن کریب ہمدانی ثم کوفی (۱۶۱-۲۴۸ھ/ ۷۷۷-۸۵۷ء)(۹)

۳۷- ابواللیث نصر بن سیار بن الفتح زادری سمرقندی المتوفی (۲۹۴ھ/ ۹۰۶ء)(۱۰)

۳۸- ابوبکر احمد بن ابراہیم بن الحسن المعروف بابن شاذان بزاز (۲۹۸-۳۸۳ھ/ ۹۱۰-۹۹۳ء)(۱۱)

۳۹- ابوالحسن احمد بن عمیر بن یوسف مولیٰ بن ہاشم دمشقی المعروف بابن جوصاء المتوفی (۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء)(۱۲)

۴۰-ابوالحسن احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ جرجانی المعروف بابن ابی عمران نجار المتوفی (۳۶۸ھ/ ۹۷۸ء)(۱۳)

۱-العبر: ۴/ ۳۰۳، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۶/ ۳۹۔ ۲-الأنساب: ۳۹۲، المنتظم ۵/ ۶۸۔ ۳-تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۵۴۴، مختصر تاریخ دمشق: ۴/ ۳۴۔ ۴-تاریخ بغداد: ۱۲/ ۱۴۲، الأنساب: ۲/ ۱۰۰، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۵۰۳-۵۰۴۔ ۵-الأنساب: ۳۶۹، اللباب: ۲/ ۲۷۹۔ ۶-تاریخ بغداد: ۱۱/ ۴۴۸، تہذیب التہذیب: ۷/ ۳۴۴، ۳۳۵۔ ۷-تاریخ بغداد: ۱۲/ ۴۶۸، ۴۶۹، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۴۴۶۔ ۸-تاریخ بغداد: ۱۲/ ۴۶۶۔ ۹-العبر: ۱/ ۴۵۲، تہذیب التہذیب: ۹/ ۳۸۵۔

۱۰-الأنساب ورق: ۲۶۷، اللباب: ۲/ ۵۴۔ ۱۱-تاریخ بغداد: ۴/ ۲۰، المنتظم: ۷/ ۱۷۳۔ ۱۲-مختصر تاریخ دمشق: ۱/ ۲۴۰، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۷۹۵، ۷۹۷، الوافی بالوفیات: ۷/ ۴۰۳، لسان المیزان: ۱/ ۲۴۰۔ ۱۳-تاریخ الاسلام: ۲/ ۹۸۵۔

۴۱- ابو احمد بکر بن محمد بن حمدان صیرفی مروزی وخمسینی بخاری المتوفی (۳۴۸ھ/۹۵۹ء)(۱)

۴۲- ابو محمد جعفر بن الحارث عراقی نزیل نیشاپوری المتوفی (۳۵۶ھ/۹۶۶ء)(۲)

۴۳- ابو عبداللہ حسین بن احمد بن محمد ریحانی بصری بغدادی المتوفی (۳۸۷ھ/۹۸۸ء)(۳)

۴۴- ابو علی حسین بن محمد بن ماسرجسی نیشاپوری المعروف بازھری الصغیر (۲۹۸-۳۶۵ھ/۹۱۰-۹۷۵ء)(۴)

۴۵- عبید اللہ بن اسحاق بن محمد عبدی اصبہانی المعروف بابن مندہ، موصوف حافظ ابو عبداللہ محمد بن اسحاق المتوفی ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء کے بھائی تھے (۵)

۴۶- ابو عمرو عثمان بن احمد بن سمعان رزاز المعروف بالجاشی بغدادی المتوفی (۳۶۷ھ/۹۷۷ء)(۶)

۴۷- ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم نیشاپوری ثم اسفرائینی المتوفی (۳۱۶ھ/۹۲۸ء)(۷)

۴۸- ابو محمد حسن بن احمد بن محمد کوخمیثی سمرقندی (۴۰۹-۴۹۱ھ/۱۰۱۸-۱۰۹۸ء)(۸)

۴۹- ابو علی حسن بن عبداللہ بن نصر شاشی المتوفی بعد (۴۴۱ھ/۱۰۴۹ء)(۹)

۵۰- ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم قرشی جرجانی المتوفی (۴۲۷ھ/۱۰۳۷ء)(۱۰)

۵۱- ابو محمد عبد العزیز بن محمد نخشبی المعروف بصاحب المستغفری المتوفی (۴۵۷ھ/۱۰۶۴ء)(۱۱)

۵۲- ابو محمد عبداللہ بن عطار بن عبداللہ ابراہیمی ہروی المتوفی (۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء)(۱۲)

۵۳- ابو حازم عمر بن احمد بن ابراہیم عبدویہ ھذلی مسعودی نیشاپوری المعروف باعرج المتوفی (۴۱۷ھ/۱۰۱۶ء)(۱۳)

۱- الأنساب: ۵/۳۲۵۔ ۲- معجم البلدان: ۵/۹۳، الأنساب، ورق: ۵۱۹، اللباب: ۲/۴۷۔
۳- تاریخ بغداد: ۸/۱۱، الأنساب، ورق: ۲۶۴، اللباب: ۲/۴۷۔ ۴- تذکرۃ الحفاظ: ۳/۹۵۶، مختصر تاریخ دمشق: ۴/۳۵۶، المختظم: ۷/۸۱۔ ۵- تاریخ الاسلام: ۳/۱۰۳۵۔ ۶- تاریخ بغداد: ۱۱/۳۰۶-۳۰۷، الأنساب، ورق: ۵۰۸۔
۷- تذکرۃ الحفاظ: ۳/۷۸۰، العبر: ۲/۱۶۵، وفیات الأعیان: ۲/۳۰۸-۳۰۹، طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ۳/۴۸۷۔
۸- منتخب السیاق، ورق: ۷۔ ۹- ایضاً، ورق: ۵، مختصر تاریخ دمشق: ۱۸۹۔ ۱۰- منتخب السیاق: ۱۳، مختصر تاریخ دمشق ۴/۳۵۳، تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۰۵۹، العبر: ۳/۱۶۱-۱۶۲۔ ۱۱- منتخب السیاق: ۱۰۶، تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۵۷۔ ۱۲- لسان المیزان: ۳/۳۱۶، شذرات الذھب: ۳/۳۵۳۔ ۱۳- تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۰۷۳، العبر: ۳/۲۶، البدایہ والنھایہ: ۱۲/۲۰، المنتظم: ۸/۲۷۔

۵۴- ابو مسلم عمرو بن علی بن احمد لیثی نجاری التوفی (۴۶۶ھ/ ۱۱۷۴ء)(۱)

۵۵- ابوالفتح محمد بن احمد بن عبداللہ اصفہانی المعروف بابن سمکویہ (۴۰۹-۴۸۲ھ/ ۱۰۱۸-۱۰۹۰ء)(۲)

۵۶- ابوالفتح محمد بن احمد بن محمد بغدادی المعروف بابن الفوارس (۳۸۸-۴۱۲ھ/ ۹۹۸-۱۰۲۲ء)(۳)

۵۷- منصور بن عبدالملک بن ابراہیم قزوینی، ابوالحسن علی مودب تمیمی نزیل بغداد التوفی (۴۸۱ھ/ ۱۰۸۸ء) کے والد تھے۔(۴)

۵۸- ابوالقاسم تمیم بن احمد بندنجی بغدادی ازجی (۵۴۴-۵۹۶ھ/ ۱۱۴۹-۱۱۹۹ء)(۵)

۵۹- ابوالقاسم زاہد بن طاہر بن محمد شحامی شروطی مستملی (۴۴۶-۵۳۳ھ/ ۱۰۵۴-۱۱۳۸ء)(۶)

۶۰- ابوالبرکات عبدالوہاب بن المبارک بن احمد انماطی حنبلی (۴۶۲-۵۳۸ھ/ ۱۰۷۰-۱۱۴۳ء)(۷)

۶۱- ابونصر احمد بن عمر بن محمد اصفہانی المعروف بغازی (۴۴۸-۵۳۲ھ/ ۱۰۵۶-۱۱۳۷ء)(۸)

۶۲- ابوالحسن مبارک بن عبدالجبار بن احمد ازدی بغدادی صیرفی المعروف بابن الحمامی وابن الطیوری (۴۱۱-۵۰۰ھ/ ۱۰۲۱-۱۱۰۷ء)(۹)

۶۳- تاج الاسلام ابوبکر محمد بن منصور بن محمد تمیمی سمعانی مروزی (۴۶۶-۵۱۰ھ/ ۱۰۷۴-۱۱۱۶ء)(۱۰)

۶۴- شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن احمد بن ابراہیم زاہد بلخی التوفی (۵۸۴ھ/ ۱۱۸۸ء)(۱۱)

۶۵- سیف الدین ابوالعباس احمد بن عیسیٰ بن عبداللہ المقدسی الصالحی الحنبلی (۶۰۵-۶۴۳ھ)(۱۲)

۱- تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۲۳۵، الانساب، ورق: ۴۹۷۔ ۲- ایضا: ۴/ ۱۲۱۲، المنتظم: ۹/ ۵۲، البدایہ والنھایۃ: ۱۲/ ۱۳۶، الوافی بالوفیات: ۲/ ۸۸۔ ۳- ایضا: ۳/ ۱۰۵۳، المنتظم: ۸/ ۲۰۵، العبر: ۳/ ۱۰۹، تاریخ بغداد: ۱/ ۳۵۲-۳۵۳، الوافی بالوفیات: ۲/ ۶۰-۶۱۔ ۴- الانساب، ورق: ۴۴۴۔ ۵- التکملۃ لوفیات النقلہ: ۲/ ۲۷۵، الجامع المختصر فی عنوان التواریخ وعیون السیر: ۹/ ۵۸، المختصر المحتاج: ۱/ ۲۶۷، تہذیب التہذیب: ۳/ ۲۷۔ ۶- السیاق، ورق: ۲۱ب، المنتظم: ۱۰/ ۸۰۔
۷- المنتظم: ۱۰/ ۱۰۸، صید الخاطر: ۴۴۰، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۴۷-۲۴۸، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۲۸۳، ذیل طبقات الحنابلہ: ۱/ ۲۰۲۔
۸- الوافی بالوفیات: ۷/ ۳۶۳، الانساب، ورق: ۴۰۵، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۲۷۶۔ ۹- المنتظم: ۹/ ۱۵۴، لسان المیزان: ۵/ ۹-۱۰، العبر: ۳/ ۳۵۶، شذرات الذھب: ۳/ ۴۱۲۔ ۱۰- الانساب، ورق: ۳۰۸۔ ۱۱- واعظ بلخی: ۳۷۱-۳۸۰۔
۱۲- ذیل طبقات الحنابلہ: ۲/ ۲۴۱، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۴۴۶-۱۴۴۷، شذرات الذھب: ۵/ ۲۱۷۔

۶۶- ابوالمعالی احمد بن یحییٰ بن عبیداللہ بغدادی المتوفی (۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء)(۱)

۶۷- جمال الدین عبداللہ بن عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی صالحی حنبلی (۵۸۱-۶۲۹ھ/۱۱۸۵-۱۲۳۱ء)(۲)

۶۸- رشدالدین ابوالحسن علی بن محمد بن علی تبریزی المتوفی (۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء)(۳)

۶۹- محمد بن داؤد بن یاقوت صارمی المتوفی (۶۶۰ھ/۱۲۶۱ء)(۴)

۷۰- شرف الدین محمد بن عروہ موصلی دمشقی المتوفی (۶۲۰ھ/۱۲۲۳ء)(۵)

۱- الوافی بالوفیات: ۸/ ۲۳۲، التکملۃ لوفیات النقلۃ: ۳/ ۱۶۹، الجامع المختصر فی عنوان التواریخ وعیون السیر: ۹/ ۱۱۴۔
۲- تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۴۰۸-۱۴۰۹، طبقات الحنابلہ: ۲/ ۱۸۵، الدارس: ۱/ ۴۷-۴۸۔
۳- شدالازار فی حط الاوزار عن الزوار: ۲۵۴۔ ۴- البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۲۳۷۔
۵- ایضاً، الوافی بالوفیات: ۴/ ۹۴، الدارس: ۱/ ۸۲۔

(د) محدثہ خواتین کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں مرد ہی نہیں بعض محدثات وارباب تدریس خواتین بھی ذاتی کتب خانے رکھتی تھیں اور علوم وفنون کی نشر واشاعت میں مردوں کی طرح حصہ لیتی تھیں۔

۱-فاطمہ بنت عبدالرحمن بن ابی صالح الحرانی المعروف بالصوفیہ کا کتب خانہ:

چنانچہ فاطمہ بنت عبدالرحمن بن ابی صالح الحرانی المعروف بالصوفیہ التوفاۃ ۳۱۲ھ محدثہ وصوفیہ تھیں۔ اسی (۸۰) سال کی عمر پائی تھی ان کے پاس اپنی مرویات اور کتابوں کا ذخیرہ تھا (۱)

۲-شہدہ بنت احمد الابری بغدادی کا کتب خانہ:

شہدہ بنت احمد الابری بغدادی التوفاۃ ۵۷۴ھ نامور محدثہ تھیں، ان کے پاس بہت سی بنیادی کتابیں اور بعض کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کی ہوئی موجود تھیں، ان سے علامہ سمعانی وابن الجوزی وغیرہ نے کتابوں کی سند لی تھی، ان کا خط بہت پاکیزہ تھا (۲)۔

اس طرح مغربی قلمرو ہسپانیہ میں مسلم خواتین کتب خانے بناتی تھیں چنانچہ عائشہ بنت احمد بن محمد بن قادم قرطبیہ (۰۰--۴۰۰ھ/۰۰--۱۰۱۰ء) کے عظیم الشان کتب خانے کا تذکرہ مورخین نے کیا ہے (۳)۔

❁ ❁❁

۱-تاریخ بغداد: ۱۴/۴۴۱۔ ۲-الانساب: ۱/۹۶، المنتظم: ۱۰/ ۲۸۸، عالمات بغداد فی العصر العباسی: ۱۵-۱۶۔

۳-کتاب الصلۃ ۲/ ۲۵۴، نزھۃ الجلساء: ۷۱۔

(۵) فقہاء کے کتب خانے

ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، زفر بن ہذیل، ابو یوسف، عافیہ بن یزید اور حسن بن زیاد نے متفقہ طور پر یہ بات کہی ہے کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے یہ بات کس بنیاد پر کہی ہے(۱)۔ اس لیے فقہاء کو خاص طور پر ان ائمہ مذاہب کی کتابوں کا ذخیرہ رکھنا پڑتا تھا، اس کے علاوہ قرآن وسنت نحو ولغت اور تاریخ وکلام وغیرہ کی کتابیں بھی جمع کرنی پڑتی تھیں۔ مذکورہ بالا اقوال فقہاء کے کتب خانوں کے قیام اور ان میں اضافہ کتب کے محرک تھے۔

۱- امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفیؒ کا کتب خانہ:

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطا مولیٰ تیمی کوفیؒ (۸۰-۱۵۰ھ/۷۶۷ء) چار فقہی مذاہب کے سب سے بڑے امام مجتہد، چاروں ائمہ میں پہلے متکلم (۲) محدث، حافظ حدیث (۳) اور مصنف تھے (۴) امام موصوف کے پاس حدیث وفقہ وغیرہ کا بہت ذخیرہ تھا۔

حافظ ابو یحییٰ نیشاپوری المتوفی ۲۹۸ھ نے موصوف کا قول نقل کیا ہے:

"عندی صناديق من الحديث ما اخرجت الا اليسير الذی ينفع به"

"میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے موجود ہیں۔ مگر میں نے ان میں سے تھوڑی حدیثیں نکالیں جن سے لوگ نفع اندوز ہوں۔" (۵)

امام اعظمؒ نے صرف کتاب الآثار چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کر کے لکھی تھی (۶) یہ صرف حدیث کے ذخیرے کا ذکر ہے فقہ کے جو مسائل موصوف نے مدون کیے تھے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار (۱۲،۹۰،۰۰۰) سے اوپر ہے (۷)۔

۱- بستان ابی اللیث سمرقندی بترجمہ اردو: ۱۳۔ ۲- اصول الدین: ۱/ ۳۰۸، طبقات الفقہاء: ۸۶۔ ۲- تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۶۸۔

۴- الفہرست: ۳۸۵، البغدادی: ۳۰۸۔ ۵- مناقب الامام الاعظم: ۱/ ۹۵-۹۶، الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن: ۱۶۴۔

۶- ایضا: ۹۵، ایضا: ۱۰۔ ۷- اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/ ۷۸۴۔

۲-امام مالک بن انس اصبحی حمیری کا کتب خانہ:

امام دار الھجرۃ مالک بن انس اصبحی حمیری (۹۳-۱۷۹ھ/ ۷۱۲-۷۹۵ء) فقیہ الائمہ، چار فقہی مذاہب کے دوسرے امام مجتہد، حافظِ حدیث، محدث، مصنف تھے (۱) امام موصوف کا بھی کتب خانہ تھا اور کتابیں صندوق میں رکھی ہوتی تھیں، چنانچہ ابن ماجشون نے جب یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ حضرت حمزہؓ کی طرح بہتر (۷۲) مرتبہ پڑھی گئی تو ان سے دریافت کیا گیا کہ اس کا ماٴخذ کیا ہے فرمایا، اس روایت کا ماخذ وہ صندوق ہے جو امام مالک نے اپنے قلم سے عن نافع عن ابن عمر احادیث کا ذخیرہ لکھ کر چھوڑا ہے (۲)۔

یہ صندوق صرف ایک نافع کی مرویات کا تھا، معلوم نہیں اور کتنے صندوق ان کے یا دوسرے شیوخ کی مرویات کے لکھے ہوئے موصوف کے خزانۃ الکتب میں موجود ہوں گے پھر یہ صرف حدیث کے ذخیرے کا ذکر ہے فقہ وغیرہ کا ذخیرہ کتنا تھا اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

امام مالک کا حبیب نامی کاتب تھا وہ ان کی کتابیں نقل کرتا رہتا تھا، (۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ذخیرۂ کتب میں اضافہ کا سلسلہ جاری تھا۔

۳-ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن العباس شافعی کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن العباس شافعی مطلبی قرشی (۱۵۰-۲۰۴ھ/ ۷۶۷-۸۲۰ء) فقہ کے چار ائمہ میں سے تیسرے امام، حدیث، فقہ، تفسیر، لغت، ادب، تاریخ وسیرت میں امام فن تھے۔ امام موصوف کا بھی ذاتی کتب خانہ حدیث وفقہ وغیرہ کا جامع تھا، اس کی وسعت وندرت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ موصوف نے صرف امام محمد سے ایک بارِ شتر ذخیرہ قلمبند کیا تھا، (۴) یمن سے علمِ فراست کی کتابیں نقل کی تھیں۔ (۵) امام شافعی نے ساٹھ دینار صرف امام محمد کی کتابوں پر خرچ کیے تھے، ان پر غور کیا اور ہر مسئلہ کے پہلو میں ایک حدیث لکھی تھی (۶)، کتاب الام، المسند اور الرسالہ ان سے یادگار ہیں۔

۱-تاریخ الاسلام ۱/ ۲۰۷، العبر ۱/ ۲۷۶، الفہرست: ۲۵۱۔ ۲-سیرۃ مغلطائی: ۸۱۔ ۳-تاریخ الاسلام: ۱/ ۲۱۱۔

۴-تاریخ بغداد: ۲/ ۱۷۶، الانتقاء: ۶۹، طبقات فقہاء الیمن: ۱۳۸، تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۳۶۱، معجم الادباء: ۶/ ۳۷۳، توالی التاسیس: ۵۴، آداب الشافعی ومناقبہ: ۹۹۔ ۵-الوافی بالوفیات: ۲/ ۱۷۵۔ ۶-آداب الشافعی ومناقبہ: ۳۴، مناقب الشافعی: ۱/ ۱۶۳، توالی التاسیس: ۷۹۔

۴-ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی وائلی بغدادی کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی وائلی بغدادی (۱۶۴-۲۴۱ھ/۷۸۰-۸۵۵ء) ائمۂ اربعہ میں چوتھے امام، فنِ حدیث ورجال کے نامور امام اور مصنف تھے۔ انہوں نے بہت لکھا تھا صرف ابنِ وھیب سے پچاس ہزار حدیثیں لکھی تھیں (۱) موصوف کا ذاتی کتب خانہ تھا، چنانچہ حافظ ابوزرعہ رازی کا بیان ہے: "میں نے امام احمدؒ کی کتابیں انتقال کے وقت شمار کیں تو بارہ بارِ شتر کتابیں نکلی تھیں" (۲)۔

حافظ ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ امام موصوف کا قلم ہمیشہ رواں رہا انہوں نے وفات کے دن بھی لکھا تھا ان کی کتابیں بارہ بارِ شتر تھیں اور یہ سب انہیں زبانی یاد تھیں (۳)۔

صالح بن احمد فرماتے ہیں کہ ابا جان فرماتے تھے میں نے دس لاکھ حدیثیں لکھی تھیں اور یہ ذخیرہ اس کے علاوہ ہے جو میرے لیے نقل کیا گیا تھا (۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ علم کو کتب خانوں سے کتنا اعتناء اور کتابوں کی کتنی جستجو تھی، وہ کتابوں اور کتب خانوں کے متعلق کتنی معلومات رکھتے تھے۔

خلیفہ متوکل عباسی نے اس کتب خانہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، امام ممدوح کے فرزند صالح کا بیان ہے:

"ابا جان کے انتقال کے کچھ دن بعد متوکل باللہ کا مکتوب ابنِ طاہر کے نام آیا جس میں ہماری تعزیت کرنے کا اور ہماری کتابوں کے اٹھا لانے کا حکم تھا، میں نے ان کو بتایا کہ یہ ہماری مسموعات میں سے ہیں، یہ ہمارے ہی پاس رہنی چاہئیں ان کی نقل ہمارے پاس کی جاسکتی ہے، وہ بولا اچھا امیر المومنین سے عرض کروں گا چنانچہ ہم برابر خلیفہ سے اس معاملہ میں جھگڑتے رہے اور اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے کتابیں اپنے پاس سے نہیں نکالیں" (۵)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاءِ وقت، ائمۂ فن اور نامور علماء کے خزانۂ کتب کے کیسے جویا اور مشتاق

۱-معرفۃ القراء: ۱/۱۸۴۔ ۲-تہذیب الاسماء واللغات: ۱/۱۱۱، الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲/۲۷، المنہج الاحمد: ۱/۱۸، مناقب الامام احمد: ۲۰۔
۳-شرح علل الترمذی: ۱۸۲۔ ۴-ایضاً۔ ۵-تاریخ الاسلام: ۸۲۔

ہوتے تھے اور اسے حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

نیز اس سے یہ ثابت ہوا کہ خلیفہ متوکل باللہ کا کتب خانہ تھا جس کے لیے یہ کتابیں حاصل کی جارہی تھیں۔

۵-ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم ابن راہویہ کا کتب خانہ:

ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد تمیمی حنظلی مروزی المعروف بابن راھویہ (۱۶۱-۲۳۸ھ /۷۷۸-۸۵۳ء) عالمِ مشرق، حافظِ حدیث، فقیہ مجتہد، مفسر ومصنف تھے (۱) ان کے ذخیرۂ کتب میں ایک لاکھ حدیثیں تھیں (۲) اور موصوف کی تصانیف کے علاوہ امام شافعی کی بھی جملہ تصانیف موجود تھیں (۳) کتابوں کا شوق ایسا تھا کہ ایک عورت سے شادی اس لیے کی تھی کہ اس کے پاس امام شافعی کی جملہ تصانیف محفوظ تھیں۔

۶-محمد بن اسحاق ابنِ خزیمہ سلمی نیشاپوریؒ کا کتب خانہ:

محمد بن اسحاق ابنِ خزیمہ سلمی نیشاپوری شافعی (۲۲۳-۳۱۱ھ/۸۳۸-۹۲۴ء) شیخ الاسلام، امام الائمہ، حافظِ حدیث، محدث، فقیہ، مجتہد ومصنف تھے۔ موصوف کو کتابوں کا شوق تھا بہت کتابیں جمع کی تھیں ان کا ایک علیحدہ مکان میں ''بیت الکتب'' تھا۔ حاکم نیشاپوری کا بیان ہے:

''موصوف کے پوتے ابو طاہر محمد بن الفضل خزیمی المتوفی ۳۸۷ھ کے پاس گیا اور ان کے دادا کے ''بیت الکتب'' میں پہنچا اس میں ڈھائی سو جزء علامہ ابنِ خزیمہ کی سماعات صحیحہ سے ان کے لیے نکالے اور انہیں اپنی قیامگاہ پر لے آیا، دس جزء میں ان کے فوائد کو جمع کیا اور شیخ ابو طاہر سے کہا: ان اصولِ صحیحہ کو حفاظت کی خاطر میرے پاس رہنے دو لیکن چند برس کے بعد وہ ان اجزاء کو اٹھا کر لے گئے اور لوگوں کو نقل کے لیے دے دیے، اس طرح وہ اجزاء ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور پھر انہیں دوسروں سے مانگ کر ان اجزاء کو پڑھنا پڑا تھا'' (۴) ان کے بیت الکتب میں اور کتابوں کے علاوہ ان کی ڈیڑھ سو سے زیادہ تصانیف کا ذخیرہ بھی تھا (۵) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی تصانیف کی کتابیات بھی موجود تھیں۔

۱-حلیۃ الاولیاء:۹/۲۳۹، تاریخ بغداد:۶/۳۴۵، الفہرست:۳۲۱، تذکرۃ الحفاظ:۲/۴۳۳، العبر ۲/۴۲۶، تہذیب التہذیب:۱/۲۱۹، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ:۲/۸۳۔ ۲-تاریخ بغداد:۶/۳۵۲، تاریخ دمشق:۲/۴۱۲، تذکرۃ الحفاظ:۲/۴۳۴، تہذیب التہذیب :۱/۲۱۷۔ ۳-الانتقاء:۱۰۸-۱۰۹۔ ۴-الأنساب، ورق:۱۹۸ب ۵-تذکرۃ الحفاظ:۲/۷۲۹۔

حاکم نیشاپوری کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتب خانے سے اہلِ علم کو استفادہ کی اجازت حاصل تھی اور کتابیں عاریتاً دی جاتی تھیں اور وہ عرصہ دراز تک اہلِ علم کے پاس رکھی رہتی تھیں۔

۷-ابوجعفر محمد بن جریر طبری کا کتب خانہ:

ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری (۲۲۴-۳۱۰ھ/۸۳۹-۹۲۳ء) نہایت نامور حافظِ حدیث، محدث، فقیہ، مجتہد، صاحب مذہب، مؤرخ، ادیب، مفسر، قاری، ان علوم میں سند و کثیر التصانیف تھے (۱) ان کو منطق، ریاضی، جبر و مقابلہ اور طب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ (۲) موصوف چالیس برس تک روزانہ چالیس ورق لکھتے رہے تھے (۳) موصوف کے شاگرد ابومحمد فرغانی کا بیان ہے کہ ان کے شاگردوں نے بلوغ کے بعد سے تادم مرگ ان کی تصانیف کے اوراق کا حساب لگایا تو چودہ ورق یومیہ کا حساب بیٹھا تھا (۴)۔

ابنِ جریر کے ذاتی کتب خانے میں ان کی تصانیف کے علاوہ ابنِ حمید اور ابوکریب کی ایک ایک لاکھ حدیثوں کا بھی ذخیرہ تھا (۵) امام داؤد ظاہری کی جملہ تصانیف موصوف نے نہایت باریک قلم سے نقل کی تھیں (۶) موصوف اپنے کتب خانہ میں ایک ایک موضوع پر مستقل کتابیں وراقوں سے منگا کر مطالعہ کرتے اور عرصہ دراز تک اپنے پاس رکھتے تھے۔

ابوالقاسم حسین بن حبیش وراق کا بیان ہے: ''مجھ سے قیاس کے موضوع پر تیس (۳۰) سے اوپر کتابیں منگا کر مطالعہ کیں ان پر سرخ نشانات لگائے اور مدت کے بعد واپس کی تھیں'' (۷) ''کتاب الفردوس'' کو نقل کرا کر کتب خانہ میں رکھا تھا (۸) موصوف کی چھبیس (۲۶) اہم تصانیف کا ذکر یاقوت نے ''معجم الادباء'' میں کیا ہے اور محمد ابوالفضل ابراہیم نے تاریخ طبری کے مقدمہ میں ان کی نشاندہی کی ہے (۹)

۱-تاریخ بغداد: ۲/ ۱۶۳، الفہرست: ۳۲۶، ۳۲۷، الانساب، ورق: ۳۶۷، الکامل فی التاریخ: ۲/ ۲۷۴، تہذیب الاسماء واللغات: ۱/ ۷۸، ۷۹، المنتظم: ۶/ ۱۷۱، ۱۷۲، معجم الادباء: ۶/ ۴۲۳، ۴۲۴، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۱۴۵، لسان المیزان: ۵/ ۱۰۱، ۱۰۲، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۷۱۱، الوافی بالوفیات: ۲/ ۲۸۴، طبقات فقہاء الیمن: ۹۳۔ ۲-معجم الادباء: ۶/ ۴۳۸۔ ۳-تاریخ بغداد: ۲/ ۱۶۲، تہذیب الاسماء واللغات: ۱/ ۷۹، غایۃ النھایہ: ۶/ ۱۷۱، معجم الادباء: ۶/ ۴۲۴، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۷۱۱۔ ۴-معجم الادباء: ۶/ ۴۳۰، ۴۳۱۔

۵-ایضاً: ۶/ ۴۵۰۔ ۶-ایضاً: ۶/ ۴۵۳۔ ۷-ایضاً: ۶/ ۴۶۰۔ ۸-ایضاً: ۴۲۶-۴۲۷، تاریخ طبری: ۱/ ۱۵-۲۶ (مقدمہ المحقق) ۹-الفہرست: ۳۲۷۔

ابن الندیم نے ابنِ جریر کے ہاتھ کی بہت سی لغت، نحو، شعر، انساب، قبائل کی کتابیں لکھی ہوئی دیکھی تھیں (۱)۔

ابومحمد عبدالعزیز طبری کا بیان ہے "علوم، قرآن، قرات، تاریخ وغیرہ پر ان کی تصانیف کو اسلام میں جو قبول عام ہوا ہے وہ مؤلفین اسلام میں تصانیف کو بہت کم ہی حاصل ہو سکا (۲)۔

ان کی بعض بڑی بڑی تصانیف بڑے بڑے ائمۂ فن کی روزی کا ذریعہ بنی ہوئی تھیں چنانچہ مشہور منطقی یحییٰ بن عدی المتوفی ۳۶۴ھ کو ابن الندیم نے سوق الوراقین میں دیکھا تو ان کی بہت زیادہ نقل نویسی پر حرف گیری کرنے لگا وہ کہنے لگے میں نے تفسیر طبری کے دو نسخے نقل کر کے بادشاہوں کے کتب خانے میں بھیجے ہیں اور متکلمین کی بے شمار کتابیں نقل کی ہیں، میں شب و روز میں سو (۱۰۰) ورق لکھتا ہوں" (۳)۔

۸-ابوبکر احمد بن محمد برقانی کا کتب خانہ:

ابوبکر احمد بن محمد بن احمد خوارزمی شافعی المعروف برقانی (۳۳۶-۴۲۵ھ/ ۹۴۸ - ۱۰۳۴ء) حافظِ حدیث، محدث، فقیہ، نحوی، ادیب، شاعر و مصنف تھے۔ تحصیلِ علم کے لیے بلادِ اسلامی کا سفر کیا (۴)۔

ان کا بہت بڑا کتب خانہ تھا اس کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ تریسٹھ (۶۳) سفط (جامہ دان) اور دو صندوق میں رکھا ہوا تھا (۵) ابوالحسن نعیمی نے ان سب کتابوں کو پڑھا اور ان پر حواشی لکھے تھے۔

ایک مرتبہ برقانی کو محلہ کرخ بغداد سے باب الشعیر میں منتقل ہونا پڑا، انہوں نے کتابیں لے جانے کے لیے اونٹ کرائے پر لیے اور احمد بن غانم حمامی کو ہدایت کی کہ کوئی کرخ میں تم سے پوچھے کہ ان اونٹوں پر کیا ہے تو اسے بتا دینا کہ اس پر کتابیں ہیں، کہیں وہ ریشم سمجھ کر لوٹ نہ لیں (۶)۔

تذکرہ نگاروں میں سمعانی، سبکی، ابن العماد، ابنِ کثیر، اسنوی، شیرازی کسی نے بھی موصوف کے کتب

۱-معجم الأدباء: ۶/ ۴۳۷۔ ۲-عیون الأنباء: ۲/ ۲۲۷۔ ۳-تاریخ بغداد: ۴/ ۳۷۳-۳۷۴، الأنساب: ۶/ ۱۲۸-۱۲۹، اللباب: ۱/ ۱۴۰، طبقات الفقہاء: ۱۲۷، الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/ ۴۷، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۷۴، العبر: ۳/ ۱۵۶، طبقات الشافعیۃ: ۲۰۲، ۲۰۳۔ ۴-المنتظم: ۸/ ۸۰، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۷۵۔ ۵-تاریخ بغداد: ۴/ ۳۷۵، معجم البلدان: ۱/ ۳۸۷، خزائن الکتب القدیمۃ: ۳۳۲-۳۳۳۔ ۶-الأنساب: ۲/ ۲۳۱، مراۃ الزمان: ۸/ ۲۳۱، ق: ۱۔

خانے کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ اس دور میں ہر مشہور عالم کے پاس کتب خانہ ہوتا تھا اس کی شہرت ذکر سے مستغنی تھی۔

۹-ضیاء الدین ابو شجاع بسطامی بلخی کا کتب خانہ:

ضیاء الدین ابو شجاع عمر بن عبداللہ بسطامی بلخی (۴۷۵-۵۶۲ھ/۱۰۸۲-۱۱۶۷ء) فقیہ، مفتی، مسند بلخ، محدث، حافظِ حدیث، مفسر، ادیب، شاعر، کاتب، ظریف، واعظ گوناگوں علوم میں ماہر، عابد و مصنف تھے (۱) ان کا بلخ میں ''خزانۃ الکتب'' تھا جس سے طلبہ و اہلِ علم استفادہ کرتے تھے، ان کے تلمیذ علامہ سمعانی نے ۵۴۶ھ میں ان کی تصانیف میں سے کتاب معجم شیوخ ابی محمد عبدالعزیز بن محمد بن محمد النخشبی الحافظ کا نسخہ اسی خزانۃ الکتب میں دیکھا پڑھا اور اس انداز پر موصوف نے کتاب التحبیر لکھی تھی (۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاگردوں کو استادوں کے کتب خانہ سے استفادہ کی اجازت تھی۔

اس نوع کے کتب خانے حسب ذیل فقہاء کے بھی تھے:

۱۰- ابو حفص احمد بن حفص کبیر بخاری المتوفی (۲۱۸ھ/۸۳۰ء)(۳)

۱۱- ابو یعقوب اسحاق بن منصور بن بہرام مروزی نزیل نیشاپوری المعروف بالکوسج الوراق المتوفی (۲۵۱ھ/۸۶۵ء)(۴)

۱۲- ابو محمد سلیمان بن عبداللہ زغندانی المتوفی (۲۲۱ھ/۸۳۵ء)(۵)

۱۳- ابو عبداللہ محمد بن نصر مروزی سمرقندی (۲۰۲-۲۹۴ھ/۸۱۷-۹۰۶ء)(۶)

۱۴- زید بن الحسن بن محمد قایشی یمنی (۴۵۸-۵۲۸ھ/۱۰۶۲-۱۱۳۳ء)(۷)

۱۵- ابو عبداللہ محمد بن الحسین بن محمد مروزی زاغولی شافعی (۴۷۲-۵۵۹ھ/۱۰۸۰-۱۱۶۴ء)(۸)

۱-الأنساب:۲/۲۳۱، مرآۃ الزمان:۸/۱۳۳۱ق ا۔ ۲-مجلۃ اللغۃ العربیۃ:۴۸، شمارہ ۲/۳۷۳۔

۳-حدائق الحنفیۃ:۱۴۳، ۱۴۴۔ ۴-تاریخ بغداد:۶/۳۶۲، طبقات الحنابلۃ:۱/۱۱۴، مختصر تاریخ دمشق:۲/۲۵۳۔

۵-تاریخ الاسلام:۲/۵۲۴، الأنساب، ورق:۲۷۶،۳، اللباب:۲/۷۱۔

۶-تاریخ بغداد:۳/۲۱۵، تہذیب التہذیب:۹/۴۹۰، البدایۃ والنہایۃ:۱۱/۱۰۲، المنتظم:۶/۶۴-۶۵، تذکرۃ الحفاظ:۲/۶۵۲-۶۵۳۔

۷-طبقات فقہاء الیمن:۱۵۶۔ ۸-تذکرۃ الحفاظ:۴/۱۳۳۸، الوافی بالوفیات:۱/۳۷۳، الطبقات الشافعیۃ:۱/۹۹-۱۰۰۔

۱۶- تاج الدین ابوعبداللہ محمد بن ہبۃ اللہ حموی مصری شافعی (۵۴۶-۵۹۹ھ/۱۱۵۱-۱۲۰۲ء)(۱)

۱۷- عزالدین ابوالفتح محمد بن عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی حنبلی (۵۶۶-۶۱۳ھ/۱۱۷۰-۱۲۱۶ء)(۲)

۱۸- شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن سلمی مرسی مالکی (۵۷۰-۶۵۵ھ/۱۱۷۴-۱۲۵۷ء)(۳)

۱-التکملہ لوفیات النقلۃ: ۲/ ۴۹۰۔

۲-تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۴۰۱، العبر: ۵/ ۴۷، طبقات الحنابلہ: ۲/ ۹۰، الوافی بالوفیات: ۳/ ۲۶۶-۲۶۷۔

۳-البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۱۹۷، معجم الادباء: ۷/ ۱۸، شذرات الذھب: ۳/ ۳۵۵۔

(و) قاضیوں کے کتب خانے

قاضیوں کے کتب خانوں میں فقہاء کے ذخیرۂ کتب کے علاوہ قضاء کے موضوع پر خصوصی کتابوں کا ہونا بھی ناگزیر تھا پھر بعض مصنفین کا ذخیرۂ کتب ان کے پاس موجود ہونا قضاء کی اہلیت کی علامت سمجھا جاتا تھا چنانچہ محدث شام ابوالعباس ولید بن مسلم المتوفی ۱۹۷ھ کی تصانیف کے متعلق یہی مشہور تھا، ابن جوصا کا بیان ہے۔

''ہم برابر یہ سنتے رہے کہ جس نے ولید کی تصانیف کو نقل کیا وہ عہدۂ قضاء پر مامور ہونے کا اہل سمجھا جاتا تھا، موصوف کی ستر (۷۰) تصانیف تھیں (۱) نیز جاحظ کا بیان ہے۔

''عہدِ عباسی میں بعض اوقات ایک عالم پچاس برس احادیث و آثار اور تاویلِ قرآن کی جستجو میں گزارتا، فقہاء کی ہمنشینی کرتا، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے ہمعصروں کی کتابوں میں غور و فکر کرتا، کتاب الشروط یاد کرتا پھر کہیں منصب قضاء پر مامور کیا جاتا تھا۔'' (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں قاضی کو کتنا ذخیرۂ علمی پیشِ نظر رکھنا ہوتا تھا۔

۱- ابوعبداللہ محمد بن عمر مدنی واقدیؒ کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد سہمی اسلمی مدنی واقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ/ ۷۴۷-۸۲۳ء) کے دادا واقد اسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ موصوف محدث، حافظ حدیث، فقیہ، مفسر، مورخ، ادیب، لغوی، قاضیٔ بغداد اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے (۳) ان کا ذاتی کتب خانہ چھ سو (۶۰۰) قمطر کتابوں پر مشتمل تھا، ہر قمطر اتنا وزنی تھا کہ اس کو دو آدمی اٹھاتے تھے (۴) دو غلام اس کے لیے رات دن لکھتے رہتے تھے، مؤرخ محمد ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کو کاتب واقدی کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ واقدی کے ذخیرۂ کتب کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جب موصوف بغداد کے مغربی گوشے سے مشرقی جانب منتقل ہوئے ان کی کتابیں ایک سو بیس اونٹوں

۱- العبر ۱/ ۲۱۹۔ ۲- کتاب الحیوان ۱/ ۸۷۔ ۳- طبقات ابن سعد ۵/ ۳۱۴، الفہرست ۱۴۴، معجم الأدباء ۷/ ۵۵، الأنساب، ورق ۵۷۶، الوافی بالوفیات ۴/ ۲۳۸، تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۳۴۸، میزان الاعتدال ۳/ ۶۶۵۔

۴- الفہرست ۱۴۴، تاریخ بغداد ۳/ ۶، الأنساب، ورق ۵۷۶، ب، معجم الأدباء ۷/ ۵۸، میزان الاعتدال ۳/ ۶۶۵۔

میں گئی تھیں(۱)

اس دور میں اس قسم کے کتب خانوں کا تو ذکر ہی کیا اس سے بھی بہتر اور زیادہ ذخیرے کے کتب خانے کم وبیش ہر ایک محدث کے پاس موجود تھے۔

واقدی کا بیان ہے''معاصرین میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی کتابیں اس کے حفظ سے زیادہ نہ ہوں البتہ میرا حفظ میری کتابوں سے زیادہ ہے''(۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے معاصر علماء ومحدثین میں سے ہر ایک کے پاس اتنے ہی بڑے کتب خانے موجود تھے۔ واقدی کو صرف حفظ کی وجہ سے ان پر فوقیت حاصل تھی، واقدی کے انتقال کے بعد اس کا کتب خانہ دو ہزار دینار میں فروخت ہوا تھا(۳) گویا اس کیفیت وکمیت کے کتب خانے اس دور میں عام تھے۔

۲- ابواحمد بن محمد الحاکم الکبیر کا کتب خانہ:

محمد بن بشیر ابوسعید نیشاپوری کرابیسی المعروف بالحاکم الکبیر (۲۷۵-۳۷۸ھ/۸۱۸-۹۸۸ء) موٹے کپڑے کے تاجر(۴) حافظِ حدیث، محدثِ خراسان، فقیہ، کثیر التصانیف مصنف اور قاضی شاش وطوس تھے(۵) اور بہت لکھا تھا(۶)

موصوف ہمہ وقت کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتے اور لکھتے پڑھتے رہتے تھے تا آنکہ کرسی عدالت پر بھی کتاب کا مطالعہ نہیں چھوٹتا تھا۔ حاکم نیشاپوری کا بیان ہے:

''جب طوس میں قاضی تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا دیکھتا کہ کتابیں ان کے سامنے رکھی ہوتی تھیں یہ فیصلہ کرتے پھر کتابوں میں منہمک ہوجاتے تھے''(۷)

۱- تاریخ بغداد: ۳/ ۴-۵، الأنساب، ورق: ۵۷۶، ب معجم الأدباء: ۷/ ۵۷-۵۸، الوافی بالوفیات: ۴/ ۲۳۸، العبر: ۱/ ۳۵۳، میزان الاعتدال: ۳/ ۶۶۵، مرآۃ الجنان: ۲/ ۳۶، تہذیب التہذیب: ۹/ ۳۶۵، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۹۳۔

۲- تاریخ بغداد: ۳/ ۶، معجم الأدباء: ۷/ ۵۷۔ ۳- الفہرست: ۱۴۴۔ ۴- المنتظم: ۷/ ۱۲۶۔ ۵- العبر: ۳/ ۹۔

۶- تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۷۷، الوافی بالوفیات: ۱/ ۱۱۵، طبقات الشافعیۃ: ۱/ ۴۲۰۔ ۷- المنتظم: ۷/ ۱۲۶۔

۳- ابوعمر محمد بن یوسف ازدی بغدادی کا کتب خانہ:

ابوعمر محمد بن یوسف بن یعقوب بن اسماعیل ازدی بغدادی (۲۴۳-۳۲۰ھ/ ۸۵۷-۹۳۲ء) فقیہ محدث، فصیح وبلیغ خطیب تھے۔ بغداد میں ان کے دادا کے زمانے سے عہدۂ قضاء ان کے خاندان میں چلا آ رہا تھا موصوف کو بھی سنہ ۳۱۷ھ میں بغداد کا قاضی القضاہ بنایا گیا تھا۔ موصوف کا بغداد میں کتابوں کا خزانہ تفسیر، حدیث، فقہ کے علاوہ قدماء کے دواوین کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ تھا۔ (۱)

۴- ابوالولید عبداللہ بن محمد الفرضی کا کتب خانہ:

ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف ازدی اندلسی قرطبی مالکی المعروف بابن الفرضی (۳۵۱-۴۰۳ھ /۹۶۲-۱۰۱۳ء) مؤرخ، انساب کے ماہر، حافظِ حدیث، محدث، فقیہ، شاعر، مصنف اور بلنسہ کے قاضی تھے۔ تحصیلِ علوم کے لیے مغرب ومشرق (ایشیا اور یورپ) کا سفر کیا اور بہت کتابیں جمع کی تھیں (۲)۔

"كَانَ جَمَّاعاً لِلْكُتُبِ فَجَمَعَ مِنْهَا أَكْثَرَ مَا جَمَعَهُ أَحَدٌ مِنْ عُظَمَاءِ الْبَلَدِ" (۳)

موصوف کتابیں جمع کرنے کے شوقین تھے، اس سے بھی زیادہ کتابیں جمع کی تھیں جتنی شہر کی عظیم شخصیتوں میں سے کوئی سربرآوردہ شخصیت جمع کرتی ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اندلس میں دو قسم کے کتب خانوں کا رواج تھا، ایک پڑھے لکھے لوگ جن کے وسائلِ معاش وذرائع آمدنی محدود ہوتے تھے ان کے کتب خانے مالی وسائل کی کمی کے باعث زیادہ بڑے نہیں ہوتے تھے، ایسے لوگوں میں اگر کوئی عظیم الشان کتب خانہ بنالیتا جیسا کہ دولت مند اور ملک کی سربرآوردہ شخصیتیں جن کے وسائلِ آمدنی زیادہ ہوتے ہیں، بناتے تھے تعجب وحیرت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ ابن الفرضی دولتمند نہ تھے ان کا ایسا عظیم الشان کتب خانہ قائم کرنا یقیناً باعثِ حیرت تھا۔ ابن الفرضی کا کتب خانہ تاریخ، حدیث، فقہ، رجال، ادب ولغت کی کتابوں اور ان کی تصانیف پر مشتمل تھا۔

۱- تاریخ بغداد: ۲/ ۳۵۸، المنتظم: ۱/ ۳۸۱-۳۸۲، معجم الأدباء: ۷/ ۲۷-۲۸، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۸۷۵، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲/ ۱۹۱، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۲۳۱، انباہ الرواۃ: ۳/ ۱۷۳، بغیۃ الوعاۃ: ۱/ ۱۶۵۔ ۲- نفح الطیب: ۲/ ۳۲۹-۳۳۱، جذوۃ المقتبس: ۷/ ۵۳، الذخیرۃ فی محاسن اھل الجزیرہ: ۲/ ۱۳۰، ق: ۱، العبر: ۳/ ۷۵۔ ۳- کتاب الصلۃ: ۱/ ۱۵۳، العبر: ۳/ ۱۵۳، دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/ ۶۳۲۔

۵- ابومنصور محمد بن عبدالجبار تمیمی مروزی حنفی (۰۰-۴۵۰ھ/ ۰۰-۱۰۵۸ء) کا کتب خانہ:

علامہ عبدالکریم سمعانی کے پردادا مرؔو میں آباد تھے، موصوف اپنے وقت میں حنفیہ کے سرتاج، فقیہ، محدث، مفتی، قاضی، وصاحب التصانیف عالم تھے (۱) اس خانوادہ میں سیادت وقیادت، قضاء، افتاء، درس وتدریس، تصنیف وتالیف کا سلسلہ برابر قائم رہا اس لیے یہ خاندان اپنی دینی، علمی شہرت وعظمت میں نظیر نہیں رکھتا (۲)۔

علامہ سمعانی کے والد ابوبکر محمد المتوفی ۵۱۰ھ اصفہان سے کتابیں لاتے تھے اس لیے ان کے آبائی خزانۃ الکتب میں بہت زیادہ اضافہ ہوا، ان کی کتاب ''الانساب'' کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یاقوت نے مرو میں خانوادۂ سمعانی کے دو خزانۃ الکتب کا تذکرہ کیا ہے، (۳) لیکن اس امر کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ یہ کون سے دو خزانۃ الکتب تھے، دراصل ایک ان کا جدی کتب خانہ تھا اور دوسرا ''مدرسۃ السماعانیین'' کا خزانۃ الکتب تھا، ''مدرسۃ السمعانیین'' وہی مدرسہ تھا جس میں ان کے آباء واجداد پڑھاتے چلے آئے تھے ان کا ذکر علامہ سمعانی نے ''مدرستنا'' (۴) اور کبھی ''مدرستی'' (۵) کے الفاظ سے کیا ہے۔ یہی خزانۃ الکتب مرو میں کتابوں کی کثرت وندرت میں مشہور تھا۔

اس قسم کے کتب خانے حسبِ ذیل قاضیوں اور دانشوروں کے پاس بھی تھے:

۶- ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم شیبانی بصری ظاہری المعروف بابن ابی عاصم (۲۰۶-۲۸۷ھ/ ۸۲۲-۹۰۰ء) (۶)

۷- ابوالحسن علی بن مسہر مولی کوفی قرشی المتوفی (۱۸۹ھ/ ۸۰۵ء) (۷)

۸- ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل ازدی بصری بغدادی مالکی (۱۹۹-۲۸۲ھ/ ۸۱۵-۸۹۶ء) (۸)

۹- ابوعلی حسن بن زیاد لولوئی کوفی المتوفی (۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء) (۹)

۱- الأنساب، ورق: ۳۰۷ب، اللباب: ۲/ ۱۳۸، الفوائد البھیہ: ۱۷۳۔ ۲- الطبقات الشافعیۃ الکبری: ۷/ ۱۸۱۔

۳- معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔ ۴- الطبقات الشافعیۃ الکبری: ۷/ ۳۲۔ ۵- ایضاً: ۶/ ۱۰۳۔

۶- تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۶۴۰، العبر: ۱/ ۲۷۹، تہذیب التہذیب: ۷/ ۸۳۔ ۷- تذکرہ الحفاظ: ۱/ ۲۹۱، العبر: ۱/ ۳۰۳۔

۸- الفھرست: ۱۶۹، تاریخ بغداد: ۶/ ۲۸۷-۲۸۸ تاریخ بغداد: ۷/ ۳۱۴، الأنساب، ورق: ۴۹۶ب، الفھرست: ۲۸۸-۳۱۵۔

۹- انباہ الرواۃ: ۳/ ۳۴۸، الوافی بالوفیات: ۲/ ۱۶۲-۱۶۳، تذکرہ الحفاظ: ۱/ ۱۷۔

۱۰- ابوالحسن نضر بن شمیل بن خرشتہ مازنی بصری مروزی (۱۲۲-۲۰۳ھ/ ۷۴۰-۸۱۹ء)(۱)

۱۱- ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج بغدادی (۲۴۹-بعد ۳۰۶ھ/ ۸۶۳-۹۱۸ء)(۲)

۱۲- محمد بن عمر ابوبکر الجعابی (۳)

۱۳- ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد ضبی طہمانی نیشاپوری شافعی المعروف بابن البیع والحاکم (۳۲۱-۴۰۵ھ/ ۹۳۲-۱۰۱۴ء)(۴)

۱۴- ابوالفرج محمد بن عبیداللہ بن حسن بصری شافعی المعروف بابن ابی البقاء (۴۱۸-۴۹۹ھ/ ۱۰۲۷-۱۱۰۵ء)(۵)

۱۵- ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد دامغانی بغدادی حنفی (۴۰۰-۴۷۸ھ)(۶)

۱-انباہ الرواۃ:۳/۳۴۸، الوافی بالوفیات:۲/۱۶۲-۱۶۳، تذکرہ الحفاظ:۱/۳۱۷۔

۲-طبقات الفقہاء:۱۰۹، طبقات الشافعیہ الکبری:۳/۲۳، تہذیب الاسماء واللغات:۲/۲۵۲، تذکرۃ الحفاظ:۳/۸۱۲، البدایہ والنھایہ:۱۱/۱۲۹، تاریخ بغداد:۴/۲۸۷-۲۹۰۔

۳-تاریخ بغداد:۳/۲۸و۳۱، المنتظم:۷/۳۸، البدایہ والنھایہ:۱۱/۲۱۲، تذکرۃ الحفاظ:۳/۹۲۵، لسان المیزان:۵/۳۲۲، الوافی بالوفیات:۳/۳۲۰، وفیات الأعیان:۱/۴۸۴، تاریخ بغداد:۵/۴۷۳۔

۴-تذکرۃ الحفاظ:۳/۱۰۴۰، الوافی بالوفیات:۳/۳۲۰، وفیات الأعیان:۱/۴۸۴، تاریخ بغداد:۵/۴۷۳۔

۵-الکامل فی التاریخ:۱۰/۳۴۱، خزائن الکتب القدیمۃ:۲۴۲۔

۶-الأنساب:۵/۲۹۰، المنتظم:۸/۱۹۲-البدایہ والنھایہ:۱۲/۷۷۔

(ز) متکلمین کے کتب خانے

متکلمین کا ذخیرۂ کتب علم کلام کے علاوہ ان کے استادوں کی گوناگوں علوم وفنون کی کتابوں کا جامع اور ان کے مختلف علوم میں شغف وبصیرت کی بناء پر تنوع کا حامل ہوتا تھا۔

۱- رکن الدین ابوالمعالی امام الحرمین کا کتب خانہ:

رکن الدین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف جوینی نیشاپوری شافعی المعروف بامام الحرمین (۴۱۹-۴۷۸ھ/۱۰۲۸-۱۰۸۵ء) بلند پایہ فقیہ، متکلم، مفسر، نحوی، ادیب ومصنف تھے۔ نظام الملک طوسی نے نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ ان کے لیے بنایا تھا(۱) ان کا ذاتی کتب خانہ علیحدہ مکان میں تھا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ سب کتابیں ان کی پڑھی ہوئی تھیں۔(۲)

۲- ابوحیان علی بن محمد توحیدی کا کتب خانہ:

ابوحیان علی بن محمد بن العباس توحیدی (۰۰-۴۰۰ھ/۰۰-۱۰۱۰ء) نحوی، ادیب، شاعر، صوفی، فلسفی، متکلم، معتزلی، کثیر التصانیف مصنف، بلا کا ذہین ووراق تھا(۳)۔

وراقت وکتابت پر گزر بسر کرتا(۴) اور اپنی تصانیف کی ناقدری پر روتا تھا، کتابوں کا بہت دلدادہ تھا بہت نوادر کتب جمع کیے تھے۔ یہ زیادہ تر اصل نسخے اور حوالے کی کتابیں تھیں، اسماعیل بن عباد طالقانی جو کتابوں کا شیدائی وعلم کا پروانہ تھا جب اس کا مخالف ہوا اور اسے قید خانے میں ڈلوایا جوشِ غضب میں اس کا کتب خانہ بھی نذرِ آتش کرا دیا اس واقعہ کا ذکر ابوحیان نے بہت دکھ کے ساتھ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"اس (طالقانی) نے مجھے سال بھر قید میں رکھا، میری کتابیں جمع کر کے جلا دیں حالانکہ ان میں فراء و

۱- تبیین کذب المفتری: ۲۷۸، دمیۃ القصر وعصرۃ اھل العصر: ۱۹۶-۱۹۷، العقد الثمین: ۷/ ۵۰۷-۵۰۸، المنتظم: ۹/ ۱۸، وفیات الأعیان: ۱/ ۲۸۷-۲۸۸، العبر: ۲/ ۲۹۱ المختصر فی أخبار البشر: ۲/ ۱۹۶ (لوالیہا) لوفیات: ۱/ ۲۷۴، مرآۃ الجنان: ۳/ ۱۲۴، طبقات الشافعیہ: ۱/ ۴۰۹، البدایہ والنہایہ: ۱۲/ ۱۲۸-۱۲۹۔

۲- طبقات الشافعیہ الکبری: ۵/ ۱۸۵، المنخول من تعلیقات الاصول: ۱۵-۱۶ (مقدمۃ المحقق)

۳- معجم الأدباء: ۵/ ۳۸۰، لسان المیزان: ۶/ ۳۷۰۔ ۴- تتمۃ صوان الحکمۃ: ۱۱۶۔

کسائی کی کتابیں تھیں، مصاحفِ قرآنی تھے، فقہ وکلام کی بہترین بنیادی کتابیں اور اصل نسخے تھے، اس نے ان میں اور علومِ اوائل کی کتابوں میں بھی امتیاز نہیں کیا بغیر سوچے سمجھے انتہائی جہالت اور سخت طیش سے ان میں آگ لگانے کا حکم دے دیا، اس نے اپنے خزانۃ الکتب میں آگ کیوں نہیں لگائی جس میں ابن راوندی کی کتابیں ہیں، ابن ابی العوجاء کا کلام ہے جو اس کے زعم میں قرآن کا معارضہ ہے، صالح بن عبدالقدوس ابی سعید حمیری کے کلام و ارسطا طالیس وغیرہ کی کتابوں میں آگ کیوں نہیں لگائی، کتابوں کو جلانا اس کی حماقت کی نشانیوں میں سے ہے"(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ معاشرہ میں کتابوں کا جلانا غایت درجہ معیوب سمجھا جاتا تھا، اس کے باوجود یہ حادثات اتفاقی طور پر کبھی کبھی ہوتے رہتے تھے۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ ابوحیان توحیدی کا کتب خانہ کیسی اہم کتابوں پر مشتمل تھا اور اسے اپنے کتب خانے کے جلانے کا کتنا قلق وصدمہ تھا، اس نے صاحب ابن عباد کو اس کی اس حرکت پر کس طرح مطعون کیا اور سمجھایا ہے

"ہر کہ بخود نہ پسندی بدیگرے مپسند"

نیز اس سے معلوم ہوا کہ صاحب ابن عباد کے کتب خانہ میں کس نوع کی کتابیں تھیں۔ آخر عمر میں ابو حیان توحیدی نے اپنی تصانیف کو زیادہ مفید خیال نہ کرکے اور مرنے کے بعد نا قدروں کے ہاتھوں میں جانے کے ڈر سے نذرِ آتش کردیا تھا(۲)۔

حسبِ ذیل نامور متکلمین بھی کم وبیش اس نوع کے ذخائرِ کتب رکھتے تھے۔

۳- ابوعبدالرحمن علی بن الحسن بن شقیق عبدی مروزی (۱۳۷-۲۱۵ھ/۷۵۴-۸۳۰ء)(۳)

۴- ابوسعد اسماعیل بن علی بن حسین معتزلی المعروف بالسمان (۳۶۹-۴۴۳ھ/۹۷۹-۱۰۵۱ء)(۴)

۱- معجم الأدباء: ۲/۳۹۶۔ ۲- معجم الأدباء: ۵/۳۸۶۔

۳- تاریخ بغداد: ۱۱/۳۷۰-۳۷۲، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۷۰، تہذیب التہذیب: ۷/۲۹۔

۴- مختصر تاریخ دمشق: ۳/۳۰۵، تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۲۲، معجم البلدان: ۳/۱۴۱، الجواہر المضیئۃ: ۲/۱۵۷۔

۵- ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی نزیل بغداد ثم نجفی شیعی (۳۸۵-۴۶۰ھ/ ۹۹۵-۱۰۶۷ء)(۱)

۶- ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک انصاری اصفہانی شافعی التوفی (۴۰۶ھ/ ۱۰۱۵ء)(۲)

۱-البدایہ والنہایہ: ۱۲/ ۷۲، المنتظم: ۸/ ۷۹، الکامل فی التاریخ: ۹/ ۶۳۷، تہذیب التہذیب: ۵/ ۱۳۵، روضات الجنات: ۶/ ۲۲۵، رجال الطوسی: ۱۶-۱۷۔

۲-تبیین کذب المفتری: ۲۳۲، السیاق، ورق: ۱، وفیات الاعیان: ۲/ ۴۸۲، الوافی بالوفیات: ۲/ ۳۴۴، طبقات الشافعیہ: ۲/ ۲۶۷۔

(ح) صوفیہ کے کتب خانے

صوفیہ کے متعلق عام خیال ہے کہ انہیں دنیوی کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور علم وکتاب سے بے بہرہ ہوتے ہیں، اس مفروضہ کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عہدِ عباسی میں صوفیہ کتابیں پڑھتے ہی نہ تھے کتابوں کا ذخیرہ رکھتے اور کتب خانے بھی بناتے تھے، ان کا ذخیرۂ کتب فلسفہ، اخلاق وتصوف کے علاوہ علوم قرآن وسنت، فقہ وکلام اور تاریخ کی کتابوں کا بھی جامع ہوتا تھا۔

عہدِ عباسی میں بیشتر صوفیہ بلند پایہ عالم ہوتے تھے اور بعض صوفیہ علوم کے ایسے دلدادہ تھے کہ وہ اپنے ساتھ وراقوں کی ایک جماعت لے کر نکلتے تھے جو ان کے لیے کتابیں نقل کرتی تھیں، ابوعبداللہ صفار ایسے ہی صوفیہ میں سے تھے، بعض صوفیہ صرف کتابوں کے مقابلہ کے لیے پچاس پچاس دینار دیتے تھے اور بعض کتب خانے میں ہمیشہ باوضو داخل ہوتے تھے۔

۱- ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ صفار کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی المعروف صفار (ٹھٹھیرے) (۲۴۱-۳۳۹ھ/۸۵۶-۹۵۱ء) بلند پایہ محدث (۱) صوفی وکثیر التصانیف بزرگ تھے۔ (۲)

موصوف نے ابن ابی الدنیا قاضی اسماعیل بن اسحاق، ابوبکر بن ابی شیبہ سے ان کی تصانیف کا عبداللہ بن احمد سے مسند احمد کا سماع کیا تھا اور یہ سب نقل بھی کی تھیں۔ موصوف جب سفیان بن الحسن سے حدیثوں کا سماع کرنے نکلے تو نقل نویسوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر نکلے (۳) ان کے ذخیرۂ کتب میں اور کتابوں کے علاوہ مذکورہ بالا ائمۂ فن کی تمام تصانیف بھی تھیں۔

ابوالعباس مصری ان کا وراق تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ان کے ساتھ خیانت کی اور ان کے کتب خانے سے پانچ سو سے زیادہ جزء نکال لیے، مگر موصوف اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے اور واپسی کی کوشش کرتے رہے، مگر اس نے واپس نہیں کیے آخر شیخ کی بددعا سے اسے نقصان پہنچا۔ (۴)

۱- حلیۃ الأولیاء: ۳/۲۷۱، اللباب: ۲/۳۴۳-۳۴۴۔ ۲- العبر: ۲/۲۵۰، الوافی بالوفیات: ۳/۳۴۹، المنتظم: ۲/۳۳۹، طبقات الشافعیۃ: ۲/۲۳۷، البدایہ والنھایہ: ۱۱/۲۲۴، شذرات الذھب: ۲/۳۴۹۔ ۳- الأنساب، ورق: ۳۵۳۔

۴- الطبقات الشافعیۃ: ۳/۱۷۸۔

۲- ابوسعد احمد بن محمد ھروی مالینی کا کتب خانہ:

ابوسعد احمد بن محمد بن عبداللہ ھروی مالینی المعروف بطاؤس الفقراء (۴۱۲ھ/ ۱۰۲۴ء) حافظ حدیث، محدث، صوفی و مصنف تھے، (۱) صاحب تاریخ جرجان حمزہ سہمی التوفی ۴۲۷ھ سے ان کی دوستی تھی، ان کے پاس اپنی کتابیں بطور امانت رکھی تھیں، جب موصوف نے ان کی تاریخ جرجان کو دیکھا تو بہت پسند کیا اور اپنا تذکرہ بھی اس میں کرنے کے لیے کہا۔ ۴۰۷ھ میں اپنا کتب خانہ یہاں سے مصر لائے، مصر میں انتقال ہوا (۲)۔ مالینی نے کتب خانے میں ایسی کتابیں جمع کی تھیں جو معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھیں (۳)۔

مالینی خود بھی کتابیں نقل کرتے اور دوسروں سے اجرت پر نقل کراتے، مقابلہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ عبدالعزیز کو نقل و مقابلہ کی اجرت پچاس دینار دی تھی (۴)۔

۳- شیخ الاسلام ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمن صابونی کا کتب خانہ:

شیخ الاسلام ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمن بن احمد صابونی (۳۷۳-۴۴۹ھ/ ۹۸۳-۱۰۵۷ء) تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور کلام میں امام فن و شیخ طریقت تھے، مصنف، واعظ، استاذ، ادیب و شاعر تھے۔ خراسان، غزنہ، جرجان، طبرستان، آذربائیجان، شام، حجاز و ہند کے اتنے علماء نے موصوف سے حدیث پڑھی تھی کہ شمار نہیں کیا جاسکتا (۵) فارسی عربی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا ان کا ذاتی کتب خانہ تھا جس کے متعلق فرماتے ہیں "میں نے مجلس میں جو حدیث واثر بیان کیا اس کی سند مجھے یاد ہے اور میں کتب خانہ میں ہمیشہ باوضو داخل ہوا ہوں" (۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء و محدثین علم کو عبادت اور کتب خانہ کو عبادت گاہ سمجھتے تھے۔

۱- مختصر تاریخ دمشق: ۱/ ۴۴۵، معجم الأدباء: ۵/ ۴۴، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۵۹-۶۰۔ ۲- تاریخ جرجان: ۸۲-۸۳۔

۳- تاریخ بغداد: ۴/ ۳۲۷، الأنساب، ورق: ۵۰۳ب۔ ۴- مختصر تاریخ دمشق: ۱/ ۴۲۶، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۷۱، العبر: ۳/ ۱۰۷، المنتظم: ۸/ ۳، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۱۰، شذرات الذھب: ۳/ ۱۹۵۔

۵- الأنساب، ورق: ۳۴۷، منتخب السیاق، ورق: ۲۸، مختصر تاریخ دمشق: ۳/ ۳۰-۳۱، اللباب: ۲/ ۲۲۸۔

۶- الطبقات الشافعیہ الکبری: ۴/ ۲۷۵، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۷۶، شذرات الذھب: ۳/ ۳۸۲-۳۸۳۔

۴-ابوعبدالرحمن محمد بن الحسین سلمی نیشاپوری کا کتب خانہ:

ابوعبدالرحمن محمد بن الحسین بن موسیٰ ازدی سلمی نیشاپوری (۳۲۵-۴۱۲ھ/۹۳۶-۱۰۲۱ء) ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ، حافظِ حدیث، صوفی، شیخ طریقت و مصنف تھے۔(۱) ان کا ذاتی کتب خانہ تھا، ابوالقاسم قشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا بیان ہے:

''میں ایک بار شیخ ابوعلی حسن دقاق کے پاس بیٹھا ہوا تھا انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم ان کی طرف جاؤ تو انہیں اپنے ''بیت الکتب'' میں بیٹھا ہوا پاؤ گے اور سامنے کتابوں کے اوپر کی سرخ جلد چھوٹی چوکور کتاب رکھی ہوئی ہے، اس میں حسین منصور (حلاج) کے اشعار ہیں اسے اٹھا کر میرے پاس لے آنا، یہ دوپہر کا وقت تھا میں سلمی کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ وہ اپنے ''بیت الکتب'' مین بیٹھے ہوئے ہیں، وہ مجلد کتاب جہاں ابوعلی نے بتائی تھی رکھی ہوئی تھی (۲) میں نے وہ کتاب شیخ سلمیؒ سے لاکر انہیں پیش کردی''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کتب خانہ سے مشائخ نیشاپور بھی کتابیں عاریتاً لے جاتے تھے اور بہت سی کتابوں کے علاوہ ان کی سو (۱۰۰) سے زیادہ تصانیف بھی تھیں۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی Author Bibliography بھی تیار کی گئی تھی۔

اس قسم کے کتب خانے مندرجہ ذیل صوفیہ بھی رکھتے تھے۔

۵- ابوعبدالرحمن عبداللہ بن عبدالعزیز بن عمر بن الخطابؓ المتوفی ۱۸۴ھ (۴)

۶- ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصرآبادیؒ المتوفی ۳۶۷ھ (۵)

۷- ابومسعود احمد بن عبد، رازی بجلی نیشاپوریؒ (۳۶۲-۴۴۹ھ/۹۷۲-۱۰۵۷ء)(۶)

۸- ابومحمد فضل بن احمد بن محمد صاعدی فراویؒ (۴۱۴-۴۸۷ھ) (۷)

۱- منتخب السیاق، ورق: ۱ا ب، الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/ ۱۴۳۔ ۲- تاریخ بغداد: ۲/ ۲۴۸-۲۴۹، الرسالۃ القشیریہ: ۱۱۷-۱۱۸، الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/ ۱۴۵۔ ۳- منتخب السیاق، ورق: ۱ا ب، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۰۴۶، الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/ ۱۴۴۔

۴- کتاب الحیوان: ۱/ ۶۲، حلیۃ الأولیاء: ۸/ ۲۸۳۔ ۵- مختصر تاریخ دمشق: ۲/ ۲۴۷۔

۶- منتخب السیاق، ورق: ۲۶، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۱۲۶، العبر: ۳/ ۱۲۹۔ ۷- منتخب السیاق، ورق: ۱۲۔

۹- ابوعبداللہ اسعد بن احمد بن محمد نسویؒ المتوفی ۵۰۰ھ(۱)

۱۰- ابوحفص محمد بن عبدالحمید ابیوردیؒ المتوفی ۵۰۱ھ(۲)

۱۱- عزالدین ابوالعباس بن ابراہیم بن عمر فاروثی واسطی (۶۱۴-۶۹۴ھ/۱۲۱۷-۱۲۹۴ء)(۳)

۱۲- ابوبکر عبدالرزاق بن عبدالقادر بن ابی صالح جیلی بغدادی حنبلیؒ (۵۲۸-۶۰۳ھ)(۴)

۱۳- جمال الدین ابوغانم محمد بن ھبۃ اللہ بن محمد حلبی حنفی المعروف با بن ابی جرادہؒ (۵۴۰-۶۲۸ھ/ ۱۱۴۵-۱۲۳۱ء)(۵)

۱- منتخب السیاق، ورق: ۴۸۔

۲- منتخب السیاق، ورق: ۱۸۔

۳- مرآۃ الجنان: ۴/ ۲۲۳۔

۴- تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۸۶، طبقات الحنابلہ: ۲/ ۴۰۔

۵- معجم الأدباء: ۶/ ۲۳، أعلام النبلاء: ۴/ ۳۷۷۔

(ط) نحویوں کے کتب خانے

نحویوں کے پاس ابتدائی دور میں اپنے اپنے دبستان کا خصوصی اور دوسرے علوم وموضوعات کا ان کے مذاق کے مطابق عمومی ذخیرۂ کتب جمع رہتا تھا چنانچہ ابن جنی المتوفی ۳۹۲ھ کا بیان ہے:

''ہمارے اصحاب یعنی دبستان کوفہ کے ہمارے اساتذۂ نحو نے عللِ نحویہ امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۹۸ھ کی کتبِ فقہ سے اخذ کیے ہیں۔''(۱) متاخرین ائمۂ لغت ونحو کے ذخائر کتب میں کوفہ وبصرہ کے نہیں بغداد کے ائمۂ لغت ونحو کے اختلافات کا ذخیرہ بھی کیا جاتا تھا نیز اسلامی وادبی علوم کا بھی تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ متاخرین میں سے کسی نے اپنی اہم تالیف میں لغت ونحو کی کوئی غلطی تو نہیں کی ہے چنانچہ ابوعمر زاہد غلام ثعلب کا بیان ہے:
''میں نے تفسیر طبری کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا اس میں نحو ولغت کی کوئی غلطی نہیں پائی۔''(۲) اس غرض سے وراق ان کے لیے کتابیں نقل کرتے اور ان کے علوم وکتب کی نشر واشاعت کرتے تھے۔

بعض نحویوں کا ذخیرۂ کتب اتنا وسیع تھا کہ انہوں نے اس کی ترتیب وسہولت کی خاطر نوٹیشن (Notation) ایجاد کیا تھا اور کتابوں کی درستی وحفاظت کے معاملہ میں اتنا اہتمام کرتے تھے کہ کتابوں کے خراب ہوجانے کے بعد مسالہ لگا کر درست کرتے تھے۔

۱-ابوالعباس احمد بن یحییٰ شیبانی ثعلبؒ کا کتب خانہ:

ابوالعباس احمد بن یحییٰ بن زید شیبانی المعروف بثعلب (۲۰۰-۲۹۱ھ/۸۱۶-۹۰۴ء) دبستان کوفہ میں لغت ونحو کے حافظ وامام، شعر قدیم کے راوی، فراء وامام کسائی کی کتابوں کے حافظ وراوی (۳) حافظِ حدیث اور مصنف تھے (۴)۔

امام ثعلب نے کتاب سامنے رکھ کر کبھی درس نہیں دیا نہ کبھی ہاتھ میں کتاب رکھی اس کے باوجود ان کے

۱-الخصائص: ۱/ ۱۶۳، کتاب الاقتراح فی علم اصول النحو: ۱۲۱۔ ۲-جامع بیان العلم: ۱/ ۱۲ (مقدمۃ المحقق)

۳-طبقات النحویین واللغویین: ۱۵۵، نزھۃ الألباء: ۱۵۷-۱۵۸، تاریخ بغداد: ۴/ ۲۰۴-۲۰۵، ۲۰۹، معجم الأدباء: ۲/ ۳۳، ۱۴۱، انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۳۸، ۱۴۴، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۰، الأنساب، ورق: ۵۵۵ب۔

۴-المنتظم: ۶/ ۴۴، البدایہ والنھایہ: ۱۱/ ۹۸، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۶۶۶، انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۳۹، معجم الأدباء: ۱/ ۱۳۴۔

پاس ذاتی کتب خانہ تھا اور اس میں نہایت جلیل القدر کتابیں تھیں۔ موصوف نے انتقال سے پہلے ایک شاگرد علی بن محمد کوفی کو وصیت کی تھی کہ یہ کتابیں ابوبکر احمد بن اسحاق قطربلی کو دے دیں۔

ابواسحاق ابراہیم زجاج المتوفی ۳۱۱ھ نے قاسم بن عبیداللہ رأس البغل المتوفی ۲۹۱ھ سے کہا: "ان جلیل القدر کتابوں کا خیال رکھے، ساری کتابیں خرید لی جائیں، قاسم نے خیران وراق سے ان کی قیمتیں لگوائیں، اس نے دس دینار والی کتاب کے تین دینار لگائے پھر بھی کتابیں تین سو دینار تک جا پہنچی تھیں۔" اس طرح رأس البغل نے ایک ہزار دینار کی کتابیں تین سو دینار میں خرید لی تھیں۔ (۱)

اس ذخیرۂ کتب میں مسائلِ اخفش بخط ذی الرمہ وراق ابی حاتم کا نسخہ مستنصر باللہ کے خلیفہ بننے سے پہلے بغداد سے قرطبہ پہنچ گیا تھا، محمد بن ابان لخمی المتوفی ۳۵۴ھ نے یہ نسخہ مستنصر باللہ کے پاس دیکھا تھا۔

۲- ابوموسیٰ سلیمان بن محمد حامضؒ کا کتب خانہ:

ابوموسیٰ سلیمان بن محمد بن احمد نحوی بغدادی المعروف بحامض (۰۰-۳۰۵ھ/ ۰۰-۹۱۸ء) نامور نحوی لغوی تھے، چالیس برس ثعلب سے کسبِ کمال کیا پھر ان کی جگہ مسند نشین ہوئے، حسنِ ضبط و وراقت میں شہرت حاصل تھی، تلخ گو اور ترش رو تھے، متعدد کتابیں ان سے یادگار ہیں (۲) ان کے پاس کتابوں کا ذخیرہ تھا جس کی وصیت انہوں نے ابوفاتک مقتدری کے حق میں کی تھی (۳)۔

۳- ابوالحسن علی بن محمد ابن الکوفی کا کتب خانہ:

ابوالحسن علی بن محمد بن الزبیر اسدی المعروف بابن الکوفی (۲۵۴-۳۴۸ھ/ ۸۶۸-۹۶۹ء) بلند پایہ نحوی، ادیب، صحیح الخط بحاث (بہت چھان بین کرنے والا) امام ثعلب کا تلمیذِ خاص، مصنف (۴) و محدث تھا (۵) اس کے باپ نے پچاس ہزار (۵۰،۰۰۰) دینار چھوڑے تھے، یہ ساری دولت علم کی طلب، کتابوں کی

۱- طبقات اللغویین والنحویین: ۱۶۶، انباہ الرواۃ: ۱/ ۱۳۸، معجم الادباء: ۲/ ۱۴۴-۱۴۵۔

۲- طبقات اللغویین والنحویین: ۱۱۰-۱۱۱، الفہرست: ۱۷۷، تاریخ بغداد: ۹...... ۶۱، نزہۃ الالباء: ۳۰۶، الانساب، ورق: ۱۰۲، معجم الادباء: ۱۱/ ۲۵۵-۲۵۷، انباہ الرواۃ: ۲/ ۲۱-۲۳۔ ۳- الوافی بالوفیات: ۲/ ۴۰۶، بغیۃ الوعاۃ: ۱/ ۶۰۱۔

۴- الفہرست: ۱۱۷، معجم الادباء: ۵/ ۳۲۶، انباہ الرواۃ: ۲/ ۳۰۵، بغیۃ الوعاۃ: ۲/ ۱۹۵۔

۵- تاریخ بغداد: ۱۲/ ۸۱، العبر: ۲/ ۷۹، انباہ الرواۃ: ۲/ ۳۰۵-۳۰۶۔

خریداری میں اور کچھ اپنے نادار شاگردوں میں خرچ کی تھی۔

اس کی لکھی ہوئی کتابیں صحت وحسنِ خط میں اپنی نظیر آپ تھیں، وزیر جمال الدین قفطی کا بیان ہے: ''آج بھی یعنی ساتویں صدی ہجری میں ان کی کتابوں پر غور کیا جائے تو وہ بیدار مغزی، بحث وتحقیق اور علم کی طرف رہنمائی کرتی ہیں (۱)۔

یاقوت رومی نے ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں دیکھی ہیں وہ کہتا ہے: ''جب یہ کہا جائے کہ ''میں نے ابن الکوفی کے خط سے نقل کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے احتیاط میں حد کردی'' اور صحتِ اعراب وصحتِ خط میں اِن سے بہتر کتابیں میری نظر سے نہیں گزریں، موصوف احتیاطاً حرف پر اعراب بھی بمقدار حرف لگاتے تھے اور مشکوک کلمہ پر بار بار صح صح لکھتے تھے ان کا لکھا ہوا پرزہ بھی ایک درہم میں بکتا تھا'' (۲)۔

ابن الندیم کتاب ''الفہرست'' میں جابجا ''قرأت بخطِ ابنِ الکوفی'' میں نے یہ بات ابن الکوفی کے نوشتہ سے پڑھی ہے، یہ امر ابن الکوفی پر اس کے اعتماد کا شاہد عدل ہے۔ ابن الکوفی کتابوں کا بہت دلدادہ تھا، نہایت عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا (۳)۔

موصوف نے اپنے ''خزائن الکتب'' میں کتابوں کی کثرت کی وجہ سے ہر نوع کی کتابوں کے لیے ایک مخصوص جگہ بنا رکھی تھی، کتابوں کو نکالنے اور رکھنے کی سہولت کی خاطر کتاب کے شروع میں مخصوص علامت بھی لکھتے تھے۔ (۴)

۴-ناصح الدین ابومحمد سعید بن المبارک ابن الدھان کا کتب خانہ:

ناصح الدین ابومحمد سعید بن المبارک بن علی نحوی بغدادی المعروف بابن الدھان (۴۹۴-۵۶۹ھ / ۱۰۰۰-۱۰۷۳ء) مفسر، بلند پایہ لغوی، سیبویہ عصر، ادیب، شاعر وکثیر التصانیف تھے، اصفہان کے وقف کے کتب خانوں سے فائدہ اٹھایا، ادب کی کتابیں زیادہ اپنے ہاتھ سے نقل کیں (۵) ساری عمر کتابیں ہی جمع کرتے

۱-معجم الأدباء: ۵/۳۲۶۔

۲-الفہرست: ۱۷۷، معجم الأدباء: ۵/۳۲۶، انباہ الرواۃ: ۲/۳۰۵، بغیۃ الوعاۃ: ۲/۱۹۵، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۲۱-۲۲۲۔

۳-انباہ الرواۃ: ۲/۳۰۵۔

۴-ایضاً: ۲/۴۷، معجم الأدباء: ۴/۲۴۱، نکت الھمیان: ۱۵۸، بغیۃ الوعاۃ: ۱/۵۸۷۔

۵-ایضاً: ۲/۴۷، معجم الأدباء: ۴/۲۴۱، نکت الھمیان: ۱۵۸، بغیۃ الوعاۃ: ۱/۵۸۷۔

اور کتب خانہ بناتے رہے تھے(۱)۔

وزیر جمال الدین ابوجعفر محمد اصبہانی المتوفی ۵۵۹ھ بڑا دوست اور سخی انسان تھا اس نے انہیں پڑھانے کے لیے موصل بلایا، ۲۴ برس یہاں پڑھاتے اور کتاب لکھتے رہے، بغداد سے جاتے وقت اپنا کتب خانہ اپنے مکان میں جو محلہ مقتدیہ (۲) بغداد میں واقع تھا چھوڑ گئے تھے، ان کے مکان کے پیچھے کھالیں صاف کرنے کا کارخانہ تھا۔ ۲۲ رمضان ۵۶۹ھ بروز جمعہ دجلہ کا پانی ایسا چڑھا کہ مدرسے کے دروازے تک آ گیا، گلی کوچوں میں کشتیاں تیرنے لگیں (۳) ان کا مکان اور کتابیں خراب ہوگئیں جب یہ کتابیں موصل میں ان تک پہنچی انہیں بخود (مسالوں) سے صاف کرنے کا مشورہ دیا گیا، انہوں نے لاذن (ایک قسم کا مسالہ) سے کتابوں کو دھونی دینا شروع کیا، تیس رطل لاذن سے بھی زیادہ استعمال کیا اس کا دھواں دماغ میں چڑھ گیا، آنکھیں خراب ہوگئیں اور چل بسے (۴) موصوف نے اس عمل میں اپنی جان دے کر کتابوں کو اہلِ علم کے استفادہ کے قابل بنایا تھا۔

مذکورۂ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ اصفہان میں عوامی کتب خانے کافی تھے ان کا کتب خانہ ان عوامی کتب خانوں کے ذخیرۂ ادب کا ایک حد تک جامع تھا۔

۵-حسین بن احمد بن خالویہ کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ حسین بن احمد بن خالویہ ہمذانی (۰۰۰--۳۷۰ھ=۰۰۰--۹۸۰م) موصوف لغت، نحو کے امام اور صاحبِ تصانیف تھے، ان کی تصانیف میں "اسماء الأسد، البدیع فی القراء ات، کتاب الإشتقاق، کتاب المقصود والممدود، شرح مقصورة ابن درید اور اعراب ثلاثین سورة من القرآن العزیز" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں (۵) ابوعلی صقلی کا بیان ہے کہ میں ابن خالویہ کی مجلس میں بیٹھا تھا، اتنے میں سیف الدولہ کی طرف سے لغت کے متعلق کچھ سوالات آئے، ابن خالویہ بے چین ہوگئے اٹھ کر اپنے کتب خانہ سے کتابیں لے آئے اور شاگردوں میں تقسیم کر دیں تاکہ وہ ان کتابوں میں جوابات تلاش کریں، چنانچہ ان سے

۱-وفیات الأعیان:۱/۲۰۹۔ ۲-ایضاً، انباہ الرواۃ:۳/۴۷-۴۸، معجم الأدباء:۴/۲۴۲، وفیات الأعیان:۹/۲۰۹، الوافی بالوفیات:۷/۱۵۸۔ ۳-المنتظم:۱۰/۴۶۔

۴-انباہ الرواۃ:۲/۴۸و۵۰، معجم الأدباء:۳/۲۴۲، وفیات الأعیان:۲/۲۰۹، الوافی بالوفیات:۷/۱۵۰، بغیۃ الوعاۃ:۱/۵۸۷۔

۵-انباہ الرواۃ:۱/۳۶۰، الفہرست:۱۳۴، وفیات الأعیان:۲/۱۷۹، معجم الأدباء:۹/۲۰۴، الوافی بالوفیات:۱۲/۳۲۴۔

جوابات لکھوا کر سیف الدولہ کو بھیج دیئے(۱) اس واقعہ سے ابن خالویہ کے پاس کتب خانے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اس قسم کے کتب خانے حسب ذیل نحویوں کے پاس بھی تھے۔

۶- ابراہیم بن محمد بن سعدان نحوی ثم بغدادی المعروف بابن المبارکؒ المتوفی تقریباً(۲۵۰ھ/۸۶۴ء)(۲)

۷- ابوزکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ دیلمی المعروف بالفراء(۱۴۴-۲۰۷ھ/۷۶۱-۸۲۲ء)(۳)

۞ ۞۞

۱-رسائل البلغاء:۲۲۱۔ ۲-انباہ الرواۃ:۱/۱۸۵، الفہرست:۱۱۸۔ ۳-تاریخ بغداد:۱۴/۱۵۰، انباہ الرواۃ:۴/۲،۱۰/۸،۳۵، وفیات الأعیان:۲/۲۲۸، معجم الأدباء:۶/۸۵-۸۶، ۷/۲۷۷، نزهة الألباء:۶۵، بغية الوعاة:۳/۳۳۳۔

(ی) ائمۂ لغت کے کتب خانے

ائمۂ لغت کا ذخیرۂ کتب لسانیات وادبیات ہی کا جامع نہیں ہوتا تھا بلکہ اسلامی علوم، قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ پر بھی حاوی ہوتا تھا۔ اس لیے بعض کثیر التصانیف ائمۂ لغت کے کتب خانوں کی مالیت ونوعیت کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱-ابونصر احمد بن حاتم باھلی کا کتب خانہ:

ابونصر (ابواحمد) احمد بن حاتم باھلی نحوی بغدادی المعروف بغلام الاصمعی (۰۰-۲۳۱ھ/۰۰-۸۴۶ء) اصمعی کا نامور شاگرد، اس کی تصانیف کا راوی، ادیب لغوی اور مصنف تھا۔ اس نے لغت وادب کی کتابیں نقل کی تھیں (۱) اس کا کتب خانہ اصمعی، ابوعبیدہ اور زید وغیرہ کی تصانیف کا جامع تھا (۲) حمزہ نے کتاب الاصبہان میں لکھا ہے:

''۲۲۰ھ میں جب خصیب بن اسلم نے ابومحمد باھلی کو اصفہان بلایا وہ تصانیف اصمعی بھی ساتھ لایا اور محمد بن العباس کے پاس کتابیں رکھ کر حج کو چلا گیا، اس نے وہ کتابیں لوگوں کو نقل کرادیں جب باھلی واپس آیا اس خبر سے اس پر قیامت گزر گئی وہ عبداللہ کے پاس گیا اور کہا یہ میری آمدنی کا ذریعہ تھیں مجھے اتنا نقصان ہوا ہے، اس نے اہلِ شہر سے دس ہزار درہم جمع کیے اور دس ہزار درہم اپنے پاس سے ملا کر بیس ہزار درہم خصیب کو پہنچائے وہ یہ رقم لے کر بصرہ واپس آ گیا (۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف اصمعی کی تصانیف کا ذخیرہ بیس (۲۰) ہزار درہم کا تھا جو باھلی کے اس ذخیرہ کی قیمت جو وہ اصفہان لایا تھا بیس ہزار سے کم نہ تھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ علم کتابیں نہایت معتبر آدمی کے پاس رکھتے تھے کتابیں رکھنے میں اہم بات اعتماد ووثوق تھا اس لیے ہمیشہ خازن بہت معتبر آدمی کو بنایا جاتا تھا اور کتب خانہ کمائی اور آمدنی کا بھی ذریعہ تھا۔

۱-طبقات اللغویین والنحویین: ۱۹۷، تاریخ بغداد: ۴/ ۱۱۴، انباہ الرواۃ: ۱/ ۳۶۔ ۲-الفہرست: ۸۳، معجم الأدباء: ۱/ ۴۰۵۔
۳-معجم الأدباء: ۱/ ۴۰۶-۴۰۷۔

۲-ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان جشمی کا کتب خانہ:

ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان جشمی سجستانی (۱۶۶-۲۵۹ھ/ ۷۸۲-۸۶۴ء) لغت، نحو، ادب، عروض کے امام، محدث، ادیب، شاعر، استاد وکثیر التصانیف تھے۔ دبستان بصرہ کا پیشوا جامع بصرہ کا امام تھا، کتابوں کا بہت دلدادہ تھا، جمع بھی کرتا اور فروخت بھی کرتا تھا(۱)۔

اس کا جب انتقال ہوا شاہِ سجستان یعقوب صفار المتوفی ۲۶۵ھ نے اپنا آدمی بھیج کر اس کے وارثوں سے پورا کتب خانہ خرید لیا، یہ شیراز واھواز پر قابض تھا۔ اہلِ بصرہ کو بصرہ پر قبضہ کا خطرہ تھا اس لیے انہوں نے نہایت قلیل رقم صرف چودہ ہزار دینار میں اسے دلوا دیا اور یہ کتب خانہ یعقوب صفار کے یہاں منتقل ہو گیا(۲)۔

۳-ابو الحسن علی بن احمد بن علی ایذجی فالی کا کتب خانہ:

ابو الحسن علی بن احمد بن علی ایذجی فالی بغدادی (۰۰-۴۴۸ھ/ ۰۰-۱۰۵۶ء) ادیب، شاعر، محدث(۳) مصنف(۴) اور کتاب ''المحدث الفاصل'' رامہرمزی کا راوی تھا(۵)۔ موصوف کا ذاتی کتب خانہ بڑے نوادر پر مشتمل تھا گردشِ ایام سے فالی کو کچھ کتابیں بیچنی پڑیں، ان میں سے جمھرہ ابنِ درید کا نسخہ بھی جو قاضی ابوبکر بن بدیل تبریزی نے پانچ دینار میں خریدا تھا(۶)۔ قاضی موصوف اس نسخہ کو تبریز لے آئے، اس نسخہ سے ابوبکر زکریا تبریزی نے الجمھرہ کا نسخہ نقل کیا اس کی ایک جلد میں فالی کا خط رکھا ہوا تھا جس پر فالی کے وہ شعر لکھے ہوئے تھے جو اس نے اس کتاب کی جدائی پر کہے تھے ان سے فالی کی کتابوں سے محبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے(۷)۔

۱-أخبار النحویین البصریین: ۷۰-۷۱، نزھۃ الألباء: ۱۳۰-۱۳۱، الفہرست: ۸۷، الأنساب، ورق: ۲۹۱، معرفۃ القراء الکبار: ۱/ ۱۷۹، غایۃ النھایہ: ۱/ ۳۲۰-۳۲۱، بغیۃ الوعاۃ: ۱/ ۶۰۶، انباہ الرواۃ: ۲/ ۵۸، ۵۹، معجم الأدباء: ۴/ ۲۵۸، تہذیب التہذیب: ۴/ ۲۵۷، ۲۵۸، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۰۱، دائرۃ المعارف: ۴/ ۲۴۴، ۲۴۵، آریان دائرۃ المعارف: ۱/ ۴۹۲۶۔ ۲-انباہ الرواۃ: ۲/ ۶۳۔

۳-تاریخ بغداد: ۱۱/ ۳۳۴، الأنساب، ورق: ۴۱۸، المنتظم: ۸/ ۱۷۴، معجم البلدان: ۴/ ۱۳۲، اللباب: ۲/ ۲۰۹۔

۴-کشف الظنون: ۲/ ۱۳۸۹۔ ۵-تبصیر المنتبہ: ۳/ ۱۱۴۹، المحدث الفاصل: ۴۵ (مقدمۃ المحقق)

۶-المنتظم: ۸/ ۱۷۴-۱۷۵، معجم الأدباء: ۵/ ۸۴، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۳۷، الفلاکۃ والمفلوکون: ۱۴۸، المزھر: ۱/ ۹۵۔

۷-معجم الأدباء: ۵/ ۸۳۔

ابنِ خلکان نے اس واقعہ کی نسبت قاضی ابوبکر بن بدیل کے بجائے شریف، مرتضٰی المتوفی ۴۳۶ھ کی طرف کی ہے(۱)عصرِ حاضر کے بعض مورخین نے ابوعلی القالی البغدادی (۲۸۸ـ۳۵۶ھ) سے اس واقعہ کا انتساب کیا ہے جو صحیح نہیں (۲)۔

کم وبیش اس قسم کے کتب خانے مندرجہ ذیل نامور ائمۂ لغت کے پاس تھے۔

۴- ابوعبدالرحمن خلیل بن احمد بن مرو فراھیدی ازدی بصری (۱۰۰-۱۷۰ھ/ ۷۱۴-۷۸۶ء)(۳)

۵- ابوسعید حسن بن حسین عتکی سکری (۲۱۲-۲۷۵ھ/ ۸۲۷-۸۸۸ء)(۴)

۶- ابوعمرو شمر بن حمدویہ ھروی المتوفی ۲۵۵ھ/ ۸۶۹ء(۵)

۷- ابوعبدالرحمن عبداللہ بن محمد بن ھانی نیشاپوری المتوفی ۲۳۶ھ/ ۸۵۰ء(۶)

۸- ابوالہیثم رازی المتوفی ۲۷۶ھ/ ۸۸۹ء(۷)

۹- ابوعمرو اسحاق بن مرار شیبانی کوفی نزیل بغداد (۹۴-۲۰۶ھ/ ۷۱۳-۸۲۱ء)(۸)

۱۰- ابوعلی حسن بن احمد بن عبدالغفار فارسی (۲۸۸-۳۷۷ھ/ ۹۰۳-۹۸۷ء)(۹)

۱۱- ابوالحسن علی بن احمد الدریدی وراق ابوبکر بن درید المتوفی ۳۲۱ھ ۹۳۲ء(۱۰)

۱۲- ابوبکر محمد بن الحسن بن درید ازدی بصری ثم بغدادی (۲۲۳-۳۲۱ھ/ ۸۳۸-۹۳۱ء)(۱۱)

۱۳- ابوالحسن علی بن عبیداللہ بن الغفار سمسانی بغدادی المتوفی ۴۱۵ھ/ ۱۰۲۴ء(۱۲)

۱-ادباء بغدادیون فی الاندلس:۲۰۱۹۔ ۲-وفیات الاعیان:۱/ ۳۳۷۔ ۳-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:۱/ ۷۷۔

۴-معجم الأدباء:۲/ ۱۳۴،انباہ الرواۃ:۱/ ۱۴۸۔ ۵-تہذیب اللغۃ:۱/ ۱۷، ۲۵،انباہ الرواۃ:۲/ ۷۷-۷۸۔ ۶-ایضاً:۱/ ۲۴۔

۷-انباہ الرواۃ:۴/ ۱۸۳۔ ۸-نزھۃ الألباء:۶۲،الفہرست:۱۰۲،انباہ الرواۃ:۱/ ۲۲۸-۲۲۹،معجم الأدباء:۲/ ۲۳۴۔

۹-وفیات الأعیان:۱/ ۳۶،لسان المیزان:۱/ ۱۶،معجم الأدباء:۳/ ۲۰۔

۱۰-معجم الأدباء:۵/ ۸۱،انباہ الرواۃ:۲/ ۲۲۲،طبقات النحویین:۲۰۲،بغیۃ الوعاۃ۲/ ۱۴۷۔ ۱۱-معجم الأدباء:۵/ ۸۱۔

۱۲-وفیات الأعیان:۱/ ۳۳۶،معجم الأدباء:۵/ ۲۷۱-۲۷۲،انباہ الرواۃ:۲/ ۲۸۸-۳۰۵،بغیۃ الوعاۃ:۲/ ۱۷۸۔

۱۴-ابوالعلاء معرّی کا کتب خانہ:

ابوالعلاء احمد بن عبداللہ بن سلیمان تنوخی معری (۳۶۳-۴۴۹ھ = ۹۷۳-۱۰۵۷ء) موصوف لغوی ،مشہور شاعر، مصنف اور علم لغت کی پہچان میں دریائے ناپید کنارا تھا۔(۱) اس کی شہرت نے ان کو تعریف سے مستغنی کردیا ہے(۲) البتہ اس کے عقیدہ مین کلام ہے(۳) اور وہ دین کے متعلق متہم ہے، براہمہ کی رائے رکھتا ،گوشت نہ کھاتا تھا،مرنے کے بعد دوبارہ زندگی اور رسولوں کے بھیجے جانے پر بھی ایمان نہ تھا(۴) ابوالعلاء کی بہت تصانیف ہیں،ذہبی نے بھی ۵۵ کا ذکر کیا ہے،جن میں ''الفصول والغایات، سقط الزند، القائف، ذکری حبیب اور مناقب علی رضی اللہ عنہ'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں(۵) قفطی نے اس کی تصانیف کا مفصل تذکرہ کیا ہے(۶) علم سے وابستگی جنون کی حد تک تھی، کسی امیرِ حلب سے کہا گیا کہ ابوالعلاء جس لغت کا ناقل ہے وہ ابن درید کی ''الجمہرۃ'' سے ماخوذ ہے اور ابوالعلاء کے پاس اس کا ایسا نسخہ موجود ہے جس کا مثل دنیا میں نہیں ،موصوف کی ایذاءرسانی کے لئے انہوں نے امیر سے کہا کہ وہ نسخہ ابوالعلاء سے منگوایا جائے، چنانچہ امیر نے نسخہ کی وصولی کے لئے ایک ایلچی روانہ کردیا(جب ایلچی ،ابوالعلاء کے پاس پہنچا اور امیر کا پیغام سنایا) ابوالعلاء نے اس حکم کو خوشدلی سے قبول کیا اور قاصد سے کہا کہ اپنی حاجت براری تک آپ ہمارے پاس چند دن قیام کریں، پھر ایک شخص کو اپنے روبرو''الجمہرۃ'' پڑھنے کا حکم دیا، کتاب پوری سننے کے بعد قاصد کو دے کر کہا کہ میں نے آپ کو رکنے کی زحمت صرف اس لئے دی کہ میں کتاب کو اپنے سامنے دہرالوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں سے کوئی چیز میرے دل سے راہِ فرار اختیار کرجائے، خیر ایلچی نسخہ لیکر امیر کے پاس پہنچا اور امیر کو سارا ماجرا سنایا امیر نے کہا کہ جس شخص(کی علم سے وابستگی) کا حال یہ ہو اس سے یہ کتاب لینا جائز نہیں اور کتاب ابوالعلاء کو لوٹانے کا حکم دیا(۷)

اس واقعہ سے ابوالعلاء کا علمی ذوق وشوق ظاہر ہوتا ہے اور اس کے کتب خانے کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم کا شیدائی ہونے کے باوجود بادشاہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور بادشاہ کا

۱-تاریخ الاسلام:۹/۲۱۷۔ ۲-الانساب:۵/۳۴۲۔ ۳-بغیۃ الوعاۃ:۱/۳۱۵۔ ۴-الانساب:۵/۳۴۲۔

۵-بغیۃ الوعاۃ:۱/۳۱۶،نزہۃ الالباء:۲۵۹۔ ۶-تاریخ الاسلام:۹/۲۷۹،۲۳۱۔

۷-مذاھب ابی العلاء فی اللغۃ وعلومہا:۶۷،مسالک الابصار:۲۲۷،الانصاف والتحری عن ابی العلاء المعری:۵۵۹،۵۶۰۔

علمی شوق بھی جھلکتا ہے کہ نسخے کی اطلاع پر فوراً منگوانے کا حکم دیدیا لیکن دیانتداری دیکھئے کہ ابوالعلاء کی علم کے ساتھ زیادہ وابستگی دیکھ کر لوٹا دیا۔

(ک) ادیبوں کے کتب خانے

ادیبوں نے لسانی اور ادبی علوم کی ترتیب وتدوین کی اور اتنا ذخیرہ جمع کیا کہ اس سے ان کا گھر بھر گیا تھا، انہوں نے اپنے مذاق کے مطابق دیگر موضوعات پر بھی کتابیں جمع کی تھیں، اس سے ان کے کتب خانوں کی وسعت وکثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱-ابوعثمان عمرو بن بحر جاحظ کا کتب خانہ:

ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب کنانی بصری معتزلی جاحظ (۱۵۰-۲۵۵ھ/ ۷۹۷-۸۶۹ء) (اس کی آنکھوں کے ڈھیلے ابھرے ہوئے تھے۔ اس لیے جاحظ کے لقب سے مشہور تھا) (۱) یہ بلا کا ذہین وزیرک تھا، مختلف علوم وفنون میں درک رکھتا تھا (۲) لیکن پڑھنے لکھنے کے شوق نے اسے بقائے دوام بخشی یہ فرقہ جاحظیہ کا امام (۳) صاحب طرز انشاء پرداز، شاعر، کثیر التصانیف مصنف اور کتابوں کا سچا عاشق تھا۔

ابوھفان عبداللہ بن احمد المتوفی ۲۵۰ھ کا بیان ہے: ''میں نے جاحظ سے بڑھ کر علوم وکتب کا فریفتہ نہ دیکھا نہ سنا، جو کتاب اس کے ہاتھ میں آگئی وہ خواہ کسی قسم کی ہو اس کو پورا پڑھتا تھا۔'' (۴) مورخ مسعودی کا بیان ہے ''اہل علم وارباب تدریس میں جاحظ سے بڑھ کر مصنف اور کتابوں والا، صاحب علم نہیں دیکھا۔'' (۵)

جاحظ کتب فروشوں کی دکانوں پر جاتا ان سے رات بھر کے لیے دکان کرایہ پر لیتا اور کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا (۶)۔ کتابیں لکھتا اور انہیں قدردانوں کے نام معنون کر کے انعام پاتا تھا۔ چنانچہ کتاب الحیوان کو عبدالملک بن الزیات کے نام معنون کیا اور انعام پایا تھا۔ کتابوں کے بہترین نسخے حاصل کرتا، انہیں اپنے سرپرستوں کی خدمت میں پیش کرتا تھا (۷)۔

جاحظ کی تصانیف کا بڑا مقام ومرتبہ ہے ابوالفضل ابن العمید کا قول ہے ''جاحظ کی کتابیں پہلے عقل کی باتیں پھر ادب سکھاتی ہیں'' (۸)۔

۱-روضات الجنات: ۴/ ۳۲۵، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۸۸۔ ۲-نزھۃ الألباء: ۱۳۲۔ ۳-الأنساب: ۳/ ۱۶۲-۱۶۳، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۸۸، الفرق بین الفرق: ۱۷۵، تاویل مختلف الحدیث: ۷۱، المعتزلۃ: ۱۴۵۔ ۴-الفہرست: ۱۶۹، معجم الأدباء: ۶/ ۵۶۔ ۵-التنبیہ والأشراف: ۵/ ۱۹۵۔ ۶-الفہرست: ۱۶۹، معجم الأدباء: ۶/ ۵۶۔ ۷-معجم الأدباء: ۷۵-۷۶۔ ۸-ایضا: ۶/ ۷۳۔

اس کے دو وراق تھے ایک ابویحییٰ زکریا بن یحییٰ (۱) اور دوسرا ابوالقاسم عبدالوہاب بن عیسیٰ بغدادی المتوفی ۳۱۹ھ یہ اس کے لیے کتابیں نقل کرتے تھے (۲) بصرہ میں جاحظ کا اپنا کتب خانہ تھا۔

جاحظ نے عقائد وکلام، اخلاق، آداب، سائنس، تاریخ، جغرافیہ، معاشرت سب ہی موضوع پر کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ یاقوت نے ان کی تعداد ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) (۳) سبط ابن الجوزی نے تین سو ساٹھ بیان کی اور تصریح کی ہے کہ ان میں سے بیشتر کتابیں میں نے مشھد ابوحنیفہؒ کے خزانۃ الکتب میں دیکھی ہیں (۴)۔

آخری عمر میں جب اس کے آدھے دھڑ پر فالج گر چکا تھا کتابوں کا مطالعہ اس سے نہیں چھوٹا ادھر ادھر کتابوں کا انبار لگا رہتا اور یہ کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ یہ کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ کتابوں کا ڈھیر اس پر آ گرا اور یہ اس ڈھیر میں ڈھیر ہو گیا اور یوں یہ کتابوں میں جاں بحق ہو کر رہ گیا (۵)۔

۲-محمد بن زیاد سندی ابن الاعرابی کا کتب خانہ:

محمد بن زیاد سندی کوفی المعروف بابن الاعرابی (۱۵۰-۲۳۱ھ/ ۷۶۷-۸۴۵ء) لغت، ادب، تاریخ، انساب کا امام، زبردست مصنف، دبستان کوفہ کا سرتاج، نحویان کوفہ کا مرجع تھا۔ موصوف کی مجلسِ درس سو (۱۰۰) علماء سے بھری رہتی تھی جو ان سے کوئی بات پوچھتا کتاب کے بغیر جواب دیتا تھا۔

ابن الاعرابی کا ان ائمہ فن میں شمار تھا جن کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی تھی چنانچہ ان کے شاگرد ثعلب کا بیان ہے ''میں پندرہ (۱۵) برس ان کے ساتھ رہا میں نے کبھی ان کے ہاتھ میں کوئی کتاب نہیں دیکھی'' (۶) اس کے باوجود ان کے پاس بھی کتب خانہ تھا چنانچہ ابوجعفر قحطبی کا بیان ہے:

''ابن الاعرابی کا جب انتقال ہو گیا تو ہم ان کی کتابیں خریدنے گئے دیکھا کہ ان کی کتابیں رقاق (سفید پتلی جھلی) پر اور رقاع (کپڑے کے ٹکڑوں) پر مشتمل تھیں ان کتابوں میں صرف فتحات (زبر) کی علامات لکھی ہوئی تھیں (۷) ابن ابی بعرہ کے کتب خانے میں موصوف کے نوشتے موجود تھے۔ (۸)

۱-معجم الأدباء:۸۵۔ ۲-تاریخ بغداد:۱۲/ ۲۸-۲۹، الأنساب، ورق:۵۸۰۔ ۳-معجم الأدباء:۶/ ۷۶-۷۷۔
۴-کتاب الحیوان:۱/ ۶ (مقدمہ عبدالسلام محمد ھارون) ۵-المختصر فی أخبار البشر:۲/ ۴۷۔
۶-الفہرست:۱۰۲-۱۰۳، وفیات الأعیان:۱/ ۴۹۲۔ ۷-تاریخ بغداد:۵/ ۲۸۳۔
۸-الفہرست:۶۱۔

۴-امیر ابوالفضل عبید اللہ بن احمد میکالی کا کتب خانہ:

امیر ابوالفضل عبید اللہ بن احمد بن علی میکالی نیشاپوری المتوفی (۴۳۶ھ/۱۰۴۴ء) ادیب، شاعر، محدث اور مصنف تھا۔ موصوف کا نہایت شاندار کتب خانہ تھا۔ اہلِ علم کو اس سے استفادہ کی اجازت تھی بلکہ بعض اہلِ علم کو اس کتب خانہ سے باہر دیہات میں بھی کتابیں لے جانے کی اجازت دی تھی۔ ثعالبی کا بیان ہے:

"مجھے امیر موصوف نے اجازت دی تھی کہ میں ان کی کتابوں کے خزانوں سے اپنے زادِ راہ کے لیے پھلوں کو ساتھ رکھ لوں، اللہ تعالیٰ ان کے خزائنِ کتاب کو ان کی طولِ حیات کے ساتھ آباد رکھے، آمین، تا کہ جس کام کے میں درپے ہوں ان سے میں مدد لیتا رہوں یہ امیر رہنما کی طرح ہیں جو مسافر کی توشہ سے مدد کرتا ہے اور طبیب کی طرح ہیں جو مریض کو دوا کے ساتھ غذا بھی دیتا ہے اس طرح گویا مجھے ادبی کتابوں کے ساتھ چھوڑ دیا گیا میں ان سے مطلب کی باتیں نکالتا، اقتباس لیتا، ابواب بندی کرتا، فصلیں قائم کرتا، نوع بنوع ترتیب دیتا تھا۔

میں ائمہ فن خلیل، اصمعی، ابوعمرو شیبانی، کسائی، فراء، ابوزید، ابوعبیدہ، ابن الاعرابی، نضر بن شمیل، ابوالعباس مبرد، ابوالعباس احمد ثعلب، ابن درید، نفطویہ، ابن خالویہ، خارزنجی، ازہری اور ان کے علاوہ ظریف، ادیب جو فصاحت و بلاغت کے جامع ہیں جیسے صاحب ابوالقاسم، حمزہ بن حسن اصبہانی، ابوالفتح مراغی، ابوبکر خوارزمی، قاضی ابوالحسن علی بن عبدالعزیز جرجانی اور ابوالحسن احمد بن فارس بن زکریا قزوینی کے انوار و فیوضات سے مستفید ہونے لگا۔"

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امیر ابوالفضل کا کتب خانہ کیسے جلیل القدر ائمہ فن کی تصانیف سے معمور تھا(۱)۔

علامہ ثعالبی نے امیر موصوف کا مقابلہ اس طبیب سے کیا ہے جو جسمانی امراض کے لیے دوائیں بھی مہیا کرتا اور مریضوں کو غذا بھم پہنچاتا ہے۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں کتب خانہ رُوحانی اور دماغی تسکین کے لیے بنایا جاتا تھا۔ موصوف طالبوں کی رہنمائی کرتے ان کی علمی تشنگی کو دُور کرتے اور زبانِ قلم سے عالم کو فائدہ پہنچانے کے

۱-فقہ اللغۃ:۹۔

لیے کتب خانہ سے بیش بہا اور نادر کتابیں ان کو شہر ہی میں نہیں دیہات میں بھی لے جانے کے لیے عاریتاً دیتے تھے اس طرح ان کے کتب خانہ سے دُور و نزدیک ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ بستی بستی اس انفرادی کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتی اور علم کے نور سے روشن ہوتی جارہی تھی۔ یہ ان کے شہر ہی میں نہیں دیہات میں بھی ایک مدت کے لیے کتابیں مستعار دینے کا فیض تھا۔

مورخ ثعالبی نے یتیمۃ الدھر میں موصوف کا تذکرہ چودہ صفحات میں کیا ہے(۱) اور انہیں میکال کا آفتاب اور فنِ ادب کا ابن بجدہ (اداشناس ماہر) کہا ہے۔

امیر موصوف کی مجلس علماء ادباء کی مجلس تھی جہاں فضلاء، نکتہ شناساں ادیب آ کر بیٹھتے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ بعض اہلِ علم کو اپنی زمینوں پر لے جاتے چنانچہ فیروز آباد جب اپنے کھیتوں پر گئے تو ثعالبی کو بھی ساتھ لے گئے تھے(۲)۔

اہلِ علم کی ہمت افزائی کرتے اور ان کی سرپرستی فرماتے تھے۔ ادباء شعراء اپنی تصانیف کو ان کے نام معنون کرنا فخر سمجھتے تھے، چنانچہ جاحظِ عصر علامہ ابو منصور ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ نے اپنی تین اہم کتابوں "فقہ اللغۃ (۳) سحر البلاغۃ و سر البراعہ (۴) اور ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب" (۵) کو ان کے نام معنون کیا ہے۔ ثعالبی نے سحر البلاغۃ میں کتاب الامثال والحکم کے زیرِ عنوان "ما اخرج من کلام ابی الفضل عبیداللہ بن احمد المیکالی" حکمت آموز جملے نقل کیے ہیں، مبرد نے اپنی کتاب "الکامل" اس کے نام معنون کی ہے(۶)۔

امیر موصوف کی نظر اتنی وسیع اور گہری تھی کہ ثعالبی جیسا بالغ نظر محقق بھی کتابیں لکھ کر پیش کرتا تو اس پر اضافہ واصلاح کا متمنی رہتا تھا اور امیر موصوف اس پر اضافہ کرتے تھے۔ چنانچہ "یتیمۃ الدھر" کے آخر میں ابوالحسن علی بن محمد غزنوی کے کلام کا اضافہ امیر موصوف کے قلم کا مرہونِ منت ہے(۷)

۱- یتیمۃ الدھر: ۴/ ۳۵۴۔ ۲- ایضاً، فقہ اللغۃ: ۸۔ ۳- ایضاً: ۹۔

۴- سحر البلاغۃ: ۱۹۵-۱۹۶۔ ۵- ثمار القلوب: ۴۔ ۶- یتیمۃ الدھر: ۴/ ۴۲۹۔

۷- الوافی بالوفیات: ۸/ ۱۳۱-۱۳۲۔

۴-ابن معتز کا کتب خانہ:

ابو عباس عبداللہ بن محمد المعتز ابن المتوکل العباسی (۲۴۷-۲۹۶ھ=۸۶۱-۹۰۹م) موصوف ادیب تھے، عمدہ اشعار کہنے اور اعلیٰ نثر لکھنے پر عبور حاصل تھا، مبرد، ثعلب اور ابن السکیت جیسے لوگوں سے ادب وعربیت میں کمال حاصل کیا(۱) ان کے دادا متوکل بھی فنون کے میدان کے شہسوار تھے، دادا کے یہاں بھی عمدہ تربیت پائی (۲) موصوف کے استاد ابن السکیت نے ایک بار متوکل سے کہا تھا کہ آپ انہیں میرے پاس ادب سیکھنے لے آئے ہیں، یہ تو مجھ سے بھی بڑے ادیب ہیں۔ (۳) ابن معتز کو امیر المؤمنین بھی کہا جاتا ہے، (۴) اس کی وجہ یہ ہے کہ عباسی خلیفہ مکتفی باللہ (۲۶۳-۲۹۵=۸۷۶-۹۰۸م) کے بعد ان کا بھائی مقتدر باللہ (۲۸۲-۳۲۰ھ=۸۹۵-۹۳۲) ۲۹۵ھ میں خلیفہ بنا، لیکن اگلے سال لوگوں نے مقتدر کو کم سن سمجھ کر معزول کردیا اور ابن معتز کے ہاتھ پر بیعت کرلی، ابن معتز کی امارت بھی ایک دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکی اور مقتدر نے دوبارہ غلبہ حاصل کر کے ابن معتز کو قتل کرادیا (۵) موصوف کی کئی تصانیف بھی ہیں، جن میں الزہر اوالریاض، البدیع، مکاتیب الاخوان بالشعر، اشعار الملوک اور طبقات الشعراء قابل ذکر ہیں، (۶) آخر الذکر کتاب نہ صرف ادب میں ان کی وسعتِ نظر کا بیّن ثبوت ہے بلکہ مصادرِ شعریہ میں بھی خاص مقام رکھتی ہے، ابن معتز اپنی اس کتاب کی وجہِ تالیف یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ ایک ایسا دیوان ہونا چاہئے جس میں ابن نجیم کی کتاب ''طبقات الشعرا الثقات'' کے طرز پر عباسی خلفاء، وزراء اور امراء کی مدح کے متعلق اشعار یکجا ہوجائیں (۷) مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ابن نجیم کی ''طبقات الشعرا الثقات'' ابن معتز کے پاس موجود تھی، استاذ اقبال کے بیان کے مطابق موصوف نے اس کتاب میں ابن قتیبہ کی ''الشعر والشعراء'' سے بھیمد دلی ہے، الشعر والشعراء اور دیگر کئی کتابوں کی عبارتوں وغیرہ کے ساتھ موافقت اس کی واضح دلیل ہے (۸) معلوم ہوا کہ موصوف کے پاس کتب خانہ تھا اور انہوں نے کتاب کی تالیف کے دوران اپنے پاس موجود قلمی ذخیرے سے خوب استفادہ کیا

۱-تاریخ الاسلام:۶/۹۷۰، سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۴۳۔
۲-مقدمہ طبقات الشعراء المحدثین:۶۔
۳-مقدمہ طبقات الشعراء المحدثین:۷۔
۴-نزہۃ الألباء:۶:۱۷۔
۵-الکامل فی التاریخ:۶/۴۴۱-۴۴۳، تاریخ بغداد:۱۰/۹۸۔
۶-وفیات الأعیان:۳/۷۷، فوات الوفیات:۲/۲۴۰۔
۷-طبقات الشعراء المحدثین:۳۷۔
۸-الوافی بالوفیات:۸/۱۳۱-۱۳۲۔

ہے۔

اس قسم کے کتب خانے حسب ذیل ادیبوں کے پاس بھی تھے۔

۴- ابوالعباس احمد بن موسیٰ المعروف بابن الفرات التوفی ۲۹۱ھ/ ۹۰۳ء(۱)

۵- ابوسعید عبدالملک بن قریب بن علی باھلی اصمعی بصری (۱۲۲-۲۱۶ھ/ ۷۴۰-۸۳۱ء)(۲)

۶- ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ مولیٰ تیمی بصری خارجی (۱۱۰-۲۰۹ھ/ ۷۲۸-۸۲۴ء)(۳)

۷- ابوسعید وھب بن ابراہیم بن طازاذ (۰۰-۲۶۰ھ/ ۰۰-۹۷۱ء)(۴)

۸- ابوالحسن احمد بن عبیداللہ بن احمد المعروف بابن قزاعۃ کلوازی تلمیذ محمد صولی التوفی ۳۳۵ھ(۵)

۹- ابوالحسن علی بن المغیرہ اثرم بغدادی (۰۰-۲۳۲ھ= ۰۰-۸۴۶ء)(۶)

۱۰- ابوعمران موسیٰ بن عبداللہ خجندی (۰۰-قبل ۳۶۰ھ/ ۰۰-۹۷۰ء)(۷)

۱۱- ابوغالب محمد بن احمد بن بشر حنفی واسطی المعروف بابن خالہ (۳۸۰-۴۶۲ھ/ ۹۹۰-۱۰۷۰ء)(۸)

۱۲- ابوالحسن علی بن عبداللہ بن محمد انطاکی (۴۶۱-۵۴۱ھ/ ۱۰۶۸-۱۱۴۶ء)(۹)

۱۳- حجۃ الدین ابوجعفر محمد بن عبداللہ صقلی نحوی (۴۹۷-۵۶۵ھ/ ۱۱۰۴-۱۱۷۰ء)(۱۰)

۱۴- ابونزار ربیعہ بن حسن بن علی حضرمی ذماری شافعی (۵۲۵-۶۰۹ھ/ ۱۱۳۰-۱۲۱۲ء)(۱۱)

۱-المزھر: ۲/ ۴۰۷، طبقات النحویین واللغویین: ۱۹۵، الفہرست: ۶۱، کتاب الأغانی: ۵/ ۳۰۲۔

۲-طبقات النحویین واللغویین: ۱۹۵، الفہرست: ۷۹، ۸۱، تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۴۱۸، انباہ الرواۃ: ۲/ ۱۹۷، وفیات الأعیان: ۲/ ۱۰۶، نزھۃ الألباء: ۲۷۔

۳-الفہرست: ۱۸۹، ھدیۃ العارفین: ۵۰۲، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۲۴۔

۴-تاریخ بغداد: ۴/ ۲۵۴، الأنساب، ورق: ۴۷۶۔

۵-الفہرست: ۸۳، انباہ الرواۃ: ۲/ ۲۰۳، معجم الأدباء: ۵/ ۲۳۱۔

۶-الأنساب: ۵/ ۵۳

۷-معجم الأدباء: ۶/ ۳۳۴۔

۸-ایضاً: ۶/ ۲۱-۲۲، اعلام النبلاء: ۴/ ۲۳۰-۲۳۱۔

۹-ایضاً: ۷/ ۱۰۲، بغیۃ الوعاۃ: ۳۴۲۔

۱۰-تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۹۳، ۱/ ۵۶-۵۶۷۔

۱۱-معجم الشعراء: ۳۷۷-۳۷۸، تاریخ بغداد: ۲/ ۳۴-۳۶، ازھار الریاض: ۱۴/ ۲۳۶، القدیم والحدیث: ۸۰۔

(ل) شاعروں کے کتب خانے

عربوں کا یہ شعار زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا کہ وہ اپنے حافظہ پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ اپنی تخلیقات کو ضبطِ تحریر میں لانا ہیچ سمجھتے تھے لیکن ''اقرأ وعلم بالقلم'' کے نور کی روشنی اتنی پھیلی کہ شعراء بھی عالمگیر تحریکِ کتب خانہ سازی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ شعراء نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا اور کتب خانے قائم کیے ان کے کتب خانوں میں صرف دواوین ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ لغت، علم وادب کی کتب کا بھی ذخیرہ ہوتا تھا اس ذخیرہ میں اضافہ کے لیے خود بھی کتابیں نقل کرتے تھے۔

۱- ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ابن ابوالعتاہیہ کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن القاسم عینی المعروف بابن ابی العتاہیہ (۰۰-۲۱۱ھ/۰۰-۸۲۶ء) شاعر بن شاعر اور ادیب تھا اس کا کتب خانہ شعر ولغت کی ایک ہزار (۱۰۰۰) مجلدات اور دس ہزار (۱۰،۰۰۰) اوراق پر مشتمل تھا اس دور میں ایک مجلد تقریباً دس ورق کا ہوتا تھا۔ (۱)

۲- ابوعبادہ الولید بن عبیداللہ البحتری کا کتب خانہ:

ابوعبادہ الولید بن عبیداللہ بن یحییٰ الطائی البحتری (۲۰۶-۲۸۴ھ/۸۲۱-۸۹۸ء) اپنے زمانے کا نامور شاعر تھا اسے اپنے آگے معاصر شاعروں کی مقبولیت پسند نہ تھی، اس لیے اس نے پانچ سو ہمعصر شاعروں کے دواوین کو نذرِ آتش کر دیا تا کہ ان کے اشعار کو قبولیت عام حاصل نہ ہو سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں صرف معاصر شعراء کے کلام کا کتنا عظیم الشان ذخیرہ محفوظ تھا۔ (۲)

۳- ابوالطیب احمد بن حسین متنبی کا کتب خانہ:

ابوالطیب احمد بن حسین بن حسن جعفی کوفی کندی المعروف متنبی (۳۰۳-۳۵۴ھ/۹۱۵-۹۶۵ء) عربی زبان کا نہایت نامور منہ توڑ معنی آفرین شاعر اور کتابوں کا دلدادہ تھا اس پر اس کا مندرجہ ذیل ضرب المثل شعر شاہد ہے: ـــ

۱- معجم الشعراء: ۳۷۷-۳۷۸، تاریخ بغداد: ۲/ ۳۴-۳۶، ازھار الریاض: ۲۳۶/۱۴، القدیم والحدیث: ۸۰۔ ۲- الوساطۃ: ۴/ ۱۶۰۔

أَعَزُّ مَكَانٍ فِي الدُّنىٰ سَرْجُ سَابِحٍ
وَ خَيْرُ جَلِيْسٍ فِي الزَّمَانِ كِتَابُ

دنیا میں عزیز ترین جگہ تیز رو نرم رفتار گھوڑوں کی زین ہے اور زمانے میں سب سے بہتر ہمنشیں کتاب ہے (جس سے طرح طرح کی معلومات حاصل ہوتی ہیں)

متنبی کا زیادہ تر وقت سوق الوراقین میں کٹتا تھا، رات کو سونے سے پہلے کتابوں کا مطالعہ اس کا ہمیشہ کا معمول تھا(۱) متنبی سفر میں خچروں پر سونا چاندی، زیب وزینت کا سامان، ہتھیار اور بیش قیمت کتابیں ساتھ لے کر نکلتا تھا، اسے سب سے زیادہ خیال اپنی کتابوں کا لگا رہتا تھا کیوں کہ انہیں اس نے خود نقل کیا تھا۔ اچھی طرح سے پڑھا محنت سے تصحیح کی تھی، (۲) چنانچہ ابو سعید العمیدی المتوفی ۴۳۳ھ نے نہایت باوثوق ذرائع سے نقل کیا ہے کہ جب اہواز کے راستے میں اسے قتل کیا گیا تو اس کی خرجین سے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان الطائیین کا نسخہ ملا تھا جس کے اوراق کے حواشی پر اس امر کی علامتیں موجود تھیں کہ یہ معانی فلاں شاعر کے شعر سے ماخوذ ہیں جن سے قدماء کے دواوین پر اس کی وسعتِ نظر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن افسوس ہے راستے میں ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا اور یہ شعر وادب کا قیمتی ذخیرہ جنگل میں ضائع ہو گیا، حملہ کے وقت بھی متنبی کتاب وسامانِ کتابت کو فراموش نہیں کر سکا تھا، موت کے عالم میں بھی یہ شعر کہہ گیا ہے ؎

فَالْخَيْلُ وَاللَّيْلُ وَالْبَيْدَاءُ تَعْرِفُنِيْ
وَالسَّيْفُ وَالرُّمْحُ وَالْقِرْطَاسُ وَالْقَلَمُ(۳)

گھوڑے، رات، خشک جنگل، شمشیر وسنان، کاغذ وقلم سب مجھے بخوبی جانتے ہیں کہ میں صاحبِ رزم وبزم اور صاحبِ سیف وقلم ہوں۔"

۴۔ فخر الدین مبارک شاہ بن حسنین مرورّوزی کا کتب خانہ:

فخر الدین مبارک شاہ بن حسین مرورّوزی (۰۰-۶۰۲ھ/۰۰-۱۲۰۵ء) سلطان غیاث الدین محمود غزنوی کا درباری تھا۔ عربی فارسی میں بے تکلف شعر کہتا تھا، مہمان نواز، علم دوست واہلِ علم کا قدردان تھا اس کا

۱۔ ذکری بعد الف عام: ۳۴۷۔ ۲۔ ایضاً: ۱۲۳، الابانۃ عن سرقات المتنبی: ۲۵۔ ۳۔ دیوان المتنبی: ۵۵۰۔

ذاتی کتب خانہ بغداد میں تھا۔اس کا مہمان سرا علماء، فضلاء اور ادیبوں کی بیٹھک تھا جہاں کھیل اور مطالعہ کے شوقین آکر اپنے ذوق کی تسکین کرتے تھے۔مورخ ابن الاثیر کا بیان ہے:

''اس کا محل مہمان سرا تھا اس میں کتابیں اور شطرنج رکھی ہوئی تھی، علماء کتابوں کا مطالعہ کرتے اور جاہل شطرنج کھیلتے تھے''(۱)۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ یہ کتب خانے اس دور میں عوامی کتب خانہ کے تمام وظائف پورے کرتے تھے۔تحقیق، تعلیم، معلومات اور ذوق جمال کی تسکین وتفریح کا سامان بہم پہنچاتے اور اس کی سہولتیں مہیا کرتے تھے۔یہ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے کتب خانے فکری توانائی کے ساتھ تفریح کا سامان مہیا کرتے تھے۔

۵-عضدالدین ابوالفوارس مرہف کنانی کلبیؒ کا کتب خانہ:

عضدالدین ابوالفوارس مرہف بن اسامہ کنانی کلبیؒ (۵۲۰-۶۱۳ھ/۱۱۲۶-۱۲۱۶ء) خانوادۂ علمی و ادبی کے فرد تھے۔محدث(۲) ادیب وشاعر تھے، کتابوں کے بہت دلدادہ تھے(۳) ان کا بہت بڑا کتب خانہ تھا۔یاقوت رومی کا بیان ہے:

''۶۱۲ھ میں قاہرہ میں ان سے ملا تھا، موصوف کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، میں ان کی مجلس میں گیا انہوں نے مجھ سے کتابیں خریدیں اور بتایا کہ میرے پاس اتنی کتابیں ہیں کہ ان کی صحیح تعداد کا علم مجھے بھی نہیں، ان کا کہنا تھا کہ ایک مرتبہ ایک افتاد میں انہوں نے چار ہزار (۴۰۰۰) کتابیں بیچی تھیں لیکن کتب خانہ میں اس سے کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی۔بانوے (۹۲) سال کی عمر میں بھی باریک خط ایسے پڑھتے تھے جیسے جوان پڑھتے ہیں، اونچا سنتے تھے اور یہی چیز مجھے ان سے زیادہ بات کرنے میں مانع رہتی تھی''(۴)۔

کم وبیش اس طرح کے کتب خانے حسب ذیل شعراء بھی رکھتے تھے۔

۶- رشیدالدین محمد بن عبدالجلیل عمری بلخی المعروف بالوطواط (۰۰-۵۷۳ھ/۰۰-۱۱۵۷ء)(۵)

۱-الکامل فی التاریخ:۱۰/۳۲۲، لباب الالباب:۱۱۳، خزائن الکتب القدیمۃ:۲۶۰۔ ۲-التکملۃ لوفیات النقلۃ:۴/۲۱۰، الذیل علی الروضتین:۹۳۔ ۳-ایضاً، معجم الادباء:۲/۱۹۶، معجم الاداب:۴/۴۵۶-۴۵۷۔ ۴-معجم الادباء:۲/۱۹۶-۱۹۷، تلخیص مجمع الاداب:۴/۴۵۶-۴۵۷(حاشیہ) ۵-معجم الادباء:۳/۱۷۱۔

۷- ابوغانم معروف بن محمد قصری معاصر ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ/ ۰۰-۷ ۱۰۳ء(۱)

۸- ابوالعباس احمد بن جعفر بن احمد دبیثی واسطی (۰۰-۶۲۱ھ/ ۰۰-۱۲۲۴ء)(۲)

۱- تتمۃ الیتیمۃ: ۱/ ۱۳۰۔ ۲- البدایہ والنہایہ: ۱۳/ ۱۰۵۔

(م) مؤرخین کے کتب خانے

مؤرخین کا ذخیرۂ علوم، تاریخ اور کتب تاریخ ہی کا نہیں اسلامی علوم کا بھی جامع ہوتا تھا، کتب تاریخ میں بعض مؤرخین کی تصانیف کا مطالعہ جاہلیت کی تاریخ کو اور بعض تالیفات کا مطالعہ اسلام کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ناگزیر تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ مؤرخین کے یہاں دیگر علوم کی کتابوں کا ذخیرہ بھی ان کے کتب خانوں میں محفوظ ہوتا تھا۔

بعض مؤرخین نے اتنا اہم ذخیرہ جمع کیا تھا کہ ان کے یہاں شائقینِ علم و کتب کارات میں بھی کثیر تعداد میں قیام رہتا تھا اس غرض سے انہوں نے پچاس لحاف بنا رکھے تھے۔

۱- ابوالحسن علی بن محمد بصری مدائنی ثم بغدادی کا کتب خانہ:

ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بصری مدائنی ثم بغدادی (۱۳۵-۲۲۵ھ/ ۷۵۲-۸۴۰ء) انساب کے عالم شعر و ادب کے راوی، مؤرخ، کثیر التصانیف مصنف تھے (۱) مغازی و سیر، خلفاءِ اسلام، تاریخ اسلام، جاہلی شعراء کے تذکرہ پر زیادہ کتابیں لکھی تھیں۔ مؤرخ مسعودی نے جاحظ سے موازنہ کرتے ہوئے موصوف کے متعلق لکھتا ہے:

"ابوالحسن مدائنی بلاشبہ کثیر التصانیف مصنف تھا، جاحظ اور اس میں فرق یہ ہے کہ اس (مدائنی) نے جو سنا اسے جوں کا توں قلمبند کیا ہے" (۵) ثعلب کہتا ہے:

"جو شخص جاہلیت کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہے اسے ابوعبیدہ کی تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے جو اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہے اسے مدائنی کی کتابیں پڑھنی چاہئیں" (۳)۔

ابن الندیم نے ابوالحسن بن الکوفی کے حوالے سے اس کی دوسو (۲۰۰) سے زیادہ تصانیف کے نام چھ صفحوں میں نقل کیے ہیں (۴)۔

۱- تاریخ بغداد: ۱۲/ ۵۵، اللباب: ۵/ ۳۰۹۔ ۲- التنبیہ والتشریف: ۴/ ۱۹۵۔

۳- تاریخ بغداد: ۱۲/ ۵۵، معجم الأدباء: ۵/ ۳۰۹۔

۴- الفہرست: ۱۴۷-۱۵۲، ایضاً: ۳۱۱-۳۱۸، Gesehichte deer Arobischen Litterature Sir,214

۲-ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع زہری کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ عمر بن سعد بن منیع زہری بصری المعروف بکاتب الواقدی (۱۶۸-۲۳۰ھ/ ۷۸۴-۸۴۵ء) بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلام تھے پھر واقدی کے کاتب ہو گئے تھے۔ محدث، حافظ، مؤرخ اور مصنف تھے (۱) موصوف نے حدیث، فقہ، سیرت سے متعلق بہت ذخیرہ قلمبند کیا تھا (۲) یہ ان چار علماء میں پہلے عالم تھے جن کے پاس واقدی کی جملہ تصانیف موجود تھیں (۳)۔

ابن سعد اپنے کتب خانے سے لوگوں کو کتابیں عاریتاً بھی دیتے تھے چنانچہ امام احمد بن حنبل، واقدی کی حدیثوں کے دو جزء جمعہ کو ان سے منگاتے اور دوسرے جمعہ تک مطالعہ کر کے واپس کر دیا کرتے تھے (۴) ان کے کتب خانے میں کتابوں کا بہت ذخیرہ تھا (۵)۔

ظاہر ہے جب واقدی کا کتب خانہ عظیم الشان تھا تو اس کے وراق شاگرد کا کتب خانہ بھی صحیح معنی میں ''کثیر الکتب'' کا مصداق تھا۔

۳-ابوعبیداللہ محمد بن عمران مرزبانی کا کتب خانہ:

ابوعبیداللہ محمد بن عمران بن موسی مرزبانی بغدادیؒ معتزلی (۲۹۷-۳۸۴ھ/ ۹۱۰-۹۹۴ء) مؤرخ، ادیب، کاتب، اخباری اور کثیر التصانیف مصنف تھا اس نے جب ''المعجم باسماء الشعراء'' مرتب کی تو ایک ہزار (۱۰۰۰) شعراء کے صرف دواوین جمع کیے تھے ادب و تاریخ کی کتابوں کا ذخیرہ اس کے علاوہ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کثیر التصانیف اہلِ علم گزرے ہیں اکثر ان کے پاس بھی عمدہ کتب خانہ ہوتا تھا (۶)۔

اسے تصنیف و تالیف کا جاحظ سے زیادہ اچھا سلیقہ تھا، عضد الدولہ اس کی قدر کرتا تھا جب اس کی حویلی

۱-الفہرست: ۱۴۵۔ ۲-تاریخ بغداد: ۵/ ۳۲۳، الأنساب، ورق: ۴۰۷، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۴۲۵، الوافی بالوفیات: ۳/ ۸۸، وفیات الأعیان: ۱/ ۵۰۷، تہذیب التہذیب: ۹/ ۱۸۳۔

۳-تاریخ بغداد: ۵/ ۳۲۱، وفیات الأعیان: ۱/ ۵۰۷۔

۴-الأنساب، ورق: ۴۷، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۴۲۵، الوافی بالوفیات: ۳/ ۸۸، تہذیب التہذیب: ۹/ ۱۸۳۔

۵-تاریخ بغداد: ۵/ ۳۲۲، الوافی بالوفیات: ۳/ ۸۸، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۴۲۵۔

۶-الأنساب، ورق: ۵۲۱، الفہرست: ۱۹۰، تاریخ بغداد: ۳/ ۱۳۵، لسان المیزان: ۵/ ۳۲۶، انباہ الرواۃ: ۳/ ۱۸۰۔

کی طرف سے گزرتا آداب بجالاتا اور نذر پیش کرتا تھا، ازھری کا بیان ہے:

"اس کے پاس دوات قلم رکھا رہتا تھا اور پیالہ میں نبیذ رکھی ہوتی تھی لکھتا رہتا اور پیتا رہتا تھا۔"(۱)

اس کا محل سرا جو شارع عمرو رومی پر مشرقی بغداد میں واقع تھا ادباء کی قیام گاہ تھا اس نے اہلِ علم کے لیے پچاس (۵۰) لحاف اور بستر بنا رکھے تھے (۲)۔ علم و ادب کے شائقین اس کے یہاں آ کر ٹھہرتے، رات بسر کرتے اور اس سے ادب کی کتابیں روایت کرتے تھے (۳) جب یہ مرا، اسی مکان میں اسے دفن کیا گیا تھا (۴)۔

۴- ابوعبداللہ محمد بن علی صوری بغدادی کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ محمد بن علی بن عبداللہ صوری بغدادی (۰۰-۴۴۱ھ/۰۰-۱۰۴۹ء) حافظ حدیث، محدث، ادیب و شاعر، مؤرخ کثیر التصانیف (۵) مصنف تھے۔ ایک مجلد ایک جزء میں نقل کرتے تھے (۶) بہت کتابیں جمع کی تھیں (۷)۔

صوری، خراسانی کاغذ کے ایک صفحہ کے آٹھویں حصہ میں اَسّی (۸۰) سطریں لکھتے تھے (۸)۔ صوری نے بارہ (۱۲) بارِ شتر کتابوں پر مشتمل کتب خانہ چھوڑا تھا جسے خطیب بغدادی نے صور میں جا کر ان کی ہمشیرہ سے خریدا تھا۔

کم و بیش اس نوع کے کتب خانے مندرجہ ذیل مؤرخین بھی رکھتے تھے۔

۵- ابوالحارث اسد بن حمدویہ بن سعید ورثینی نسفی (۰۰-۳۱۵ھ/۰۰-۹۲۷ء)(۹)

۶- ابوالقاسم سعید بن محمد بن احمد بقال اصفہانی (۰۰-بعد ۴۳۴ھ/۰۰-۱۰۴۲ء)(۱۰)

۷- ابوالفضل علی بن الحسین بن احمد حمدانی المعروف بابن الفلکی (۰۰-۴۲۷ھ/۰۰-۱۰۳۶ء)(۱۱)

۱- تاریخ بغداد: ۳/۱۳۶، معجم الأدباء: ۸/۲۶۹، الصبح المنبی عن حیثیۃ المتنبی: ۱۸۵۔ ۲- تاریخ بغداد: ۳/۱۳۶، لسان المیزان: ۵/۳۲۶، انباہ الرواۃ: ۳/۱۸۱، معجم الأدباء: ۷/۵۰۔ ۳- تاریخ بغداد: ۳/۱۳۶، انباہ الرواۃ: ۳/۱۸۱۔ ۴- ایضاً۔

۵- تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۱۴-۱۱۱۶-۱۱۱۷، العبر: ۲/۱۹۸، البدایہ والنھایہ: ۱۲/۶۰۔ ۶- المنتظم: ۱۵/۲۲۳، تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۱۴، البدایہ والنھایہ: ۱۲/۶۰۔ ۷- تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۱۴، شذرات الذھب: ۳/۲۶۷۔ ۸- تذکرۃ الحفاظ: ۱۱۱۴، العبر: ۳/۱۹۸، معجم الأدباء: ۳/۱۳۴، المنتظم: ۸/۱۴۴، تاریخ بغداد: ۳/۱۰۳، شذرات الذھب: ۳/۱۶۷۔ ۹- الأنساب، ورق: ۵۸۰۔

۱۰- منتخب السیاق، ورق: ۲۳۔ ۱۱- ایضاً: ۶۱، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۱۱۲۵، العبر: ۳/۱۶۲، الأنساب، ورق: ۴۳۱ب

۸- ابوعبداللہ محمد بن سعید بن علی دبیثی ثم واسطی شافعی (۵۵۸-۶۳۷ھ/ ۱۱۶۲-۱۲۳۹ء)(۱)

❁ ❁❁

۱- تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۴۱۴-۱۴۱۵، العبر: ۵/ ۱۵۴، الوافی بالوفیات: ۳/ ۱۰۲، طبقات الشافعیۃ الکبری (الحسینیۃ) ۵/ ۲۶،
المختصر: ۲/ ۱۴۵، طبقات الشافعیۃ: ۱/ ۵۴۲۔

(ن) ماہرینِ انساب، شناسان وراویانِ حدیث کے کتب خانے

ماہرینِ انساب کا ذخیرۂ کتب رجال، تاریخ وسیر کی کتابوں ہی پر مشتمل نہ تھا بلکہ دوسرے ان کے پسندیدہ موضوعات کی کتابوں کا ذخیرہ بھی ان کے پاس موجود ہوتا تھا۔

۱- امیر سعد الملک ابونصر علی بن ہبۃ اللہ ابن ماکولا کا کتب خانہ:

الامیر سعد الملک، ابونصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی عجلی جرباذقانی ثم بغدادی المعروف بابن ماکولا (۴۲۱-۴۷۵ھ/۱۰۳۰-۱۰۸۲ء) محدث، حافظِ حدیث، علمِ انساب کے ماہر، ادیب، نحوی، شاعر، مصنف خانوادۂ علماء فقہاء وزراء کے گوہر شب چراغ تھے (۱) تحصیلِ علم کے لیے بلادِ اسلامی کا سفر کیا اور علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔ ثانی خطیب بغدادی کہلائے۔

ان کے ذاتی کتب خانہ میں زیادہ تر مصنفین کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے محفوظ تھے۔ چنانچہ تاریخ مصر ابن یونس کا نسخہ ابوعبداللہ صوری کا لکھا ہوا، غنجار کی تاریخ بخارا کا نسخہ خود مصنف کا نسخہ تھا، نسب میں کتاب شبل بن تکین کا انہی کا لکھا ہوا نسخہ موجود تھا، اس طرح دوسری کتابیں ابن الفرات، ابن عبدہ نسابہ اور علی بن عیسیٰ ربعی کی لکھی ہوئی تھیں، نسب حمیر پر احمد بن محمد بن سعد کی کتاب خود انہی کے قلم سے ان کے پاس محفوظ تھی (۲)۔

تاریخ اور انساب کی بہت کتابیں جمع کی تھیں۔ ابنِ ماکولا کو علماء کے نام، لقب، کنیت وغیرہ کا بچپن ہی سے شوق تھا اور اس موضوع پر موصوف کی تصنیف ''الاکمال'' بہت مشہور ہے۔ اس کے متعلق حمیدی کا بیان ہے:

''میں نے جب کبھی خطیب بغدادی سے ناموں کے متعلق دریافت کیا تو ہمیشہ انہوں نے ان کی کتاب کو دیکھنے کا مشورہ دیا'' (۳)۔

۱- معجم الادباء: ۵/۴۲۶۔ ۲- تذکرۃ الحفاظ: ۴/۱۲۰۱-۱۲۰۳، العبر: ۲/۳۱۷-۳۱۸، وفیات الاعیان: ۱/۳۳۳-۳۳۴، المنتظم ۹: ۷۹، البدایہ والنہایہ: ۲/۱۲۳-۱۲۴، الکامل: ۱۰/۱۲۸، ۲۲۷، الاکمال فی رفع الارتیاب......: ۱/۴۰ (مقدمۃ المحقق)

۳- تذکرۃ الحفاظ: ۴/۱۲۰۳-۱۲۰۴۔

۲-یمین الدین ابوالقاسم قثم بن طلحہ ابن الاتقی کا کتب خانہ:

یمین الدین ابوالقاسم قثم بن طلحہ بن علی زینبی المعروف بابن الاتقی (۵۵۰-۶۰۷ھ/۱۱۶۱-۱۲۱۰ء) ادب، تاریخ، انساب کے عالم(۱) وخوشنویس تھے۔خلیفہ مستضی باللہ اور ناصرلدین اللہ کے زمانے میں بعض سرکاری عہدوں پر ممتاز رہے،اس کے پاس کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔یاقوت کا بیان ہے:

''موصوف نے انساب، تاریخ، ادب کے موضوع پر بہت لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں جمع کی تھیں اور اپنے پاکیزہ خط سے بھی بہت لکھا تھا''(۲)۔

۳- اسی نوع کا ذخیرۂ کتب ابوعبداللہ زبیر بن بکار عبداللہ قرشی (۱۷۲-۲۵۶ھ/۷۸۹-۸۷۰ء) کے پاس تھا(۳)۔

۞ ۞۞

۱-معجم الأدباء:۶/ ۲۰۳،۲۰۳،التکملۃ لوفیات النقلۃ: ۳/ ۳۳۴۔ ۲-معجم الأدباء:۶/ ۲۰۳۔

۳-تاریخ بغداد:۸/ ۴۷۱،وفیات الأعیان:۱/ ۱۸۹،جمہرۃ نسب قریش وأخبارھا:۵۹(مقدمہ محمود شاکر)

(س) فلاسفہ کے کتب خانے

بیشتر فلاسفہ کا ذخیرۂ کتب، فلسفہ واخلاق کے علاوہ لسانیات، ادب عالیہ، اسلامی علوم اور علومِ اوائل، طب، ریاضی، ہندسہ، نجوم، ہیئت، موسیقی کے موضوعات پر مشتمل ہوتا تھا اور بعض کا ذخیرہ عربی زبان کی کتابوں کا ہی جامع نہیں بلکہ یونانی وسریانی زبانوں کی کتابوں کا بھی قابلِ رشک کتب خانہ ہوتا تھا۔

۱-ابراہیم بن عبداللہ نصرانی کا کتب خانہ:

ابراہیم بن عبداللہ نصرانی (۰۰-۰۰۰) یہ یحییٰ بن عدی المتوفی ۳۶۴ھ کا ہمعصر اور علومِ اوائل کا ماہر تھا(۱) سریانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرتا تھا، اس کے پاس قدماء کی کتابوں کا نہایت قیمتی ذخیرہ موجود تھا (۲) کتابوں کا بہت دلدادہ شیدائی تھا کسی قیمت پر کتاب کو اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ یحییٰ بن عدی کا بیان ہے:

''قص سوقسطیقا'' ''نص الخطابہ وقص الشعراء'' جن کا اسحاق بن حنین نے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ میں نے موصوف سے پچاس دینار میں خریدنا چاہا تو بھی نہیں بیچا''

اس کا جب انتقال ہوگیا تو اس کے ورثاء نے اس کی کتابیں فروخت کیں ان میں سکندر فردوسی کی کتاب السماع وکتاب البرہان کی شرحیں بھی تھیں۔ چنانچہ یحییٰ بن عدی کا بیان ہے:

''میں نے اس کی میراث میں پوری کتاب السماع، کتاب البرہان کی شرحیں دیکھیں یہ ایک سو بیس (۱۲۰) دینار میں مجھے دی جارہی تھیں، میں دینار فراہم کرنے نکلا واپس آیا دیکھا کہ دونوں شرحیں دوسری کتابوں کے ساتھ ایک خراسانی تین ہزار (۳۰۰۰) دینار میں لے کر چلا گیا۔ یہ دو شرحیں ایسی تھیں کہ انہیں آستین میں اٹھا کر لے جانا ممکن تھا'' (۳)۔

۲-ابو یوسف یعقوب بن اسحاق بن صباح کندی کا کتب خانہ:

ابو یوسف یعقوب بن اسحاق بن صباح کندی بغدادی بصری (۰۰-۲۵۲ھ/۰۰-۸۶۷ء) اسلام

۱-تاریخ الحکماء: ۵۴۔ ۲-ایضاً: ۳۶-۳۰۶، الفہرست: ۳۴۱۔ ۳-تاریخ الحکماء: ۵۴۔

میں سب سے پہلا عرب فلسفی ہے کندی کو منطق، فلسفہ، طب، ریاضی ہندسہ، نجوم، ہیئت، موسیقی (۱) شعر و ادب (۲) یونانی، فارسی اور ہندی علوم میں مہارت، یونانی، سریانی اور عربی زبانوں میں اسے دستگاہ حاصل تھی، اس لیے خلیفہ مامون نے اس کو ارسطو اور یونانی فلسفہ کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا تھا۔

کندی نے نہ صرف یہ کہ یونانی و سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا بلکہ ان علوم میں مستقل کتابیں بھی یادگار چھوڑی تھیں (۳) اسے کتابوں سے وابستگی تھی بہت کتابیں جمع کی تھیں، اس کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا اور قابل رشک تھا۔ وراق حسعویہ، نفطویہ اور سلمویہ اس کے لیے کتابیں نقل کرتے تھے (۴)۔

اس کتب خانہ پر موسیٰ بن شاکر، محمد اور احمد کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں، وہ اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے موقعہ پا کر خلیفہ متوکل کو کندی سے برگشتہ کیا سزا دلائی۔ خلیفہ نے محمد و احمد کو کندی کے مکان پر بھیجا انہوں نے اس کے کتب خانے پر قبضہ کیا اور اپنے محل سرا میں لے آئے اور اس کا نام ''خزانۃ الکندیہ'' رکھا۔ کچھ مدت کے بعد کندی کے دن پھرے خلیفہ متوکل محمد اور احمد سے ناراض ہو گیا انہوں نے خلیفہ کی رضا جوئی کے لیے سند بن علی کو واسطہ بنایا وہ کندی کا دوست تھا اس نے پہلی شرط یہ رکھی کہ خزانۃ الکندیہ واپس کریں چنانچہ کندی کو پھر خزانۃ الکتب مل گیا (۵)۔

اس قسم کے کتب خانے حسب ذیل فلاسفہ کے پاس بھی موجود تھے۔

۳- ابوبکر قومسی فلسفی شاگرد یحییٰ بن عدی المتوفی ۳۶۴ھ/ ۹۷۴ء (۶)

۴- ابوعبید عبدالواحد بن محمد جوزجانی المتوفی ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۷ء (۷)

۵- رکن الدین ابومنصور عبدالسلام بن عبدالوہاب بن عبدالقادر جیلانی بغدادی (۵۴۸-۶۱۱ھ / ۱۱۵۳-۱۲۱۴ء) (۸)

۞ ۞ ۞

۱- طبقات الاطباء والحکماء: ۷۳، عیون الانباء: ۲/ ۱۷۹، تاریخ الحکماء: ۳۶۸، لسان المیزان: ۶/ ۳۰۵، تاریخ فلاسفۃ الاسلام: ۳۔

۲- معجم الشعراء: ۵۰۰۔ ۳- الفہرست: ۳۵۷-۳۶۵، تاریخ الحکماء: ۳۷۶، عیون الانباء: ۲/ ۱۸۱، ضحیٰ الاسلام: ۳/ ۶۶۔

۴- عیون الانباء: ۲/ ۱۸۰، تاریخ فلاسفۃ الاسلام: ۵، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۹۸-۱۹۹۔ ۵- خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۹۸-۱۹۹۔

۶- لغت نامہ دہخدا: ۱/ ۳۸۰ (ابوسعد) ۷- کشف الظنون: ۲/ ۱۹۲۹۔ ۸- الجامع المختصر فی عنوان التاریخ والسیر: ۹/ ۱۲۰-۱۲۱۔

(ع) مہندسوں کے کتب خانے

مہندسوں کا کتب خانہ فلکیات وریاضیات کے علاوہ دوسرے علوم وموضوعات کا بھی جامع ہوتا تھا اور ان میں سے بعض کے کتب خانوں کی دُور دُور تک دھوم تھی۔ چنانچہ جب حملہ ہوتا تو اوباش ان کا کتب خانہ لوٹتے تھے، ہم نے مہندسوں کے کتب خانوں میں نمونے کے طور پر چند کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

۱-احمد بن موسیٰ، حسن بن موسیٰ اور محمد بن موسیٰ کا کتب خانہ:

خلیفہ مامون عباسی کے دور میں موسیٰ بن شاکر کے تین بیٹے احمد المتوفی بعد ۲۵۹ھ/ ۸۷۳ء حسن المتوفی بعد ۲۵۹ھ/ ۸۷۳ء اور محمد المتوفی بعد ۲۵۹ھ/ ۸۷۳ء حیل وفلکیات میں ماہر تھے، بلادِ روم کا سفر کیا، فلسفہ، ہندسہ، موسیقی، ریاضی اور طب وغیرہ کی کتابیں جمع کیں (۱)۔ ان کا ترجمہ کرایا، ان کو سائنسی علوم پر کتابیں جمع کرنے، ان کا ترجمہ کرانے اور اپنے کتب خانہ میں ذخیرۂ کتب کے بڑھانے کا شوق تھا۔ یہ اس میں اپنی ساری دولت خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ یہ حنین بن اسحاق حبیش بن الحسن، ثابت بن قرہ وغیرہ کو فنی کتب کے ترجمہ پر پانچ سو دینار مشاہرہ دیتے تھے۔ محمد جس کی سالانہ آمدنی چار لاکھ دینار تھی، احمد کی آمدنی ستر ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی جو کتب خانہ بنانے اور سائنسی علوم کی نشر واشاعت میں خرچ ہوتی تھی (۲)۔

۲-ابو محمد حسن بن موسیٰ بغدادی شیعی نوبختی کا کتب خانہ:

ابو محمد حسن بن موسیٰ بن حسن بغدادی شیعی نوبختی (۰۰-۳۱۰ھ/ ۰۰-۹۲۲ء) متکلم، ہیئت دان، مصنف، علم واہلِ علم کا قدردان اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔ بہت کتابیں جمع کی تھیں اور اپنے قلم سے بھی بہت کچھ نقل کیا تھا (۳)۔ فلسفہ اور سائنس کی کتابوں کا ترجمہ کرتے تھے (۴)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انفرادی کتب خانے ذاتی کتب خانے ہی نہ تھے بلکہ ایک ایک فرد ایک ایک ادارہ تھے اس لیے ان کتب خانوں میں کتابوں کا مطالعہ ہی نہیں بلکہ تصنیف وتالیف اور ترجمہ کا کام بھی کیا

۱-تاریخ الخلفاء: ۲۲۰-۲۹۱، عیون الأنباء: ۱/ ۱۸۲۔ ۲-تاریخ الحکماء: ۳۰-۱۳۱۔ ۳-الفہرست: ۷۹: ۳، طبقات الامم ۵۵، تاریخ مختصر الدول، ط: ۲/ ۲۶۴، ۲۶۵، الوافی بالوفیات: ۵/ ۷۸۴، وفیات الأعیان: ۲/ ۷۹، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۱۰-۲۱۱۔

۴-الفہرست: ۲۵۲، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۱۴، رجال الطوسی: ۱۷۔

جاتا تھا۔

۳-علی بن احمد عمرانی موصلی کا کتب خانہ:

علی بن احمد عمرانی موصلی (۰۰ تقریباً ۳۴۴ھ/۰۰-۹۵۵ء) فلکیات و ریاضیات کا ماہر، استاد اور مصنف تھا، کتابیں جمع کرنے کا شوقین تھا(۱) اس کا ذاتی کتب خانہ موصل میں تھا(۲) اس سے اور اس کے کتب خانے سے استفادہ کی خاطر اہلِ علم اس کے پاس آتے تھے(۳)۔

یہ موصل میں تیسرا کتب خانہ تھا جس کی شہرت دُور دُور پہنچی ہوئی تھی۔

ابن الندیم بھی اس کے کتب خانے میں آیا تھا اور ابوعثمان دمشقی کے اصول الہندسہ کے چند مقالات کا ترجمہ اس کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذاتی کتب خانے اپنی ہیئت کے اعتبار سے انفرادی کتب خانے تھے لیکن وظائف کی ادائیگی میں عوامی کتب خانوں کے ہمسر تھے۔

۴-ابوریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی کا کتب خانہ:

ابوریحان محمد بن احمد بن محمد بیرونی خوارزمی (۳۶۲-۴۴۰ھ/ ۹۷۳-۱۰۴۸ء) بلند پایہ ریاضی دان، جغرافیہ دان، سائنس دان، فلسفی، طبیب، ادیب، شاعر، مؤرخ، لغوی، مختلف زبانوں کا ماہر اور بہت سی کتابوں کا مصنف تھا(۴)۔ مؤرخ ابوالحسن علی بیہقی المتوفی (۵۶۵ھ) بیرونی کے متعلق لکھتا ہے: ''موصوف نے بہت کتابیں لکھی تھیں میں نے اکثر کتابیں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہیں، ان کی تصانیف ایک بارِ شتر سے زیادہ تھیں''(۵)۔

بیرونی کے کثیر التصانیف ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں منہمک رہتا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے:

۱-الفہرست:۲۵۱۔ ۲-الفہرست: ۳۹۴، تاریخ الحکماء: ۲۳۳۔ ۳-ایضاً۔ ۴-معجم الادباء: ۶/ ۳۰۸، عیون الانباء: ۳/ ۳۰، تاریخ مختصر الدول: ۱۸۶، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۵/ ۲۶۴، دائرۃ المعارف الاسلامیۃ: ۴/ ۴۰۲۔
۵-تتمۃ صوان الحکمۃ: ۶۲-۶۳۔

"بیرونی کا ہاتھ قلم کو، اس کی آنکھ مطالعہ کو اور اس کا دل غور و فکر کو سال میں صرف دو روز چھوڑنے کے لیے تیار ہوتے تھے۔ ایک نوروز، دوسرے روز مہرجان کو" (۱)۔

یاقوت نے بیرونی کی تصانیف کی فہرست جامع مرو کے کتب خانہ میں ساٹھ ورق میں گنجان خط میں لکھی ہوئی دیکھی تھی (۲)۔

یہ بھی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ مسجد کے کتب خانوں میں ہر موضوع کی کتابیں محفوظ ہوتی تھیں۔

۵- عین الزمان ابوعلی حسن بن علی مروروذی المعروف بالقطان کا کتب خانہ:

عین الزمان، ابوعلی حسن بن علی مروروذی المعروف بالقطان (۴۶۵-ت ۵۴۸ھ/ ۱۰۷۳-۱۱۵۳ء) مہندس، حکیم، فلسفی، لغوی، ادیب اور مصنف تھا (۳) اس کا مرو میں ذاتی کتب خانہ تھا اس میں بہت نادر کتابیں تھیں۔

خوارزم شاہ کا لشکر جب مرو پر حملہ آور ہوا اور مرو میں افراتفری پھیلی اس کا کتب خانہ بھی لٹا، رشید الدین دطواط نے اس کتب خانہ کو لشکر گاہ میں منتقل کرنا چاہا لیکن کتابیں اتنی زیادہ تھیں اور بدنظمی ایسی تھی کہ انہیں لے جانا بھی ممکن نہ ہوا۔ اس کو اسی جگہ چھوڑنا پڑا۔ آخر کار مرو کے اوباشوں نے اس کو لوٹ لیا (۴)۔

۶- امیر محمود الدولہ ابوالوفاء مبشر بن فاتک امری کا کتب خانہ:

امیر محمود الدوالہ ابوالوفاء مبشر بن فاتک امری (۰۰ تقریباً ۵۰۰ھ/ ۰۰-۱۱۰۶ء) مصر کے فضلاء میں سے تھا۔ بلند پایہ فلسفی، حکیم، ہیئت دان، ریاضی دان مؤرخ و مصنف تھا (۵) حکمت و فلسفہ کا درس دیتا تھا، ابومحمد سلامہ یہودی اور ابن الہیثم جیسے مہندس ان کے شاگرد تھے (۶) کتابوں کا بہت دلدادہ تھا متقدمین کی بہت کتابیں جمع کی تھیں (۷)۔

اس کے کتب خانہ کی بہت سی کتابیں ایسی ملیں جن کے اوراق کا رنگ پانی کے لگنے سے بدل گیا تھا۔

۱- معجم الأدباء: ۶/ ۳۰۹، بغیۃ الوعاۃ: ۱/ ۵۱۔ ۲- معجم الأدباء: ۶/ ۳۱۱۔ ۳- تتمۃ صوان الحکمۃ: ۱۵۵، بغیۃ الوعاۃ: ۱/ ۵۱۳۔
۴- معجم الادباء: ۳/ ۱۷۳۔ ۵- ایضاً: ۶/ ۲۴۱، تاریخ الحکماء: ۲۶۹۔ ۶- عیون الأنباء: ۳/ ۱۶۳، تاریخ الحکماء: ۲۶۹۔
۷- معجم الأدباء: ۶/ ۲۴۱۔

ابن فاتک کے کتب خانہ کی بڑی عبرتناک داستان ہے۔

یہ تحصیلِ علوم کا دلدادہ تھا، اس کا زیادہ تر وقت خزائنِ کتب میں گزرتا اس میں بیٹھ کر لکھتا پڑھتا اور ایسا منہمک رہتا تھا کہ دنیا کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔

اس کی بیوی بڑے گھرانے کی ذی حیثیت خاتون تھی ان کتابوں سے اس کا کلیجہ پھکا پڑا تھا اس کا انتقال ہوا تو وہ اور اس کی خادمائیں اٹھ کر اس کے خزائنِ کتب میں پہنچی اور ان کو محل کے حوض میں پھینکنا شروع کیا، لوگوں نے دوڑ کر انہیں نکالا مگر اتنی دیر میں اوراق کا رنگ بدل گیا تھا(۱)۔

۱-عیون الأنباء:۳/۱۶۲۔

(ف) طبیبوں کے کتب خانے

عہد عباسی میں طبیبوں کے لیے جس طرح حاذق طبیبوں کی صحت، شفاخانوں میں فنی تربیت فن میں درک وبصیرت حاصل کرنے کے لیے لازمی امر تھا، اس طرح گھروں پر طبی کتابوں کے مطالعہ کے بغیر چارہ نہ تھا یہ بات اطباء کے لیے گھروں پر ذخیرۂ کتب رکھنے اور کتب خانے بنانے میں محرک تھی (۱)۔

معاشرہ میں اطباء کو اپنا وقار بلند رکھنے کے لیے فن سے متعلق زیادہ سے زیادہ کتابیں جمع کرنے اور مسائل فن سے باخبر رہنے کی تاکید کی جاتی تھی، یہ امر بھی اطباء کے کتب خانہ سازی کا محرک تھا (۲)۔

۱- ابوزید حنین بن اسحاق عبادی نصرانی کا کتب خانہ:

ابوزید حنین بن اسحاق عبادی نصرانی (۱۹۴-۲۶۰ھ/۸۰۹-۸۷۳ء) بلند پایہ ادیب، شاعر، طبیب، مترجم ومصنف تھا، اسے تین زبانوں عربی، سریانی اور یونانی پر عبور حاصل تھا (۳)۔ ترجمہ نگار، اصطفن ابن باسیل، موسیٰ بن خالد، یحییٰ بن ہارون وغیرہ کا افسر تھا (۴)۔ اس کی تصانیف وترجمہ کی ہوئی کتابوں کی تعداد ایک سو تیس (۱۳۰) سے اوپر ہے اس نے قدیم کتابوں کی تلاش وجستجو میں مختلف بلاد کا سفر کیا تھا (۵)۔ اس کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ بختیشوع نے خلیفہ متوکل کو اس سے برگشتہ کر کے اسے قید کرایا اس کا سارا سامان اور کتب خانہ ضبط کرایا مکان بھی کھدوا پھکوایا تھا (۶) چنانچہ اس کا بیان ہے:

"جتنی کتابیں بھی میری ملکیت میں تھیں ان میں سے ایک کتاب بھی میرے پاس نہیں رہی تھی (۷)۔

اس کتب خانہ کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں ہمہ وقت دو وراق ازرق (۸) اور محمد بن الحسن بن دینار احول کتابیں لکھتے رہتے تھے (۹)۔

مامون نے اس کو دارالترجمہ کا نگران اعلیٰ بنایا ہوا تھا جو کتاب ترجمہ کر کے پیش کرتا اس کے برابر خزانہ شاہی سے سونا ملتا تھا (۱۰)۔ یہ موٹا کاغذ استعمال کرتا، بڑے بڑے حرفوں میں لکھتا اور نقل کرتا بین السطور میں کافی فاصلہ چھوڑتا اور چھڑاتا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرے اس کے باوجود خلیفہ مامون اس کی قدر کرتا اور انعام دیتا تھا (۱۱)۔

۱- کتاب المختارات فی الطب: ۱/۷۔ ۲- أخلاق الطبیب: ۱۲۹۔ ۳- تاریخ الحکماء: ۱۷۱، الفہرست: ۴۰۹۔ ۴- تاریخ الحکماء: ۱۷۱، تتمۃ صوان الحکمۃ: ۳۔ ۵- تاریخ الحکماء: ۱۷۳-۱۷۴، الفہرست: ۴۱۰۔ ۶- عیون الأنباء: ۲/۱۴۹۔ ۷- ایضاً: ۱۵۹۔ ۸- ایضاً: ۱۲۰۔ ۹- معجم الأدباء: ۶/۴۴۳، الفہرست: ۱۱۷۔ ۱۰- عیون الأنباء: ۲/۱۴۳۔ ۱۱- ایضاً: ۲/۱۶۰۔

حنین بنوشاکر کے لیے بھی کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا۔ خلیفہ اہلِ علم سے ناراض ہوتا اور قید کرتا تو قید میں بھی انہیں علم کی نشر واشاعت کی پوری آزادی حاصل تھی اور لکھنے پڑھنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی تھی۔

حنین بن اسحاق نے اپنی ایامِ اسیری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا چنانچہ مؤرخ عبید اللہ بن جبرائیل بن بختیشیوع، ''مناقب الاطباءُ'' میں لکھتا ہے:

''حنین سال بھر قید میں رہا مگر اس کے ترجمہ کرنے، شرح لکھنے اور تصنیف وتالیف کرنے کا مشغلہ برابر جاری رہا''(۱)۔

۲- ابوبکر محمد بن زکریا رازی کا کتب خانہ:

ابوبکر محمد بن زکریا رازی (۲۵۱-۳۱۱ھ/ ۸۶۵-۹۲۳ء) امامِ طب وفلسفہ (۲) منطقی، مہندس (۳) ادیب وشاعر، مصنف واستاد (۴) شفاخانہ رَے وبغداد کا نگرانِ اعلیٰ تھا (۵) اس کی چھوٹی بڑی تالیفات کا ذخیرہ ہی تین سو (۳۰۰) سے زیادہ تھا (۶)۔ اس کے ایک معاصر کا بیان ہے:

''رازی لپیٹی ہوئی اور غیر لپیٹی ہوئی کتابوں کو بھی جدا نہیں کرتا تھا، میں جب کبھی اس کے پاس پہنچا اس کو لکھتے ہوئے یا مسودے کو صاف کرتے ہی دیکھا''(۷)۔

''رازی کی تصانیف کی کتابیات بھی مرتب کی گئی تھی (۸) اس نے طب کا دائرۃ المعارف 'الحاوی' کے نام سے لکھا تھا جس کا مسودہ ابن العمید نے اس کی بہن سے گراں قیمت میں خرید کر رازی کے شاگردوں سے رَے میں مرتب کرایا تھا(۹)۔

۳- ابوکثیر افرائیم بن الحسن بن اسحاق اسرائیل ابن الزفان کا کتب خانہ:

ابوکثیر افرائیم بن الحسن بن اسحاق اسرائیل المعروف بابن الزفان (۰۰-۴۸۷ھ/ ۰۰-۱۰۹۴ء)

۱- عیون الأنباء: ۲/ ۱۴۳-۱۴۴، تاریخ الحکماء: ۱۷۶۔ ۲- الفہرست: ۴۱۵۔ ۳- تاریخ الحکماء: ۱۷۱۔
۴- الوافی بالوفیات: ۷۷۔ ۵- طبقات الأطباء والحکماء: ۷۷، تاریخ الحکماء: ۲۷۲۔
۶- الفہرست: ۴۱۶، ۴۲۰، ۵۰۴، عیون الأنباء: ۲/ ۳۵۲، ۳۶۱، الاعلام للزرکلی: ۶/ ۳۶۴۔
۷- الفہرست: ۴۱۶، عیون الأنباء: ۲/ ۳۴۵۔ ۸- الفہرست: ۶۱۴۔ ۹- عیون الأنباء: ۲/ ۳۵۰، الوافی بالوفیات: ۳/ ۷۷۔

مصر کا نامور شاہی طبیب ومصنف تھا۔

بادشاہوں کے علاج معالجہ سے کمائی ہوئی دولت کتابوں کے حاصل کرنے، نقل کرانے میں خرچ کرتا اس معاملہ میں بہت باہمت وفراخ حوصلہ واقع ہوا تھا ہمیشہ نقل نویس اس کے یہاں کتابیں نقل کرتے رہتے تھے اور یہ ان سب کی کفالت کرتا تھا (۱)۔ ان میں ایک محمد بن سعید بن ہشام حجری المعروف بابن ملساقہ بھی تھا، ابنِ ابی اصیبعہ نے اس کی نقل کی ہوئی متعدد کتابیں دیکھی ہیں جن پر افرائیم کے دستخط ثبت تھے۔ افرائیم نے مرتے وقت بیس ہزار سے زیادہ مجلدات چھوڑی تھیں (۲)۔

۴-موفق الدین اسعد ابن مطران کا کتب خانہ:

موفق الدین اسعد بن الیاس بن جرجیس مطران دمشقی المعروف بابن مطران (۰۰-۵۸۷ھ/۰۰-۱۱۹۴ء) طبیب بن طبیب، ادیب، مصنف سلطان صلاح الدین کا شاہی طبیب تھا (۳) اسے کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا بہت کتابیں نقل کی اور خریدی تھیں اس کے کتب خانے میں طب کی دس ہزار سے زیادہ مجلدات تھیں (۴)۔

تین نقل نویس ہمہ وقت اس کے کتب خانے میں کتابیں نقل کرتے رہتے تھے جس کی خوراک، پوشاک، تنخواہ کا بار خود برداشت کرتا تھا ان میں جمال الدین المعروف بابن جمالہ بھی تھا یہ صاحب خط اور بہت اچھا خوشنویس تھا اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں حسنِ خط، صحت واعراب کی درستی میں اپنی نظیر آپ تھیں۔

موفق الدین بڑی بڑی کتابوں کا خلاصہ تیار کر کے اپنی آستین میں رکھتا جب وقت ملتا مطالعہ کرتا رہتا تھا، اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا، اس لیے اس کا کتب خانہ مرنے کے بعد بکا، اس کے خلاصوں کی جب بولی لگی تو ہر جزء ایک درہم کے حساب سے تین ہزار جزء، تین ہزار درہم میں فروخت ہوئے اور زیادہ تر حکیم عمران نے خریدے تھے۔ ابنِ مطران بڑا کریم النفس تھا اپنے شاگردوں کو کتابیں بخش دیتا تھا (۵)۔

۵-نصر بن محمد بن المظفر کا کتب خانہ:

نصر بن محمد بن معرف المعروف بالمظفر (۰۰-۵۳۴ھ/۰۰-۱۱۴۰ء) کو علومِ حکیمہ میں مہارت

۱-عیون الانباء: ۳/۲۷۴-۲-ایضاً: ۱۷۵۔ ۳-ایضاً ۳/۲۸۷-۲۸۸۔

۴-ایضاً ۳/۲۹۲، معجم الاطباء ص ۱۳۶، دائرۃ المعارف ۴/۴۳۔ ۵-عیون الانباء: ۳/۲۹۳۔

حاصل تھی، سائنسی علوم سے گہرا تعلق اور شغف تھا، خط بہت اچھا تھا طب اور حکمت کی بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں۔ مطالعہ کا شوق تھا کتابیں جمع کرتے اور پڑھتے تھے، موصوف کا کتب خانہ اپنی حویلی میں تھا، شیخ سدیدالدین منطقی کا بیان ہے:

''مظفر کے مکان میں ایک بہت بڑے حصے میں الماریاں کتابوں سے اٹی ہوئی تھیں اس کا بیشتر وقت اس جگہ کتابوں کے پڑھنے لکھنے میں گزرتا تھا''(۱)۔

مظفر کا کتب خانہ صرف سائنسی علوم کے ساتھ خاص نہ تھا اس میں ہر فن کی ہزاروں کتابیں موجود تھیں۔

ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے ''سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ ہر فن کی ہزاروں کتابوں کے مالک تھے اور کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس کے پیچھے موصوف نے اس فن سے متعلق نادر معلومات پیش نہ کی ہوں میں نے ابوالمظفر کی طب وحکمت کی بہت سی کتابیں دیکھیں ہیں جن پر ان کا نام لکھا ہوا تھا اور ان کی نفیس معلومات درج تھیں۔ کتاب سے متعلق متفرق فوائد بھی لکھے ہوئے تھے، یہ شاعر بھی تھے، نجوم، کیمیا اور طب پر ان کی تصانیف ہیں''(۲)۔

اس نوع کے کتب خانے مندرجہ ذیل طبیبوں کے پاس بھی موجود تھے۔

۶- ثادوس بغدادی خلیفہ معتضد عباسی کے دور (۲۷۹-۲۸۹ھ/ ۸۹۲-۹۰۲ء) کا نامور پادری طبیب تھا(۳)۔

۷- ابن الواسطی طبیب خلیفہ مستظہر باللہ عباسی المتوفی ۵۱۲ھ/ ۱۱۱۸ء(۴)

۸- مجدالدین ابوالفضل ھبۃ اللہ بن محمد المتوفی ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء(۵)

۹- اوحدالدین عمران بن صدقہ دمشقی (۵۶۱-۶۳۷ھ/ ۱۱۶۵-۱۲۳۸ء)(۶)

۱۰- ابونصر سعید بن ابی الخیر بن عیسیٰ حضیری نسطوری المعروف بابن المسیحی التوفی ۶۵۸ھ/ ۱۲۶۰ء(۷)

۱۱- ابوالخیر مسیحی بن ابی البقا بن ابراہیم نزیل بغداد المعروف بابن العطاء التوفی ۶۰۸ھ/ ۱۲۱۱ء(۸)

۱- عیون الانباء: ۳/ ۲۹۳۔ ۲- ایضاً۔ ۳- ایضاً: ۲/ ۶۷، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۰۹۔ ۴- ایضاً: ۲/ ۲۶۱-۲۶۲۔
۵- ایضاً: ۲/ ۲۷۶۔ ۶- ایضاً: ۲/ ۲۹۳۔ ۷- ایضاً: ۲/ ۳۳۱۔ ۸- تاریخ الحکماء: ۲۳۲-۲۳۳، خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۶۳۔

اس باب میں انفرادی وعمومی اور فنی وخصوصی کتب خانوں کے بیان ونشاندہی سے انفرادی وعمومی کتب خانوں میں:

(ا) وزیروں کے ۱۳۔ (ب) عُمّال کے ۳۔ (ج) حکام کے ۵۔
(د) دربانوں کے ۲۔ (ہ) موچی، رنگریز ۴۔ (و) وراقوں کے ۳۔
(ز) خوشنویسوں کے ۵۔ (ح) خازنوں کے ۲۔ (ط) فنکاروں کے ۲۔
(ی) تاجروں کے ۵۔ (ک) دولتمندوں کے ۵۔ (ل) غرباء کے ۳۔

کل = ۵۲ کتب خانے۔

اور فنی وخصوصی کتب خانوں میں:

(الف) قراء کے ۴۔ (ب) مفسرین کے ۳۔
(ج) محدثین ومحدثہ کے ۶۹۔ (د) فقہاء کے ۱۸۔
(ہ) قاضیوں کے ۱۴۔ (و) متکلمین کے ۶۔
(ز) صوفیہ کے ۱۳۔ (ح) نحویوں کے ۶۔
(ط) ائمۂ لغت کے ۱۳۔ (ی) ادباء کے ۱۴۔
(ک) شعراء کے ۸۔ (ل) مؤرخین کے ۸۔
(م) ماہرینِ انساب کے ۳۔ (ن) فلاسفہ کے ۵۔
(س) مہندسین کے ۶۔ (ع) طبیبوں کے ۱۱۔

کل = ۲۰۱ کتب خانے۔

اور دونوں کی مجموعی تعداد ۲۵۳ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ محرکات وعواملِ کتب خانہ اور عہد عباسی میں کتب سازی کی عالمگیر تحریک نے عوام وخواص میں تیزی سے کتب خانہ سازی کے ذوق کو پروان چڑھایا۔ اسلامی علوم وفنون پر علومِ اوائل کے ارتقاء وذخیروں کی توسیع واشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ عہد عباسی میں فنی وخصوصی کتب خانوں کی اکثریت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہر فن میں ائمۂ فن کی کتابیں ہر منتہی عالم کے پاس ہونا اس کی اہلیت وقابلیت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ میں فن میں اختصاص (Specialization) حاصل کرنے کا رجحان زیادہ پایا جاتا تھا جو علوم و ذخائر میں تنوع و کثرت، تعلیمی، قومی ترقی اور صحت مند معاشرہ کی نشاندہی کرتا ہے۔

انفرادی کتب خانوں کی کثرت سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ مسلم معاشرہ میں علمی وذہنی بیداری اتنی بڑھ گئی تھی کہ وزراء و اہلِ ثروت غیر زبانوں سے فنی کتابوں کے ترجمہ، علومِ اوائل کی اشاعت اور ذخیرہ کو عام کرنے کے لیے ماہانہ خطیر رقم صرف کرتے تھے۔

اہلِ علم کتب خانہ سازی و ذخائر میں اضافہ کی خاطر وراقوں کی جماعت لے کر نکلتے جو اسلامی قلمرو کے مختلف کتب خانوں سے حسب ضرورت و مذاق ان کے لیے کتابیں نقل کرتی تھی، اس لیے کبھی فنی وخصوصی کتب خانہ کے ذخائر کثرت میں وزیروں کے کتب خانوں سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔

عہدِ عباسی میں ایک ایک امامِ فن کی تالیفات پر ساٹھ ساٹھ دینار اور بیس بیس ہزار درہم سے زیادہ رقم خرچ کی جاتی تھی حالانکہ ضروریاتِ زندگی، سواری کا گھوڑا اور کپڑے وغیرہ زیادہ سے زیادہ اٹھارہ بیس درہم میں مل جاتے تھے(۱) یہ مسلم معاشرہ میں قوتِ خرید کی مثالیں ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں عوام وخواص میں علمی ذوق اور کتابی ضروریات کی تکمیل کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل تھی۔

دورِ عباسی میں انفرادی کتب خانوں کے ذخیرے، عوامی اور شاہی کتب خانوں کے ذخیروں میں اضافہ کا سرچشمہ تھے اور تہذیبی وتمدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے عوام کے ذہنوں کو مصفّٰی ومُجلّٰی کرتے، کتابی تہذیب کے ارتقاء میں مددگار و معاون تھے اور وہ اپنی خدمات کے اعتبار سے ادارہ جاتی کتب خانے کہے جانے کے مستحق تھے۔ انہی ذخیروں سے بڑے بڑے کتب خانے ترتیب پاتے تھے۔

عہدِ عباسی میں وزیر، عامی و عالم ہر ایک علم وفن کا قدردان اور شیدائی تھا اور امیر وغریب، عالم وجاہل علوم وکتب اور کتب خانوں کی نشر واشاعت میں سرگرم رہتا تھا۔

اسلامی تعلیمات اور عہدِ عباسی میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے ہر طبقہ کو عوام کی علمی ضروریات کی

۱- تاریخ بغداد: ۹/ ۲۶۲۔

تکمیل، معاشرہ کی ذہنی رفعت اور آئندہ نسلوں کی علمی ترقی کی خاطر عوامی کتب خانے قائم کرنے، مدرسے اور کتب خانے بنوانے پر کمر بستہ کیا تھا۔

آئندہ باب میں انہی ادارہ جاتی، عوامی اور علمی کتب خانوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

پانچواں باب

ادارہ جاتی، عوامی اور علمی کتب خانے

باب چہارم میں انفرادی وعمومی اور فنی وخصوصی کتب خانوں کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حکمِ اقرأ وعلم بالقلم کے نور اور عوامل ومحرکات کتب خانہ نیز عباسی خلفاء کی کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک نے مسلم معاشرہ میں کتابوں کے استعمال کو عام کیا۔ ہر مسلمان کو علم وکتاب کا گرویدہ اور کتابوں کے جمع وتحفظ اور توسیع واشاعت کا ایسا خوگر بنایا تھا کہ ہر حلقۂ اثر (Community) محلہ اور بستی میں کم وبیش ہر عالم وجاہل کے یہاں کتابوں کا ذخیرہ ملتا اور اہلِ علم کو اس سے فائدہ پہنچتا تھا۔ انفرادی وخصوصی کتب خانوں کا یہ تنوع ہمارے مذکورۂ بالا دعوے کا شاہدِ عدل ہے۔

باب پنجم جس کا عنوان ''ادارہ جاتی اور علمی کتب خانے'' ہے اس کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں عوامی کتب خانوں کا بیان ہے جن میں اوقاف کے، مسجدوں کے، خانقاہوں کے، سرایوں اور مزاروں کے کتب خانے داخل ہیں۔ دوسرے حصے میں علمی کتب خانوں کا ذکر ہے جن میں درسگاہوں، دانش گاہوں، شفاخانوں، طبی مدرسوں اور رصدگاہوں کے کتب خانے شامل ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں معاشرہ کی تحقیقاتی، علمی اور فنی ضروریات کی تکمیل، اس کی علمی ترقی اور آئندہ نسلوں کی علمی بیداری اور اس کی تحقیقاتی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے کا اہتمام کیا جاتا تھا اور ان پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا، نیز عوامی سطح پر علمی وتحقیقاتی میدان میں کتابی ذخیرہ نہایت وسیع پیمانے پر فراہم کیا جاتا، شائقینِ کتب اور محققین ومصنفین کو بلا امتیاز مذہب وملت استعمال کے لیے دیا جاتا تھا۔

پانچواں باب

پہلا حصہ (اجمالی خاکہ)

☆ عوامی کتب خانہ۔

☆ اوقاف کے کتب خانے۔

☆ مسجدوں کے کتب خانے۔

☆ خانقاہوں کے کتب خانے۔

☆ سرایوں کے کتب خانے۔

☆ مزاروں کے کتب خانے۔

(الف) عوامی کتب خانے

اسلام نے بنی نوع انسان کی متاعِ مشترک علم کو عبادت کا درجہ دیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے عبادت ہر انسان پر فرض کی اس طرح علوم کی تحصیل بھی ہر ایک مرد وعورت پر فرض کی ہے۔ اس لیے ہر عبادت گاہ (مسجد) کو آغازِ اسلام سے درسگاہ کی حیثیت بھی حاصل رہی اور ہر مسجد میں کتب خانہ بھی قائم کیا گیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ "ان لوگوں کے فیضان کا سلسلہ مرنے کے بعد جاری رہتا ہے ۱- جو تعلیم دیتے، ۲- مسجد بناتے، ۳- کتابیں لکھتے اور ۴- وقف کرتے ہیں۔"

بنی نوع انسان کی متاعِ مشترک، علم کی تحصیل، جمع وتحفظ اور توسیع واشاعت پر مسلمانوں کو آمادہ کیا۔ چنانچہ بادشاہوں، وزیروں، امیروں، دانشوروں، عالموں، تاجروں ہی نے نہیں بلکہ ہر ایک مسلمان نے کتابیں جمع کرنے، کتب خانہ بنانے پھر ان کو وقفِ عام کرنے میں حسبِ توفیق واستطاعت حصہ لیا اور جو ان سے بن سکا وہ اس نے اللہ کی راہ میں دیا۔

اس سے ہر چھوٹے بڑے شہر، دیہات وقصبات میں اور ہر حلقۂ اثر کی مسجدوں میں کتب خانے قائم ہوتے رہے۔

مسلمانوں نے اپنے ذوقِ کتاب داری کی بناء پر قدیم علمی سرمایہ کا تحفظ کیا، اس کی توسیع واشاعت کی، جہاں تک ممکن ہو سکا قدیم کتب خانوں کو بھی آباد رکھا اور ان سے بھی استفادہ کیا۔ چنانچہ مروِ شاہجہاں میں شاہان بنی ساسان میں سے یزدگرد نے کچھ ذخیرہ چھوڑا تھا جو تاریخ میں کتب خانہ یزدگرد کے نام سے موسوم ہوا، اس علمی ذخیرے سے بھی اہلِ علم نے بے اعتنائی نہیں کی اور جدید تقاضوں کے مطابق اسے بھی اپنایا۔

مؤرخ بغداد ابن طیفور (۲۰۴-۲۸۰ھ/۸۱۹-۸۹۳ء) کا بیان ہے:

میرے شیخ احمد بن محمد مہلبی نے کہا کہ یحییٰ بن الحسن نے فرمایا: میں رقہ میں محمد بن طاہر بن حسین کے سامنے حوض پر بیٹھا ہوا تھا، کسی ضرورت سے میں نے اپنے غلام کو بلایا، اس سے فارسی میں باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں شاعر ابو عمرو کلثوم بن عمرو عتابی المتوفی ۲۲۰ھ بھی پہنچ گیا اور میرے ساتھ فارسی بولنے لگا۔ میں نے کہا: تم فارسی

خوب جانتے ہو۔ اس نے کہا: میں یہاں تین مرتبہ آیا ہوں اور مرو کے خزانہ کتب سے عجمی زبان کی کتابیں لکھتا رہا ہوں، یہ وہ کتابیں ہیں جو یزدگرد کے پاس تھیں۔ یہیں رہ گئی تھیں اور اب تک موجود ہیں۔ میں نے ان سے ضرورت کی چیزیں نقل کیں پھر نیشاپور سے دس فرسخ پر ذودر نامی بستی میں پہنچا ایک کتاب یاد آئی وہ مجھے درکار تھی۔ میں مرو آیا اور یہاں ایک مہینے ٹھہرا، میں نے کہا: ابوعمرو! تم پہلوی زبان کی کتابیں کیوں لکھتے ہو؟ اس نے کہا معانی وبلاغت پہلوی کتابوں میں ہوتی ہے۔"(۱)

اوقاف ومساجد، خانقاہ ورباطات نیز مزارات وغیرہ کے کتب خانوں کے تذکرے سے مقصد، ادارہ جاتی کتب خانوں کے قیام نے علم وآگہی کے پھیلانے اور آنے والی نسلوں تک ثقافتی ورثہ کو پہنچانے میں جو اہم کردار ادا کیا، یہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔

کتب خانوں کی تاریخ کا یہ ایک ایسا پہلو ہے جس پر پنٹو جیسی محنتی خاتون بھی کوئی اہم مواد فراہم نہ کر سکی اور نہ مسلمان دانشوروں نے اب تک اس موضوع سے کوئی اعتناء کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ دوسری صدی ہجری کے ربع ثانی یعنی آخر دورِ اموی میں علمی اداروں کا آغاز ہوا اور سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ نے فقہی مسائل کی تدوین کے لیے اپنے چالیس (۴۰) نامور ائمۂ فن شاگردوں پر مشتمل ایک غیر سرکاری علمی ادارہ (Academy) کی تشکیل کی (۲)۔

دوسری صدی ہجری کے اواخر ۱۹۸ھ میں خلیفہ مامون الرشید نے سرکار کی زیرِ نگرانی بغداد میں پہلی اکیڈمی ''بیت الحکمۃ'' کے نام سے قائم کی تھی جس میں تصنیف وتالیف، ترجمہ وتشریح اور تربیتِ افراد کے لیے ائمۂ فن کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ پھر بنی موسیٰ نے بغداد میں اپنا ذاتی ''دارالترجمۃ'' قائم کیا جس میں علومِ قدیمہ اور سائنسی کتب کا ترجمہ کیا جاتا تھا، وزراء میں سے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی المتوفی ۱۹۰ھ نے بیت المدارس کے نام سے ایک اکیڈمی قائم کی تھی جس میں علمی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔

شاہانِ صفاریہ میں ابواحمد خلف بن احمد بن محمد سجزی المتوفی ۲۹۹ھ نے سجستان میں ایک مجلسِ علمی ترتیب

۱- کتاب بغداد: ۸۷، Di Renai Ssance des Islams، الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الہجری: ۱/ ۲۲۳۔

۲- حسن التقاضی: ۱۳، مناقب الامام الاعظم: ۲: ۱۳۲-۱۳۴، سیرۃ النعمان: ۱۹۵-۱۹۶۔

دی اور اس سے قرآن مجید کی نہایت جامع و مبسوط تفسیر لکھوائی جو سو جلدوں میں مکمل ہو سکی تھی۔ اس عظیم منصوبہ پر بیس ہزار (۲۰،۰۰۰) دینار صرف کیے تھے۔

فاطمیین مصر نے اپنے عقائد و نظریات کی اشاعت کے لیے مصر میں پہلی مرتبہ شاندار جداگانہ عمارت ''جامعہ ازہر'' کے نام سے بنوائی اور اس میں ایک مجلسِ دعوت و تبلیغ قائم کی تھی۔

چوتھی صدی ہجری میں ''اخوان الصفا'' کے نام سے چند فلاسفہ کا ایک خفیہ ادارہ قائم ہوا تھا، جو اپنے علمی افکار و نظریات، رسائل کی صورت میں شائع کرتا تھا، ان کے رسائل کا مجموعہ ''رسائل اخوان الصفا'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

اس طرح کی اور بھی علمی انجمنیں بغداد میں کام کر رہی تھیں جن کے علمی اجلاس میں زیر بحث مسائل اور افکار و نظریات کتابی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ ابوحیان توحیدی کی کتاب ''المقابسات'' اس کی نہایت روشن دلیل ہے۔ انہی وجوہ سے عہدِ عباسی کے علمی اداروں میں مساجد، شاہی محلات اور دارالعلوم کے کتب خانوں کو شمار کیا گیا ہے (۱)۔

یہ عہدِ عباسی میں مستقل ادارے تھے، نئے نئے موضوعات و مباحث پر تحقیقات پیش کرتے رہتے تھے اس دور میں عارضی اور زمانی و وقتی ادارے وہ علمی مجالس تھیں جو قدردانِ علم و فن اور فرمانروایانِ وقت کے درباروں، امراء، وزراء کے محل سراؤں اور خزانۃ الکتب میں وقتاً فوقتاً منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ احمد بن روح کا بیان ہے:

''قاضی ابوالحسن معافی بن زکریا جریری نہروانی المعروف ابن طرار (۳۰۳-۳۹۰ھ/ ۹۱۶-۱۰۰۰ء) جو بڑے فقیہ اور ادیب تھے، کسی رئیس کے گھر پہنچے، وہاں اہلِ علم و ادباء کی ایک جماعت موجود تھی وہ کہنے لگے کہ اقسامِ علوم میں سے کسی ایک علم میں مذاکرہ ہو، معافی نے اس رئیس سے فرمایا، آپ کا کتب خانہ اصنافِ علوم و انواعِ ادب کا جامع ہے، کسی خادم کو کتب خانہ کھولنے کا حکم دیں، جس قریبی کتاب پر اس کا ہاتھ لگے اس کو اٹھا لائے، آپ اسے کھولیں اور دیکھیں کہ کس علم سے تعلق رکھتی ہے اس پر مذاکرہ ہو اور اہلِ علم جولانیٔ طبع دکھائیں''(۲)۔

۱- تاریخ الأدب العربی: ۳۶۵۔ ۲- تاریخ بغداد: ج: ۱۳- ص: ۲۰۰۔

مذکورۂ بالا تاریخی واقعہ سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ محل سراؤں اور کتب خانوں میں مذاکرے ہوتے تھے اور اس طرح علوم و فنون کی نشر و اشاعت ہوتی تھی۔

عہدِ عباسی میں بعض علماء و فضلاء کے مکانوں کو بھی علمی ادارہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اگر آج کی سماعت گاہوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ عہدِ عباسی میں ذاتی مکانوں اور محل سراؤں میں جمنے والی علمی مجلسوں کی ترقی یافتہ بیٹھکیں معلوم ہوتی ہیں، انہیں علمی اداروں اور سماعت گاہوں میں شمار کرنا چاہیے۔ ہمارے اس خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ عہدِ عباسی کے تذکرہ نگار اس قسم کے عارضی اداروں کا "دَارُهٗ مَجْمَعُ الْعُلَمَآءِ" اس کا مکان علماء کی اکیڈمی تھا(۱) "مَنْزِلُهٗ مَاْلَفُ اَلْهُمْ" اس کا مکان ان اہلِ علم کی دلچسپی کا مرکز تھا(۲) کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ جسے اس عہد کے مؤرخین نے نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ ان عارسی اداروں میں تنوع و اختصاص بھی پایا جاتا تھا، چنانچہ اس قسم کے بعض عارضی ادارے اہلِ ادب کے، بعض فقہاء کے، بعض محدثین کے اور بعض فلاسفہ وغیرہ کے مرکز ہوتے تھے۔ چنانچہ علی بن یحییٰ المنجم کا مکان اہلِ ادب کی اکیڈمی تھا(۳)۔

مذکورۂ بالا ذاتی علمی اداروں اور کتب خانوں میں اہلِ علم اور وراقوں کی شب گزاری کے لیے پچاس بستروں کا انتظام و اہتمام کیا جاتا تھا(۴)۔

ان وجوہ سے ادارہ جاتی کتب خانوں (Institutional Libraries) کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا حصہ عوامی کتب خانوں (Public Libraries) پر مشتمل ہے اس کا مصداق اوقاف، مساجد و رباطات اور مزاروں کے کتب خانے ہیں۔

دوسرا حصہ علمی کتب خانوں (Academic Libraries) پر محیط ہے۔ اس کا مصداق درسگاہوں، مدرسوں، دانش گاہوں، شفاخانوں اور رصدگاہوں کے کتب خانے ہیں۔ ان مقامات کے کتب خانے ہی وہ کتب خانے تھے جن کے دروازے بلا معاوضہ، بلا امتیازِ مذہب و مسلک اور قوم و فرقہ، مقامی و بیرونی ممالک کے عوام و خواص پر کھلے ہوئے تھے(۵) یہ ادارہ جاتی کتب خانے اپنی فطرت میں عوامی کتب خانوں کے فرائض

۱- المنتظم: ۶/ ۲۸۸۔ ۲- ایضاً: ۶/ ۲۵۶ مطبوعہ نسخہ میں حوالہ درج ہے۔ ۳- معجم الادباء: ۵/ ۴۶۰۔
۴- تاریخ بغداد: ۳/ ۱۳۶۔ ۵- معجم البلدان ۵/ ۱۱۴۔

بھی ادا کرتے تھے حالانکہ یہ خصوصی وعلمی کتب خانے تھے، اس حیثیت سے عہدِ عباسی کے عوامی کتب خانے اپنے مفہوم ومصداق کے اعتبار سے موجودہ دور کے ترقی یافتہ عوامی کتب خانوں سے زیادہ وسیع، زیادہ متنوع، زیادہ سود مند، زیادہ سہولت بخش تھے اور اس لیے عہدِ عباسی میں مسلم معاشرے میں عوامی کتب خانے زیادہ مشہور، زیادہ باوقعت اور زیادہ ہردلعزیز ہوتے تھے۔

وقف کے لغوی معنی سے بحث عواملِ کتب خانہ کے ضمن میں گزر گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کو مرنے کے بعد مندرجہ ذیل چیزوں کا ثواب پہنچتا رہتا ہے ''عِلماً عَلَّمَهُ وَ نَشَرَهُ، وَوَلَداً صَالِحاً تَرَكَهُ، وَمُصحَفاً وَرَّثَهُ، أَوْ مَسجِداً بَنَاهُ . . . أَوْ صَدَقَةً أَخرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَ حَيَاتِهِ تَلْحَقُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ''(۱) ۱-علم جو اس نے کسی کو پڑھایا ۲-اور جسے پھیلایا، ۳-نیک اولاد جسے چھوڑا، ۴-یا مصحف جو ورثہ کے لیے چھوڑا، ۵-یا مسجد جسے اس نے بنایا ۶-یا صدقہ جو اس نے بقیدِ صحت وحیات اپنے مال میں سے نکالا، اس کے مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں ''علما علمه'' میں تعلیم ''نشره'' میں تصنیف و تالیف اور وقف کتب ''مصحفا ورثه'' میں علم شرعی کی کتابیں ''مسجدا بناه'' میں مدرسہ اور سرائے داخل ہیں (۲) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''نشره'' کی شرح اشاعتِ علم سے کی ہے (۳) یہ ارشادِ نبوی ﷺ خیر کے کاموں میں بہت محرک رہا اور کتب خانوں کے بنانے میں وقف کا غیر معمولی حصہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنیٰ میں کتب خانے اوقاف سے بنتے ہیں اور آج بھی یہ عمل جاری ہے، اس کے ذریعے بہت ہی نایاب ونادر کتابیں کتب خانوں کو حاصل ہوتی رہی ہیں، بعض شائقینِ کتب ایسے ذرائع سے کتابیں اور ذخیرۂ کتب جمع کرتے ہیں جن ذرائع سے عوامی اور سرکاری کتب خانے کتابیں حاصل کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ مثلاً خاندانی کتب خانے جس میں اس خانوادہ کے اہلِ علم کی جملہ تصانیف موجود ہوتی ہیں، خاص طور پر آخر زمانے کی تالیفات جس کا علم شاگردوں اور دوستوں کو بھی بسا اوقات نہیں ہوتا یا مصنف قبل تکمیل اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا، یا بعض طبائع: ۱-بخل ۲-یا فخر کی وجہ سے ۳-یا ندرت کی بناء پر ایسی کتابوں کے نسخے دنیا میں ایک دو ہوتے ہیں۔ اور جس کے پاس ہوتے ہیں وہ انہیں کسی قیمت پر جدا کرنا نہیں چاہتے، یا بعض

۱-سنن ابن ماجہ: ۱/۱۰۶۔ ۲-مرقاۃ المفاتیح: ۱/۳۰۶۔ ۳-لمعات التنقیح: ۱/۲۹۸، اشعۃ اللمعات: ۱/۱۸۵۔

اہم کتابیں دوسروں کو بتانے سے گریز کرتے ہیں، ایسی کتابوں کا علم (الف) وقف، (ب) یا ذخیرے کی فروخت، (ج) یا ورثہ کے ذریعے، (د) یا اہلِ علم کی اس کتب خانہ تک رسائی کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس قسم کے ذخیرے جب کتب خانوں میں وقف کیے جاتے ہیں ان سے کتب خانوں کے ذخیروں میں اضافہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کی اہمیت، افادیت، عظمت وشہرت بھی بہت بڑھ جاتی ہے اس سے وقف کتب کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

واقف وقف کبھی ازخود اور کبھی کسی تحریک وتحریض سے اپنی حیات میں کر جاتا ہے۔ کبھی اس کے وارث ودوست اس کی وصیت کے مطابق اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں، جیسا کہ یاقوت رومی کی وصیت کے مطابق علامہ ابن الاثیر نے موصل سے اس کا کتب خانہ جامع زیدی بغداد میں پہنچایا تھا(۱)۔

کتب خانے حسبِ ذیل اسباب کے تحت وقف کیے جاتے ہیں۔

۱- کتب خانے کے قیام کا شوق۔

۲- ذخائرِ کتب میں غیر معمولی اضافہ۔

۳- جمعِ کتب کے بعد وسائل کی کمی۔

۴- ضیاع کا خطرہ۔

۵- نگہداشت میں کوتاہی۔

۶- کتابوں کے ذخیروں سے خود استفادہ کرنے سے قاصر ہونا۔

۷- اہلِ علم اور محققین کی کتابی ضروریات کی تکمیل کا شوق۔

۸- شہرت ونا موری۔

۹- ان اغراض ومقاصد کا پورا ہو جانا جن کے تحت ذخیرۂ کتب مہیا کیا گیا تھا یا ان کا پورا نہ ہونا۔

۱۰- معاشی نقطۂ نظر سے افادیت اور مناسبت ومصلحت کے پیشِ نظر کتب خانہ وقف کیا جاتا تھا اور کیا جاتا رہے گا۔

۱۱- عہدِ عباسی میں جن صاحبِ ثروت اہلِ علم کے پاس کتب خانہ ہوتا اور اولاد وغیرہ نہ ہوتی ان کا مال

۱- انباہ الرواۃ: ۴/۷۸۔

واثاثہ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا، اس لیے بھی اہلِ علم وارباب ثروت اپنا کتب خانہ وقف کرجاتے تھے، اس کے لیے انہیں حکومتِ وقت سے اجازت نامہ لینا ہوتا تھا جو بآسانی مل جاتا تھا، چنانچہ خطیب بغدادی نے اپنا کتب خانہ اس طرح وقف کیا تھا(۱)۔

ایک مسلمان کے دل ودماغ میں ان تمام اسباب کا محرک رضائے الٰہی، فروغِ علم اور اہلِ علم کی علمی تشنگی کو دُور کرنے کا جذبہ ہے۔ وقفِ کتب کے محرکات کو کتب خانے کے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو اسلام سے پہلے مندرجہ بالا عوامل پورے طور پر کام کرتے نظر نہیں آتے۔ ان محرکات کو اگر کسی چیز نے مہمیز کیا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں جن محرکات کا احاطہ کیا جاسکا ہے ان کا نمونہ اس سے پہلے کہیں نہیں ملتا۔

۱- ذخیرۂ کتب مناسبت، مصلحت وافادیت کے پیشِ نظر کبھی ایک کتب خانے میں اور کبھی متعدد کتب خانوں میں وقف کیا جاتا تھا، جیسا کہ مؤرخ ابن النجار نے اپنا کتب خانہ بغداد میں دو کتب خانوں میں وقف کیا تھا(۲) دو چار دس کتابوں کے وقف کا تو ذکر ہی کیا کبھی ایسی ایک دو کتابیں جو سینکڑوں جلدوں پر مشتمل ہوتی تھیں وقف کی جاتی تھیں، جیسا کہ محمد بن علی ادفوی نحوی المتوفی ۳۸۸ھ نے اپنی تفسیر جو ایک سو بیس (۱۲۰) جلدوں میں تھی وقف کی تھی(۳) قاری ابومحمد عبداللہ بن المبارک کبری المعروف بابن نبال المتوفی ۵۲۸ھ نے ابوالوفا ابن عقیل کی کتاب الفنون جو آٹھ سو (۸۰۰) مجلدات میں تھی اور کتاب الفصول جو دس (۱۰) جلدوں پر مشتمل تھی وقف کی تھیں(۴)۔

۲- کبھی پورا ذخیرۂ کتب کسی خاص عوامی کتب خانہ میں وقف کیا جاتا، جیسا کہ یاقوت نے اپنا کتب خانہ جامع زیدی بغداد میں وقف کیا تھا(۵)۔

۳- کبھی کسی سرکاری کتب خانہ میں دیا جاتا تھا، جیسا کہ قفطی نے اپنا عظیم الشان کتب خانہ سلطان الملک الظاہر ایوبی کو دے کر شاہی کتب خانہ میں شامل کیا تھا(۶)۔

۱- طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳/ ۱۴۔ ۲- البدایۃ والنھایۃ: ۱۳/ ۱۶۸۔ ۳- الوافی بالوفیات: ۴/ ۱۱۷۔
۴- المنہج الأحمد: ۲/ ۲۲۴، شذرات الذھب: ۴/ ۸۵۔ ۵- انباہ الرواۃ: ۴/ ۸۵۔
۶- معجم الأدباء: ۵/ ۲۹۰، نساء الخلفاء المسمّی جہات الأئمۃ الخلفاء من الحرائر والاماء: ۱۱۸۔

۴- (الف) کبھی خود واقف ہی کتب خانے کے لیے علیحدہ عمارت بنا کر اس میں کتب خانہ وقف کرتا اور اسے اپنے نام کے بجائے اپنی بیوی کے نام موسوم کرتا تھا۔ جیسے بغداد میں الوقف السلجوقی تھا جو خلیفہ ناصرلدین اللہ نے اپنی ملکہ سلجوقی مرحومہ ۵۸۵ھ/۱۱۸۹ء کے نام پر رباط اخلاطیہ میں وقف کیا تھا(۱)۔

(ب) کبھی واقف خود اپنے موقوفہ کتب خانہ کو عام نام سے موسوم کرتا تھا، جیسا کہ وزیر ابونصر سابور نے بغداد میں کتب خانے کا نام دار العلم رکھا تھا(۲)۔

عہدِ عباسی میں انفرادی ذخیروں کی امتیازی شان برقرار رکھنے کے لیے حسب ذیل طریقے استعمال کیے جاتے تھے۔

۱- کبھی خود واقف یا مصنف یا کوئی نامور عالم و خطاط اپنے علم سے ان پر وقف وغیرہ کے الفاظ لکھتا تھا، جیسا کہ وزیر ابن القصاب نے کیا تھا(۳)۔

۲- کبھی منتظمِ کتب خانہ واقف کے نام کی تختی آویزاں کرتا اور انہیں علیحدہ نمایاں جگہ پر رکھتا تھا، جیسا الوقف المنازی (۴) اور الوقف السلجوقی (۵) سے ظاہر ہے۔

۳- وقف کی ہوئی کتابوں کا کیٹلاگ کتابی صورت میں علیحدہ تیار کیا جاتا تھا(۶) یہ بھی اس کی منفرد و ممتاز حیثیت کو بتاتا تھا۔

۴- وقفِ انفرادی کی اس امتیازی حیثیت کو تذکرہ نگار بھی ملحوظ رکھتے تھے، چنانچہ وقف کے انفرادی ذخیروں سے جب کسی کتاب کی نشاندہی کرتے تو اَلنُّسْخَۃُ الَّتِیْ فِیْ وَقْفِ ابْنِ الْخَشَّابِ بِرِبَاطِ الْمَامُوْنِیَۃِ (وہ نسخہ جو وقف ابن الخشاب میں رباط مامونیہ کے خزانۃ الکتب میں محفوظ ہے) کے الفاظ سے کرتے تھے(۷)۔

وقفِ کتب میں واقف ۱- کبھی اپنے مذاق کی بناء پر جیسے کہ: ابنِ درید نے اپنا کتب خانہ اپنے وراق

۱- الکامل فی التاریخ:۹/۱۰۱، العبر :۳/۲۲، تاریخ الخلفاء:۴۱۲۔

۲- المختصر المحتاج:۱/۹۶، دلیل خارطہ بغداد:۲۵۵، خزائن الکتب القدیمہ:۱۸۲۔

۳- وفیات الأعیان:۱/۴۴، البدایہ والنھایہ:۱۲/۵۵۴۔ ۴- شذرات الذھب:۳/۲۵۹، الوافی بالوفیات:۸/۲۸۵۔

۵- معجم الأدباء:۵/۲۹۰۔ ۶- صید الخاطر:۴۴۰-۴۴۱۔ ۷- عیون الأنباء:۳/۳۳۳۔

شاگرد ابوالحسن علی بن احمد الدریدی المتوفی ۳۲۱ھ کو دیا تھا(۱)۔ ۲-کبھی اپنے مسلک کی ۳- یا اپنی عقیدت کی بنا پر کوئی قید لگا کر کسی خاص طبقہ یا خاص مسلک سے وابستگان کے ساتھ اس وقف کو مخصوص کرتا تھا جیسے:

(الف) اصحاب الحدیث(۲)۔

(ب) ۱-فقہاءِ حنفیہ(۳) ۲-فقہاءِ مالکیہ ۳-فقہاءِ شافعیہ(۴)۔ ۴-فقہاءِ حنابلہ(۵)۔

(ت) صوفیہ

وقف تین قسم کے ہوتے تھے۔

۱- وقفِ انفرادی، فردِ واحد کا وقف مخصوص افراد کے لیے جیسے کسی عالم کا اپنا ذخیرۂ کتب اپنی اولاد، یا کسی مخصوص خادم جیسے زید کندی کا اپنے مخصوص خادم یاقوت کے نام وقف کر جانا، یا شاگرد کے لیے وقف کر جانا۔

ان مذکورہ تمام صورتوں میں استفادہ، جس کے نام وقف ہوتا اس کی اجازت سے کیا جاتا تھا۔

۲- وقفِ اجتماعی، عوام کا عوام کے لیے وقف کرنا جیسے مسجد وغیرہ جو عموماً چندہ سے تعمیر کی جاتی ہے۔

۳- وقف سرکاری، جو خلیفہ عادتاً وقف کرتا تھا۔

وقف میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ وقف ہو جانے کے بعد اُسے باطل نہیں کیا جا سکتا چنانچہ مقتدر باللہ کی ماں نے اراضی وقف کرنے کے بعد اسے باطل کرنے کی کوشش کی لیکن سودمند نہ ہو سکی۔ بویہی خلفاء نے اس نظام میں تبدیلی کی اور عضد الدولہ نے ۳۷۲ھ میں سوادِ عراق کی تمام اراضی موقوفہ کو حکومت کی ملکیت قرار دیا تھا(۶)۔

۱-البدایہ والنھایہ: ۱۲/۱۷۹۔ ۲-ایضاً: ۱۳/۴۶۔ ۳-ایضاً: ۱۳/۶۱۔ ۴-ایضاً: ۱۲/۱۹۷۔ ۵-ایضاً: ۲/۱۳۲۔

۶- نزھۃ الألباء: ۶۲، الفہرست: ۱۰۲، انباہ الرواۃ: ۲/۲۲۸، معجم الأدباء: ۲/۲۳۴۔

۱- اوقاف کے کتب خانے

مسلمانوں کو شروع ہی سے قرآن مجید سے غیر معمولی شغف اور وابستگی رہی ہے۔ اسے مسجدوں میں رکھا اور جب تعداد زیادہ ہوگئی تو ان کے لیے علیحدہ مکان بنایا جانے لگا تھا۔ عہدِ اموی میں سب سے پہلے ابنِ ابی لیلیٰ انصاری کوفی المتوفی ۱۴۸ھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے مسجد کے علاوہ ایک جداگانہ مکان میں بیت المصاحف بنایا تھا(۱) عہدِ عباسی میں ''دار المصاحف'' زیادہ تر مسجد سے متصل بنائے جاتے تھے اور ان میں مصاحف کے ساتھ دوسرے علوم کی کتابیں بھی رکھی جاتی تھیں لیکن قرآن کے ساتھ نسبت خاص کی وجہ سے ان کو ''دار المصاحف'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اس قسم کا ایک ''دار المصاحف'' اصفہان کی جامع مسجد میں تھا جو پانچ سو سے زیادہ سونے چاندی کے کام سے آراستہ، قیمتی و نادر قرآن کے نسخوں پر مشتمل تھا اس میں حضرت ابی بن کعبؓ (۰۰-۲۱ھ / ۰۰-۶۴۲ء) کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف بھی محفوظ تھا۔ ۲۷ ربیع الآخر ۵۱۵ھ میں جامع اصفہان میں آگ لگی تو دس ہزار دینار کی لکڑی اور پانچ سو قیمتی مصحف بھی جل گئے تھے اس میں یہ مصحف بھی ضائع ہوا تھا(۲)۔

ابو عمرو حارث بن مسکین بن محمد اموی مالکی مصری (۱۵۴-۲۵۰ھ/۷۷۱-۸۴۳ء) محدث، حافظ حدیث، فقیہ اور مصنف تھے(۳) خلیفہ متوکل عباسی نے انہیں ۲۳۷ھ میں مصر کا قاضی بنایا تھا(۴) موصوف نے جامع عمرو بن العاص میں اپنی طرف سے ایک ''دار المصاحف'' کھولا اور اس میں ایک امین (لائبریرین) مقرر کیا تھا(۵) قضاۃ میں پہلا قاضی تھا جس نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا(۶)۔

قاضی ناصر الدین بیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ نے ''نظام التواریخ'' میں لکھا ہے کہ جامع شیراز جو ایک قدیم مسجد ہے، یہ عمرو بن اللیث المتوفی ۲۸۹ھ نے بنائی تھی۔ اس مسجد میں ایک ''دار المصاحف'' تھا اور اس میں صحابہؓ و تابعینؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بہت سے قرآن مجید کے نسخے اور سپارے محفوظ تھے اس میں امیر المومنین حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، علی بن حسینؓ اور جعفرؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید موجود تھے۔ ایک مصحف

۱- طبقات ابن سعد: ۶/ ۷۵۔ ۲- المنتظم: ۹/ ۲۶۴، مرآۃ الزمان: ۸/ ۹۶ ۳- رفع الاصر: ۱/ ۱۷۰-۱۷۱۔

۴- حسن المحاضرۃ: ۱/ ۳۰۸، رفع الاصر: ۱/ ۱۷۱۔ ۵- حسن المحاضرۃ: ۲/ ۱۴۴، رفع الاصر: ۱/ ۱۷۳۔

۶- کتاب الولاۃ و کتاب القضاۃ: ۴۶۹۔

امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا بھی تھا جس پر ان کے خون کے دھبے تھے۔ فتنہ کے زمانے میں وہاں سے اڑا لیا گیا اور کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی، یہ مسجد اولیاء اللہ سے کبھی خالی نہیں رہتی تھی (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے نصفِ اول میں لائبریرین کے لیے ''امین'' کا لفظ بھی بولا جانے لگا تھا اور آج کل اضافی صورت میں ''امین المکتبہ'' لائبریرین کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے۔

۲-دورِ اموی میں عوامی کتب خانہ

دورِ اموی میں سب سے پہلے ایک اموی نوجوان عبدالحکیم (عبدالحکم) بن عمرو بن عبداللہ جمحی نے مرکزِ اسلام مکہ میں ایک عوامی نوعیت کا کتب خانہ علیحدہ مکان میں قائم کیا تھا جس میں ہر فن کی کتابیں جمع کی تھیں (۲) اور کھیل کا سامان بھی شطرنج، نرد (پانسہ) اور گوٹی (جس کو آج کل مصری سیجہ کہتے ہیں) جمع کیا تھا۔ یہاں جس کا جی چاہتا کتابیں پڑھتا اور جس کا کتابوں کے مطالعہ سے جی بھر جاتا وہ کپڑے دیوار کی کھونٹیوں میں ٹانگ کر کھیل میں لگ جاتا تھا (۳)۔

یہ پہلی صدی ہجری کے نصف میں اسلام میں پہلا عوامی کتب خانہ تھا جس میں کتابوں کے مطالعہ، کھیل اور تفریح کی سہولت بہم پہنچائی گئی تھی، اس تاریخی شہادت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مطالعۂ کتب اور تفریح کی یکجا سہولت بہم پہنچانے کے موجد بھی عرب ہی تھے۔

مستشرقین کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ مسلمانوں نے عوامی کتب خانوں کی عام ضرورت بہت پہلے محسوس کر لی تھی (۴) اس کتب خانے میں نامور ادباء وشعراء آتے تھے۔ چنانچہ عربی زبان کا مشہور ہجو گو شاعر عبداللہ احوص المتوفی (۱۰۵ھ/ ۷۲۳ء) پہلے یہاں آتا تھا (۵)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دورِ اموی میں (متداول) فنون (تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور طب وغیرہ) کی کتابیں اس میں جمع کی گئی تھیں۔ اور ''من کل علم'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فہرست اور کیٹلاگ بھی موضوعی ترتیب پر مرتب تھا۔

۱-شذرات الذہب(?) شد الازار: ۲۸۷، ۲۸۸۔ ۲-کتاب الاغانی: ۴/ ۲۵۳، جمہرۃ انساب العرب: ۱۶۰، الاسلام والحضارۃ العربیہ ۱/ ۱۵۶-۱۷۶، المکتبات فی الاسلام: ۵۰۔

۳-الاغانی: ۴/ ۲۵۳۔

۴-Encyclopaedia of Islam,vol2,p.1049

۵-الاغانی: ۲۵۴۴۔

(۳) عہدِ عباسی میں عوامی کتب خانے

ا-موصل میں دار العلم (کتب خانہ):

ابوالقاسم جعفر بن محمد بن حمدان موصلی شافعی (۲۴۰-۳۲۳ھ/ ۸۵۴-۹۳۵ء) رئیس صاحب وجاہت، فقیہ، اصولی، متکلم، فلسفی، ہیئت وریاضی دان مروّجہ علومِ اسلامی کا ماہر، لغت کا حافظ، ادب کی کتابوں کا راوی، کثیر التصانیف مصنف تھا(۱)۔ ابن الندیم کا بیان ہے:

''موصلی، تصنیف وتالیف کا اچھا ذوق رکھتا تھا، شاعر، ادیب، ناقد شعر، کثیر الروایہ تھا، اس کی تصانیف میں ''کتاب السرقات'' مکمل نہیں ہوئی وہ اگر اس کو پوری کر جاتا تو لوگوں کو اس موضوع پر دوسری کتابوں سے بے نیاز کر جاتا۔

یہ کتابوں کا شوقین تھا، بہت کتابیں جمع کی تھیں، موصل میں اس نے ایک دار العلم کھولا اس میں کتب خانہ قائم کیا ہر قسم کی سہولت مہیا کی اور ہر ایک کو اس سے استفادہ کی اجازت حاصل تھی، اگر کوئی اجنبی، مسافر، علم کا جویا آ جاتا نادار ہوتا اس کو یہاں ''وَرَق'' کتاب اور ''وَرِق'' نقدی بھی ملتی تھی اور اس کی مالی مدد بھی کی جاتی تھی۔ یہ کتب خانہ روزانہ کھلتا کسی دن بند نہیں کیا جاتا تھا(۲)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں معاشرہ کی علمی وتحقیقی سرگرمیوں کو جاری رکھنے پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ قوم کی تحقیقاتی سرگرمیوں کے انجام دینے کی غرض سے کتب خانہ میں کسی دن چھٹی نہیں کی جاتی تھی۔ کتب خانہ ہر روز کھلا رکھا جاتا تھا تاکہ قوم کی علمی ترقی کو نقصان نہ پہنچے۔

ابوالقاسم اپنی سواری سے اتر کر یہاں آتا، تشنگانِ علوم اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتے یہ انہیں اپنے اشعار اور دوسرے شعراء کا کلام سناتا، قصے اور لطیفے بیان کرتا(۳) اس طرح ان میں کتاب اور کتب خانے سے دلچسپی پیدا کرتا، موقع بموقع نادر تحقیقات اور علمی نکتے سناتا اور فقہی باتیں بتا کر علم کا شیدا بناتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں عوامی کتب خانوں

ا-معجم الأدباء: ۲/ ۴۲۰، طبقات الشافعیہ: ۲/ ۴۳۰۔ ۲-معجم الأدباء: ۲/ ۴۲۰، خزائن الکتب القدیمہ: ۷، ۲۱۳، ۲۱۵۔

۳-الفہرست: ۲۱۳۔

میں اتنی ترقی کی تھی کہ کتابوں کے پڑھنے اور ان سے مانوس کرنے کے لیے غریب و نادار طلبہ و اہلِ علم کی کتب خانے میں مالی مدد بھی کی جاتی تھی، جس کی نظیر موجودہ دور کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی نہیں ملتی۔

ابن الندیم نے ابوالقاسم کے مذکورۂ بالا محاسن لکھنے کے باوجود اس کتب خانہ کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی نہیں کیا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں اس قسم کے عوامی کتب خانے قائم کرنا مسلمانوں کا ایک عام دستور بن گیا تھا، اس لیے اس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی تھی۔

۲-بصرہ اور رامہرمز میں دار الکتب:

ابوعلی بن سوار کاتب (۰۰-۳۷۲ھ/ ۰۰-۹۸۲ء) علوم و فنون اور کتابوں کے متعلق بڑی معلومات رکھتا تھا۔ ابن الندیم ''صاحب الفہرست'' کا دوست تھا۔ ابن الندیم کتابوں کے متعلق اس سے معلومات فراہم کرتا تھا۔ چنانچہ ابوالقاسم بستی کی تالیفات اور بست کے متعلق ابن الندیم کی تحقیقات ابن سوار کی معلومات پر مبنی ہیں۔ اس نے ابن الندیم کو بتایا تھا کہ اس کی فلاں فلاں کتابیں خزانۃ الکتب میں موجود ہیں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابنِ سوار نے اپنے خزانۃ الکتب میں کیسی نادر کتابیں جمع کی تھیں۔ (۱)

اس نے فقیہ ابوالقاسم موصلی کے طرز پر ۳۶۷ھ سے قبل دو ''دار الکتب'' ایک خوزستان میں اور دوسرا بصرہ میں وقف کئے تھے۔ (۲)

یہاں بھی وہی سہولتیں اور آسانیاں فراہم کی گئی تھیں جو ابن حمدان موصلی نے دار العلم میں مہیا کی تھیں۔ یہاں بھی اگر کوئی کتابیں پڑھنا اور نقل کرنا چاہتا تو اسے کتابوں کے علاوہ نقد روپیہ بھی دیا جاتا تھا۔ (۳)

بصرہ کا دار الکتب بہت بڑا اور بہت آباد تھا، کتابیں بھی رامہرمز کے دار الکتب کے مقابلہ میں یہاں زیادہ تھیں۔ ایک درسگاہ بھی بنائی گئی تھی جس میں ایک شیخ معتزلی علمِ کلام پڑھاتا رہتا تھا (۴) چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر میں رامہرمز (فارس) اور بصرہ (عراق) میں اس نوع کے پہلے یہ عوامی کتب خانے تھے۔ ابن سوار

۱-الفہرست:۱۹۹۔ ۲-احسن التقاسیم:۴۱۳، Die Renaissance des Islam، الحضارۃ الاسلامیہ:۱/۲۴۹، خزائن الکتب القدیمہ فی العراق:۱۳۹۔ ۳-ایضاً۔ ۴-ایضاً۔

کا بصرہ میں دار الکتب ایک صدی سے زیادہ محققین، علماء وطلبہ کی علمی تشنگی دُور کرتا رہا۔ جمادی الاولیٰ ۴۸۰ھ میں تلیا نے بصرہ کو آگ لگائی تو یہ دار الکتب بھی جل کر خاکستر ہو گیا تھا۔ مؤرخ ابن الجوزی کا بیان ہے:

''تلیا جو امام مہدی ہونے کا مدعی تھا اس نے بصرہ کو جلایا اور دار الکتب کو بھی جسے عضد الدولہ کی آمد سے پہلے بصرہ میں قائم کیا گیا تھا، یہ پہلا دار الکتب تھا جو اسلام میں قائم کیا گیا تھا(۱)۔

بصرہ میں اپنی نوع کا یہ پہلا وقف کہا جا سکتا ہے ورنہ موصل میں ابنِ حمدون موصلی کا پہلا وقف تھا یہ ایسا عمدہ کتب خانہ تھا جس کی دُور دُور نظیر نہ تھی (۲)۔

عضد الدولہ المتوفی ۳۷۲ھ جس کی حکومت ۳۶۷ھ سے پہلے قائم ہو چکی تھی وہ جب بصرہ آیا اس نے اس دار الکتب کو دیکھ کر کہا تھا ''هذه مكرمة سبقنا إليها'' (۳) یہ ایسا خیر کا کارنامہ ہے جس میں ابنِ سوار ہم سے سبقت لے گیا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں عوامی کتب خانوں کے قیام و اہتمام کو کیسی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ عضد الدولہ کے ان مذکورۂ بالا الفاظ میں عوامی کتب خانوں کے قیام کا ایک گونہ عزم وارادہ بھی پایا جاتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تلیا کی بربادی کے بعد بصرہ میں پھر چہل پہل شروع ہوئی تو ابنِ سوار کے اس دار الکتب کو اہلِ بصرہ نے آباد کیا اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل تک اس میں رونق باقی تھی۔ علماء ادباء کی مجلس یہاں جمتی تھی۔ عربی زبان کے نامور ادیب ابو محمد قاسم حریری المتوفی ۵۱۶ھ نے حارث بن ہمام کی زبانی ''المقامۃ الحلوانیۃ'' میں اس کا نقشہ حسب ذیل الفاظ میں کھینچا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں جب اپنے سفر سے واپس وطن پہنچا تو وہاں کے دار الکتب میں جو ادب آموزوں کی انجمن، اہلِ بلد اور مسافروں کی ملاقات کا مرکز ہے، آیا تو اچانک ایک گھنی داڑھی والا پراگندہ حال کتب خانہ میں داخل ہوا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کر کے مجمع کے پیچھے بیٹھ گیا وہ اپنے صدری علوم (سینہ میں پوشیدہ علوم) کو کھولنے لگا اور

۱- المنتظم: ۹/ ۵۳، الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۱۸۴، تلیا مجوسی ہونے کا مدعی تھا۔ اس نے امیر بنی عامر کو حکومت کا لالچ دیکر دس ہزار کی جمعیت سے بصرہ پر حملہ کیا، حاکم بصرہ عصمہ کو جس کے پاس تھوڑی فوج تھی پسپا کر کے بصرہ کو لوٹا اور نذرِ آتش کر دیا۔ المنتظم: ۹/ ۵۳۔

۲- البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۱۳۶۔ ۳- الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۱۸۴۔

اپنی دوٹوک باتوں سے حاضرین کومحوِ حیرت بنانے لگا، جو پاس بیٹھے ہوئے تھے ان سے پوچھنے لگا آپ کونسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک ہیں؟ اس نے جواب دیا: ''دیوان ابی عبادہ'' کے مطالعہ میں مصروف ہوں، جس کے کلام کی سب میں شہرت ہے(۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتب خانے ثقافتی سرگرمیوں کے مرکز بنے ہوئے تھے۔

۴-بغداد میں دارالعلم:

بہاءالدولہ ابونصر سابور بن اردشیر (۳۳۶-۴۱۶ھ/ ۹۵۷-۱۰۲۵ء) نیک، پاک باطن، پاک دامن اور بہت مخیر انسان تھا(۲) ۳۸۰ھ میں بہاءالدولہ بن عضدالدولہ نے اسے اپنا وزیر بنایا پھر معزول کیا(۳) یہ علم دوست، اہلِ علم کا بڑا قدردان(۴) اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔ اس نے سرزمین بغداد میں سب سے پہلے عوامی کتب خانہ قائم کیا تھا۔ یہ اس کا ایسا شاندار کارنامہ ہے جس کی وجہ سے اسلامی کتب خانوں کی تاریخ میں اس کا نام ہمیشہ عزت سے لیا جاتا رہے گا۔

موصوف نے ۳۸۳ھ/ ۹۹۳ء میں جب بغداد میں کال پڑا ہوا تھا(۵) کرخ بین السورین میں جو وسط بغداد(۶) کا سب سے بڑا، اچھا اور سب سے زیادہ آباد محلہ تھا(۷) ایک بہت بڑی حویلی خریدی، اسے گرا کراز سرِ نو کتب خانہ کی ضروریات کے مطابق تعمیر کرائی۔ اس پر رنگ کرایا(۸) اور اس کا نام دارالعلم رکھا(۹) اس نام سے ابنِ کثیر کو یہ شبہ ہوا کہ یہ درسگاہ بھی تھی(۱۰) حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وسطِ شہر اور مرکزی مقام پر لائبریری قائم کرنے کا تصور مسلمانوں میں شروع ہی سے تھا، البتہ چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں یہ تصور زور پکڑ گیا تھا۔

وزیر موصوف نے اس دارالعلم میں اہلِ علم کے لیے ایک خزانۃ الکتب جو دس ہزار (۱۰،۰۰۰) سے

۱-الثقافات الأدبیہ:۲۰۔ ۲-وفیات الأعیان:۱/ ۱۹۹۔ ۳-معجم الأنساب والأسرۃ الحاکمۃ فی التاریخ الاسلامی:۲/ ۳۲۵۔

۴-یتیمۃ الدھر:۳/ ۱۲۴، ۱۳۱۔ ۵-البدایہ والنھایہ:۱۱/ ۳۱۲، المنتظم:۷/ ۱۲۷۔ ۶-معجم البلدان:۱/ ۵۳۴۔

۷-ایضاً:۱/ ۵۳۴، بغداد فی عھد الخلافۃ العباسیہ:۶۵۔ ۸-البدایہ والنھایہ:۱۱/ ۳۱۲۔ ۹-العبر:۳/ ۲۲، الکامل فی التاریخ:۹/ ۱۰۱، تاریخ الخلفاء:۴۱۲، لیکن موصوف نے اس واقعہ کا ذکر ۳۸۲ھ کے واقعات کے ذیل میں کیا ہے۔

۱۰-البدایہ والنھایہ:۱۱/ ۱۳۲، المنتظم:۷/ ۱۷۲، ۲۲۸، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام:۱۲۶۔

زیادہ مجلدات پر مشتمل تھا (۱) وقف کیا۔ یہ تمام ترجمع کی ہوئی اور خریدی ہوئی کتابیں تھیں (۲) اس میں سو (۱۰۰) سے زیادہ نادرۂ روزگار خطاطوں کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے محفوظ تھے اور دس ہزار چار سو (۱۰،۴۰۰) مجلدات تھیں جن میں بیشتر خود علماء و مصنفین کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے اور کتابیں تھیں یا پھر وہ کتابیں تھیں جو نامور اہلِ علم کے زیرِ مطالعہ یا ان کی ملکیت میں رہ چکی تھیں (۳) ابن الجوزی نے ان کی تعداد بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مجلدات بیان کی ہے (۴)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتب خانہ کا کتابی صورت میں کیٹلاگ بھی موجود تھا۔ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ اس خزانۃ الکتب کی فہرست (کیٹلاگ) بنوائی گئی تھی (۵)۔

ابونصر سابور نے انتظامی امور اور کتب خانہ کی ترقی کے لیے سب سے پہلے لائبریری کمیٹی کی تشکیل کی، (۶) اس کے اخراجات پورا کرنے کے لیے زرعی اراضی بھی وقف کی تھی (۷) مشہور نحوی وادیب ابو احمد عبدالسلام بن حسن بصری لغوی المتوفی ۴۰۵ھ/ ۱۰۱۴ء کو اس کا پہلا خازن (لائبریرین) مقرر کیا گیا تھا (۸)۔

اس دارالعلم کے دروازے ہر ذی علم کے لیے کھلے ہوئے تھے لوگ دُور دُور سے استفادہ کے لیے یہاں آتے اور کتابیں عاریتاً لے جاتے تھے۔ چنانچہ ابوالعلاء معری المتوفی ۴۴۹ھ/ ۱۰۵۷ء جب ۳۶۹ھ/ ۹۷۹ء میں بغداد آیا اور ڈیڑھ برس ٹھہرا تو دورانِ قیام اس نے اس کتب خانہ سے فائدہ اٹھایا، چنانچہ ایک قصیدے میں خازنِ کتب عبدالسلام کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

إِقْرَأْ السَّلَامَ عَلَى عَبْدِالسَّلَامِ فَلِيَ
جِيْدٌ إِلَى نَحْوِهِ مَازَالَ مَلْفُوْفًا(۹)

میرا سلام عبدالسلام سے کہو، میری گردن اس کی طرف برابر جھکی ہوئی ہے۔

اور اس دارالعلم کا ذکر دوسرے شعر میں اس طرح کیا ہے۔

۱-الکامل فی التاریخ:۹/ ۳۵۰۔ ۲-المنتظم:۷/ ۱۲۷۔ ۳- Die Renaissaancedes Islams، الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الھجری:۱/ ۲۴۹، معجم الأدباء:۱/ ۵۲۳۔ ۴-مناقب بغداد:۲۸۔ ۵-المنتظم:۷/ ۱۷۲۔
۶-ایضاً، شذرات الذھب:۳/ ۱۰۴۔ ۷-البدایۃ والنھایۃ:۱۳/ ۱۹۔ ۸-تاریخ بغداد:۱۱/ ۵۷-۵۸۔
۹-سقط الزند:۲/ ۱۷۶، انباہ الرواۃ:۳/ ۱۷۵۔

وَغَنَتْ لَنَا فِیْ دَارِ سَابُوْرَ قَیْنَةٌ
مِنَ الْوَرَقِ مِطْرَابُ الْاَ صَائِلِ مِهْیَابُ(۱)

یہ عظیم الشان کتب خانہ پہلی مرتبہ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں طغرل بیگ کی آمدِ بغداد پر(۲) اور ۴۵۱ھ میں شیعہ سنی جھگڑے میں تباہ ہوا تھا(۳) ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں جب یہ کتب خانہ لٹنے لگا تو عمید الملک کندری نے عوام کو دور ہٹا کر اس سے کتابوں کو چھانٹ کر علیحدہ کیا اس کی وجہ سے مؤرخ ابن الاثیر نے اسے لٹیروں کے زمرہ میں داخل کیا، اس کے اس کارنامہ کو کوئی اچھا فعل نہیں قرار دیا بلکہ اپنے تعصب مذہبی کی بناء پر اس کا موازنہ نظام الملک طوسی سے کیا اور لکھا ''عمید الملک کندری اور نظام الملک کے کردار میں کتنا تفاوت ہے نظام الملک وہ ہے جس نے تمام اسلامی شہروں میں مدرسے آباد کیے علوم کی تدوین کا سامان کیا، کتب خانے وغیرہ وقف کیے۔''(۴) اور اس نے خود کتب خانہ لوٹا حالانکہ عمید الملک کندری کا جلتی آگ میں کود کر قیمتی کتابوں کو نکالنا اور انہیں ضیاع و بربادی سے بچانا کتابوں سے اس کی محبت اور شوق کو ثابت کرتا ہے۔

اس دور میں یہ کتب خانہ اپنی نظیر آپ تھا، دنیا میں اس سے زیادہ بہتر کتابیں قریب میں کہیں نہیں تھیں(۵)۔

اخیر زمانہ میں ابو منصور محمد بن احمد بن طاہر بغدادی شیعی المتوفی ۵۱۰ھ کو اس کا خازن(۶) اور شریف مرتضیٰ ابو القاسم علی بن الحسن موسوی (۳۵۵-۴۳۶ھ/۹۶۵-۱۰۴۴ء) کو نگرانِ اعلیٰ بنایا گیا تھا۔ موصوف نے اس میں ایک ہوشیار، مشرف افسر بکارِ خاص (Officer on Special Duties) ابو عبداللہ بن احمد کا تقرر کیا یہ بڑا چالاک و عیار تھا۔ ابو منصور کو جل دیتا رہتا اور یہ اس کی جل کو نہیں سمجھتا تھا(۷)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لائبریری میں حسبِ ضرورت ایڈیشنل لائبریرین اور افسر خاص کاموں کیلئے بھی مقرر کیا جاتا تھا۔

۴- ہمدان میں دار الکتب:

چوتھی صدی ہجری میں ابو جعفر مہلبی ہمدانی نے ہمدان میں ایک عوامی دار الکتب قائم کیا تھا جو بارہ ہزار

۱- وفیات الأعیان: ۱/۲۰۰۔ ۲- معجم البلدان: ۱/۴۴۵ (مادہ بین)
۳- المنتظم: ۸/۲۲، ۲۰۵، الکامل: ۱۰/۷، تاریخ دولۃ سلجوق: ۱۷۔ ۴- الکامل فی التاریخ: ۱۰/۸۔
۵- معجم البلدان: ۱/۵۳۴۔ ۶- الصفوات النادرۃ: ۱۴۳، معجم الأدباء: ۶/۳۶۰۔
۷- تحفۃ الوزراء فی تاریخ الوزراء: ۱۴۴، معجم الأدباء: ۳۵۹۶۔

(۱۲۰۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا(۱)۔

۵-رَے کا عوامی کتب خانہ:

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ابن عباد المتوفی ۳۸۵ھ/۹۹۵ء نے رَے میں اپنی رباط میں (جو قلعہ تھا) اور رَے کے بالائی حصے میں جو محلہ روزہ میں واقع تھا، ایک عوامی کتب خانہ قائم کیا تھا(۲) اس رباط کی وسعت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اس میں بیک وقت ایک ہزار (۱۰۰۰) آدمی کھانا کھاتے تھے(۳) روزہ بہت آباد مقام تھا یہاں بازار تھا، سرائیں تھیں، مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور سڑک بہت چوڑی تھی تجارت خوب ہوتی تھی (۴)۔ بازار کے اس سرے کو جہاں بابویہ آباد تھے سر روزہ اور وسط کو وسطِ روزہ اور بائیں حصہ کو اسفلِ روزہ کہتے تھے (۵)۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مقام ہر اعتبار سے مرکزی مقام تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کتب خانہ اور محل عموماً مرکزی اور نہایت آباد جگہ پر تعمیر کیے جاتے تھے۔

۶-بغداد میں دار الکتب:

ابوالحسن محمد بن ہلال بن الحسن صابی حرانی بغدادی شیعی المعروف بغرس النعمہ (۰۰-۴۸۰ھ/۰۰-۱۰۸۷ء) ادیب، مورخ، کاتب، مصنف اور بہت سے کمالات وفضائل کا جامع تھا۔ خلفاء کے دربار میں اس کی بڑی قدر ومنزلت تھی (۶)۔

۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں جب وزیر ابونصر سابور کا دار العلم محلہ کرخ میں لُٹ لُٹا کر ختم ہو چکا تو صابی نے رجب ۴۵۲ھ/۱۰۶۰ء میں شارع ابی عون پر اپنے محل سرا کے قریب ایک دار الکتب جس میں ایک ہزار کتابیں تھیں وقف کیا تھا (۷) اور ابو طاہر بن ابی قیراط علوی کو اس کا خازن مقرر کیا تھا (۸) پھر اس میں اضافہ کرتے رہے اور ۴۸۰ھ/۱۰۸۷ء تک اٹھائیس سال کی مدت میں یہ تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) تک پہنچ گئی تھی۔ اس کتب خانہ

۱-الثقافۃ العقلیہ، شمارہ: ۱۰، ۴/ ۵۰۵۔ ۲-ری باستان: ۱/ ۳۵۵، معجم البلدان: ۳/ ۸۷۔ ۳-معجم البلدان: ۳/ ۵۹۳، یتیمۃ الدھر: ۳/ ۱۹۳۔ ۴-المسالک والممالک: ۱۲۲، کتاب صورۃ الأرض: ۳۲۱۔ ۵-الأنساب، ورق: ۲۶۲ب، ری باستان: ۱/ ۲۲۰، ۵۳۸۔ ۶-وفیات الأعیان: ۲/ ۲۰۲، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۸۵۔ ۷-المنتظم: ۸/ ۲۱۶، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۸۵۔ ۸-غرس النعمہ: ۱۷۵۔

میں ہر علم وفن کی کتابیں تھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتب خانہ موضوعی ترتیب پر مرتب تھا اور کتابی صورت میں اس کا کیٹلاگ بھی موجود تھا۔

اس کتب خانہ میں اہلِ علم کی مجلس جمتی تھی، چنانچہ ابوالوفاء ابن عقیل المتوفی ۵۱۳ھ کا بیان ہے کہ ہم ایک دن اس کتب خانہ میں گئے تو عقل کے حسن وقبح پر مذاکرہ ہوا تھا جس کی تفصیل موصوف نے ''کتاب الفنون'' میں نقل کی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں کتب خانے ثقافتی سرگرمیوں کے مرکز ہوتے تھے (۱)۔

ابن الاقساسی علوی اس کا خازن تھا، علماء اس کتب خانے سے استفادہ کرتے تھے (۲) آخر میں جب یہ کتب خانہ مالی بحران کا شکار ہوا اور خازن کو تنخواہ ملنا بند ہوگئی اس نے اس میں تصرف کرنا شروع کیا اور کتابوں سے وقف کا لفظ مٹا کر انہیں فروخت کرنے لگا، ابن الجوزی کا بیان ہے:

''میں نے اس کو بیچنے سے منع کیا تو وہ کہنے لگا کہ دار الکتب النظامیہ کے ہوتے ہوئے اس کتب خانے کی حاجت نہیں، میں نے کہا وقف شدہ کتابوں کو بیچنا حرام ہے، بولا میں نے ان کی قیمت خیرات کر دی ہے (۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ وقف کا لفظ جن کتابوں پر لکھا ہوا تھا اسے کوئی نہیں خریدتا تھا اس لیے فروخت کے وقت وقف کا لفظ مٹا دیا جاتا تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کتب خانہ ۵۷۴ھ/۱۱۷۰ء میں جو ابن الجوزی کی کتاب ''المنتظم'' کا سالِ تالیف ہے (۴) بربادی کے کنارے آ لگا تھا۔

۱- تحسین العقل وتقبیح کتاب الفنون: ۹/۱، ۴۸، ۴۹۔ ۲- المنتظم: ۹/ ۴۲، ۴۳، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۸۵۔

۳- المنتظم: ۱۲/ ۱۳۴۔ ۴- المنتظم: ۱۲/ ۱۳۴، حافظ ابن کثیر اور مورخ سبط ابن الجوزی نے تصریح کی ہے کہ ۵۵۲ھ میں غرس النعمۃ کے دار الکتب کا افتتاح مختلف علوم وفنون کی ایک ہزار کتابوں سے کیا گیا تھا، لیکن المنتظم کے مطبوعہ نسخہ میں صابی کی وفات کے ذیل میں اربعمائۃ مجلد کے الفاظ نقل کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخہ کے منقول عنہ نسخہ میں تصحیف ہوئی ہے اور اس سے الصفدی نے نقل کیا ہے، اسی کے حوالہ سے مذکورہ بالا تعداد کو کرنکاو نے پنٹو کے مقالہ: The Libraries of the Arabs during the Time of the Abbasid islamic cuiture,Vol 111,1929,p.210.293 میں نقل کی ہے جو درست نہیں ہے۔

۷- بصرہ میں دارالکتب:

ابومنصور بن شاہ مردان یہ عمادالدولہ ابوکالیجار مرزبان بن ابی شجاع بویہی المتوفی ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء (جس کا دورِ حکمرانی ۴۱۵-۴۴۰ھ/ ۱۰۲۴-۱۰۴۸ء تک رہا ہے) کا وزیر تھا(۱) اس نے بصرہ میں ابن سوار کاتب المتوفی ۳۷۳ھ/ ۹۸۳ء کے دارالکتب کے بعد نہایت نفیس ونادر کتب پر مشتمل کتب خانہ وقف کیا تھا(۲) یہ کتب خانہ ۴۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء میں تلیا کے حملۂ بصرہ میں نذرِ آتش ہوا تھا(۳)۔

۸- اصفہان میں دارالکتب:

عزالدین ابونصر احمد بن حامد بن محمد اصفہانی (۴۷۲ المقتول ۵۲۶ھ/۱۰۷۹-۱۱۳۲ء) خانوادۂ ادباء کا گوہرِ شب چراغ تھا(۴) عماد اصفہانی کا چچا نہایت فاضل ادیب وشاعر، مکارم اخلاق کا جامع، سخی وشعراء کا قدردان تھا(۵) سلجوقیوں کے دور میں مستوفی کے عہدہ پر ممتاز تھا، آخر میں سلطان محمود سلجوقی طغرل ثانی کے خزانۂ شاہی کا متولی ونگران بنایا گیا تھا۔

موصوف نے اصفہان میں ایک دارالکتب بنایا تھا(۶)۔

تذکرہ نگاروں نے موصوف کا تذکرہ کیا ہے لیکن دارالکتب کے قیام کا ذکر نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں، وزیروں، امیروں، صوفیوں اور عالموں کے محل سراؤں، قیام گاہوں میں کتب خانے بنانا اور عوام کے لیے کتب خانے قائم کرنا عام معمول ودستور تھا اس بناء پر مورخین وتذکرہ نگار ہر ایک حاکم وعالم کے تذکرہ میں ان باتوں کے ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے اس لیے زیادہ تفصیلات بھی نہیں ملتی ہیں۔

۹- بغداد میں ابن القصاب کا دارالعلم:

مؤید الدین ابوالمظفر محمد بن علی بن احمد شیرازی (۷) ثم بغدادی المعروف بابن القصاب

۱- الکامل فی التاریخ: ۹/ ۵۴۷۔ ۲- ایضاً: ۱۰/ ۱۸۴، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۷۸۔ ۳- الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۱۸۳۔

۴- المنتظم: ۱۰/ ۲۸، مرآۃ الزمان: ۸/ ۱۴۱-۱۴۲۔ ۵- وفیات الأعیان: ۱/ ۶۱، الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۶۸۳۔

۶- وزراء السلاجقۃ فی شعرہم، مجلۃ المجمع العراقی: ۷/ ۲۰۹-۲۱۰۔ ۷- مرآۃ الزمان: ۸/ ۲۵۰، ق: ۲۔

(۵۲۰-۵۹۲ھ/۱۱۲۶-۱۱۹۶ء) اس کا باپ بغداد میں درب بصریین کے سرے پر گوشت بیچتا تھا، اس نے پڑھا اور علوم و آداب میں بصیرت پیدا کی (۱) ادیب و شاعر (۲) مہندس (۳) اور اچھے خوشنویس کی حیثیت سے شہرت پائی (۴) ۵۸۴ھ میں بغداد آیا اور دفترِ انشاء کا نگران مقرر ہوا۔ ۵۹۰ھ میں خلیفہ ناصرلدین اللہ نے اس کو اپنا وزیر بنایا (۵) اس طرح وہ سیف و قلم کا بادشاہ بن گیا، یہ علم و اہلِ علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا۔ اس نے بغداد میں درب الخیاطین میں نفیس کتابوں پر مشتمل ایک خزانۃ الکتب قائم کیا اس کا نام "دار العلم" رکھا اور وقف کیا تھا۔ (۶)

اس نے ہر کتاب پر اپنے قلم سے وقف کی صراحت بھی کی تھی (۷)۔

۱۰-بغداد میں ابن المارستانیہ کا دار العلم:

فخرالدین ابوبکر عبیداللہ بن علی بن نصر تمیمی بکری حنبلی المعروف بابن المارستانیہ (۵۴۱-۵۹۹ھ/۱۱۴۶-۱۲۰۲ء) نامور طبیب (۸) محدث، فقیہ، مؤرخ، ادیب و شاعر، فلسفہ، نجوم اور علوم اوائل کا ماہر تھا (۹) جامع قصر (جامع سوق الغزل) میں اس نے حدیث کا درس دیا (۱۰) باپ بیٹے دونوں شفاخانہ عضدی کے جو دجلہ کے غربی جانب واقع تھا اوقاف کے نگران رہے (۱۱) پھر ابن المارستانیہ ترقی کرتے کرتے وزارت کے عہدے پر ممتاز ہوا۔ یہ کتابوں کا شوقین تھا اس نے بہت کتابیں جمع کی تھیں (۱۲) اور اپنے ہاتھ سے نقل بھی کی تھیں۔ حدیث کی کتابوں کے بنیادی نسخے حاصل کیے تھے اور اس فن سے اعتناء کیا تھا (۱۳)۔ اس نے درب شاکریہ میں ایک مکان بنوایا اس میں کتب خانہ وقف (۱۴) کر کے اس کا نام دار العلم رکھا (۱۵) ۵۹۰ھ میں اوقاف شفاخانہ عضدی میں کوتاہی کے جرم میں ابن المارستانیہ کو دو سال کی سزا ہوئی اور ایک زمانہ تک

۱-الوافی بالوفیات: ۴/ ۱۶۸، العبر: ۴/ ۲۸۰۔ ۲-ایضاً۔ ۳-تاریخ الدول الاسلامیۃ: ۳۲۴۔

۴-تجارت السلف، ف: ۳۳۱، مختصر سنن أبی داؤد: ۱/ ۴۶۔ ۵-مرآۃ الزمان: ۸/ ۴۵۰، ق: ۲، المختصر المحتاج: ۱/ ۹۶۔

۶-المختصر المحتاج: ۱/ ۹۶، دلیل خارطۃ بغداد المفصل: ۲۵۵۔ ۷-ایضاً، تجارت السلف: ۱۳۳، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۸۲۔

۸-عیون الأنباء: ۲/ ۲۳۳۔ ۹-الجامع المختصر فی عنوان التاریخ......: ۹/ ۱۱۳، البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۳۵۔ ۱۰-ایضاً۔

۱۱-ذیل علی الروضتین: ۳۴۔ ۱۲-ذیل علی الروضتین: ۳۴۔ ۱۳-کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ: ۱/ ۴۴۲-۴۴۳۔

۱۴-دلیل خارطۃ بغداد: ۲۵۴۔ ۱۵-دلیل خارطۃ بغداد المفصل: ۴۴۳، شذرات الذھب: ۴/ ۳۴۰، خزائن الکتب القدیمہ: ۲۵۹۔

شفاخانہ میں مجنونوں کے ساتھ داخل رہا۔ ''دارالعلم'' کی کتابیں فروخت ہوتی رہیں اور ان کا مال و اسباب اور جائیداد سب کچھ ضبط ہوگیا(۱) دو سال بعد ابن المارستانیہ کو قید سے رہائی نصیب ہوئی پھر قبولِ عام حاصل ہوا۔ حالات بہتر ہوئے اور اس نے از سرِنو کتب خانہ بنایا(۲)۔

۱۱-بوزجان میں کتب خانہ:

بوزجان جو نیشاپور اور ہرات کے مابین خراسان کا ایک بہت چھوٹا شہر ہے(۳)۔ اس میں ایک عوامی کتب خانہ تھا جسے تذکرہ نگاروں نے ''بیتِ کتب بوزجان'' کے نام سے ذکر کیا ہے اس میں ہر علم و فن کی کتابیں جمع تھیں۔

اس میں ابنِ سینا کی کتاب الحاصل والمحصول کا نسخہ ظہیر الدین بیہقی المتوفی ۵۶۵ھ کے زمانہ تک موجود تھا۔(۴)

۱۲-سرخس میں کتب خانہ:

سرخس، خراسان میں نیشاپور اور مرو کے مابین ایک قدیم شہر ہے، اس میں بھی ایک عوامی کتب خانہ بہت سے نوادر کا جامع تھا۔ خواجہ ابوالفضل محمد بن الحسن بیہقی المتوفی ۴۷۰ھ نے تاریخ آلِ محمود (غزنوی) جو تیس (۳۰) جلدوں میں تھی اس کی بعض جلدیں کتب خانے میں محفوظ دیکھی تھیں(۵)۔

۱۳-جنزہ میں کتب خانہ:

جنزہ بیہ اران کا شہر ہے جو شروان اور آذربائیجان کے وسط میں واقع تھا عوام اسے کنجہ کہتے تھے، یہاں سے اہلِ علم کی ایک جماعت نکلی ہے۔(۶)

پانچویں صدی ہجری میں یہاں ایک عوامی دارالکتب تھا اس میں اتنی کتابیں تھیں کہ اس کے لیے ایک مستقل لائبریرین رکھا گیا تھا(۷)۔

۱-خزائن الکتب القدیمۃ: ۲۵۔ ۲-ایضاً۔ ۳-الأنساب: ۱/۳۵۵۔

۴-تتمۃ صوان الحکمہ: ۴۴۔ ۵-تتمۃ صوان الحکمۃ: ۱۷۹ (حواشی) ۶-الأنساب: ۳/۳، معجم البلدان: ۲/۱۷۱۔

۷-ایضاً: ورق: ۵۶۰، ب، ایضاً: ۵/۲۸۷، اللباب: ۳/۳۲۵۔

۱۴-بغداد میں خطیب بغدادی کا کتب خانہ:

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت المعروف بخطیب بغدادی شافعی (۳۹۳-۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲-۱۰۷۲ء) محدث، حافظِ حدیث، فقیہ، مؤرخ، ادیب، شاعر، مصنف (۱) زودنویس وخوشنویس تھے (۲) کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، ۴۰۳ھ میں احادیث کا سماع شروع کیا (۳) تحصیل علوم کے لئے کوفہ، بصرہ، نیشاپور، اصفہان، حرمین، صور وغیرہ بلاد کا سفر کیا، علم حدیث کے دلدادہ تھے (۴)، راہ چلتے وقت بھی مطالعہ میں لگے رہتے تھے، کثیر التصانیف تھے (۵) ابن الجوزی نے بحوالہ سمعانی انکی ۵۶ کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں تاریخ بغداد، الکفایہ، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، السابق واللاحق وغیرہ قابل قدر تصانیف شامل ہیں (۶) موصوف نے شام میں مؤرخ صوری کا بارہ (۱۲) بارِشتر کتب خانہ ان کی بہن سے خریدا تھا (۷) خطیب سفر میں بھی ایک بارِشتر کتب خانہ ساتھ رکھتے تھے، جب حج کیا تو بھی ایک بارِشتر کتب خانہ ساتھ تھا (۸) ان کا ذاتی کتب خانہ بہت اچھا اور کئی کتب خانوں کا جامع تھا۔ انتقال سے پہلے مسلمانوں پر وقف کیا اور فضل بن خیرون کو اس کا نگران بنایا تھا ان کے متبنی فضل کی نگرانی میں رہا، گھروں میں آگ لگی تو وہ برباد ہوگیا (۹)۔

۱۵-بغداد میں حازمی کا کتب خانہ:

زین الدین ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان حازمی ہمدانی شافعی (۵۴۸-۵۸۴ھ/ ۱۱۵۳-۱۱۸۸ء) محدث، حافظِ حدیث، فقیہ، مؤرخ، انساب کے عالم، عابد، زاہد وکثیر التصانیف مصنف تھے (۱۰) تحصیلِ علوم کے لیے شام، حجاز، عراق کا سفر کیا اور بہت لکھا تھا۔ بغداد میں رباط بدیع میں رہتے تھے، رات کو کمرہ میں داخل ہوتے، پوری

۱-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، الوافی بالوفیات: ۵/ ۸۸، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۷/ ۱۴، طبقات الشافعیہ: ۱/ ۲۱۳۔
۲-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۳۶۴۔ ۳-ایضاً۔ ۴-العبر: ۳/ ۱۴۰۔ ۵-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۲۸۹، المنتظم: ۱۰/ ۱۶۳، شذرات الذهب: ۳/ ۱۵۵۔ ۶-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۲۹۰۔ ۷-المنتظم: ۱۰/ ۱۶۲، الوافی بالوفیات: ۵/ ۱۰۵۔
۸-المنتظم: ۱۰/ ۱۶۳، مناقب الامام أحمد: ۲/ ۵۳۱۔ ۹-العبر: ۳/ ۱۴۰، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۸۸۔
۱۰-المنہج الأحمد فی تراجم اصحاب الامام أحمد: ۲/ ۱۶۷، الذیل علی طبقات الحنابلہ: ۱/ ۲۲۶، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۱۲۹۰، العبر: ۳/ ۱۴۰۔

رات مطالعہ کرتے اور لکھتے رہتے تھے (۱) حازمی نے اپنا کتب خانہ اصحاب حدیث پر وقف کیا تھا (۲)۔

۱۶-فاری سلامی کا کتب خانہ:

ابوالفضل محمد بن ناصر بن محمد فاری سلامی بغدادی شافعی ثم حنبلی (۳) (۴۶۷-۵۰۰ھ/ ۱۰۷۵-۱۱۵۵ء) محدث عراق، حافظِ حدیث، فقیہ، ادیب، مدرس و مصنف تھے (۴)۔ حدیث پڑھاتے اور ادب کی کتابوں کو پڑھانے پر اجرت لیتے تھے (۵) صحیح لکھتے اور اچھا نقل کرتے تھے (۶) ابن الجوزی نے ۳۰ برس تک ان سے استفادہ کیا تھا اور جتنا ان سے استفادہ کیا کسی سے نہیں کیا (۷) فقیر منش بزرگ تھے (۸) مگر کتب خانہ بڑا رکھتے تھے۔ موصوف نے نہایت صحیح و اصلی نسخے جمع کیے تھے انہوں نے اپنا کتب خانہ محدثین پر وقف کیا تھا (۹)۔

اس کتب خانے کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھا۔ وہ ابن الجوزی کے مطالعہ سے گزرا تھا (۱۰)۔

یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ موصوف نے بغداد میں کہاں یہ کتب خانہ وقف کیا تھا۔ مرتے وقت تن کے کپڑے اور تین دینار چھوڑے تھے اولاد کوئی نہ تھی، کتب خانہ پہلے ہی وقف کر چکے تھے۔

۱۷-دومی مستظہری کا کتب خانہ:

ابوالحسن منتخب بن عبداللہ دومی مستظہری (۰۰-۵۰۸ھ/ ۰۰-۱۱۱۴ء) دولت مند و زاہد تھے۔ (۱۱) ان کے پاس کتابوں کا ذخیرہ تھا جو موصوف نے محدثین پر وقف کیا تھا اور ان موقوفہ کتابوں میں مسند احمد بن حنبل بھی تھی (۱۲)۔

۱-تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۶۴۔ ۲-ایضاً۔ ۳-العبر: ۴/ ۱۴۰۔

۴-تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۲۸۹، المنتظم: ۱۰/ ۱۶۳، شذرات الذھب: ۴/ ۱۵۵۔ ۵-تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۲۹۰۔

۶-المنتظم: ۱۰/ ۱۶۲، الوافی بالوفیات: ۵/ ۱۰۵۔ ۷-المنتظم: ۱۰/ ۱۶۳، مناقب الامام احمد: ۲/ ۵۳۱۔

۸-العبر: ۴/ ۱۴۰، وفیات الاعیان: ۱/ ۴۸۸۔

۹-المنہج الاحمد فی تراجم اصحاب الامام احمد: ۲/ ۱۶۷، الذیل علی طبقات الحنابلہ: ۱/ ۲۲۶، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۲۹۰، العبر: ۴/ ۱۴۰۔

۱۰-صید الخاطر: ۴۴۱۔ ۱۱-البدایہ والنھایہ: ۲/ ۱۱۹۔ ۱۲-المنتظم: ۹/ ۱۳۸۔

۱۸-ابی قفل کا کتب خانہ:

ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد زیادی عمری حضری شافعی المعروف بابی قفل (۵۵۹-۶۳۱ھ/ ۱۱۶۳-۱۲۳۳ء) حافظِ حدیث ومحدث تھے، ایک زمانہ تک مسجدِ ابان کی امامت کی پھر اس کے مشرق میں ایک نہایت عمدہ مسجد بنوائی اور تا حیات اس مسجد میں رہے، اپنے قلم سے بہت حدیثیں لکھی تھیں۔ موصوف نے اپنا ذاتی کتب خانہ مکہ معظمہ میں وقف کیا تھا(۱)

۱۹-سویدی کا کتب خانہ:

برہان الدین سویدی المتوفی ۶۵۶ھ عالم اور مدرسہ عادلیہ میں استاد تھے ان کے پاس کتب خانہ تھا جو موصوف نے مدرسہ ابن رواحہ میں وقف کیا تھا(۲)۔

۞ ۞۞

۱-تاریخ ثغر عدن من تاریخ ابن المجاور والجندی والاھدل:۲/۱۰۸-۱۰۹۔

۲-الذیل علی الروضتین:۱۹۹۔

(ب) مسجدوں کے کتب خانے

علم اور عبادت کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ عبادت گاہوں میں جو بول بولے جاتے، کسی بھی زبان میں حمد وثنا کے جو گیت گائے جاتے ان کا مقدس ذخیرہ کسی بھی شکل میں کتنا ہی محدود سہی ہمیشہ معبدوں (Churches)، مندروں (Temples) اور آتشکدوں (Fire- Temples) میں رہا ہے جو مذکورہ بالا دعوے کا نہایت بیّن ثبوت ہے۔

پنڈتوں، مہنتوں، موبدوں، راہبوں اور پادریوں کی علم پر اجارہ داری نے علم کو فروغ پانے سے روکا اور عوام کو جب ان مقدس عبادت گاہوں میں بھی علم کی روشنی سے محروم رکھا جانے لگا تو علم کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا گیا۔ نہ علم پھل پھول سکا نہ اس میں تنوع و کثرت پیدا ہوسکی، نہ وسائلِ کتابت و موادِ کتابت پروان چڑھ سکی اور نہ ان کتب خانوں کو عوامی کتب خانوں کا مقام حاصل ہوسکا۔ عوام کی شرح پیدائش میں روز افزوں ترقی کے باوجود شرح خواندگی کم سے کمتر ہوتی چلی گئی اور عبادت گاہوں میں جو عوام میں فروغِ علم کی اصل جگہیں تھیں علم و کتاب اور ذخیرۂ کتب تک ان کی رسائی نہ ہوسکی۔

اسلام نے بنی نوع انسان کو علم کی آزادی بخشی، قرأت و کتابتِ علم کو بنی نوع انسان کی اولین و بنیادی ضرورت قرار دے کر ہر فرد کو پڑھنے لکھنے کا پابند کیا، علم کی تحصیل کا حکم دیا گیا ''اقرأ'' پڑھ، یہ وحی غارِ حراء میں جو ان دنوں رسول اللہ ﷺ کی عبادت گاہ تھی اتری، اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ قرأت و کتابت اور احیاءِ علوم کی عالمگیر تحریک کا آغاز ایک عبادت گاہ سے ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی عوامی و خصوصی تعلیم و تحریکِ احیاءِ علوم کا آغاز ایک عوامی عبادت گاہ، مسجد ہی سے کیا اور قدرے سہولت کے بعد سب سے پہلے مسجد میں عوام کے لیے تحصیلِ علم کی سہولتیں مہیا کیں۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مساجد و مراکز عبادت میں علم و عرفان کو عام کرنے پر اس لیے زور دیا تھا کہ یہاں صحیح عقائد اور سچی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوتا تھا، گمراہی و بدعت کو پنپنے کا موقع نہ مل سکتا تھا، عالم و جاہل ہر مسلمان کو ان مراکز میں عبادت کے لیے آنے جانے کی آزادی تھی، ہر استاد کی باتیں شعوری و غیر شعوری طور پر اس کے کانوں میں پڑتی تھیں، کسی کو اسلام کے خلاف کوئی بات کہنے کی جرأت نہیں

ہو سکتی تھی، اس طرح ہر امر میں قرآن وسنت پر مبنی علوم کو فروغ حاصل ہوتا تھا۔

خلافتِ راشدہ میں سرکار کی زیرِ سرپرستی مساجد کو معاشرتی ثقافتی مراکز کی حیثیت سے فروغ دینے کے لیے خلفاء نے ان میں کتاب اللہ کو رکھوا کر ذخیرۂ کتب کا اہتمام کیا تھا۔ یہی خشتِ اول مسلمانوں میں آج تک اساس بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ عہدِ خلافت راشدہ (۱۱-۴۰ھ/ ۶۳۲-۶۶۱ء) اور دورِ اموی (۴۱-۱۳۲ھ/۶۶۱-۷۵۰ء) میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، بیت الحرام، جامع دمشق، جامع بصرہ وکوفہ کو عظیم دانشگاہوں کی حیثیت حاصل رہی، ان کی وجہ سے ان شہروں کو علومِ قرآن وسنت کی اشاعت میں امتیازِ خاص حاصل رہا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''پانچ شہر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام وہ ہیں جہاں سے علومِ نبوت، علومِ ایمانی، علومِ قرآن اور علومِ شریعت نکلتے ہیں (۱)۔

کتاب اللہ کی تدوین اس کی قرأت وکتابت مسجد میں ہوئی تھی اس لیے علماء بھی برکت وقبولیت کی خاطر تعلیم وتدریس اور تصانیف کا آغاز بھی مسجد میں کرتے تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی ترتیب وتالیف کا کام مسجدِ حرام میں اور ترجمۃ الابواب کے لکھنے کا کام مسجدِ نبویؐ میں روضہ شریف کے سامنے کیا تھا (۲) مسجدیں عہدِ عباسی میں قرأت وکتابت، تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف کا مرکز رہی ہیں۔

ابتداءِ عہدِ عباسی میں مسجدیں ہی درس گاہِ کتاب بنی ہوئی تھیں، چنانچہ ہسپانیہ اندلس میں جامع قرطبہ (۳) اور افریقہ میں جامع القرویین جسے محمد فہری کی بیٹی فاطمہ ومریم نے ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء میں تعمیر کرایا تھا۔ تیسری صدی ہجری میں یہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور جہل کی تاریکیاں چھٹنے لگیں۔ اسلامی ثقافت اور عربی تمدن افریقہ میں پھیلنا شروع ہوا، یہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول وکلام، ادب، صرف ونحو، معانی وبیان، فلسفہ وحکمت، فلکیات، طب، ہندسہ کی دانشگاہ بن گئی اور اسے جامعۃ الاندلس کہا جانے لگا۔ علماء کہتے ہیں ''علم مدینہ میں پیدا ہوا، مکہ میں نشو ونما ہوئی، مصر میں پسائی اور فاس میں چھنائی ہوئی، عبدالواحد مراکشی المتوفی ۶۴۷ھ/ ۱۲۵۰ء نے فاس کے متعلق کہا ہے:

۱-منھاج السنۃ النبویۃ فی نقض قول الشیعۃ والقدریۃ: ۴/ ۱۴۲۔

۲- ھدی الساری: ۲/ ۲۰۲-۲۰۳۔

۳-البیان المغرب فی أخبار المغرب: ۲/ ۳۵۸-۳۵۹۔

''ہمارے زمانے میں فاس مغرب کا دارالخلافہ، علم کا ٹھکانہ، قیروان وقرطبہ کے علوم کا جامع ہے اسے بغدادِ مغرب کہا جاتا ہے(۱) آج بھی اس کا خزانۃ الکتب علمی دنیا میں اپنی نظیر آپ ہے۔

جامع زیتونیہ تونس جسے عامل بنی امیہ ابن الحجاب نے (۱۱۴ھ/ ۷۳۲ء) میں بنایا تھا، اس میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور اس کے کتب خانہ کی بھی شہرت ہے(۲)۔

جامع قیروان، اسے فاتح افریقہ حضرت عقبہ بن نافع -رضی اللہ عنہ- نے پہلے ۵۰ھ میں پھر ۸۶ھ میں منہدم کرا کر دوبارہ تعمیر کرائی تھی، یہ شمالی افریقہ میں عہدِ اغالبیہ میں اہم ثقافتی مرکز رہی، حاکم فاطمی کے تسلط کے بعد اس کی علمی حیثیت کو ٹھیس پہنچی، لیکن شاہان صنھاجہ کے دور میں اسے عروج حاصل ہوا اور آج تک اس کی عظمت برقرار ہے(۳)۔ جامع ازہر کا تذکرہ باب سوم میں گزر چکا ہے۔

اسلامی دنیا کے یہ چار جامعات، جامع ازہر، جامع زیتونیہ، جامع قرویین اور جامع قیروان جن میں آج بھی علمی وثقافتی سرگرمیاں جاری ہیں، عہدِ عباسی کی علمی سرگرمیوں کی یاد تازہ کرتی ہیں، ان کے کتب خانے اس کی نہایت واضح دلیل ہیں کہ مساجد کی درسگاہوں کے کتب خانوں کی تاریخ نہایت قدیم ہے اور اس کا سلسلہ مسلمانوں میں اب تک قائم ہے۔

عہدِ عباسی میں دارالخلافہ بغداد میں جامع منصور (۴) جامع رصافہ (۵) جامع قصر (۶) اصفہان میں جامع اصفہان (۷) کو، مصر میں جامع ابن طولون اور نیشاپور میں جامع نیشاپور (۸) کو بھی یہی امتیاز وفخر حاصل تھا ان کا کوئی گوشہ کسی امام کے نام اور کوئی ستون کسی کے نام سے موسوم تھا(۹)۔

ان مساجد کو ایسی مرکزی دانشگاہ کی حیثیت حاصل تھی کہ ان میں پڑھانے کی آرزو حاصلِ زندگی بن گئی تھی جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا کہ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۴ھ نے زمزم پی کر یہی دعا کی تھی کہ یا الٰہی! مجھے جامع منصور میں درس حدیث کی توفیق ارزانی فرما''(۱۰)۔

۱-المحاضرات العامۃ خلال العام الجامعی:۲:۱۳۲۔ ۲-تاریخ الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ:۴۰۔ ۳-ایضا:۴۱۔

۴-معجم الأدباء:۱/ ۲۴۶۔ ۵-تاریخ بغداد:۶/ ۳۵۱۔ ۶-المختصر المحتاج:۱/ ۲۳،۲۲(التعلیقات)

۷-الأنساب، ورق ۲۵۲، اللباب:۱/ ۳۶۶۔ ۸-ایضا:۲۶۵، ایضا:۴۸۶۔ ۹-تہذیب تاریخ دمشق:۴/ ۱۹، تاریخ بغداد:۸/ ۲۴۹، معرفۃ علوم الحدیث:۱۹۱، ۱۹۲، معجم الأدباء:۱/ ۳۰۹، الخطط التوفیقیۃ الجدیدۃ لمصر القاہرۃ:۴/ ۸۲۷، تاریخ الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ:۲۶۔ ۱۰-معجم الأدباء:۱/ ۲۴۶۔

چوتھی صدی ہجری میں ان مساجد میں علمی مجالس کی تعداد سینکڑوں تک پہنچنے لگی تھی، چنانچہ جامع قاہرہ میں عشاء کے وقت ایک سو دس (۱۱۰) علمی مجلسیں شمار کی گئی تھیں (۱) دیارِ مغرب (ہسپانیہ) میں مساجد ہی کو ہمیشہ مدارس کی حیثیت حاصل رہی اور اندلس میں مساجد سے علیحدہ مدارس کا قیام عمل ہی میں نہیں آیا (۲)۔

ان وجوہ سے عہدِ عباسی میں مسجدیں عمومی اور خصوصی دونوں قسم کی تعلیم کا مرکز رہی ہیں، ہر بڑی مسجد جسے مسجدِ جامع یا مسجدِ کبیر کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اس میں مدرسہ اور کتب خانہ بھی بڑا ہوتا تھا (۳) چھوٹی مسجدوں میں جن کی تعداد زیادہ ہوتی تھی مکتب بنایا جاتا تھا، ان میں گویا ابتدائی اور متوسط درجہ کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔ جن مساجد میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی طلبہ کے قیام وطعام کا بندوبست کیا جاتا ان میں کتب خانہ بھی بڑا بنایا جاتا تھا۔

ہر چھوٹی بڑی مسجد میں فرمانرواؤں اور عوام وخواص کی طرف سے کتابیں اور کتب خانے وقف کیے جاتے تھے اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے، مسجدیں چونکہ وقف ہوتی ہیں اس لیے ان میں ہر چھوٹا بڑا ابلا روک ٹوک آتا استفادہ کرتا تھا۔

تعلیمی ضروریات کی تکمیل کی غرض سے ان میں کتب خانے قائم کیے جاتے یا مسجدوں سے متصل بنائے جاتے تھے اس لیے یہ کتب خانے ہمیشہ اخلاقی گندگیوں سے پاک صاف رہے۔

مساجد کے کتب خانے دینی علوم ہی کی کتابوں پر مشتمل نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر علم وفن کی کتابوں کے جامع تھے۔ سائنسی علوم وفلسفہ پر بھی ان میں کتابیں رکھی جاتی تھیں (۴) نقل ومطالعہ کی سہولت، کتب خانہ ہی میں مہیا نہیں کی جاتی تھی بلکہ کتب خانہ سے باہر بھی اہلِ علم کو کتابیں عاریتاً دی جاتی تھیں۔

ان کتب خانوں کی کثرت وندرت اور ان کے استعمال کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ بعض مساجد کے کتب خانوں سے اہلِ علم اور محققین کو بیک وقت دوسو (۲۰۰) حوالے کی کتابیں گھر لے جانے کی اجازت حاصل تھی (۵)۔

۱-احسن التقاسیم: ۲۰۵۔　۲-نفح الطیب: ۱/ ۲۰۵۔　۳-الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الہجری: ۱/ ۱۴۳۔

۴-Die Renaissance des Islams، الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الہجری: ۱/ ۱۴۳، Thomas Arnold and Alfred Guillanme .Legacy of islams.p.336

۵-معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔

عہدِ عباسی میں کتابیں زرِ خالص کی حیثیت رکھتی تھیں پھر ان پر سونا چاندی منڈھا جاتا، طلاکاری وزرپاشی کی جاتی تھی اس بناء پر وہ بہت گراں قیمت میں خریدی جاتی تھیں اور بہت ہی قیمتی سرمایہ سمجھی جاتی تھیں۔ انہیں مسجدوں کے کتب خانوں میں بھی رکھا جاتا تھا اس لیے یہ مسجدیں بھی لٹتی رہتی تھیں اور کتب خانوں پر بھی تباہی آتی رہتی تھی (۱)۔

مسجدیں کثرت سے بنائی جاتی تھیں، ان میں کتب خانے بھی کثرت سے قائم کیے جاتے تھے۔ مؤرخین ان کتب خانوں سے استفادہ کرتے یا ان میں کوئی نادر کتاب پاتے یا کوئی نامور عالم ان میں اپنا ذخیرۂ کتب وقف کرتا تو تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں ضمناً اس مسجد کے کتب خانے کا ذکر بھی کر جاتے تھے۔ عہدِ عباسی کی تمام مساجد کے کتب خانوں کا احاطہ اس مقالہ میں ممکن نہیں، یہ موضوع ایک اور تحقیقی مقالہ کا محتاج ہے تاہم یہاں اس قسم کے چند مشہور کتب خانوں کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے عہدِ عباسی میں مساجد کے کتب خانوں کی اہمیت، افادیت اور خدمات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱- کتب خانہ جامع حلب:

حلب میں جامع اموی حلب کا کتب خانہ قدیم ترین کتب خانہ تھا جسے سیف الدولہ علی بن عبداللہ بن حمدون تغلبی المتوفی ۳۵۶ھ/ ۹۶۶ء نے ۳۳۳ھ/ ۹۴۴ء میں حلب پر قبضے کے بعد قائم کیا تھا، اس میں مختلف علوم وفنون کی دس ہزار (۱۰،۰۰۰) مجلدات تھیں (۲) یہ کتب خانہ (۴۶۰ھ/ ۱۰۶۷ء) تک اہلِ علم کی خدمت کرتا رہا اور جب اس کے خازن ثابت بن اسلم نحوی کو اسماعیلیہ نے گرفتار کر کے مصر میں پھانسی دی تو اس عظیم الشان کتب خانے کو نذرِ آتش کیا گیا (۳)۔

معلوم ہوتا ہے کہ جامع حلب کا یہ کتب خانہ پھر آباد ہوا، ۵۷۹ھ/ ۱۱۸۳ء میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی حلب پر قابض ہوا اور جامع اموی حلب میں پہنچا تو اس کے فرزند ملک افضل کے اتالیق تاج الدین محمد خراسانی مسعودی المتوفی ۵۸۴ھ ۱۱۸۸ء کو یہ کتب خانہ مباح کر دیا، انہوں نے اس سے ایک بار شتر کتابیں انتخاب کی تھیں (۴) اس کے باوجود جامع حلب کا یہ کتب خانہ کسی نہ کسی صورت میں نویں صدی ہجری تک باقی رہا،

۱- الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۲۵۱، ۱۱/ ۲۷۳۔ ۲- المخطوطات وخزائنها في حلب، مجلة معهد المخطوطات العربية: ۱/ ۱۲-۱۵، شمارہ: ۱۰۔

۳- أعلام النبلاء: ۴/ ۱۹۴۔ ۴- وفيات الأعيان: ۱/ ۵۲۔

چنانچہ علامہ غرس الدین خلیل بن احمد حلبی نے شجرۃ الافادہ جو لوہے، تانبے اور پتھر سے ایک خوشنما موٹا تنے دار درخت بنایا تھا، اس میں ریاضی کے اصول کو جدولوں اور خطوط کی صورت میں دکھایا گیا تھا، اس کی ٹہنیوں اور پتوں پر علوم ریاضی کے اصول میں سے کسی نہ کسی کی نشاندہی کی گئی تھی، ریاضی کے طلبہ اس سے استفادہ کرنے کیلئے دُور دراز سے حلب پہنچتے تھے۔ ۱۳۴۱ھ میں اس کتب خانہ کو ادارۂ اوقاف نے مدرسہ اسلامیہ خسرویہ میں پھر ۱۳۴۵ھ میں اسے دار الکتب الاسلامیہ مدرسہ اشرفیہ میں شامل کر دیا تھا(۱)۔

۲-جامع دمشق کا کتب خانہ:

ابوالفضل احمد بن علی بن الفضل معتزلی رافضی (۴۱۱-۴۹۴ھ/۱۰۲۰-۱۱۰۰ء) کو حدیث وشعر سے دلچسپی تھی، اس کا ذاتی کتب خانہ تھا جسے موصوف نے جامع دمشق میں وقف کیا تھا(۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جامعات اور مسجدوں کے ذخیروں میں اضافہ کا باعث وقف شدہ کتابیں ہوتی تھیں۔

۳-جامع میّافارقین اور جامع آمد میں کتب خانے:

ابونصر احمد بن یوسف سلیکی منازی (۰۰-۱۰۴۵ء/۰۰-۴۳۷ھ) شاہ میافارقین ابونصر احمد بن مروان کردی المتوفی ۴۵۲ھ کا وزیر ادیب، صاحب دیوان شاعر(۳) اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔ بہت کتابیں جمع کی تھیں پھر اپنا ذخیرۂ کتاب جامع میافارقین اور جامع آمد میں وقف کیا تھا جو کتب المنازی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ذخیرہ مؤرخ ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ کے زمانہ تک محفوظ تھا(۴)۔

۴-جامع مرو اور جامع نیشاپور میں کتب خانے:

ابوعلی حسان بن سعید بن حبان مخزومی منیعی مروروزی نیشاپوری (۰۰-۴۶۳ھ/۰۰-۱۰۷۰ء) فقیہ، محدث، بلند پایہ صوفی، مخیر رئیس اور دولتمند تھے۔ تجارت کی اس سے بہت نفع ہوا(۵) پھر حدیث کی طرف رغبت

۱-التربیۃ والتعلیم فی الاسلام:۱۵-۱۶۔ ۲-مختصر تاریخ دمشق:۱/۴۰۹، العبر:۳/۳۳۹، شذرات الذهب:۳/۴۰۰۔
۳-معجم البلدان:۵/۲۰۲، العبر:۳/۱۸۷، تاریخ الفاروقی:۱/۳۱۔ ۴-وفیات الأعیان:۱/۴۴، البدایہ والنهایہ:۱۲/۵۴-۵۵، شذرات الذهب:۳/۲۵۹، الوافی بالوفیات:۸/۲۸۵، دائرۃ المعارف:۵/۱۵۳، ۱۵۴، آئینہ عرب:۵۶۶، ۶۷۔
۵-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ:۴/۲۹۹۔

ہوئی تو سفر کر کے شیوخ حدیث سے اس کی تحصیل و تکمیل کی، زہد اختیار کیا اور عوام و خواص میں ہر دلعزیز ہو گئے۔ خیر کے بہت کام کیے، مسجدیں، سرائیں بنوائیں، کنویں کھدوائے، پُل بنوائے، مدرسے کھولے، کتب خانے قائم کیے، ان کے مصارف کی تکمیل کے لیے اوقاف چھوڑے(۱)۔

قصرِ رَبَح پر جو خراسان کے راستے میں پہلی منزل اور نیشاپور سے ساٹھ فرسخ پر واقع ہے نہایت عمدہ سرائے بنوائی تھی۔ مؤرخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے:

"بَنٰی الْأَبْنِیَۃَ الْمَیْمُوْنَۃَ . . . مِنَ الْمَدَارِسِ وَ بَیْتِ الْکُتُبِ"(۲)

موصوف نے مدارس اور کتب خانوں کی مفید و بابرکت بنیادیں رکھی تھیں۔ علماء کی تربیت بھی کی تھی(۳)۔

موصوف نے دو مسجدیں ایک مرو روز میں ۵۱۰ھ سے قبل اور دوسری نیشاپور میں بنوائی تھی، ان میں تعلیم کا انتظام کیا اور کتب خانہ بھی قائم کیا تھا(۴) جو موصوف کی نسبت منیعی سے مشہور ہیں، ان میں چونکہ ائمۂ فن نے درس دیا تھا یہ درسگاہ اور کتب خانے کی حیثیت سے تاریخ میں غیر فانی شہرت کی حامل ہیں۔ جامع منیعی نیشاپور میں محمود رشیدی نے اپنا کتب خانہ بھی وقف کیا تھا جیسا کہ محمود رشیدی کے تذکرہ میں مذکور ہے۔

بیت الکتب کا ذکر صرف مؤرخ عبدالغافر فارسی نے کیا ہے کسی اور مؤرخ نے نہیں کیا اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مساجد و مدارس میں عموماً کتب خانے بنائے جاتے تھے۔ شہرت کی بناء پر ان کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔

۵- جامع قزوین میں کتب خانہ:

ابو غانم حسین بن عیسیٰ کندری شیخ ابو عبدالرحمن محمد بن حسین سلمی صوفی المتوفی (۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء) کے تلمیذ تھے، موصوف نے سلمی کی تصانیف کو نقل کیا، کتابوں کو جمع کیا پھر یہ ذخیرہ جامع قزوین میں وقف کیا تھا۔ موصوف کا ذخیرہ جن صندوقوں میں رکھا ہوا تھا ان پر ان کے نام کی چٹ لگی ہوئی تھی، یہ صندوق "العثمانی" کے نام سے موسوم

۱- المنتظم: ۸/۲۷۰، الکامل: ۱۰/۱۹، اللباب: ۳/۱۷۶، العبر: ۳/۳۵۳-۲۵۴۔ ۲- منتخب السیاق: ورق: ۱۷۱ب۔

۳- الانساب، ورق: ۵۴۴، اللباب: ۳/۲۶۶، مدارس قبل النظامیہ: ۱۷، ۶۰، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۵/۱۸۱، ۲۲۶، طبقات الشافعیۃ: ۱/۳۱۰۔ ۴- الانساب: ۲۵۴۔

تھے، ان کے ساتھ ابوالحسن علی بن علی کندری نے بھی کتابیں وقف کی تھیں اس لیے سمعانی نے دونوں کا تذکرہ ایک ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے "وقفا کتبا کثیرۃ"(۱) ان دونوں نے بہت کتابیں وقف کی تھیں، لیکن تذکرہ نگاروں نے بطور تمثیل ایک صندوق کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، مورخین نے اس واقعہ کا ذکر ۴۵۷ھ کے واقعات کے ذیل میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں سال مذکور میں وقف کی گئی تھیں (۲)۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شخصی ذخیروں کو بھی کتب خانہ میں ممتاز کر کے رکھا جاتا تھا۔ ابوالحسن علی بن علی کندری کے ذخیرۂ کتب کا اوپر تذکرہ آیا ہے۔

۶- جامع اصفہان میں دارالکتب:

تاج الملک ابوالغنائم مرزبان بن خسرو فیروز (۰۰-۴۸۵ھ/۰۰-۱۰۹۲ء) ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا۔ موصوف نے جامعہ نظامیہ کے بعد ۴۸۳ھ/۱۰۵۹ء میں بغداد میں مدرسہ تاجیہ قائم کیا(۳) اور ایک دارالکتب جامع اصفہان میں بھی وقف کیا تھا۔ اس میں بہت نادر کتابیں جمع کی تھیں، اس دارالکتب میں عمادالدین کاتب اصفہانی المتوفی (۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء نے ۵۵۱ھ/۱۱۵۶ء) میں علی بن الحسین باخرزی المتوفی ۴۶۷ھ/۱۰۷۴ء کی کتاب "دمیۃ القصر" کا مطالعہ کیا جس نے "خریدۃ القصر" و "جریدۃ العصر" کی تالیف پر آمادہ کیا(۴) اور بلادِ شرقیہ کے نامور شعراء کو حیاتِ جاوید ملی۔

۷- جامع صروف میں کتب خانہ:

مدرسہ جامع صروف، یہ یمن کے چھوٹے سے شہر صروف کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ تھا جس میں فقیہ عبداللہ بن محمد بن سالم المتوفی ۵۰۰ھ پڑھاتے تھے(۵)۔

۸- جامع قدیم (عتیق) نیشاپور میں کتب خانہ:

مدرسہ جامع عتیق، یہ مدرسہ شیخ موفق الدین جوسر بن عبداللہ معظمی نے جامع عتیق میں بنایا تھا، اس میں

۱- الانساب: ۴۷۸۔ ۲- المنتظم: ۸/۲۳۹۔ ۳- المنتظم: ۹/۴، مدارس بغداد فی العصر العباسی: ۷۶-۷۸۔
۴- معجم الادباء: ۵/۱۲۱، خریدۃ القصر وجریدۃ العصر: ۱/۸۲، ق العراقی۔ ۵- طبقات فقہاء الیمن: ۱۰۸۔

فقیہ عبدالملک التوفی ۴۷۰ھ پڑھاتے تھے(۱)۔ گو ان میں کتب خانہ کی صراحت نہیں کی گئی ہے، لیکن مدرسہ کی تصریح خزانۃ کتب کی نشاندہی کرتی ہے۔

اس مسجد میں علماء ومحدثین کے حلقے بھی لگتے رہے تھے، چنانچہ نیشاپور کے رئیس اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) شیخ الاسلام ابونصر احمد بن محمد بن صاعد صاعدی التوفی ۴۸۲ھ ماہ رمضان میں جمعرات کے دن عشاء کے وقت اسلاف کے طرز پر مجلس املاء منعقد کرتے تھے(۲)۔

اور امام ومحدث ابوسعد عبدالرحمن بن حمدان نصروی نیشاپوری التوفی ۴۳۳ھ کئی سال تک جمعہ کی نماز سے پہلے املاء منعقد کراتے رہے(۳)۔

نیز ابوعبدالرحمن عمر بن محمد بن احمد بحیری التوفی ۴۴۶ھ بھی ایک مدت تک حلقہ لگاتے رہے۔(۴) اور امام حافظ ابوالحسن محمد بن محمد بن زید علوی حسینی التوفی ۴۸۰ھ جو نیشاپور میں قاصد بن کر آئے تھے، ان کی بھی مجلس املاء منعقد ہوتی رہی ہے۔(۵) یہ چند مدارس ایسے ہیں جن کا تذکرہ ناجی معروف سے بھی "**علماء النظامیات ومدارس المشرق الاسلامی**" میں رہ گیا ہے، اس لئے ان کا ذکر ضروری تھا۔

۹- جامع منیعی نیشاپور میں کتب خانہ:

یہ مسجد شیخ الاسلام حسان بن سعید بن حسان خالدی منیعی مروزی التوفی ۴۶۳ھ کی طرف منسوب ہے (۶)۔ اس میں بڑے بڑے محدثین اور علماء درس دیتے رہے ہیں۔ ابوعبدالرحمن طاہر بن محمد بن محمد نیشاپوری التوفی ۴۷۹ھ جو حافظِ حدیث، ادیب اور عبادت گزار تھے، ان کی مجلسِ املاء اسی مسجد میں منعقد ہوتی رہی ہے۔(۷) ان کی وفات کے بعد دو سال تک جمعہ کی نماز سے پہلے شحام کے اس میدان میں جو محدثین کی طرف منسوب تھا، ابوالقاسم اسماعیل بن عبداللہ بن موسی ساوی ادیب التوفی ۴۸۰ھ کا حلقہ درس لگتا رہا(۸) ان کے

۱- طبقات فقہاء الیمن: ۲۶۶، ۲۶۷۔ ۲- المنتخب: ۱۳۸، سیر أعلام النبلاء: ۱۹/ ۷، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۵۰۲۔

۳- المنتخب: ۴۷۷، سیر أعلام النبلاء: ۱۷/ ۵۵۳، تاریخ الاسلام: ۹/ ۵۳۷۔ ۴- المنتخب: ۶۰۸، تاریخ الاسلام: ۹/ ۶۸۳۔

۵- المنتخب: ۱۳۸، سیر أعلام النبلاء: ۱۸/ ۵۲۰، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۲۰۹۔ ۶- المنتخب: ۳۲۸، سیر أعلام النبلاء: ۱۸/ ۲۶۵، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۱۹۔

۷- المنتخب: ۴۱۷، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۴۴۱۔ ۸- المنتخب: ۱۹۱، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۴۵۳۔

علاوہ بھی بہت علماء مجلسِ املاء منعقد کرتے رہے ہیں، مثلاً نیشاپور کے رئیس اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) شیخ الاسلام ابونصر احمد بن محمد بن صاعد صاعدی المتوفی ۴۸۲ھ (۱) امام ابوبکر محمد بن اسماعیل بن محمد تفلسی ثم نیشاپوری المتوفی ۴۸۳ھ (۲)۔ شیخ ابوقاسم عبدالرحمن بن احمد واحدی المتوفی ۴۸۷ھ (۳)، فقیہ ابونصر عبداللہ بن حسین بن محمد بن ہارون خراسانی المتوفی ۴۹۱ھ (۴)۔ کاتب وشاعر ابوابراہیم اسعد بن مسعود عتبی نیشاپوری المتوفی ۴۹۴ھ (۵)، امام ومحدث ابوسعید اسماعیل بن عمرو بجیری نیشاپوری المتوفی ۵۰۱ھ (۶)۔ موصوف نے کئی نے سال تک املاء کی مجلس منعقد کی ہے۔ محدث ابوالقاسم زاہر بن طاہر بن محمد شحامی نیشاپوری مستملی وسند خراسان المتوفی ۵۳۳ھ ،انہوں نے بیس سال کے قریب درس دیا اور ایک ہزار مجالس قائم ہوئیں (۷)۔ شیخ ابوالمحاسن اسحاق بن عبدالرحمن بن اسماعیل صابونی المتوفی ۴۵۵ھ (۸) اور امام وحافظ حدیث ابوالمعالی وابوالحسن محمد بن زید علوی حسینی المتوفی ۴۸۰ھ، موصوف نیشاپور میں قاصد بن کر آئے تھے، ان کا حلقہ درس بھی جامع منیعی میں لگتا رہا (۹)۔

ابوالمعالی محمود بن محمد بن محمود رشیدی، ادیب، لغوی (علوم قدیمی) کے دلدادہ، علامہ سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ کے استاد اور محمد بن محمود تاجر (۴۱۱-۴۸۷ھ) کے فرزند تھے (۱۰) ان کا بھی کتب خانہ تھا جو علوم ادبیہ ولغت، علوم قدیمہ، فلسفہ، ریاضیات وفلکیات پر مشتمل تھا، موصوف نے یہ کتب خانہ نیشاپور میں وقف کیا تھا، فتنۂ غز میں جامع منیعی کا کتب خانہ جل گیا، اس میں یہ ذخیرہ بھی جلا تھا (۱۱)۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسجدوں کے کتب خانوں میں ہر موضوع کی کتابیں رکھی جاتی تھیں۔

۱۰- جامع ساوہ میں کتب خانہ:

موفق الدولہ ابوطاہر کمال الدین خاتونی ساوی (۰۰- بعد ۵۴۷ھ/۰۰-۱۱۵۲ء) فارسی زبان کا

۱- المنتخب: ۱۳۸، سیر أعلام النبلاء: ۱۹/ ۷، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۵۰۲۔ ۲- المنتخب: ۱۸۳، سیر أعلام النبلاء: ۱۹/ ۱۱، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۵۲۵۔ ۳- المنتخب: ۴۸۶، سیر أعلام النبلاء: ۱۸/ ۳۴۲، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۵۷۹۔ ۴- المنتخب: ۴۵۳۔ ۵- المنتخب: ۴۰، سیر أعلام النبلاء: ۱۹/ ۱۵۸، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۵۱۔ ۶- المنتخب: ۳۵۸، سیر أعلام النبلاء: ۲۰/ ۹، تاریخ الاسلام: ۱۱/ ۵۹۱۔ ۷- المنتخب: ۳۵۸، سیر أعلام النبلاء: ۲۰/ ۹، تاریخ الاسلام: ۱۱/ ۵۹۱۔ ۸- المنتخب: ۲۲۴۔ ۹- المنتخب: ۶۲، سیر أعلام النبلاء: ۱۸/ ۵۲۰، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۲۰۹۔ ۱۰- ابن الاثیر نے "اللباب" ۲/ ۲۸ میں موصوف کا نام محمد نقل کیا ہے، یہ غالباً محمود کی تصنیف ہے۔ ۱۱- الانساب: ۶/ ۱۳۲-۱۳۳، اللباب: ۲/ ۲۸۔

ادیب وشاعر، فلکی، ریاضی دان ومصنف تھا، محمد بن ملکشاہ کی ملکہ گوہر خاتون کا مستوفی (بخشی) تھا اس لیے خاتونی کی نسبت سے مشہور تھا(۱) قزوینی نے موصوف کی نسبت وزیر کا لفظ بھی لکھا ہے۔ فارسی زبان میں "مناقب الشعراء" اور "تاریخ السلاجقۃ" اس کی یادگار ہیں۔ قزوینی کا بیان ہے "وسطِ جامع سادہ میں ایک کتب خانہ، کتب خانہ وزیر ابوطاہر خاتونی کے نام سے مشہور ہے، اس میں اس دور تک کی ہر کتاب (Current Literature) مہیا کی گئی ہے، اس میں نامور علماء وخطاط کی لکھی ہوئی نادر کتابیں اور نوشتے موجود ہیں، نیز فلکی آلات، اصطرلاب اور کرّے رکھے ہوئے ہیں(۲) یہ ایک ایسا کتب خانہ تھا جس سے بڑھ کر کتب خانہ دنیا میں نہیں تھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تاتاریوں نے اس کو جلا دیا ہے۔"(۳)

اس کتب خانہ میں اہلِ تشیع کی بھی ساری بنیادی کتابیں موجود تھیں۔(۴) یہ ایک ایسا کتب خانہ تھا جس میں رصدگاہ کا سامان بھی فراہم کیا گیا تھا، نیز معلوم ہوا کہ کتب خانہ میں عصبیت نہیں برتی جاتی تھی ہر مکتبۂ فکر کی کتابیں جمع کی گئی تھیں اور ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو اس سے استفادہ کی سہولتیں حاصل تھیں۔ بلادِ اسلامی میں اس کتب خانہ کو بہت شہرت حاصل تھی۔ ابوطاہر خاتونی نے مروشاہجہاں میں بھی ایک مدرسہ بنوایا اور اس میں کتب خانہ وقف کیا تھا، یہ بھی کتابوں کی ندرت وکثرت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ یاقوت نے اس کو دیکھا اور اس سے فائدہ اٹھایا تھا۔

مرو میں دس عوامی کتب خانوں میں کتابوں کا نہایت نایاب ذخیرہ محفوظ تھا اور اہلِ مرو ہر استفادہ کرنے والے کو ایسی سہولت بہم پہنچاتے تھے کہ وہ ان کتب خانوں کا ہو کر رہ جاتا تھا اور اس کا دل پھر مرو چھوڑنے کو نہیں چاہتا تھا۔

یاقوت کا بیان ہے "یہاں دس (۱۰) کتب خانے موجود تھے، میں نے کثرت اور نسخوں کی صحت و نفاست کے اعتبار سے ان سے اچھے کتب خانے دنیا میں کہیں نہیں دیکھے، میں تین برس یہاں رہا اگر تاتاریوں کے حملے اور ان کی لُوٹ مار کا خطرہ نہ ہوتا تو مرتے دم تک یہاں سے نہ جاتا۔"(۵)

استفادہ کی سہولت کا حال بھی اس کی زبانی سنئے وہ کہتا ہے: "میں ان کتب خانوں سے دوسو (۲۰۰)

۱-لباب الألباب: ۱۴-۱۵ (مقدمہ نفیسی)۔ ۲-آثار البلاد وأخبار العباد: ۳۸۷۔ ۳-ری باستان: ۱/ ۵۴۴۔
۴-معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔ ۵-معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔

مجلد کتابیں، جن کی قیمت دوسو (۲۰۰) دینار ہوتی تھی (جبکہ پانچ سو دینار میں کتب خانہ رہن رکھا جاتا تھا) مستعار اپنی قیام گاہ پر لے جاتا اور ان سے استفادہ کرتا، اقتباس لیتا رہتا تھا، ان کی محبت والفت نے تمام شہروں کو بھلا دیا تھا، میں تو اہل وعیال کو بھی بھول گیا تھا۔ میری یہ کتاب ''معجم البلدان'' اور بعض دوسری کتابوں کے بیشتر مضامین ان کتب خانوں کے رہینِ منت ہیں (۱)۔

یاقوت کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دوسری اقسام کے کتب خانوں کے علاوہ جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا، مرو میں دس پبلک لائبریریاں ایسی موجود تھیں جہاں عاریت کے قواعد وضوابط کی رعایت رکھتے ہوئے علمی شخصیتوں کو ایک ہی وقت میں دوسو (۲۰۰) دینار کی کتابیں جن کی تعداد سینکڑوں جلدوں تک پہنچتی تھی اور ان میں بھی زیادہ تر حوالے کی کتابیں ہوتی تھیں، عاریتاً دی جاتی تھیں اور کوئی شخصی ضمانت یا زرِ ضمانت بھی طلب نہیں کیا جاتا تھا۔

یورپ میں اٹھارہویں صدی سے قبل تک کتابوں کی تعداد زیادہ نہ تھی اور جو تھی اس ذخیرے سے کتابیں کسی کو ملتی نہ تھیں، اگر کسی کو اس سے کتابیں مطلوب ہوتی تھیں تو اسے زرِ ضمانت کے بعد بھی ہفت خوان طے کرنے پڑتے تھے، اس امر کا اندازہ بریفالٹ کے بیان سے لگایا جاسکتا ہے۔

وہ کہتا ہے: ''کتابوں کی انتہائی نایابی کی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ چرمی جھلی بہت کمیاب تھی، ہمیں معلوم ہے کہ قدیم مسودات کے متن بار بار مٹا دیئے جاتے تھے، تاکہ اولیائے مسیحی کی عبادتی کتابیں اور روایتیں لکھنے کے لیے کاغذ مہیا کیا جاسکے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج گیارہویں صدی سے زیادہ پرانا کوئی مسودہ مشکل ہی سے دستیاب ہوسکتا ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کتابیں بے انتہا مہنگی ہوتی تھیں۔ اینجو کی ایک کاؤنٹس (نواب بیگم) نے پند ونصائح کی ایک کتاب کے لیے دوسو (۲۰۰) بھیڑیں اور گندم رائی اور باجرے کے پانچ پانچ پیمانے بطور قیمت ادا کیے، یہاں تک کہ لوئی یازدھم کے عہد میں بھی یہ حال تھا کہ جب شہنشاہ نے الرازی کی جتنی تصانیف پیرس یونیورسٹی کے کتب خانے سے عاریتاً حاصل کیں بطور ضمانت نقرئی وطلائی مہروں کی خاصی تعداد بھی دینی پڑی اور اپنے ساتھ ایک امیر کے دستخط بھی ضمانت نامے پر کرنے پڑے تاکہ کتابوں کی واپسی بالکل متعین ہو جائے (۲)۔

۱۔ معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔ ۲۔ تشکیل انسانیت: ۳۲۳۔

۱۸۵۰ء تک یورپ میں کتاب عاریت دینے کا کوئی ضابطہ نہ تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کے کتب خانوں میں شخصی ضمانت وزر ضمانت کی پابندیاں آج تک عائد ہیں، حوالے کی کتابیں تو اس ترقی یافتہ دور میں کہیں کتب خانے سے باہر عاریتاً نہیں دی جاتی ہیں اور اتنی بڑی تعداد میں حوالہ کے علاوہ کتابیں بھی کتب خانے سے باہر استعمال کے لیے نہیں دی جاتی ہیں۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ان کتب خانوں میں خاص بات یہ تھی کہ ان میں کتابوں کے بنیادی، اصلی نسخے اور حوالے کی کتابیں جمع کی گئی تھیں(۱) کتب خانے کی جان حوالے کی کتابیں ہوتی ہیں ایسے ہی کتب خانے اہلِ علم محققین کی علمی تشنگی کو بجھاتے ہیں۔

۱۱-جامع مرو میں خزانۃ عزیزیہ:

عزیزالدین ابوبکر عتیق (عتیق ابن ابی بکر) زنجانی مروِ شاہجہاں کے بازاروں میں میوہ وعطر بیچتا تھا، پھر سلطان سنجر معزالدین ابوحارث احمد بن حسن سلجوقی المتوفی ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء کے زمرۂ مقربین میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے بارہ ہزار (۱۲،۰۰۰) مجلدات پر مشتمل ایک کتب خانہ جامع مرو میں وقف کیا تھا جو خزانۃ العزیزیہ اور وقف فقاعی کے نام سے موسوم(۲) ومشہور(۳) تھا۔ (۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء) میں تاتاریوں نے اس کو تباہ کیا تھا۔ یاقوت نے اس سے استفادہ کا ذکر معجم البلدان میں کیا ہے(۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں میوہ فروشوں کے جذبات وخیالات کتنے بلند تھے، ان کا کردار کتنا اونچا تھا انہیں کتابوں اور کتب خانوں سے کیسی محبت ہوتی تھی، مرو کی علمی دنیا میں شہرت وعظمت انہی کتب خانوں کی وجہ سے تھی۔

تعدادِ کتب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتب خانہ کے کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھے۔

۱۲-جامع زیدی بغداد میں کتب خانہ:

ابوالحسن علی بن احمد بن محمد زیدی علوی حسینی بغدادی (۵۲۹-۵۷۵ھ) زاہد و عارف اور

۱-معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔ ۲-معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔ ۳-انباہ الرواۃ: ۳/ ۱۳۹۔ ۴-معجم البلدان: ۵/ ۱۴۴۔

محقق (۱) ومحدث، حافظِ حدیث اور بزرگ تھے۔ عوام وخواص میں مقبول وہر دلعزیز، ان کا تمام تر وقت عبادت، تعلیم وتدریس میں صرف ہوتا تھا، انہوں نے کثرت سے حدیث کا سماع کیا تھا بہت حدیثیں لکھی تھیں، مسانید ومصنفات واجزاء بکثرت جمع کیے تھے (۲) ان کا اچھا کتب خانہ تھا۔

۵۶۶ھ میں جب خلیفہ مستضئی باللہ المتوفی ۵۷۵ھ نے عضدالدین ابوالفرح محمد بن عبداللہ المتوفی ۵۷۳ھ کو اپنا وزیر بنایا تو ابوالفرح نے منصب وزارت پر ممتاز ہونے کی خوشی میں ابوالحسن زیدی کو ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار پیش کیے جب خلیفہ نے سنا تو اس نے بھی ہزار دینار بھیجے پھر بنفشہ ام الخلیفہ نے بھی ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار بھیجوائے (۳) انہوں نے اس رقم سے درب دینار صغیر میں زمین خریدی، مسجد بنوائی، بقیہ رقم کی کتابیں خریدیں اور مسجد میں کتب خانہ وقف کیا (۴)۔ تاکہ اہلِ علم اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس وقف میں اپنے رفیق صبیح بن عبداللہ عطار کو شریک کار بنایا۔

اس کتب خانے میں محدث علیمی نے اپنا کتب خانہ وقف کیا یہ کتب خانہ بغداد میں زیدی کی وفات کے بعد پہنچا جسے ان کے رفیق نے مسجد زیدی کے کتب خانہ میں داخل کیا تھا (۵)۔

یاقوت رومی نے بھی مرنے سے قبل اپنا کتب خانہ مسجد زیدی میں وقف کیا تھا (۶)۔ مسجد زیدی، مدرسہ مستنصریہ کے پاس تھی اب جامع قبالی میں شامل ہے (۷)۔

۱۳- جامع زیدی میں علیمی کا کتب خانہ:

ابوالخطاب عمر بن عبداللہ بن محمد علیمی (۸) دمشقی المعروف بابن کش (۵۲۵-۵۷۴ھ) موصوف بڑے تاجر ومحدث تھے، اسلامی ممالک میں جہاں جاتے تجارت کرتے اور جس شہر میں پہنچتے وہاں کے محدثین سے حدیثیں لکھتے تھے (۹)۔ خط بڑا پاکیزہ تھا انہوں نے بہت کتابیں جمع کی تھیں ان کا کتب خانہ دمشق میں تھا

۱- الکوکب الدریۃ فی تراجم السادۃ الصوفیۃ: ۲/ ۹۴۔ ۲- تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۶۱۔

۳- تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۶۱، مراۃ الزمان، ق: ۱، ۸/ ۳۵۶، دلیل خارطۃ بغداد: ۱۷۴-۱۷۵، ۳۱۹، الکامل فی التاریخ: ۱۱/ ۴۲۶، معجم الأدباء: ۱/ ۱۵۳، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۵۴-۱۵۷۔ ۴- تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۶۱۔ ۵- دلیل خارطۃ بغداد: ۱۷۴-۱۷۵۔

۶- اسکا ذکر تفصیل سے یاقوت رومی کے کتب خانے میں کیا گیا ہے۔ ۷- تکملۃ اکمال الاکمال: ۱۷۹-۱۸۰۔

۸- الأنساب: ۴/ ۲۹۷۔ ۹- العبر: ۴/ ۲۲۰، شذرات الذھب: ۴/ ۲۴۸، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۵۶۔

جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنی کتابیں وقف کر دیں اور وصیت کی کہ یہ کتابیں بغداد میں مسجد زیدی میں پہنچائی جائیں، چنانچہ وہ کتابیں مسجد زیدی میں پہنچائی گئی تھیں۔ موصوف کے بھائی ابو الفضل علیمی کا بیان ہے کہ "علیمی جب ۵۵۹ھ میں بغداد میں آئے تھے تو شریف زیدی کے یہاں ان کا اٹھنا بیٹھنا زیادہ رہا تھا، اس زمانہ میں موصوف نے شریف زیدی اور صبیح سے اپنی کتابیں ان کے کتب خانہ میں وقف کرنے کا وعدہ کیا تھا"(۱) ان کی وصیت کے مطابق وفات کے بعد ان کے بھائی نے وہ کتابیں صبیح کو پہنچائی تھیں۔

۱۴- مسجد ابی عبداللہ:

یہ مسجد امام قاری محمد بن اسماعیل بن احمد المعروف بہ معرّف سدید نیشاپوری المتوفی ۴۸۶ھ کی طرف منسوب ہے، موصوف اس مسجد میں حلقہ لگا کر لوگوں کو پڑھاتے تھے، شہر کے لوگوں کی ایک جماعت اس مجلس میں حاضر ہوتی تھی۔ (۲)

۱۵- مسجد ابی عبدالرحمٰن سلمی:

اس مسجد میں قراءات کے عالم شیخ ابوسعد احمد بن ابراہیم بن موسیٰ شامانی نیشاپوری المتوفی ۴۵۴ھ نے کئی سال تک مجلسِ املاء منعقد کی ہے۔ (۳)

۱۶- مسجد المربعۃ الکبیرۃ:

اس مسجد میں امام ومفسر ابونصر منصور بن حسین بن محمد نیشاپوری المتوفی ۴۲۲ھ یا ۴۲۴ھ کی مجلس املاء منعقد ہوتی تھی۔ ہر ہفتہ کو عصر میں اس حلقہ کا انعقاد ہوتا رہا، یہاں تک کہ موصوف خود حاضری سے عاجز آ گئے۔ (۴)

۱۷- مسجد خبازی:

یہ مسجد شیخ القرء امام محمد بن علی بن محمد بن حسین خبازی نیشاپوری المتوفی ۴۴۹ھ کی طرف منسوب ہے۔ موصوف اس مسجد میں کئی سال قرأت قرآن کا درس دیتے رہے ہیں اور ان کی مجلس میں امام الحرمین جوینی جیسے

۱- تکملۃ اکمال الاکمال: ۱۷۸-۱۷۹ (حواشی) ۲- المنتخب: ۹۷، تاریخ الاسلام: ۱۰/۵۶۷۔
۳- المنتخب ۱۱۷، تاریخ الاسلام: ۱۰/۴۴۔ ۴- المنتخب: ۶۶۹، سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۴۴۱۔

بڑے لوگ اور اماموں کی اولاد حاضر ہوا کرتی تھی۔(۱)

۱۸-مسجد نوقانی:

یہ مسجد محلہ رمجاز میں واقع تھی اور امام وفقیہ ابوالقاسم اسماعیل بن زاھر بن محمد نوقانی ثم نیشاپوری المتوفی ۷۹ ۴ھ جو فقہاء شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں، ان کی مجلس املاء منعقد ہوتی تھی۔(۲)

۱۹-جامع قمریہ بغداد میں کتب خانہ:

خزانۃ الکتب جامع قمریہ بغداد، جامع قمریہ دجلہ کے کنارے رباط بسطامی کے سامنے واقع ہے۔ ابن الفوطی کا بیان ہے ''۶۲۶ھ میں اس میں حدیث وقرآن کی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا گیا(۳) پھر اس مدرسہ میں ایک خزانۃ الکتب بنایا گیا اس میں بہت سی کتابیں منتقل کی گئی تھیں، یہ مسجد آج بھی بغداد میں موجود ہے(۴)۔

۲۰-جامع زیدی میں یاقوت کا کتب خانہ:

ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی رومی (۵۷۴-۶۲۶ھ/۱۱۷۸-۱۲۲۹ء) یہ آزاد کردہ غلام تھا۔ مؤرخ، نامور جغرافیہ داں، ادیب وشاعر اور بہت سی کتابوں کا مصنف تھا(۵) کتابوں کا تاجر اور ان کا دلدادہ تھا۔ بہت کتابیں جمع کی تھیں۔ حلب میں جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی تمام کتابیں ابن الاثیر کے حوالہ کیں اور وصیت کی کہ یہ کتابیں بغداد میں مسجدِ زیدی کے کتب خانہ میں درب دینار صغیر (جامعہ قبالی) میں پہنچادیں(۶)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع زیدی کا کتب خانہ اپنی خدمات کی وجہ سے عوام وخواص میں زیادہ مقبول تھا اس لیے یاقوت نے اپنا کتب خانہ اس میں وقف کیا تھا۔

۞ ۞۞

۱-تبیین کذب المفتری: ۲۸۰، المنتخب: ۴۰، سیر اعلام النبلاء: ۱۸/ ۴۳۔ ۲-المنتخب: ۱۸۷، سیر اعلام النبلاء: ۱۸/ ۴۴۶، تاریخ الاسلام: ۱۰/ ۴۳۹۔ ۳-الحوادث الجامعۃ: ۴، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۶۲۔ ۴-تکملۃ لاکمال الاکمال: ۱۴ (حاشیہ) ۵-مرأۃ الجنان: ۴/ ۶۳، العبر: ۵/ ۱۰۷، کنوز الأجداد: ۳۲۰، ۳۲۱۔ ۶-مرأۃ الجنان: ۴/ ۶۳، وفیات الأعیان: ۲/ ۲۱۴، شذرات الذھب: ۵/ ۱۲۲، أعلام النبلاء بتاریخ حلب الشھباء: ۴/ ۱۷۳-۲۷۳، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۵۶۔

(ج) خانقاہوں کے کتب خانے

خانقاہ اور رباط کے معنی میں اوائلِ عہدِ عباسی میں فرق رہا ہے، گو بعد میں رباط بھی خانقاہ کے معنی میں استعمال ہوا پھر وہ فرق بھی اٹھ گیا لیکن عہدِ عباسی کے نامور مورخین، علامہ سمعانی اور ابن الاثیر نے خانقاہ و رباط کی نسبت میں اس فرق کو نظر انداز نہیں کیا ہر ایک کی نسبت کو جدا جدا ذکر کیا ہے، ہم نے بھی عہدِ عباسی کے اس امتیاز و تنوع کو ختم نہیں کیا، اس لیے خانقاہوں اور رباطوں کے کتب خانوں کو جدا جدا سرخی کے تحت ذکر کیا ہے۔

خانقاہوں میں کتب خانوں کا رواج اسلام سے قبل بھی تھا۔ راہبوں اور پادریوں کی (Monastries) میں کتب خانے پائے جاتے تھے لیکن ان کے علمی ذخائر میں تنوع نہ تھا، زیادہ تر ذخیرہ مذہبی کتابوں پر مشتمل تھا، اسلام سے پہلے کا ذکر ہی کیا سترہویں صدی عیسوی سے قبل تک دو سو چار سو سے زیادہ کتابیں نہ تھیں (۱) صلیبی جنگوں کے بعد عیسائیوں کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا تو ان کے معبدوں کے کتب خانوں کے ذخیروں کی تعداد بمشکل ہزار تک پہنچ سکی تھی، انہی ذخیروں سے یورپ کی جامعات کے کتب خانوں کی بنیاد پڑی تھی (۲) علماء اور مواد کتابت دونوں کی کمی کی وجہ سے کتابوں اور کتب خانوں کی تعداد محدود تھی، جو ذخیرہ تھا وہ بھی بوقتِ ضرورت مخصوص مذہبی علماء کے لیے تھا اس ذخیرے تک عوام ہی کی نہیں خواص کی بھی رسائی نہ تھی صرف راہب ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، پھر (Monastries) کے کتب خانے عوامی کتب خانے نہیں تھے۔

خانقاہوں کے کتب خانے صوفیہ کے وقف کی وجہ سے یکسر عوامی کتب خانے تھے، ان کے ذخیروں میں تنوع تھا۔ یہ کتب خانے مذہبی کتابوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے ان میں مذہب کے علاوہ فلسفہ، ادب، ریاضی، ہیئت و نجوم، طب و تاریخ وغیرہ ہر علم و فن کی کتابیں رکھی جاتی تھیں۔ یہاں کتابوں کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ انہیں علیحدہ کمروں میں رکھا جاتا تھا، اہلِ علم کے مطالعہ کرنے اور گھروں پر لے جانے کی سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں، خازن و عملہ رکھا جاتا تھا، ان میں ایسے عظیم الشان کتب خانے وقف کیے جاتے تھے کہ ان کی دُور دُور شہرت ہوتی تھی ان سے بیک وقت اہلِ علم کو حوالے کی دو دو سو مجلدات مکان پر لے جانے کے لیے مل جاتی تھیں۔

۱- Die Renaissaance des islams، الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الهجری: ۱/ ۲۴۴۔

۲- The Encyclopaedia Britannica,11,thed,vol.xv,549

۱- مرو شاہجہاں میں خانقاہ ضمیریہ کا خزانۃ الکتب:

خانقاہ ضمیریہ کا خزانۃ الکتب انہی کتب خانوں میں سے تھا جس سے استفادہ کا تذکرہ یاقوت نے بھی کیا ہے(۱)۔ عہدِ عباسی میں خانقاہوں میں رشد و ہدایت، وعظ و تذکیر کے علاوہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا(۲) اس لیے ان سے متصل مدرسہ بنایا جاتا اور ان میں کتابیں وقف کی جاتی تھیں۔ مؤرخین ان کتب خانوں میں صحیح و نادر کتاب دیکھتے تو ان خانقاہوں کے کتب خانوں کا نام بھی تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں آجاتا تھا ورنہ ان کا ذکر ہی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

۲- جامع دمشق میں خانقاہ سمیساطیہ میں خزانۃ الکتب:

ابوالقاسم علی بن محمد بن یحییٰ سلمی سمیساطی دمشقی المتوفی (۴۵۳ھ/۱۰۶۱ء) نے جامع دمشق سے متصل ایک خانقاہ بنوائی، اسے صوفیہ و اہلِ قرآن پر وقف کیا(۳) اس میں بھی خزانۃ الکتب تھا۔ تاج الدین ابوسعید محمد بن عبدالرحمن بن محمد مسعودی خراسانی مرو روزی پنجدہی شافعی (۵۲۲-۵۸۴ھ/ ۱۱۲۸-۱۱۸۸ء) نامور ادیب، شاعر، لغوی، محدث، فقیہ، صوفی، مصنف، الملک الافضل نورالدین علی ایوبی المتوفی (۶۲۲ھ/ ۱۲۲۵ء) کے اتالیق اور کتابوں کے عاشق تھے جہاں سے کتابیں ملتی تھیں چھوڑتے نہ تھے۔ ۵۷۸ھ/ ۱۱۵۳ء میں جب صلاح الدین ایوبی نے حلب کو فتح کیا حلب کے کتب خانوں سے ان کو کتابوں کے انتخاب کی اجازت دی۔ یہ جامع حلب میں گئے خزانۂ جامع حلب سے کتابیں انتخاب کیں اور اونٹ پر لے گئے تھے۔ موصوف نے اپنا ذخیرہ خانقاہ سمیساطی دمشق میں وقف کیا تھا(۴)۔

اس کے علاوہ اور بھی چند کتب خانوں کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے وہ ہدیہ قارئین ہیں۔

۳- کتب خانہ مدرسہ خانقاہ صدوتی۔

۴- کتب خانہ مدرسہ خانقاہ طرطوسی۔

۱- معجم البلدان: ۴/ ۱۱۴۔ ۲- منتخب السیاق، ورق: ۵۵، ب، الأنساب، ورق: ۳۰۳ ب۔

۳- مرآۃ الزمان: ۸/ ۱۷۱۔ ۴- معجم البلدان: ۱/ ۴۹۸، مرآۃ الزمان: ۱۲/ ۴، شذرات الذهب: ۳/ ۲۹۱ معجم الأدباء: ۷/ ۲۰، وفیات الأعیان: ۱/ ۵۲۰، المختصر المحتاج: ۱/ ۶۷، تکملۃ اکمال الاکمال: ۹۷-۹۸ (حاشیہ)، تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۵۲، الوافی بالوفیات: ۱/ ۱۵۸، لسان المیزان: ۵/ ۲۵۶، شذرات الذهب: ۲۸۰، ۱۷۱۔

۵- کتب خانہ مدرسہ خانقاہ ابوالفضل المعید نیشاپوری۔(۱)

۶- کتب خانہ خانقاہ غزالی کو شہرت حاصل تھی (۲) خانقاہ غزالی کے کتب خانہ میں فخر الدین رازی نے کتاب المستصفیٰ للغزالی کا مطالعہ کیا تھا (۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خانقاہوں کے کتب خانوں میں ائمۂ فن بھی آتے اور کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور انہیں ان کتب خانوں سے استغناء نہیں تھا۔

(د) سرایوں کے کتب خانے

رباطات کے کتب خانوں پر بحث سے قبل اس کے لغوی معنی پر روشنی ڈالنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ربط کے معنی باندھنا ہیں، رباط کے معنی وہ مقام جہاں مجاہد ٹھہرتے، دشمن سے حفاظت کے لیے گھوڑے باندھتے (۴)، اسلحہ رکھتے، غنیم کا قلع قمع کرنے کے لیے فوجی دستے روانہ کرتے تھے (۵) اس کی جمع ربط، رباطات اور اربطہ آتی ہے۔ حکمرانوں نے اس مقصد سے سرحدوں پر کثرت سے رباط بنوائی تھیں۔ اسماعیل بن احمد سامانی المتوفی ۲۹۵ھ/۹۰۷ء نے خراسان کے صحرا میں ایسی وسیع رباطات جن میں ایک ہزار شہسواروں کے قیام کی گنجائش تھی تعمیر کرائی تھیں، ان کے مصارف کے لیے وقف کیے تھے (۶)، جو ان اوقاف کی نگرانی کرتا اس کو رباطی کہا جاتا تھا (۷)۔ جب غزوات کا سلسلہ کم ہوگیا تو مشرق میں اس کے یہ لغوی و اصطلاحی معنی بھی بدل گئے، رباط صوفیہ کی قیام گاہ و ریاضت گاہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا، خانقاہ و خامگاہ کا لفظ بھی رباط پر بولا جانے لگا تھا، ان کی جمع خوانق و خانقاہات خوانک، و خامکاہات بھی مستعمل تھی (۸)۔ خانقاہی کی نسبت سے اہلِ علم کو شہرت حاصل تھی (۹) عراق و حجاز میں رباط کا اور شام میں خانقاہ کا لفظ رواج پا گیا تھا نیز شہروں میں رباط کا دیہات میں ان پر زاویہ (۱۰) کا اور سرائے کے لیے خان کا لفظ بولا جاتا تھا۔

۱- کتابخانہ ھائے آستان خراسان: ۳۴۔ ۲- ایضاً۔ ۳- مناظرات فخر الدین الرازی فی بلاد ماوراء النھر: ۴۵۔

۴- الانساب: ۳/ ۲۴۷، اللباب: ۲/ ۱۴، المفردات: ۱۸۵ لسان العرب: ۹/ ۱۷۳ (مادہ ربط)، الافصاح فی فقہ اللغۃ: ۱/ ۶۲۵، المواعظ والاعتبار: ۴/ ۲۴۷۔ ۵- دولۃ الاتابکیہ فی الموصل بعد عماد الدین زنگی: ۲۷۷۔ ۶- النجوم الزاھرۃ: ۳/ ۱۶۳، المسالک والممالک: ۲۹۰، ۳۱۴، Die Renaissance des islam، الحضارۃ الاسلامیۃ: ۲/ ۶۵۔ ۷- الانساب: ۳/ ۲۴۷۔

۸- الربط البغدادیۃ واثرھا فی الثقافۃ الاسلامیۃ: ۱۱/ ۲۲۱، شمارہ: ۲۔ ۹- الانساب: ۵/ ۲۷، تاج العروس: ۵/ ۱۳۱، شفاء الغلیل: ۱۱۳۔

۱۰- الانوار القدسیۃ: ۱۲۲، مراصد الاطلاع: ۲/ ۲۵۶۔

عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے رباط سے غازیوں کی قیام گاہ، تحفظ سرحدات، ارسال مجاہدین ہی کا کام نہیں لیا بلکہ ان سے مجاہدۂ نفس کا، جہالت کے قلع قمع کرنے کا، ذخائرِ علم کے تحفظ وابلاغ علم کا بھی کام لیا، تاریخ و تذکرے اس امر کے شاہد ہیں کہ عہدِ عباسی میں خانقاہیں تعلیمی وتدریسی مقاصد کے لیے بھی بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ محلۃ الرازیین نیشاپور میں ابوحاتم بستی المتوفی ۳۵۴ھ/ ۹۶۵ء سے حدیث پڑھنے اوران کی تصانیف کی اجازت لینے کے لیے خانقاہ بنائی گئی تھی۔(۱)

بعض فرقے اپنے عقائد کی تبلیغ وعلمی مجالس کے انعقاد کی غرض سے بھی رباط اور خانقاہیں بکثرت بناتے تھے، چنانچہ کرامیہ محمد بن کرام المتوفی (۲۵۵ھ/۸۶۹ء) کے پیرو بہت زیادہ رباطات وخانقاہیں بناتے تھے۔

مقدسی کا بیان ہے کہ ''ایران وماوراء النہر کے علاقہ میں ان کی خانقاہیں ہیں، فسطاط میں ان کا محلہ آباد ہے یہ اپنی خانقاہوں میں مجلسیں منعقد کرتے اور کتابیں پڑھتے تھے جس طرح حنفیہ کا معمول ہے(۲) درسگاہوں اور تعلیم گاہوں میں علمی ضروریات کی تکمیل کے لیے عہدِ عباسی میں کتب خانے بنانے کا عام دستور تھا، اس لیے خانقاہوں میں کتب خانے بنائے جاتے تھے۔

۱-رباطِ اخلاقیہ بغداد کا کتب خانہ:

رباطِ اخلاقیہ، جوسیدہ سلجوقی المتوفاۃ ۵۸۵ھ/۱۱۸۹ء کے مزار سے متصل تھی، اس کا خزانۃ الکتب بہت ہی نادر کتابوں پر مشتمل تھا، علی بن فضال قیروانی المتوفی ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء کی کتاب ''الدول فی التاریخ'' کا نسخہ اس کتب خانہ میں محفوظ تھا، یاقوت رومی کا بیان ہے:

''میں نے اس کتاب کی تیس (۳۰) جلدیں وقف سلجوقی بغداد میں دیکھی تھیں(۳)۔

اس کتب خانہ کی زیارت سے یاقوت ومؤرخ حلب کمال الدین عمرو بن العدیم المتوفی ۶۶۰ھ/۱۲۶۱ء بھی مستغنی نہیں رہ سکے تھے۔ فخر الدین ابوالربیع سلیمان بن احمد سلمی دمشقی اس رباط کے خزانۃ الکتب کا خازن تھا(۴)۔

۱-الأنساب:۲/ ۳۳۵،البستی، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۲۱، میزان الاعتدال: ۳/ ۵۰۷، الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الہجری: ۱/ ۲۴۹۔

۲-احسن التقاسیم: ۳۲۴، ۱۷۹، ۲۰۲، ۲۳۸، ۱۸۲، الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الہجری: ۲/ ۱۸۔

۳-معجم الأدباء: ۵/ ۲۹۰، الربط البغدادیۃ: ۲۲۶۔ ۴-معجم الأدباء: ۵/ ۲۹۰، الربط البغدادیۃ: ۲۲۷۔

ان رباط اور خانقاہوں میں شعر وسخن کی مجلس گرم ہوتی، حدیث کی روایت کی اجازت دی جاتی، کتابوں کا سماع کیا جاتا، وعظ ونصیحت کی محفلیں جمتی تھیں، درس وتدریس کا سلسلہ رہتا تھا، تصنیف وتالیف کی جاتی تھیں۔ چنانچہ ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی المتوفی ۵۸۴ھ رباط بدیع زنجانی بغداد میں کتابیں لکھتے تھے، ''عوارف المعارف'' خانقاہ میں لکھی گئی تھیں(۱)۔ یہی صورت کم وبیش مغرب میں رہی اسکندریہ کے ساحل سے بحر محیط، اطلسی تک یہ سلسلہ پھیلا ہوا تھا، مالکی فقہاء نے انہی رباطوں میں بیٹھ کر علم وکتب کی نشر واشاعت کی اور کتب خانے آباد رکھے(۲)۔

یہ ثقافتی پہلو مسلم معاشرہ میں رباطات کی اہمیت کی دلیل ہیں۔ رباطات میں مذکورۂ بالا تعلیمی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں، اس لیے رباطات سے متصل مدرسہ بھی بنایا جاتا تھا(۳) اہلِ علم، اہلِ ثروت خواتین ومرد رباطات بنانے، ان میں مدرسہ وکتب خانہ قائم کرنے، ان میں کتابیں وقف کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ عہدِ عباسی میں بعض خواتین اور مردوں کو رباطات، مساجد، مدرسوں اور خانقاہوں کے بنانے ان میں کتب خانے قائم کرنے میں غیر معمولی شہرت حاصل رہی ہے۔ جن میں خلیفہ ناصر لدین اللہ عباسی کی ماں زمرد خاتون مرحومہ ۵۹۹ھ/ ۱۲۰۲ء(۴) بنفشاہ بنت عبداللہ مرحومہ ۵۹۸ھ/ ۱۲۰۱ء(۵) سلطان ابوالفتح محمد بن سام المتوفی ۵۹۹ھ(۶) شاہِ موصل مجاہد الدین قایماز بن عبداللہ رومی المتوفی ۵۹۵ھ/ ۱۱۹۹ء(۷) نظام الملک طوسی(۸) اور عبدالرزاق منیعی المتوفی ۴۶۳ھ(۹) کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔

رباط وقف کرنے والوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اس میں کتب خانہ بھی وقف کرتے تھے جہاں کتابیں مطالعہ، نقل، مراجعت وحوالے وغیرہ کے لیے رکھی جاتی تھیں، ان کتابوں کے انتظام وانصرام، ترتیب وتنظیم اور استفادہ کرنے والوں کی مدد وسہولت کے لیے عملہ رکھا جاتا تھا جو ان خدمات کو بہمہ وجوہ انجام دیتا تھا(۱۰) ان

۱- معجم الأدباء: ۵/ ۲۹۰، الربط البغدادیۃ: ۲۲۷۔ ۲- قیام دولۃ المرابطین: ۱۳۱-۱۳۲، ۱۳۵۔

۳- مختصر سنن ابی داؤد: ۲/ ۳۹۶-۳۹۷، الربط البغدادیۃ: ۳۰۲-۳۰۳۔ ۴- مرآۃ الزمان: ۸/ ۵۱۰، قسم: ۲۔

۵- البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۳۴، المنتظم: ۱۰/ ۱۲۴، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۸، تکملۃ اکمال الاکمال: ۱۶۔

۶- مختصر سنن ابی داؤد: ۲/ ۳۴۴، الکامل فی التاریخ: ۱۲/ ۱۸۱۔ ۷- الکامل فی التاریخ: ۵/ ۱۵۴، البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۲۱۔

۸- الانساب: ۵۴۴۔ ۹- طبقات الشافعیۃ: ۴/ ۱۹۹۔ ۱۰- الربط البغدادیۃ: ۲۲۴۔

کتب خانوں سے اہلِ علم استفادہ کرتے تھے، چنانچہ زمرد خاتون نے ایک رباط محلہ مامونیہ بغداد میں بنائی تھی اس کے کتب خانہ میں بیٹھ کر ابن الجوزی، ابوالوفاء علی بن عقیل بغدادی التوفی ۵۱۳ھ کی "کتاب الفنون" کا جو سات سو (۷۰۰) مجلدات میں محفوظ تھی مطالعہ کرتے تھے، اس کی صرف دس جلدوں کا اختصار علامہ ابن الجوزی کی تصانیف کا اصل سرمایہ ہے(۱)۔

طبقۂ صوفیہ میں علماء، ادباء، شعراء، حکماء، محدثین، فلاسفہ، متکلمین، فقہاء، سب ہی گزرے ہیں اور ہر نوع کا ادب ان میں پروان چڑھا اور ترقی کرتا رہا، ان کا اثر اسلامی ادب وثقافت پر نہایت گہرا پڑا ہے، اس لیے عہدِ عباسی میں رباط وخانقاہوں کے ذخائرِ کتب میں تنوع پایا جاتا تھا۔

اسلامی قلمرو میں رباطوں اور خانقاہوں کی کثرت رہی پھر بھی بعض اقلیموں جیسے خراسان وماوراء النہر اور شہر جیسے اِستیجاب کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ اِستیجاب میں ایک ہزار سات (۱۰۰۷) رباط تھیں(۲) طرابلس رباطات کی کثرت میں شہرت رکھتا تھا(۳)۔

اہلِ بلخ کو بلند ومضبوط مسجدوں، مدرسوں، رباطوں اور خانقاہوں کے بنانے میں شہرت حاصل تھی(۴) مصطفی جواد نے الربط البغدادیۃ میں بغداد کی پچیس (۲۵) رباط کا ذکر کیا ہے(۵)۔ اس سے عہدِ عباسی میں رباطات اوران میں کتب خانوں کی کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، نمونہ کے طور پر چند مشہور رباطوں کے کتب خانوں اوران میں کتب خانہ وقف کرنے والوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن سے مذکورۂ بالا امور کی بآسانی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

۲-رباطِ رملہ بغداد کا کتب خانہ:

رباطِ رملہ: خاتون سلجوقی بنت قلج ارسلان بن مسعود مرحومہ ۵۸۴ھ/ ۱۱۸۸ء خلیفہ ناصر لدین اللہ عباسی کی ملکہ تھی، خلیفہ نے اس کے مزار کے پاس رباط بنوائی جو رباطِ رملہ کے نام سے مشہور ہے(۶) اس میں ایک کتب خانہ وقفِ عام کیا، اس کتب خانے کے لیے شاہی کتب خانے سے کتابوں کا انتخاب ابوالرشید مبشر بن احمد التوفی

۱-مرآۃ الزمان، قسم اول: ۸/ ۸۴۔ ۲-احسن التقاسیم: ۲/ ۲۷۲۔ ۳-معجم البلدان: ۴/ ۲۵۔
۴-فضائل بلخ: ۵۱۔ ۵-الربط البغدادیۃ: ۱۱۸، ۲۰۶۔ ۶-الکامل فی التاریخ: ۱۲/ ۲۶۔

۵۸۹ھ/ ۱۱۹۳ء نے کیا تھا۔ یاقوت رومی نے کتاب ''الدول فی التاریخ'' تالیف علی بن فضال قیروانی المتوفی ۵۷۹ھ/ ۱۱۹۳ء کا نسخہ تیس (۳۰) مجلدات میں اس کتب خانے میں دیکھا تھا(۱)۔

نجم الدولہ نجاح شرابی المتوفی ۶۱۵ھ/ ۱۲۱۹ء نے پانچ سو مجلدات اس میں وقف کی تھیں ان پر شرابی کا نام درج تھا(۲)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رباطوں اور خانقاہوں کے کتب خانے میں وقف کی ہوئی کتابوں پر واقف کا نام بھی لکھا جاتا اور وقف کے ذخیرے کو کتب خانے کی بقیہ کتابوں سے ممتاز کر کے رکھا جاتا تھا۔ اس کتاب خانے کے آثار ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال قبل تک موجود تھے مگر اب معدوم ہو چکے ہیں (۳)۔

۴-رباط مامونیہ بغداد کا کتب خانہ:

ابو محمد عبداللہ بن احمد الخشاب بغدادی المعروف بابن الخشاب (۴۹۲-۵۶۷ھ/۱۰۹۹-۱۱۷۲ء) نحو میں حرف آخر تھے، محدث، فقیہ، ادیب اور لغوی تھے۔ منطق، فلسفہ، حساب، ہندسہ، نسب، فرائض وتفسیر میں درک حاصل تھا اچھے شاعر، خطاط، ومصنف تھے (۴)۔ بغداد کے شہزادوں کے اتالیق تھے (۵) کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، بہت عمدہ اور نفیس کتابیں جمع کی تھیں کسی سے کتاب مستعار لے کر واپس دینا جانتے نہیں تھے اگر مطالبہ زیادہ کرتا تو فرماتے کتاب تو میری کتابوں میں گم ہو گئی۔ بے حد بخیل تھے، شادی تک نہیں کی تھی (۶) روپیہ پیسہ کتابوں کی خریداری میں خرچ ہوتا تھا، نہایت عمدہ سستی اور میلی کچیلی کتاب خریدتے تھے۔ قیمتی کتاب خریدتے وقت نگاہ بچا کر اس کا ورق پھاڑ دیتے اور بیچنے والے سے کہتے کتاب ناقص ہے قیمت کم کرو اور یوں قیمتی سے قیمتی کتاب کوڑیوں کے مول لیتے تھے، اگر کوئی عالم ومحدث مرتا، یہ اس کی تمام کتابیں خرید لیتے تھے اس طرح ان کے پاس ائمہ فن کی کتابیں جمع ہو گئی تھیں (۷) کتاب کو کسی طرح چھوڑتے نہ تھے، ایک مرتبہ انہوں

۱-معجم الأدباء: ۵/ ۲۹۰۔ ۲-مراۃ الزمان: ۸/ ۶۰۰۔ ۳-خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۵۹۔

۴-وفیات الأعیان: ۱/ ۲۱۷، معجم الأدباء: ۴/ ۲۸۶، انباہ الرواۃ: ۳/ ۹۹، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۹۶-۱۹۷، مراۃ الجنان وعبرۃ الیقظان: ۳/ ۳۸۱، کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۳۱۷، بغیۃ الوعاۃ: ۲/ ۲۹، شذرات الذھب: ۴/ ۲۲۱، الفلاکۃ والمفلوکون: ۱۰۴، ۱۰۵۔

۵-مراۃ الزمان: ۸/ ۲۸۸، ق: ۱۔ ۶-معجم الأدباء: ۴/ ۲۸۶، بغیۃ الوعاۃ: ۲/ ۳۰۔

۷-کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۳۱۹، دائرۃ المعارف قاموس عام: ۲/ ۴۶۲۔

نے چند کتابیں پانچ سو (۵۰۰) دینار میں خریدیں جیب میں دمڑی نہ تھی، بیچنے والے سے تین دن کی مہلت لی اور کتابیں لے کر چل دیے جلدی سے مکان پر آئے اور مکان کو بیچنے کے لیے آواز لگائی لیکن فوراً ہی کہیں سے پانچ سو (۵۰۰) دینار اُدھار مل گئے کتابوں کی قیمت ادا کی اور مکان رہ گیا(۱)۔

ان کا ایک پرانا آبائی مکان تھا اس کے بیچ والے کمرے میں چٹائیاں بچھی رہتی تھیں، اس میں لکڑی کے تختوں پر کتابیں جمی ہوئی بوریوں سے ڈھکی رہتی تھیں۔ یہیں ایک طرف ابن الخشاب بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ مرنے سے پہلے موصوف نے اپنا پورا کتب خانہ اہلِ علم پر رباطِ مامونیہ میں وقف کیا تھا، لیکن وہ کتابیں خورد برد ہو گئیں اور رباطِ مامونیہ میں ان میں سے صرف دس فیصد کتابیں رہ گئیں تھیں۔

ابن الجوزی نے ان کتابوں کا ثبت (کیٹلاگ) دیکھا تھا، ان کا اندازہ ہے کہ یہ کئی بار شتر کتابیں تھیں (۲) ابن الخشاب کو لوگ بخیل سمجھتے تھے لیکن کتابوں کے معاملہ میں وہ بڑا سخی واقع ہوا تھا، واقعہ یہ تھا کہ ابن الخشاب کا غذی پیرہن میں ایسا محو رہا کہ نقشِ فریادی کو آمد کا موقع نہیں دیا اور وہ شوخی تحریر کا مظاہرہ نہ کر سکا۔

۴- موصل میں رباط ابن الاثیر کا کتب خانہ:

مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد جزری شافعی المعروف بابن الاثیر (۵۴۴-۶۰۶ھ / ۱۱۵۰-۱۲۱۰ء) بلند پایہ محدث، مفسر، فقیہ، اصولی، لغوی، ادیب و مصنف تھا (۳) موصل میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، موصل کے عالم (حاکم) مجاہد الدین قایماز التوفی ۵۹۵ھ ان کا عقیدت مند تھا، یہ اس کے دربار میں بلند منصب پر ممتاز تھے (۴) شاہ موصل نور الدین ارسلان نے ان کو وزارت کی پیش کش کی تھی مگر موصوف نے یہ کہہ کر مسترد کی کہ میں اپنی علمی شہرت کو وزارت سے متصف نہیں کرنا چاہتا (۵)، انہیں کتابوں کا شوق تھا ہر علم و فن کی عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں، درب دراج موصل میں جہاں موصوف کا قیام تھا، وہ مکان علماء، امراء اور صوفیہ سے بھرا رہتا تھا، اسے وقف کیا۔ موصل کے ایک گاؤں میں طلبہ وصوفیہ کے لیے ایک رباط تعمیر کرائی (۶) اس کے

۱- کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۳۱۹، دائرۃ المعارف قاموس عام: ۲/ ۴۶۲۔ ۲- صید الخاطر: ۱۴۴، خزائن الکتب القدیمہ: ۲۵۲، ۲۵۳۔ ۳- البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۵۴، معجم الأدباء: ۶/ ۲۳۸، الکامل فی التاریخ: ۱۲/ ۲۸۸۔ ۴- معجم الأدباء: ۶/ ۲۳۹۔ ۵- ایضاً۔ ۶- معجم الأدباء: ۸/ ۲۳۸، ذیل علی الروضتین: ۶۸، وفیات الأعیان: ۱/ ۴۴۱، طبقات الشافعیۃ ۱/ ۱۳۲، مختصر سنن أبی داؤد: ۳/ ۳۱۰۔

مصارف کے لیے اپنی ساری جائیداد وقف کی اس میں اپنا کتب خانہ بھی دیا تھا، چھٹی کے زمانے میں تصنیفی کاموں کے لیے معاون رکھے ہوئے تھے ان سے مدد لیتے رہتے تھے (۱)۔

۵-رباط ربیع مکہ کا کتب خانہ:

الملک الافضل نور الدین علی بن یوسف بن ایوب (۵۱۱-۶۲۲ھ/۱۱۷۱-۱۲۲۵ء) نے محلہ اجیاد میں ایک رباط غرباء پر وقف کی تھی، یہ رباط ربیع سے موسوم تھی، اس میں موصوف نے کتابیں وقف کی تھیں جن میں المجمل فی اللغۃ ابنِ فارس اور کتاب الاستیعاب ابن عبد البر تھیں۔ (۲)

۶-رباط شرابی کا کتب خانہ:

امیر شرف الدین اقبال شرابی المتوفی ۶۵۳ھ نے ۶۴۰ھ میں ایک کتب خانہ بھی اس میں وقف کیا تھا (۳)۔

۞ ۞۞

۱-مختصر سنن ابی داؤد: ۱/ ۱۳۱۔

۲-العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین: ۶/ ۲۲۷۔

۳-شفاء الغرام باخبار البلد الحرام: ۱/ ۳۳۱۔

(ہ) مزارات کے کتب خانے

عربی زبان میں مزار کے لیے مشہد کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع مشاہد ہے، یہ شہد سے ماخوذ ہے۔ شین، ہا، دال کے مادہ میں حاضر ہونے، دیکھنے اور جاننے کے معنی پائے جاتے ہیں (۱) مشہد حاضر ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں (۲)۔ مشاہد سے وہ مقامات مراد ہیں جنکی لوگ زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ (۳) زیارت عموماً مزاروں کی کی جاتی ہے انہیں پر لوگ حاضر ہوتے ہیں، ان مشاہد سے مزار مراد ہے۔

بنی نوع انسان نے شروع سے ایسے مقام پر جہاں کسی دلبستگی کی وجہ سے وہ آتا جاتا رہا ہے، علم کا ذخیرہ رکھنے کی کوشش کی ہے اس لیے مقامات مقدسہ (Sacred Places) عبادت گاہوں، خانقاہوں اور یادگاری مقامات (Monumental Places) میں تحریری سرمایہ رکھنا اس سلسلے کی ایک کڑی مزار و مقبرے بھی ہیں۔ چنانچہ آج سے پانچ ہزار (۵۰۰۰) سال قبل مصریوں نے بادشاہوں کے مزاروں پر جو یادگار مقامات کی حیثیت رکھتے تھے قابل ذکر باتیں دیواروں پر کندہ کرائی تھیں اور علم کا ذخیرہ کیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''دنیا کی کسی پرانی قوم نے اپنی تاریخ کی کتابت وحفاظت کا انتظام نہیں کیا جیسا کہ قدیم مصریوں نے کیا تھا، جس وقت تک پیپائرس (Papyrus) (قدیم مصری کاغذ) ایجاد نہیں ہوا تھا۔ شاہی محلوں مندروں اور مقبروں کی دیواروں پر ہر عہد کے حالات مسلسل نقش کیے جاتے رہے اور جب پیپائرس رائج ہو گیا تو باقاعدہ دفاتر مدون ہونے لگے۔ علاوہ بریں ہر بادشاہ اور امیر کی وفات کے بعد اس کی نعش حنوط (ممی) کر کے اس کے خاص مقبرہ میں رکھی جاتی تھی اور نعش کے ساتھ اس کی زندگی کے وقائع بھی رکھ دیے جاتے تھے۔ اب یہ تمام آثار روشنی میں آ گئے ہیں...... ان معلومات نے ہمیں پانچ ہزار (۵۰۰۰) برس پیشتر کے واقعات تک پہنچا دیا ہے۔ (۴)

عہدِ عباسی میں مسلمان قابلِ قدر ہستیوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کی خاطر ان کے مزارات سے متصل مدرسے اور کتب خانے بناتے تھے۔ یہ خیر کے کام کبھی بادشاہ، وزیر (۵) صوفی، عالم، دولتمند، اپنی زندگی میں

۱- معجم مقائس اللغۃ: ۳/۲۲۱۔ ۲- المفردات فی غریب القرآن: ۲۶۸۔ ۳- النجوم الزاھرہ: ۴/۹۱ (حواشی)

۴- ترجمان القرآن: ۲/۲۱۸۔ ۵- الکامل فی التاریخ: ۱۲/۱۸۱۔

کرتے اور اس میں وہ دفن کیے جاتے (۱)، کبھی ان کے متعلقین اور بہی خواہ انہیں اس میں دفن کرتے، کبھی مرید، شاگرد یا عقیدت مندان کے مرنے کے بعد مدرسے اور کتب خانے بناتے تھے۔ ان وجوہ سے عہدِ عباسی میں مزاروں سے ملحق مدرسے اور کتب خانے بکثرت بنائے گئے تھے چنانچہ عہدِ عباسی کے جغرافیہ نویس و مورخین اسلامی شہروں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس امر کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یاقوت کہتا ہے:

"جبل قاسیون (دمشق) جو انبیاء علیہم السلام کا مدفن ہے یہاں رباطات، مدارس اور مشہد کے کتب خانوں کی بہت کثرت وشہرت رہی ہے (۲) صرف جامع دمشق میں چار مشہد تھے اور ہر مشہد میں کتب خانے تھے (۳) عہدِ عباسی میں جب کوئی سیاح اسلامی شہروں کا سفر کرتا اپنے سفرنامہ میں "مشاہد" کی سرخی جماتا ان کے مدرسوں اور کتب خانوں کا ذکر کرتا تھا (۴) مصر میں قرافہ جیسی مشہور و معروف جگہ سے متصل مدارس تھے، ان کے لیے مدرسہ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ مشہد و خانقاہ کا لفظ بولتے، مدرسہ اور اس کا کتب خانہ مراد لیتے تھے (۵) اس سے معلوم ہوا کہ مشہد خانقاہ کے ہم معنی لفظ سمجھے جاتے تھے۔

۱- خزانہ حیدریہ نجف:

یہ نجفِ اشرف میں حضرت علیؓ کے مزار سے متصل واقع ہے اور نہایت قدیم کتب خانہ ہے، اس میں شیعی سلاطین، امراء، وزراء، علماء، وقتاً فوقتاً کتابیں وقف کرتے رہے ہیں، جن میں عضدالدولہ بویہی المتوفی ۳۷۲ھ کا نام سرِفہرست ہے۔ اس کتب خانے میں قدیم مخطوطات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ کوفی، اندلسی اور یمنی خط میں مصاحف موجود ہیں، یہاں مصاحف کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ ۴۰ھ کا کوفی خط میں ہرن کی کھال پر لکھے ہوئے قرآن شریف کا ایک حصہ بھی موجود ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کا لکھا ہوا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کی لکھی ہوئی بعض کتابیں جیسے ابوعلی فارسی کی "المسائل الشیرازیہ" کا نسخہ جو ۳۶۳ھ میں ان سے پڑھا گیا تھا اور "شرح مقصورہ" ابن درید کا نسخہ جو ۳۷۵ھ میں ابن درید سے پڑھا گیا تھا، اس کتب خانے میں موجود

۱- مرأۃ الزمان: ۸/۶۷۱۔ ۲- المنتظم: ۹/۷۰، البدایہ والنھایہ: ۱۲/۴۳، العبر: ۳/۳۰۹۔

۳- المختصر المحتاج: ۱/۱۶۵۔ ۴- معجم البلدان: ۴/۲۹۵، مراصد الاطلاع: ۳/۱۰۵۷۔

۵- مدینۃ دمشق عند الجغرافیین والرحالین المسلمین: ۲۳۹۔

ہیں(۱)۔ یاقوت رومی کی "معجم الادباء" کی پہلی جلد جو خود مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اسی کتب خانے میں محفوظ ہے۔(۲) یاقوت مستعصمی، احمد تبریزی کے لکھے ہوئے مصحف بھی یہاں محفوظ ہیں۔ ۷۵۵ھ میں آگ لگنے سے کتب خانہ کو نقصان پہنچا بعض مصحف جل گئے، بعض کتابیں رطوبت سے، بعض دیمک سے، بعض چوری اور عاریت کی وجہ سے ضائع ہو چکی ہیں(۳)۔

۲- مشہدِ اُبی حنیفہ کا کتب خانہ:

یہ شمال بغداد میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر محلہ اعظمیہ میں مدرسہ ابی حنیفہ کے ساتھ اب تک موجود ہے۔ اسے الپ ارسلان سلجوقی کے مستوفی شرف الملک ابوسعد محمد بن منصور عمید خوارزمی نے ۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء میں بنایا اور اس میں ایک خزانۃ الکتب طلبہ پر وقف کیا تھا۔ اس کا پہلا خازن عبدالعزیز بن علی بن ابی سعید خوارزمی تھا۔ پھر ابن الاہوازی المتوفی ۵۶۹ھ کو بنایا گیا تھا(۴)۔

اس کتب خانہ میں جاحظ کی تقریباً تین سو ساٹھ (۳۶۰) تصانیف موجود تھیں۔ سبط ابن الجوزی نے ان کو دیکھا تھا(۵)۔ ابو یوسف عبدالسلام قزوینی المتوفی ۴۸۸ھ نے اپنی تفسیر کا نسخہ جو سات سو (۷۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا اس کتب خانے میں وقف کیا تھا(۶)۔

ابن جزلہ المتوفی ۴۹۳ھ نے اپنی تمام کتابیں اس کتب خانے میں وقف کی تھیں(۷) اس میں تفسیر کشاف زمخشری کا اپنا نسخہ، حاجی خلیفہ کی نظر سے گزرا تھا(۸) لیکن اب وہ نسخہ نہیں ہے(۹) اس سے عہدِ عباسی میں اس کتب خانے کی خدمات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے آج کل یہ کتب خانہ کلیۃ الشریعہ کے حجرے میں رکھا ہوا ہے(۱۰)۔

۱- خزائن الکتب القدیمہ: ۱۳۱-۱۳۴۔ ۲- ایضاً: ۱۳۱-۱۳۴۔ ۳- ایضاً: ۱۳۲۔ ۴- المنتظم: ۱۰/۲۴۸۔
۵- کتاب الحیوان: ۱/۵-۶، کتاب التاج: ۴۷۔ ۶- طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ۳/۲۳۰۔
۷- العبر: ۱۹۵، وفیات الاعیان: ۲/۲۶۱، تاریخ الحکماء: ۳۶۶، المنتظم: ۹/۱۱۹، البدایہ والنھایہ: ۱۲/۱۵۹، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۵۳۔
۸- کشف الظنون: ۲/۱۴۸۲۔ ۹- خزائن الکتب القدیمہ: ۱۵۳۔ ۱۰- ایضاً۔

۳- کتب خانہ قلعۃ الموت:

قلعۃ الموت (آشیانہ عقاب) جسے حسن بن زید باقری نے ۲۴۶ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ ۴۸۳ھ میں حسن بن صباح نے اس پر قبضہ کیا اور مستنصر فاطمی کے انتقال کے بعد اس کو اسماعیلیوں کی دعوت کا دوسرا بڑا مرکز بنایا۔ یہ فلسفہ، حکمت، نجوم، ہندسہ وسحر کا عالم تھا(۱) اس وجہ سے نظام الملک طوسی بھی اس کی قدر کرتا تھا اس کے دور میں کتب خانہ میں اسماعیلیوں کی مذہبی ذخیرے کے علاوہ مذکورہ بالا علوم کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ یہ اسماعیلیوں کا سب سے قدیم اور بڑا کتب خانہ تھا۔ حاکم قوہستان نے نصیر الدین طوسی کو قلعۃ الموت میں تعلیم دینے کی غرض سے بھیجا تھا(۲) جو یہاں کی علمی ترقی کا شاہد ہے۔

۶۵۴ھ میں ہلاکو کے حکم سے یہ قلعہ تباہ(۳) اور کتب خانہ ضبط کیا گیا لیکن عطاء الملک جوینی کی سفارش پر کتب خانہ کو بحال کر دیا گیا، اس میں سے الحاد کی کتابوں کو نذر آتش کیا گیا، یہاں سے بہت سی کتابیں مراغہ کے کتب خانہ میں منتقل کی گئی تھیں(۴)۔ خود عطاء الملک جوینی نے اپنے کتب خانے کے لیے یہاں سے کتابیں انتخاب کی تھیں۔ یہ انتخاب اس کتب خانے کی وسعت، تنوع، کثرت واہمیت کا شاہدِ عدل ہے۔

۴- کتب خانہ متصل مزار کرخی:

زمرد خاتون والدہ ناصر لدین اللہ المتوفاۃ ۵۹۹ھ نے معروف کرخی کے مزار سے متصل ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا جس کا افتتاح ۵۸۹ھ میں کیا گیا تھا۔ جامعہ نظامیہ وجامعہ مستنصریہ کے بعد اس کو اہمیت حاصل تھی(۵) اس سے ظاہر ہے کہ اس کا کتب خانہ بھی اہمیت کا حامل تھا۔

۱- تاریخ الدولۃ الفاطمیۃ: ۳۶۷-۳۶۸۔

۲- آثار البلاد وأخبار العباد: ۳۰۱، الکامل: ۸/۲۰۱ الاعلام الاسماعیلیۃ: ۵۸۷، ۵۸۸۔

۳- لغت نامہ، شمارہ مسلسل: ۸، بخشش دوم، الانعم خاں: ۶۸۔

۴- خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۸۸۔

۵- المختصر المحتاج: ۱/۱۶۵، تاریخ الاسلام: ۲/۲۷۱۔

۵-مشہد قاسیون میں کتب خانہ:

وزیر ملک اشرف محمد بھنسی المتوفی ۶۲۸ھ نے اپنا ذخیرۂ کتب اپنے مشہد میں جو قاسیون میں بنایا تھا وقف کرنے کی وصیت کی تھی (۱)۔

۶-کتب خانہ مشہد حسام الدین ماردینی:

محمد بن عبدالسلام بن عبدالرحمن ماردینی (۵۱۲-۵۹۴ھ/۱۱۱۸-۱۱۹۸ء) یکتائے روزگار، فلسفی، طبیب ومصنف تھا، اس کا کتب خانہ فلسفہ وطب کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ اس میں زیادہ تر ماردینی کے استادوں سے پڑھی ہوئی اور تصحیح کی ہوئی کتابیں تھیں۔ موصوف نے اسے ماردین میں حسام الدین بن ارتق کے مشہد میں وقف کیا تھا اس کتب خانہ میں بیشتر فلسفہ کی کتابیں تھیں (۲)۔

۞ ۞۞

۱-مرأۃ الزمان: ق: ۲،۸/۱-۶۷۱۔ ۲-عیون الأنباء: ۲/۲۷، ۳۲۷، ۳۶۷، الوافی بالوفیات: ۳/۲۵۵، تاریخ مختصر الدول: ۲۳۹۔

پانچواں باب

(دوسرا حصہ)

☆ علمی کتب خانے۔

☆ درسگاہوں کے کتب خانے۔

☆ مدرسوں کے کتب خانے۔

☆ جامعات کے کتب خانے۔

☆ طبی مدرسوں اور شفاخانوں کے کتب خانے۔

☆ رصدگاہوں کے کتب خانے۔

علمی کتب خانے

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام نے بنی نوع انسان میں تعلیم کو عام کرنے، بغیر اجرت پڑھانے اور معاشرہ کو علم سے بہرہ ور کرنے کو بڑے اجر وثواب کا کام بتایا ہے۔ علماء اجر وثواب کی خاطر علم کی خدمت کرتے اور تجارت وہنر سے پیٹ بھرتے تھے اس لیے ان کی نسبت میں بقال (سبزی فروش)، نجار (بڑھئی)، خصاف (موچی)، بزار (کسان)، بزاز (پارچہ فروش)، وراق (نقل نویس)، خباز (نانبائی)، زیات (تیلی)، حمال (قلی) وغیرہ الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔

عہدِ قدیم میں بھی جب کبھی اور جہاں کہیں تعلیم کا آغاز ہوا علمی ذخیرہ خواہ اس کی نوعیت کیست وکیفیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، طلبہ، اساتذہ، اہل علم ومحققین کے استعمال، ان کی علمی ضروریات کی تکمیل کے لیے کتب خانہ تشکیل کیا جاتا رہا۔ البتہ مسلمانوں کے مدارس میں ہمیشہ تعلیم مفت دی جاتی اور طلبہ واساتذہ کو کتابیں مفت مہیا کی جاتی تھیں۔ رفاہِ عامہ کے اداروں میں کتابوں کا ذخیرہ کرنا بھی تعلیم کی طرح ایک مقدس فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ طلبہ واساتذہ کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے اور علمی وتحقیقی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے کے لیے ہر مدرسہ، کلیہ و جامعہ میں مفت کتابیں فراہم کرنے کا انتظام کیا جاتا تھا، اس لیے عہدِ عباسی میں ہمیشہ سے کتب خانہ ہر مدرسہ و جامعہ کا جزء لاینفک (اٹوٹ انگ) رہا ہے۔

اسلامی قلمرو میں جس طرح مدارس کی کثرت رہی، تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان میں کتب خانوں کی بھی کثرت رہی ہے، ان وجوہ سے مؤرخین وتذکرہ نگاروں نے مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ کا جداگانہ تذکرہ نہیں کیا اور نہ بانیانِ کتب خانہ کے تذکرہ میں ان کی کتب خانہ سازی کی صفت کی نشاندہی کو ضروری سمجھا، چنانچہ نظام الملک طوسی جیسے مربیٔ تعلیم، مدارس ساز کا تذکرہ کم وبیش اس عہد کی تاریخ وتذکرہ کی ہر کتاب میں ملتا ہے۔ ہر ایک مؤرخ نے اس کی مدارس سازی کی صفت کو سراہا ہے۔ ابن الجوزی اور سبکی کے علاوہ کسی نے اس کے ''دارالکتب'' بنانے کی صراحت نہیں کی (۱)۔ مدارس وجامعات کا تذکرہ ان کے یہاں کسی خاص سبب سے آیا ہے مثلاً کسی خازن نے دارالکتب میں شعر سنائے، انہیں نقل کیا تو وہ اس خزانۃ الکتب کا تذکرہ بھی ضمناً کر گیا، یا

۱۔ المنتظم: ۹/ ۶۸ طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ۳/ ۳۱۹۔

کسی اہلِ علم نے کوئی اہم کتاب اس خزانۃ الکتب میں دیکھی تو اس نے اس کا نام بھی لے لیا، اس لیے درسگاہ، مدارس وجامعات کا تذکرہ اور ان کی نشاندہی دراصل مدارس وجامعات کے کتب خانوں کی نشاندہی ہے، پھر بھی تجسس وجستجو سے عہدِ عباسی کی جن درسگاہوں، مدارس وجامعات کا تذکرہ مل سکا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔

(الف) درسگاہوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی کی ابتداء میں کتب خانے درسگاہوں کے ساتھ بنانے کا رواج تھا۔ مساجد میں جو درسگاہیں تھیں ان کے کتب خانوں کی نوعیت ابتداء میں کم وبیش ایسی ہی تھی، البتہ عہدِ عباسی کے آخری دور میں مدارس میں درسگاہوں کے کتب خانوں کا چلن ہوا، چنانچہ شرف الدین محمد بن عروہ موصلی دمشقی التوفی ۶۲۰ھ/ ۱۲۲۳ء جو الملک المعظم عیسیٰ بن ابی بکر التوفی ۶۲۱ھ/ ۱۲۲۴ء کے مقربین میں سے تھا(۱) علم وعلماء کا قدردان اور کتابوں کا بھی شوقین تھا، اس نے جامع اموی میں ایک گوشہ کو جو مشہدِ علی کے نام سے معروف تھا اور بطور ذخیرہ گاہ استعمال میں آتا تھا، خالی کرایا۔ حوض ودار الحدیث بنوا کر اس میں کتب خانہ وقف کیا(۲)۔

یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ عہدِ عباسی میں درسگاہوں میں اور ان سے متصل کتب خانے بنائے جانے کا معمول تھا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ الہامی ادب کے استعمال میں ادب واحترام کو ملحوظ رکھا جاتا تھا، چنانچہ دار الحدیث سے متصل وضو کرنے کے لیے حوض بنوایا گیا تھا۔ عہدِ عباسی کے مدارس وجامعات کے کتب خانوں کے تذکرے سے پیشتر مدرسہ کے لغوی معنی پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں خود کتب خانہ کے معنی ومفہوم مضمر ہیں۔ مدارس کی تاریخ اور مدارس سازی کی تحریک کا سرسری جائزہ جو دراصل مدارس وجامعات میں کتب خانہ سازی کی تحریک کا پیش خیمہ تھی، نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس لیے مختصراً اس کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مدرسہ، درس سے بنا ہے، دال، را اور سین کے مادہ میں خفاء، پوشیدگی، پستی اور محو کے معنی مضمر ہیں(۳)۔ راغب اصفہانی فرماتے ہیں: ''دَرَسَ الدَّارَ'' کے معنی گھر کا نشان رہ گیا ہے اور نشان کا باقی رہنا اس

۱- البدایہ والنہایہ: ۱۳/ ۱۰۱، ۱۰۲۔ ۲- ایضاً، الوافی بالوفیات: ۴/ ۴۹، الدارس فی تاریخ المدارس: ۱/ ۱۹۔

۳- معجم مقاییس اللغۃ: ۲/ ۲۶۷ (مادہ درس)، الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی): ۷/ ۵۹، ۶۰، ۱۲۔

کے مٹنے کو چاہتا ہے۔اس لیے درس کے معنی ''مٹنا'' کیے جاتے ہیں ''دَرَسَ الْکِتَابَ'' اور ''دَرَسَ الْعِلْمَ'' کے معنی اس نے کتاب یا علم کو یاد کر کے اس کا اثر قبول کر لیا یہ بات بار بار پڑھتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے اس لیے پیہم پڑھتے رہنے کو لفظِ درس سے تعبیر کرتے ہیں (۱) درس کے ذریعے قوائے دماغیہ سے موانع زائل ہوجاتے ہیں، آثارِ جہل مٹ جاتے ہیں، اصل جوہرِ استعداد صاف ستھرا ہو کر چمک اٹھتا ہے، یہ کیفیت ریاضت ومحنت اور نفس کو رام کرنے سے حاصل ہوتی ہے (۲) اس امر کی تشکیل وتکمیل کے لیے جو ذخیرۂ علم درکار ہوتا ہے وہی ذخیرہ کتب خانے کی اساس بنتا ہے۔قرآن نے کہا ہے: ''دَرَسُوْا مَا فِیْهِ'' (الاعراف۔۱۶۹) ''جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کو انہوں نے پڑھ لیا ہے''۔سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا ہے: ''وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ'' (آلِ عمران۔۷۹) ''ور لیکن بولے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے اور اسے پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔''

اس طرح سے تمہارا علمِ کتابی وذخیرۂ کتب بڑھتا رہے گا۔

مدرسہ ابتداء میں درسگاہ، کلیہ، جامعہ ودانشگاہ کے معنی میں استعمال ہوتا تھا، اس کی جمع مدارس آتی ہے۔ مدارس عبرانی میں بمعنی مدرسہ ہے۔(۳) یہ عربی میں یہودیوں کی درسگاہ کے معنی میں آتا تھا (۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن اقوام میں تعلیم کا تھوڑا بہت چرچا تھا ان میں مدارس کا رواج تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتعلم کی مساعی جمیلہ سے عہدِ رسالت ہی میں ''دارالقراء'' بن گئے تھے (۵) اور مسجدوں میں تعلیمی حلقے قائم ہو چکے تھے (۶) پوری قوم تعلیم کے پھیلانے اور مدارس کے قائم کرنے میں سرگرمِ عمل تھی۔

عہدِ عباسی میں مساجد سے علیحدہ مدارس کے قیام کا سلسلہ مستشرقین نے خلیفہ مامون سے شروع کیا ہے، چنانچہ Encyclopadia Britannica کے فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ موصوف نے خراسان میں ایک کالج قائم کیا تھا (۷) ہمیں اس کے مأخذ کا علم نہیں۔قدیم مؤرخینِ اسلام اس باب میں خاموش ہیں تاہم مقالہ نگار کی یہ تحقیق اگر صحیح ہے تو خراسان میں یہ پہلا سرکاری مدرسہ کہا جاسکتا ہے۔

۱-المفردات: ۱۶۷ (مادہ درس)، صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء: ۵/ ۴۶۴۔ ۲-المبین: ۷/ ۱۳۔

۳-تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبریٰ: ۶۵۔ ۴-لسان العرب: ۳۸۳-۳۸۴ (مادہ درس) ۵-المواعظ والاعتبار: ۲/ ۳۶۲۔

۶-شرح السنۃ: ۱/ ۲۷۴۔ ۷-The Encyclopaedia Britannica.11 thed vol.x v11,p.534

عہدِ عباسی میں خلیفہ معتمد باللہ ابوالعباس احمد عباسی المتوفی ۲۷۹ھ نے سب سے پہلے ملکی و مذہبی تعلیم اور صنعت وحرفت کو سرکاری زیرِ سرپرستی فروغ دینے کے لیے نہایت جامع منصوبہ تیار کیا تھا، اس منصوبہ کے مطابق وہ قصرِ شماسیہ (بغداد) کے متصل درسگاہیں (تجربہ گاہیں) صنعت گھر اور قیام گاہیں تعمیر کرانا چاہتا تھا تاکہ ان میں ہر فن کے ماہر اساتذہ وصاحب ہنر رہیں، طلبہ اگر ٹھہریں، پڑھیں اور جو چاہیں ہنر سیکھیں انہیں وظیفے دیے جائیں، لیکن اس جامع مفید تعلیمی وصنعتی ترقیاتی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی معتضد کو قتل کر دیا گیا اور یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا(۱)۔

قتلِ معتضد کے بعد خلفاءِ عباسیہ کو زمانۂ دراز تک سکون واطمینان میسر نہ آسکا، اس لیے پھر اس نوع کا کوئی جامع تعلیمی منصوبہ دارالخلافہ بغداد میں سامنے نہ آسکا۔ لیکن خراسان میں سلطان اسماعیل بن احمد سامانی المتوفی ۲۹۵ھ/۹۰۷ء نے بخارا میں ایک مدرسہ وکتب خانہ بنایا(۲) اس کے مصارف کے لیے وقف کیا۔ پھر ۳۴۸ھ/۹۵۹ء میں طغرل بیگ قدری خاں نے چوبہ بقالان بخارا میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا(۳) اس کے بعد سلطان محمود غزنوی وغیرہ نے بعض بلادِ غزنہ وفارس میں حنفی فقہ وماتریدی عقائد کی ترویج واشاعت کے لیے مدرسے بنائے اور ان میں کتب خانے وقف کیے(۴) لیکن یہ ایک تحریک کی صورت میں نہ تھے ان کا دائرہ محدود تھا، اس لیے ان کو مدارس نظامیہ کی شہرت حاصل نہ ہوسکی تھی۔

دوسری صدی ہجری کے نصفِ آخر سے خلافتِ عباسیہ سیاسی خلفشار کا شکار رہی اور چوتھی صدی ہجری کے نصف اول میں اس کی حکمرانی کا دائرہ سمٹ کر دارالخلافہ بغداد اور اس کے اطراف تک محدود ہوکر رہ گیا، اس کے بڑے بڑے صوبوں میں نئی نئی سلطنتیں قائم ہوگئیں اور ان کے فرمانرواؤں کا خلافتِ عباسیہ سے رسمی کے بجائے اسمی تعلق رہ گیا۔ مؤرخ ابنِ کثیر کا بیان ہے:

۳۲۴ھ میں خلیفہ کا حکم بغداد اور اس کے مضافات تک چلتا تھا۔ قلمروِ عباسی کی حالت بہت خراب تھی، بصرہ میں محمد ابن واثق اور خوزستان میں ابوعبداللہ بریدی کا تسلط ہو چکا تھا، تستر اور اس کے اطراف میں ابن یاقوت کا اور فارس کے علاقہ پر عمادالدولہ ابن بویہ کا غلبہ تھا، کرمان پر ابوعلی محمد بن العباس، بلاد موصل، جزیرہ

۱- الموعظہ والاعتبار: ۲/ ۳۶۲-۳۶۳، حسن المعاشرہ: ۲/ ۵۶۔ ۲- مدارس قبل النظامیہ: ۸۔

۳- تاریخ بخارا: ۱۲۸، لغت نامہ، شمارہ مسلسل: ۷۹، شمارہ: ۴، حرف ف۔ ۴- تاریخ فرشتہ: ۳۰، آئینہ حقیقت نما: ۱۳۵۔

دیار بکر و مضر و ربیعہ پر بنو حمدان قابض تھے۔ مصر و شام میں محمد بن طغج کی فرمانروائی تھی، افریقہ، مغرب کے شہروں پر قائم بامر اللہ ابن مہدی فاطمی امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا جانے لگا تھا، اندلس میں خلیفہ عبدالرحمن بن محمد اموی کی بادشاہت تھی، خراسان و ماوراء النہر کا علاقہ نصر بن احمد سامانی کے تصرف میں تھا، طبرستان و جرجان پر دیلمی حکومت کرنے لگے تھے، بحرین، یمامہ اور ہجر کا علاقہ ابو طاہر سلیمان ابی سعید جنابی قرمطی کے پاس تھا(۱)۔

ان میں سے بعض فرمانرواؤں نے معارف پروری، علم دوستی، خلفاء عباسی سے ہمسری کرنے کی غرض سے اپنے قلمرو میں کتب خانے اور درسگاہیں بنوائی تھیں جن کا تذکرہ باب سوم میں کیا گیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں اسماعیلی عقائد کی دعوت زور پکڑ گئی تھی، شاہان عباسی بھی سرزمین فارس و عراق میں آل بویہ کے اثر و نفوذ کو کم کرنے میں مصروف ہو گئے تھے، شیعی قائد ارسلان بساسیری المقتول ۴۵۱ھ/ ۱۰۶۰ء دار الخلافہ بغداد میں داخل ہوا تو فاطمی خلیفہ مستنصر کا نام خطبہ میں لیا جانے لگا۔ یہ فاطمی خلفاء کی سیادت و قیادت کو تسلیم کیے جانے کا برملا اعلان تھا۔(۲) اسماعیلی و شیعی تحریکات خلافت عباسیہ کے مقابلہ میں ایک سیاسی قوت بن کر ابھر آئی تھیں، ان کا زور ختم کرنے، ان کی دعوت کو روکنے، ان کی سیاسی قوت کو توڑنے اور خلافت عباسیہ کی مرکزی حیثیت کو بحال کرنے کے لیے شاہان سلجوق میدان میں آئے اور انہوں نے دو اہم کام کیے۔

۱- شاہان سلجوق خلافت عباسیہ کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، طغرل بیگ نے ۴۵۱ھ /۱۰۶۰ء میں بساسیری کو بغداد میں قتل کر کے خلافت عباسیہ کی گرتی ہوئی دیوار کو تھاما، پھر خلفاء عباسیہ کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا اور اس کے بھتیجے الپ ارسلان نے بلاد اسلامی کو دمشق تک فاطمیوں کی گرفت سے آزاد کرایا۔

۲- انہوں نے علم سے خاص اعتناء کیا سرکار کی زیر نگرانی اسلامی قلمرو میں مدارس کا جال بچھا کر اسماعیلی دعوت اور معتزلانہ افکار و خیالات کا سد باب کیا(۳)، چنانچہ نامور سیاسی مدبر و ماہر تعلیم وزیر نظام الملک طوسی نے بادشاہ کے اشارہ پر(۴) ایک نہایت جامع تعلیمی منصوبہ کے تحت بغداد، بلخ، نیشاپور، مرو، ہراۃ، اصفہان، بصرہ، آمل، موصل، جزیرہ و طوس وغیرہ میں بہت بڑی دانشگاہیں قائم کیں(۵)۔ جن میں سے بعض کی تعمیر جیسے نظامیہ

۱- البدایہ والنھایہ: ۱۱ / ۱۸۴، ۱۸۵، المنتظم: ۶ / ۲۸۸، المختصر فی أخبار البشر: ۲ / ۸۴، تاریخ الخلفاء: ۳۹۲۔

۲- العقیدہ والشریعہ فی الاسلام: ۲۰۳۔ ۳- تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری: ۷۴، ۷۵۔ ۴- آثار البلاد: ۴۱۲۔

۵- طبقات الشافعیہ الکبری: ۳ / ۱۳۴-۱۴۴، کتاب الروضتین: ۱ / ۲۳۔

بغداد پر دو لاکھ (۲۰۰۰۰۰) دینار صرف کیے گئے تھے (۱) پندرہ ہزار (۱۵،۰۰۰) دینار سالانہ کی زمین سے آمدنی تھی (۲) اوقاف کی آمدنی کے علاوہ سرکاری آمدنی کا دس فیصد حصہ مدارس نظامیہ کی تعلیم پر خرچ کیا جاتا تھا (۳)۔

نظام الملک طوسی نے اہلِ سنت کے مختلف گروہوں شافعیہ، محدثین، شعراء کو پہلی مرتبہ سرکاری زیرِ نگرانی ایک تعلیم گاہ میں تعلیمی خدمات کے ساتھ باطنی و معتزلی عقائد کے خلاف صف آراستہ کیا، اس تدبیر سے کتب خانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ ان کے ذخائر میں تنوع اور غیر معمولی اضافہ ہوا۔

سرکاری مدارس میں مختلف علوم کے شعبوں کی تعلیم کے لیے جداگانہ درسگاہیں بنائی گئیں، مساجد جو جامعات کی حیثیت سے ممتاز تھیں، نظام الملک کی تعلیمی اصلاحات کی وجہ سے مدارس نظامیہ کو جامعات کی حیثیت حاصل ہوئی اور ہر جامعہ کی تعلیمی ضروریات کے لیے اس میں کتب خانہ بنایا گیا۔ نظام الملک طوسی کے اتنے وسیع پیمانے پر اسلامی قلمرو میں سرکاری مدارس اور ان میں کتب خانوں کے قیام کی تحریک سے تعلیم میں ایک انقلاب آ گیا۔ بادشاہوں، وزیروں، امیروں نے بھی اسلامی شہروں میں اس طرح کے مدارس و کتب خانے قائم کرنا شروع کیے تھے (۴)۔ ان وجوہ سے نظام الملک طوسی کو سرکاری مدارس اور ان میں کتب خانوں کے قیام کا بانیٔ اول کہا جاتا ہے (۵)۔

شاہانِ سلجوق کے بعد خلیفہ مستنصر باللہ عباسی نے بغداد میں جامعہ مستنصریہ قائم کر کے نظامِ مدارس کی تحریک میں انقلابی اقدام کیا۔ نظام الملک طوسی کی پیدا کردہ عصبیت کا خاتمہ کیا اور پہلی مرتبہ تعلیم میں جامعیت کی شان پیدا کی، جامعہ مستنصریہ اسلامی قلمرو میں واحد جامعہ تھا جس میں چاروں مذاہب کی آزادانہ فضا میں تعلیم دی جاتی تھی اور آٹھ متداول علوم کی تعلیم کا ٹھوس بنیادوں پر نہایت معقول انتظام کیا گیا تھا۔ یہ جامعہ اسلامی مدارس بغداد، نیشاپور، دمشق، قاہرہ، مصر، موصل، حجاز، یمن، مراکش، تیونس، قرطبہ سے حسب ذیل امور میں ممتاز تھا۔

۱۔ یہ متعدد کلیات و اقسام علمیہ کو حاوی تھی اور مدارس اس صفت سے عاری تھے۔

۲۔ یہ پہلا مدرسہ تھا جس میں دار القرآن، دار الحدیث، دار الفقہ، دار العربیہ، دار الریاضیات اور

۱۔ القدیم والحدیث: ۲۰۷-۲۰۸۔ ۲۔ آثار البلاد واخبار العباد: ۴۱۲۔
۳۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/ ۳۱۴۔ ۵۔ مجلۃ فکر و ابحاث: ۸/ ۱۴ شمارہ: ۲۔

دوسرے علوم جداگانہ کمروں میں علیحدہ پڑھائے جاتے تھے۔

۳- اس جامعہ میں طبی علوم کا جداگانہ درس دیا جاتا تھا اور اس میں طب کا بھی ایک خاص شعبہ تھا۔

۴- اس میں پہلی مرتبہ مذاہب اربعہ کی تعلیم کا آغاز ہوا اور دوسرے مدارس نے اس روش کو اختیار کیا۔

۵- اس جامعہ میں ہر شعبہ اور اس کی عمارت جدا بنائی گئی تھی۔

۶- اس جامعہ میں پہلی مرتبہ حسب ذیل علوم بیک وقت پڑھائے جانے کا انتظام کیا گیا تھا:

۱-علوم القرآن۔	۲-حدیث۔	۳-مذاہب فقہیہ
۴-علومِ عربیہ۔	۵-علومِ ریاضیہ۔	۶-فرائض (ورثہ وترکہ)
۷-منافع الحیوان۔	۸-علومِ طب وحفظانِ صحت۔(۱)	

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی میں مدارس کے کتب خانوں کے ذخائر میں اختصاص وتنوع کا عمل برابر ترقی کرتا رہا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دارالخلافہ بغداد وخراسان میں غیر سرکاری مدارس کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔ چنانچہ بغداد میں مدرسہ ابنِ قتیبہ کا تذکرہ ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ فقیہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد مروزی المتوفی ۳۴۰ھ اسی مدرسہ میں فقہ پڑھاتے تھے(۲)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر سرکاری مدارس کا آغاز سب سے پہلے بغداد میں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں بعض ایسے مآخذ ہمارے پیشِ نظر رہے ہیں جو عبدالسلام رؤف عمار، مصطفی جواد اور ناجی معروف کے مطالعہ میں نہیں آسکے۔ اس لیے اس کا تذکرہ بھی دلیل خارطہ بغداد، مدارس بغداد اور المدارس قبل النظامیہ میں نہیں آسکا ہے۔ ابوالعباس محمد بن الحسن بن ایوب نے تقریباً ۳۳۰ھ/۹۴۱ء میں خراسان میں نیشاپور میں سب سے پہلے دارالسنۃ کے نام سے مدرسہ قائم کیا تھا۔(۳) ائمہ فن نے یہاں پڑھایا ہے اس لیے اس کو تاریخ میں بہت شہرت حاصل رہی ہے(۴)۔ چوتھی صدی ہجری میں مدارس نظامیہ سے ایک سو سال پہلے جس تیز رفتاری سے مدارس کا

۱-اول جامعۃ بغداد فی العصور الوسطیٰ ''الاقلام'' شمارہ ۶: ۸/۴۸، تاریخ علماء المستنصریۃ ۱: ۲۵/۔ ۲-طبقات فقہاء الیمن: ۸۴۔

۳-کتابخانہ ہائے آستان خراسان از آغاز اسلام تا عصر حاضر: ۱۸۔

۴-الوافی بالوفیات: ۴/۱۶ (السامرجی)، الانساب: ۵/۲۰۸-۳۵۵ (السامرجی)، اللباب ۱: ۴۹۹/، تہذیب تاریخ دمشق: ۲/۲۶۶۔

سلسلہ خراسان میں شروع ہوا، اس کا اندازہ مدارس کے نام اور ان کے مندرجہ سال تاسیس وتدریس سے کیا جاسکتا ہے:

۱-مدرسہ حسان قرشی اموی	نیشاپور	قبل ۳۴۹ھ/۹۶۰ء
۲-مدرسہ ابن حبان بستی تمیمی	نیشاپور	۳۵۴ھ/۹۶۵ء
۳-مدرسہ ابوحفص	بخارا	۳۶۱ھ/۹۷۱ء
۴-مدرسہ مرست	پنج دیہ	۳۶۵ھ ۹۷۵ء
۵-مدرسہ باب بستان	غزنہ	۳۸۵ھ/۹۹۵ء
۶-مدرسہ محمد حمشاوی	نیشاپور	۳۸۸ھ/۹۹۸ء
۷-مدرسہ ابن رضوان	نیشاپور	۳۹۰ھ/۹۹۹ء
۸-مدرسہ سعیدیہ	یعد	۳۹۰ھ/۹۹۹ء
۹-مدرسہ دقاقیہ	یعد	۳۹۱ھ/۱۰۰۰ء
۱۰-مدرسہ صاعدیہ	یعد	قبل ۴۰۲ھ/۱۰۱۱ء
۱۱-مدرسہ ابی سعد زاہد	یعد	۴۰۴ھ/۱۰۱۳ء
۱۲-مدرسہ سہل صعلوکی	یعد	۴۰۴ھ/۱۰۱۳ء
۱۳-مدرسہ ابواسحاق اسفرائنی	یعد	۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء
۱۴-مدرسہ صابونی	یعد	۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء
۱۵-مدرسہ قطان	نیشاپور	قبل ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء
۱۶-مدرسہ بسطامیہ	نیشاپور	۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء
۱۷-مدرسہ ابن فورک انصاری	نیشاپور	۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء
۱۸-مدرسہ ناصحیہ	نیشاپور	۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء
۱۹-مدرسہ بیہقیہ	نیشاپور	۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء
۲۰-مدرسہ ابوطیب اسفرائنی	نیشاپور	۴۱۰ھ/۱۰۱۹ء

۲۱-مدرسہ الخفاف	نیشاپور	۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء
۲۲-مدرسہ ابوبکر بستی	نیشاپور	۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء
۲۳-مدرسہ ابوسعد استرابادی	نیشاپور	۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء
۲۴-مدرسہ ابوالحسن متوی	نیشاپور	۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء
۲۵-مدرسہ ابن غافرہ اسدی	بوشنج	۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء
۲۶-مدرسہ نظامیہ	حدود	۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء
۲۷-مدرسہ مشطی	قبل	۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء
۲۸-مدرسہ سیوری		۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء
۲۹-مدرسہ عراقی	طوس	۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء
۳۰-مدرسہ صندلی	نیشاپور	۴۶۰ھ/۱۰۶۷ء
۳۱-مدرسہ سراجین		۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء
۳۲-مدرسہ قشیریہ		۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء
۳۲-مدرسہ شحامی		۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء(۱)

ان میں صرف مدرسہ صندلیہ مسجد میں تھا، بقیہ تمام مدارس مساجد سے علیحدہ اور اتنے وسیع تھے کہ ان میں ہر نووارد آکر ٹھہر سکتا تھا، ہر ایک کے ساتھ مسجد علیحدہ بنائی گئی تھی۔ املاء کی مجالس اور تعزیتی جلسے کیے جاتے، نماز جنازہ ادا کی جاتی تھی، مدرسہ کے احاطہ میں قبرستان بنایا جاتا تھا جہاں مدرسے کے سرپرست وغیرہ دفن کیے جاتے تھے۔ چندہ کے علاوہ ان مدارس کے بہت بڑے وقف تھے جن کی آمدنی سے عملہ، طلبہ اور کتب خانے کے مصارف پورے کیے جاتے تھے۔ ابوبکر بستی نے اپنے مدرسہ کے لیے بڑا وقف چھوڑا تھا جو اوقاف ابی بکر شیبان کے نام سے موسوم تھا(۲)۔

چھٹی صدی ہجری میں بعض مدارس رونق، وسعت و آبادی میں مستقل شہر معلوم ہوتے تھے، چنانچہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے قاہرہ میں قرافہ صغری مزار امام شافعیؒ کے پاس ایسا عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا کہ وہ ان بلاد میں

۱-المدارس قبل النظامیہ: ۶۷، ۶۸۔ ۲-ایضاً: ۱۵-۲۲۔

اپنی نظیر آپ تھا۔ چنانچہ مشہور سیاح ابن جبیر المتوفی ۶۱۴ھ نے ۵۸۸ھ میں سفرنامہ لکھا تو اس مدرسہ کے متعلق رقمطراز ہے:

"لَمْ يَعْمُرْ بِهٰذِهِ الْبِلَادِ مِثْلُهَا وَلَا أَوْسَعُ مَسَاحَةً وَلَا أَحْفَلُ بِنَاءً يُخَيَّلُ لِمَنْ يَطُوفُ عَلَيْهَا إِنَّهَا بَلَدٌ مُسْتَقِلٌّ بِذَاتِهِ... وَالنَّفَقَةُ عَلَيْهَا لَاتُحْصٰى، تَوَلّٰى بِنَفْسِهِ الشَّيْخُ الْعَالِمُ الْمَعْرُوفُ نَجْمُ الدِّيْنِ الْخَبُوْشَانِيُّ وَسُلْطَانُ هٰذِهِ الْجِهَاتِ صَلَاحُ الدِّيْنِ يَسْمَحُ لَهُ بِذٰلِكَ كُلِّهِ وَيَقُوْلُ زِدْ احْتِفَالاً وَتَأَنُّقاً، عَلَيْنَا الْقِيَامُ بِمُؤْنَتِهِ ذٰلِكَ كُلِّهِ"

"ان بلاد میں اس جیسا مدرسہ تعمیر نہیں کیا گیا۔ نہ رقبہ میں اس سے زیادہ وسیع، نہ تعمیر میں اس سے زیادہ جامع"۔ جو اس کے ارد گرد گھومے اسے یہ خیال ہوگا کہ یہ ایک مستقل شہر ہے۔ اس کے مصارف کا شمار نہیں۔ اس کے متولی شیخ نجم الدین خبوشانی ہیں۔ اس کے اطراف (مملکت) کے بادشاہ صلاح الدین ایوبیؒ اس کے لیے انہیں خوب داد و دہش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اجتماع (آبادی) و رونق بڑھاؤ، سارا بار ہم برداشت کریں گے"۔ (۱)

اس میں ایک استاد کا ماہوار مشاہرہ چالیس دینار اور ساٹھ رطل روٹیاں تھیں (۲)۔

بعض مسلم فرمانروا جب کسی ملک پر فوج کشی کرتے تو وہاں سے جو مال غنیمت ملتا اس سے مسجد، مدرسے اور کتب خانے بناتے تھے (۳)۔

عہدِ عباسی میں مدارس اور ان میں کتب خانوں کی کثرت کے حسب ذیل اسباب تھے۔

۱- مدارس و رباطات وغیرہ کا قیام شرعاً مستحب و پسندیدہ امر ہے (۴) اس لیے امراء، علماء، فقراء سب ہی ان کے بنانے، آباد رکھنے میں دلچسپی لیتے تھے۔

۲- علماء، صوفیہ، علم دوست و معارف پرور بادشاہ، وزیر، بیگمات، مخیر خواتین اور دردمندانِ قوم، علم کی نشر و اشاعت اور اجرِ آخرت کی خاطر مدرسے، مسجدیں، خانقاہیں وغیرہ بناتے رہتے تھے، جن کی طرف اشارہ رباطات کے کتب خانوں میں کیا گیا ہے۔

۱- رحلۃ ابن جبیر: ۲۲، ۲۳۔
۲- کتاب المواعظ والاعتبار: ۲/ ۴۰۰۔
۳- جامع التواریخ: ۲/ ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۰۹، تاریخ فرشتہ: ۱/ ۲۴۴۔
۴- الاعتصام: ۱/ ۲۶۷۔

۳- اہلِ سنت کے مختلف دبستانِ مذاہب حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور محدثین اپنے مدارس علیحدہ بناتے تھے۔ چنانچہ نیشاپور میں حنفیہ کے سترہ (۱۷) مدرسے تھے(۱)۔

۴- اہلِ سنت کے علاوہ دوسرے بھی اپنی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لیے جدا مدرسے بناتے تھے چنانچہ صرف رَے میں شیعوں کے انیس ۱۹ مدرسے تھے (۲) نیشاپور میں کرامیہ کے اپنے مدارس تھے(۳)۔

۵- بعض اسلامی اقالیم میں علم کا زیادہ چرچا تھا۔ وہاں تعلیمی ادارے بھی زیادہ پائے جاتے تھے نیز تعلیم کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے اور تعلیم کو مزید ترقی دینے کے لیے اسلامی شہروں میں برابر نئے مدرسے تعمیر کیے جاتے تھے بلخ میں چارسو (۴۰۰) مدارس تھے(۴) ابنِ جبیر نے صرف شرقی بغداد میں تیس ۳۰ مدارس کا ذکر کیا ہے(۵) اواخرِ عہدِ عباسی ساتویں صدی ہجری میں پاک وہند میں بھی مدارس کا قیام عمل میں آچکا تھا چنانچہ پاکستان میں ملتان میں مدرسہ قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی المتوفی ۶۳۳ھ (۶) کی اور سندھ میں ناصر الدین قباچہ کے عہد میں مدرسہ فیروزیہ (۷) کی اور ہندوستان میں دہلی میں مدرسہ ناصریہ کی شہرت تھی (۸)۔

یہ حقیقت ہے کہ عہدِ عباسی میں تعلیمی وتحقیقی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بنایا جاتا تھا(۹) کتابوں کی تنظیم وترتیب اور دیکھ بھال اور اساتذہ ومحققین کی سہولت کے لیے عملہ رکھا جاتا تھا۔ طلباء، اساتذہ اور محققین ان مدرسوں کے کتب خانوں میں کتابوں سے استفادہ کرتے، کتابیں نقل کرتے اور تصنیف کرتے تھے۔ چنانچہ بنفشاہ بنت عبداللہ المتوفاۃ ۵۹۸ھ کے مدرسہ کے کتب خانہ میں ابن الجوزی نے ۵۷۵ھ میں محمد بن طاہر مقدسی کی کتاب "الانساب المتفقه فی الضبط والموتلف النقط والضبط" کا نسخہ نقل کیا تھا۔"(۱۰)

ہر خاص وعام کو ان کتب خانوں سے استفادہ کی عام اجازت تھی بلکہ بعض مدارس کے کتب خانے ایسے بھی تھے جو زرِ ضمانت طلب کیے بغیر ہی اہلِ علم اور محققین کو کتب خانے سے باہر بھی عاریتاً کتابیں دیتے تھے اور

۱- المختصر فی أخبار البشر: ۳/ ۳۸۔ ۲- مجمع البیان فی تفسیر القرآن: ۱/ ۱۴-۱۷۔ ۳- الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۲۵۱۔
۴- فضائل بلخ: ۱/ ۴۱۔ ۵- رحلۃ ابن جبیر: ۲۰۵۔ ۶- نزہۃ الخواطر: ۱/ ۱۷۴-۱۷۸، مدارس قبل النظامیۃ: ۱۳۶۔
۷- مدارس قبل النظامیۃ: ۱۳۶۔ ۸- مدارس قبل النظامیۃ: ۱۳۷۔ ۹- Die Renaissance des islams، الحضارۃ الاسلامیۃ: ۱/ ۲۴۲۔
۱۰- کتاب الأنساب المتفقۃ، مدارس بغداد فی العصر العباسی: ۱۹۰۔

مصنفین ومحققین ان سے حوالے کی بیک وقت سینکڑوں کتابیں اپنے گھر لے جاتے تھے(۱)۔

اس سے ان کتب خانوں کی وسعت، کتابوں کی کثرت وندرت، اہمیت اور استعمال کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ عہدِ عباسی میں مدارس وجامعات کے کتب خانے رسمی اور غیر رسمی دونوں طریقۂ تعلیم کی ترویج واشاعت میں منہمک تھے۔

۱۔معجم البلدان:۵/۴۶۰۔

(ب) مدارس کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں ملوک، وزراء، امراء، اہلِ علم و اہلِ ثروت نے مدارس بنائے ان میں کتب خانے وقف کیے اور ان کتب خانوں سے مؤرخین نے اعتناء کیا، ان میں سے بعض مشہور کتب خانوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس سے مدارس کے کتب خانوں کی قدامت، وسعت و کثرت اور ان کے قیام کی طرف شوق و رغبت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱-بغداد میں المنجم کا کتب خانہ:

ابوالحسن علی بن یحییٰ بن منصور بغدادی المعروف بالمنجم (۲۰۱-۲۷۵ھ/۸۱۶-۸۸۸ء) یہ سات عباسی خلیفہ (متوکل تا معتضد) کا ندیم رہا۔ اس کا خاندان دین، ادب، شعر و فضل میں ممتاز تھا(۱) یہ شاعر، ادیب، مغنی، فنکار و مصنف تھا(۲)۔ علم کا قدردان اور کتابوں کا شوقین تھا، اہلِ علم سے کتابیں لکھواتا تھا(۳)۔ وزیر فتح بن خاقان المقتول ۲۴۷ھ کے بے مثال کتب خانہ کا ناظم و مہتمم رہا، لیکن اس کی طبیعت اس پر قانع نہ رہی اس نے قفص کے اطراف کرکر میں ایک بڑے محل میں نہایت شاندار کتب خانہ خزانۃ الحکمہ کے نام سے اہلِ علم کے لیے وقف کیا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے:

"ہر طرف سے اہلِ علم آکر یہاں ٹھہرتے، علم حاصل کرتے اور کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتے تھے(۴) اس کے کتب خانہ میں ایسی نادر کتابیں تھیں کہ خلیفہ عبداللہ بن محمد المعتز عباسی التوفی ۲۹۶ھ/۹۰۹ء بھی اس سے کتاب عاریتاً لے کر پڑھتا تھا(۵)۔

یاقوت کے مذکورۂ بالا بیان سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں درس و تدریس کا بھی انتظام تھا (اس لیے اس کو مدارس کے ضمن میں بیان کیا گیا) یاقوت نے اس کے لیے مدرسہ کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے اس لیے اس کو بغداد کے اولین مدارس میں زیرِ بحث نہیں لایا گیا۔

۱-معجم الشعراء: ۱۴۱، ۱۴۲۔ ۲-ایضاً، الفہرست: ۲۰۵، وفیات الاعیان: ۱/ ۳۵۶۔
۳-تاریخ الحکماء: ۱۲، ۱۱۷، ۱۲۹، ۱۳۲، عیون الانباء: ۱/ ۲۰۵، ۲۰۶۔ ۴-معجم الادباء: ۵/ ۴۶۰۔
۵-ایضاً: ۵/ ۴۶۷۔

یاقوت کے مذکورۂ بالا بیان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دارالخلافہ بغداد میں خزانۃ الحکمہ جو تعلیمِ بالغان (Adult Education Centre) کا کتب خانہ تھا، اصلاً درسگاہ کے کتب خانے کا کام دیتا تھا اور عوامی کتب خانے کے فرائض بھی ادا کرتا تھا۔ اس کے جملہ مصارف منجم خود برداشت کرتا تھا۔

اس کتب خانے کی ندرت اور یہاں کی تعلیم کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ابومعشر منجم فلکی بہ نیت حج خراسان سے نکلا، بغداد پہنچا، گزرتے ہوئے اس کتب خانہ کو دیکھا تو حیران رہ گیا اور یہیں ٹھہر گیا۔ حج کو بھی چھوڑ دیا نجوم کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ اس فن میں کمال پیدا کیا اور مر گیا (۱)۔ المنجم اپنے خزانۃ الحکمۃ کے لیے حنین بن اسحاق المتوفی ۲۶۰ھ سے کتابوں کا ترجمہ کراتا تھا۔ ثابت بن قرہ، اصطفن اور اسحاق بن حنین بھی اس کے لیے کتابیں لکھتے تھے۔

۲-بست (افغانستان) میں ابنِ حبان کا کتب خانہ:

ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بستی (۰۰-۳۵۴ھ/ ۰۰-۹۶۵ء) بلند پایہ حافظِ حدیث، محدث، مؤرخ، فقیہ، فلسفی، طبیب، فلکی و کثیر التصانیف مصنف تھے۔ (۲) ۳۳۴ھ سے قبل نساء و سمرقند میں قاضی تھے (۳) تحصیلِ علوم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا، خراسان سے مصر تک ایک ہزار سے زیادہ شیوخِ حدیث سے سماع کیا اور علوم میں کمال حاصل کیا تھا (۴)۔ حاکم نیشاپوری کا بیان ہے:

''موصوف نے حدیث میں ایسی کتابیں تصنیف کیں جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی تھیں، ان کی تصانیف کے لیے خراسان کا سفر کیا جاتا تھا'' (۵) ۳۳۷ھ میں موصوف کے پڑھانے کے لیے نیشاپور میں باب الرازیین میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی گئی تھی، یہاں اہلِ علم آ کر موصوف سے ان کی تصانیف کی سند لیتے تھے (۶)۔ آدم مز نے اسی خانقاہ نیشاپور کو غلطی سے موصوف کا دارالکتب سمجھا ہے۔ ان کا وقف کردہ مدرسہ اور دارالکتب بست میں تھا۔ نیشاپور میں نہیں تھا۔ (۷)

۱-رسائل ابن المعتز فی النقد والادب والاجتماع: ۵۹۔ ۲-تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۲۱، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲/ ۱۳۱۔
۳-ایضاً، الأنساب: ۲/ ۲۲۵، معجم البلدان: ۱/ ۴۱۷۔ ۴-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲/ ۱۳۱۔ ۵-معجم البلدان: ۲/ ۴۱۷، الأنساب: ۲/ ۲۲۵۔ ۶-الأنساب: ۲/ ۳۲۵، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۲۱، میزان الاعتدال: ۳/ ۴۱۷، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲/ ۱۳۲ Die Renaissance des Islams، الحضارۃ الاسلامیۃ: ۱/ ۲۴۹۔ ۷-الأنساب: ۱/ ۲۴۹۔

یہ موصوف کا نہایت شاندار کتب خانہ تھا جس میں حدیث، تفسیر، فقہ، تاریخ، رجال، لغت، ادب، طب، فلسفہ ونجوم کی کتابیں تھیں۔ یہ کتب خانہ موصوف نے وقف کیا تھا۔ ابن حبان ۹۵۱ء/ ۳۴۰ھ میں بست آئے، یہاں ایک عمارت بنوائی۔ مدرسہ بنوایا، طلبہ کی قیام گاہ (Boarding House) بنوائی اور اہلِ علم کے مصارف، خوراک، پوشاک کے لیے جائیداد وقف کی۔

اس مدرسہ میں اپنا کتب خانہ بھی وقف کیا۔ اس کا وصی (نگران اور لائبریرین) مقرر کیا، ہدایت کی کہ کتابوں سے استفادہ کرنے، پڑھنے اور نقل کرنے کی ہر ایک کو اجازت ہے لیکن کتب خانے سے باہر کتابیں لے جانے کی اجازت نہیں (۱) ابو حاتم کو مرنے کے بعد بھی کتب خانے سے جدا نہیں کیا گیا۔ مدرسہ اور کتب خانہ کی عمارت میں ان کو سپردِ خاک کیا گیا تھا (۲)۔ یہ مدرسہ وکتب خانہ علامہ سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ/ ۱۱۶۶ء کی حیات تک موجود تھا (۳)۔

ابو حاتم بستی نے اہلِ سجستان پر جیسا عظیم احسان کیا، افسوس ہے انہوں نے اس کی قدر نہ کی۔ چنانچہ خطیب بغدادی کا تبصرہ ان کی تصانیف واہلِ سجستان کی ناقدری پر سننے کے لائق ہے۔ موصوف ان کی کتابوں کے متعلق رقمطراز ہیں:

"وہ تصانیف جن کا فائدہ بڑھ جاتا ہے اگر ان کے مؤلف ان کتابوں کے عنوانات کی ترتیب اس انداز پر کریں جس انداز پر ابو حاتم بستی نے اپنی تصانیف کی ہیں۔ جن کا ذکر مجھ سے مسعود بن ناصر سجزی المتوفی ۴۷۷ھ/ ۱۰۸۴ء نے کیا اور مجھے ان کے ناموں کے تذکرہ (فہرست) سے آگاہ کیا اگرچہ مجھے ان کا دیکھنا نصیب نہ ہوسکا۔ اس لیے کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہیں اور نہ وہ کتابیں ہمارے دیار میں مشہور ہیں۔ تاہم جنہیں میں نے اچھا سمجھا ہے انہیں نام بنام لکھتا ہوں (ان کتابوں کے نام یاقوت نے معجم البلدان میں دو کالموں میں نقل کیے ہیں) یہ ان کتابوں کے علاوہ ہیں جنہیں میں نے نظرانداز کردیا ہے (خطیب بغدادی اہلِ سجستان کے متعلق لکھتے ہیں)۔

"میں نے مسعود سجزی سے پوچھا کہ تم جو کتابیں ابو حاتم کی بتاتے ہو کیا تمہارے پاس موجود ہیں یا

۱- معجم البلدان: ۲/ ۴۱۸، الأنساب: ۲/ ۲۲۶، لسان المیزان: ۵/ ۱۱۴۔
۲- ایضاً: ۲/ ۴۱۹، ایضاً: ۲/ ۲۲۶، ایضاً: ۲/ ۱۱۴۔
۳- الأنساب: ۲/ ۲۲۶۔

تمہارے دیار میں کہیں تمہاری دسترس میں ہیں؟ بولے: بہت تھوڑی، وجہ؟ کہا: بلاشبہ ابو حاتم نے اپنی کتابیں راہِ خدا میں وقف کی تھیں، وہ انہیں ایک جداگانہ مکان میں محفوظ کرا گئے تھے اب ان کی بربادی کا سبب زمانہ کی دراز دستی کے ساتھ حکمران کی کمزوری اور فسادیوں کا ان شہروں پر قبضہ و تسلط ہے۔ یہ سن کر خطیب نے کہا:

''ایسی جلیل القدر کتابوں کے لیے ضروری تھا کہ کثرت سے نقل کی جاتیں، ان کی نقل میں اہلِ علم میں مسابقت جاری رہتی۔ وہ انہیں لکھتے، جلدیں بندھوا کر اپنے پاس محفوظ رکھتے، میں یہی سمجھتا ہوں کہ اس امر سے مانع صرف اس شہر کے باشندوں کی مقامِ علم و فضیلتِ علم سے ناواقفیت اور علم سے بے رغبتی، لاپرواہی اور بے بصیرتی ہے۔''

اس تبصرہ سے ابو حاتم بستی کی تصانیف اور ان کے کتب خانے کی اہمیت، علوم و فنون میں تنوع و کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سجستان کی لاپرواہی سے اہلِ بست کے دوسرے نامور علماء کی تصانیف بھی بغداد تک نہیں پہنچتی تھیں۔ اس لیے ابن الندیم نے ابوالقاسم بستی کی تصانیف کے متعلق ابنِ سوار کاتب سے پوچھا تھا کہ کہیں اس کی تصانیف ملتی بھی ہیں؟۔ (۱)

۳- جاجری کا خزانۃ الکتب:

ابوعلی اسماعیل بن علی بن حسین جاجری (۴۰۶-۴۹۷ھ/ ۱۰۱۵-۱۱۰۳ء) فقیہ، زاہد، واعظ، شیخِ طریقت تھے۔ آخر عمر میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی، موصوف کی نسبت سے جو کوچہ مشہور تھا، اس میں ایک مدرسہ بنوایا، خزانۃ الکتب قائم کیا تھا۔ یہاں مطالعہ کرتے اور اس کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ ان کے معاصر مؤرخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے:

''موصوف اپنے مدرسہ کے نگران تھے، اس میں کتابوں کا مطالعہ کرتے، نگرانی کرتے اور دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے۔'' (۲)

۱- الفہرست: ۱۹۹۔
۲- منتخب السیاق، حرف الالف من الطبقۃ الاولیٰ: ص ۲۱ (ترجمہ نمبر: ۳۳۴)

۴-کتب خانہ شریف مرتضیٰ:

علم الھدیٰ ابوالقاسم علی بن الحسین بن موسیٰ موسوی بغدادی المعروف بالشریف المرتضیٰ (۳۵۵-۴۳۶ھ/۹۶۶-۱۰۴۴ء) مفسر، فقیہ، متکلم، ادیب، نحوی، لغوی، شاعر و کثیر التصانیف مصنف تھے(۱)۔ ان کا بہت شاندار کتب خانہ تھا۔ موصوف کے تلمیذ ابوالقاسم تنوخی کا بیان ہے۔

"حَصَرْنَا کُتُبَهُ فَوَجَدْنَا هَا ثَمَانِیْنَ أَلْفَ مُجَلَّدٍ مُصَنَّفَاتِهِ وَ مَحْفُوْظَاتِهِ وَمَقْرُوْءَاتِهِ وَ کَذَا انْقِلَ عَنْ صَاحِبِ عُمْدَةِ النَّسَبِ"(۲)۔

''ہم نے ان کی کتابوں کو گنا تو اسّی ہزار مجلد نکلی تھیں۔ جن میں ان کی تصانیف، محفوظات اور پڑھی ہوئی کتابیں سب شامل تھیں، اس طرح صاحب ''عمدۃ النسب'' سے منقول ہے''۔

اس اعتبار سے اس کا کتب خانہ اس کے بھائی شریف رضی کے کتب خانہ سے بڑا اور بڑھا ہوا تھا۔ صرف اسماعیل بن عباد کا کتب خانہ اس کی نظیر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ شیخ رافعی کا بیان ہے: ''اس کا کتب خانہ ایک لاکھ چودہ ہزار کتابوں کا جامع تھا اور قاضی فاضل عبدالرحیم کا کتب خانہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ ان کے کتب خانہ میں ایک لاکھ چالیس ہزار مجلد کتابیں تھیں۔''(۳)

خوانساری نے ثعالبی کے حوالے سے موصوف کے کتب خانہ کی مالیت کا اندازہ تیس ہزار (۳۰،۰۰۰) دینار نقل کیا ہے اس میں امراء وزراء کے بے شمار تحائف کا شمار نہیں ہے۔(۴)

شیعی تذکرہ نگاروں کا یہ بیان کہ موصوف ثمانینی (اسّی ۸۰ والے) کے لقب سے اس لیے مشہور تھے کہ ان کی تالیفات اسّی ہزار (۸۰،۰۰۰) مجلدات پر مشتمل تھیں(۵) ایک ایسا بیان ہے جسے عقلِ سلیم تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ موصوف کا ذخیرۂ کتب اسّی ہزار مجلدات پر مشتمل تھا، پھر عمر بھی اسّی (۸۰) سال کی پائی تھی، اس لیے ثمانینی کے لقب سے مشہور تھے۔ تذکرہ نگاروں کو عربی کی عبارت ''حصرنا کتبہ فوجدنا ھا ثمانین الف مجلد'' میں مصنفاتہ میں لفظ ''من'' کی وجہ سے دھوکہ ہوا ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ لفظ اصل میں مع تھا جس کی

۱-رجال النجاشی: ۱/ ۲۰۷، الفہرست للطوسی: ۱۲۵، معجم الأدباء: ۵/ ۱۷۳، انباہ الرواۃ: ۲/ ۲۴۹، تتمۃ الیتیمۃ: ۱/ ۶۵۳۔

۲-روضات الجنات: ۴/ ۲۹۶، ۲۹۷، تنقیح المقال فی احوال الرجال: ۲/ ۲۸۴-۲۸۵۔ ۳-روضات الجنات: ۴/ ۲۹۷۔

۴-ایضاً، تنقیح المقال: ۲/ ۲۸۴۔ ۵-روضات الجنات: ۴/ ۲۹۸۔

تصحیف ہوگئی ہے، اب ترجمہ یہ ہوگا۔ (ترجمہ) ''ہم نے ان کی کتابوں کو ان کی تصانیف وغیرہ کے ساتھ شمار کیا تو اسی ہزار مجلدات نکلی تھیں'' اس طرح عبارت کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے اور اشکال بھی باقی نہیں رہتا۔

موصوف نے ایک گاؤں فقہاء کے کاغذ کے استعمال کے لیے وقف کیا تھا(۱) اپنی حویلی کو دارالعلم بنایا اور مناظرہ کے لیے وقف کیا تھا(۲) ۴۱۶ھ میں ان کی حویلی کو جلا دیا گیا اور انہیں درب جمیل میں منتقل ہونا پڑا تھا(۳)۔

۵- کتب خانہ ابن حسان منیعی:

کمال الدین ابو احمد بن عبدالرزاق بن حسان منیعی نیشاپوری (۰۰- بعد ۵۱۰ھ/۰۰-۱۱۱۶ء) بلند پایہ فقیہ و محدث تھے۔ طلبہ تحصیل علوم کے لیے ان کی خدمت میں سفر کر کے آتے تھے۔ انہوں نے بہت بڑا مدرسہ مرو روز میں قائم کیا تھا اس میں نہایت شاندار کتب خانہ بنایا تھا(۴)۔

۶- کتب خانہ نورانی بیہقی:

ابو علی حسین بن محمد بن حسین نورانی بیہقی شافعی مورخ عبدالغافر فارسی (۴۵۱-۵۲۹ھ/۱۰۵۹-۱۱۳۵ء) کے معاصر، بلند پایہ فقیہ، محدث، مفتی، واعظ و مرجع خلائق بزرگ تھے(۵) ایک زمانہ تک نیشاپور میں سکونت پذیر رہے۔ بہت کتابیں جمع کی تھیں ان کا کتب خانہ قابلِ رشک تھا۔ مدرسہ بنوایا اور اس میں کتب خانہ بھی وقف کیا تھا۔ مورخ عبدالغافر فارسی کا بیان ہے:

''دین کی نصرت میں ان کی بڑی خدمات ہیں۔ انہوں نے مدرسہ بنوایا، راستے ہموار کیے، نفیس کتابیں جمع کیں، ان کے مطالعہ میں مصروف رہے، ان کو پھیلایا، ان کی اشاعت کی، ان کے حالات شروع سے آخر تک قابلِ رشک رہے تھے۔''(۶)

۷- کتب خانہ خوارزم شاہ تکش:

علاء الدین خوارزم شاہ تکش المتوفی (۵۹۶ھ/۱۱۹۶ء) نے خوارزم میں ایک مدرسہ حنفیہ کے لیے بنایا تھا اور ایسا قابلِ رشک دارالکتب وقف کیا تھا کہ شاہانِ سلاجقہ کو بھی اس پر رشک آتا تھا(۷)۔

۱- روضات الجنات: ۴/۳۰۵۔ ۲- لسان المیزان: ۴/۲۲۳۔ ۳- المنتظم: ۸/۲۲۔ ۴- الانساب: ۵/۵۲۴۔
۵- طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/۳۶۶۔ ۶- منتخب السیاق: ص ۱۲ (ترجمہ نمبر ۶۲۰) ۷- الجامع المختصر......: ۹/۳۵۔

۸-کتب خانہ عبدالملک:

عبدالملک (جن کی تعیین نہیں ہوسکی) نے مرو میں ایک مدرسہ کھولا تھا اس میں مؤرخ ابوسعید عبدالکریم سمعانی (۵۰۶-۵۶۲ھ/ ۱۱۱۳-۱۱۱۶ء) پڑھاتے اور تصنیف و تالیف کرتے تھے۔(۱) اس کا خزانۃ الکتب بہت مشہور تھا۔ یاقوت نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ ۶۱۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں برباد ہوا تھا(۲)۔

۹-کتب خانہ ابنِ جوزی:

جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی بغدادی حنبلی (۵۱۰-۵۹۷ھ/۱۱۱۶-۱۲۰۱ء) محدث، حافظِ حدیث، مفسر، فقیہ، ادیب، شاعر، مورخ، واعظ و کثیر التصانیف مصنف تھے۔ سترہ (۱۷) برس کی عمر سے تصانیف کا سلسلہ شروع کیا تھا (۳)۔ خلیفہ مستضئی باللہ ان کا بہت معتقد تھا۔ ان کے وعظ میں شریک ہوتا تھا(۴) انہوں نے ایک مدرسہ درب دینار میں قائم کیا تھا۔ ۵۷۰ھ میں یہاں چودہ علوم کا درس دیتے تھے(۵)۔ اس مدرسہ میں موصوف نے اپنا کتب خانہ وقف کیا تھا (۶) تفسیر، حدیث، تاریخ و سیر، اصول، ادب، مناقب، رقاق، ریاضیات، وعظ و نصیحت اور طب کے موضوع پر تین سو چالیس (۳۴۰) سے اوپر تصانیف یادگار چھوڑی تھیں (۷) موصوف ہر روز چار (۴) کراسے لکھتے تھے اور ہر سال پچاس ساٹھ مجلدات کے مابین تیار کرتے تھے (۸)۔

ابن الجوزی کو کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا، انہوں نے بغداد کے بیشتر کتب خانوں کے کیٹلاگ دیکھے تھے (۹) ان کتب خانوں میں کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ عبدالسلام بن عبدالوہاب بن عبدالقادر جیلی نے وزیر ابن القصاب کو ابن الجوزی کی طرف سے لگائی بجھائی کر کے انہیں واسط میں جلاوطن کرایا ان کی بعض کتابوں کو نذرِ آتش کیا اور بعض کو سیل کرایا تھا (۱۰)۔

۱-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/ ۲۶۰۔ ۲-معجم البلدان: ۵/ ۱۱۴۔ ۳-کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۴۰۰۔
۴-ایضاً: ۴۰۴۔ ۵-ایضاً: ۴۰۵۔ ۶-ایضاً: ۴۱۳۔ ۷-ایضاً: ۴۱۰، مرأۃ الزمان: ۸/ ۳۱۱، ق: ۱، ذیل علی الروضتین: ۱/ ۲۱، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۴۴۔ ۸-شذرات الذهب: ۴/ ۳۳۰۔ ۹-صید الخاطر: ۴۴۰-۴۴۱۔
۱۰-البدایہ والنہایہ: ۱۳/ ۴۵، خزائن الکتب القدیمہ: ۲۵۸۔

۱۰- کتب خانہ قاضی فاضل:

محی الدین عبدالرحیم بن علی بن سعید لخمی بیسانی عسقلانی المعروف بالقاضی الفاضل (۵۲۹-۵۹۶ھ) کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے تھا۔ یہ عالم فاضل، نہایت نامور ادیب و شاعر، نیک، تہجد گزار شب زندہ دار وزیر تھا(۱) انشاء پردازی میں متقدمین پر بھی فائق تھا(۲) پہلے سلطان صلاح الدین کا وزیر رہا۔ وہ اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ پھر اس کے فرزند عزیز کا اور اس کے بعد سلطان منصور کا وزیر رہا۔(۳) مورخ عبداللطیف بغدادی کا بیان ہے:

''یہ تین بھائی تھے۔ ایک بھائی اسکندریہ میں رہتا تھا اور وہیں مرا، وہ آثار قدیمہ کا رسیا تھا، انگوٹھیاں، چٹائیاں، ہانڈیاں جمع کی تھیں، ان سے اس کے صندوق بھرے پڑے تھے، وہ جب کسی انگوٹھی کو دیکھتا یا سنتا اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور خرید لیتا تھا''۔

دوسرے بھائی کو کتابوں کا بہت شوق تھا، اس نے دو لاکھ (۲،۰۰۰۰۰) کتابیں جمع کی تھیں اور ہر کتاب کے بہت سے نسخے رکھتا تھا، صحاح جوہری کے اس کے پاس ۱۸ نسخے موجود تھے۔ تیسرے یہ قاضی تھے (۴)۔ ہر فن کی کتابیں جمع کی تھیں۔ نہایت شاندار کتب خانہ بنایا تھا۔

ہر جگہ سے کتابیں منگواتا۔ اس کے نقل نویس کبھی تھکتے نہیں اور جلد ساز کبھی بیکار نہیں بیٹھتے تھے۔ اس کے کتب خانہ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱،۲۴،۰۰۰) کتابیں تھیں، یہ تعداد بھی موصوف کی وفات سے بیس (۲۰) برس پہلے کی تھی (۵) اس کتب خانہ میں کتابوں کا ایک سے ایک عمدہ نسخہ جمع کیا گیا تھا۔ دلال کتب ابن صورہ کتبی کا بیان ہے:

موصوف کے فرزند اشرف کے پڑھنے کے لیے دیوان الحماسہ کا نسخہ کتب خانے سے طلب کیا گیا۔ کارکنانِ کتب خانہ نے دیوان الحماسہ کے پینتیس (۳۵) نسخے نکال کر میرے سامنے ان کو پیش کیے اور ہر نسخہ کو بتانے لگے کہ یہ فلاں کے قلم کا نسخہ ہے اور یہ فلاں کے قلم کا نسخہ ہے پینتیس (۳۵) نسخوں تک یہی کیفیت رہی، آخر

۱-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۷/ ۱۶۶، ۱۶۷، ۲/ ۸۴۔ ۲-النجوم الزاھرۃ: ۶/ ۱۵۷، شذرات الذھب: ۴/ ۳۲۵۔

۳-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۷/ ۱۶۷، معجم البلدان: ۱/ ۵۲۷، البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۲۴، شذرات الذھب: ۴/ ۳۲۵۔

۴-نفح الطیب: ۲/ ۳۶۶، حسن المحاضرۃ: ۲/ ۲۱۶، ۲۳۳۔ ۵-نفح الطیب: ۲/ ۳۶۷۔

قاضی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ بچوں کے پڑھانے کے لیے دیوان الحماسہ کا نسخہ مہیا کرو اور ایک دینار لیتے جاؤ خرید کر لیتے آنا"(۱)۔

قاضی فاضل کتاب کو ہر قیمت پر خرید لیتے تھے، ایک مرتبہ ایک بڑا مصحف جو کوفی خط میں لکھا ہوا اور مصحفِ عثمانی کے نام سے مشہور تھا۔ قاضی فاضل نے ۳۳اور ۳۰ ہزار دینار کے مابین خریدا تھا(۲) ۵۸۰ھ میں قاضی فاضل نے قاہرہ میں اپنے محل سرا کے متصل درب نوحیہ میں ایک نہایت عالیشان مدرسہ بنوایا جو المدرسۃ الفاضلیہ کے نام سے مشہور تھا، اسے شافعیہ اور مالکیہ پر وقف کیا۔(۳) ائمہ فن کو اس میں درس پر مامور کیا، ابو القاسم شاطبی جیسے نامور علماء اس میں درس دیتے تھے(۴) اس مدرسہ میں یہ عظیم الشان کتب خانہ وقف کیا تھا(۵) جس میں ایک لاکھ(۱۰۰،۰۰۰) اس کے رسائل و مکاتیب ہی تھے(۶) مصحفِ عثمانی کو مدرسہ کے غربی گوشہ میں محراب میں ایک علیحدہ مکان میں رکھا گیا(جہاں اور بھی مصاحف رکھے تھے) لیکن شہرت کی بناء پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اسیرانِ فرنگ کو آزاد کرانے کے لیے بھی اوقاف مقرر کیے تھے ان کی وزارت، شہرت و مقبولیت علماء وزراء، ملوک سب کو کھٹکتی تھی اس لیے کہ وہ ان امور خیر کی انجام دہی سے قاصر تھے۔(۷)

ایک سو چودہ(۱۱۴) برس کے بعد ۶۹۴ھ میں مصر میں کال پڑا اور لوگ بھوکے مرنے لگے تو اس کتب خانہ کی ہر مجلد کتاب ایک روٹی کے عوض بکنے لگی تھی، اس افتاد میں کتب خانے کی بیشتر کتابیں نکل گئیں تھیں، جو باقی رہ گئیں تھیں وہ عاریتاً لینے میں فقہاء کے ہاتھوں برباد ہوگئی تھیں(۸)۔

۱۱- کتب خانہ ابنِ عساکر:

ثقۃ الدین ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ شافعی المعروف بابن عساکر(۴۹۹-۵۷۱ھ/۱۱۰۵-۱۱۷۶ء) ایک خانوادہ علمی کے گوہر شب چراغ تھے۔ حافظ حدیث، محدث، فقیہ، مورخ، ادیب، شاعر اور کثیر التصانیف

۱- نفح الطیب:۲/۳۶۷، شذرات الذھب:۴/۳۲۵-۳۲۶۔ ۲- ایضا:۲/۳۶۶۔
۳- نفح الطیب:۲/۲۶۶، طبقات الشافعیۃ:۲/۲۸۴، الخطط الجدیدہ:۶/۱۲، الدارس فی تاریخ المدارس:۱/۸۹، ۹۳، المجلۃ القاھرہ، شمارہ ۱۴۸، ص:۱۸۔ ۴- ایضا۔ ۵- نفح الطیب:۲/۳۶۶، طبقات الشافعیۃ:۲/۲۸۴، حسن المحاضرۃ:۱/۴۶۴۔
۶- العبر:۴/۲۹۳، وفیات الأعیان:۱/۲۸۴۔ ۷- البدایہ والنھایہ:۱۳/۲۴۔
۸- نفح الطیب:۲/۳۶۶، الخطط التوفیقیۃ الجدیدۃ:۶/۱۲۔

مصنف تھے (۱) تیرہ سو شیوخ سے جس میں اسّی (۸۰) سے اوپر محدثہ تھیں احادیث کا سماع کیا (۲) اور لکھا تھا، کتابیں جمع کی تھیں، ابنِ عساکر اور ان کے رفیق خواجہ طاش ابوعلی بن الوزیر دونوں کتابوں کے دلدادہ تھے، جو کتابیں ایک کے پاس ہوتی تھیں نقل کی سہولت کی بناء پر وہ نہیں دوسرا حاصل کرنے کے درپے نہیں رہتا تھا، دونوں مزید کتابوں کی جستجو میں لگے رہتے تھے، جب ابنِ عساکر تحصیلِ علوم کے بعد دمشق آئے تو محسوس ہوا کہ کچھ بھی حاصل نہیں کیا بہت سی امہات الکتب اور بڑی بڑی کتابیں حافظ ابوالعلاء الوزیر کے پاس رہ گئیں، ابوعلی جلد ہی دمشق آنے والے تھے اتفاق سے وہ مرو میں ٹھہر گئے، ابنِ عساکر کی پریشانی اور بڑھ گئی اور انہوں نے حصولِ کتب کے لیے سفر کا ارادہ کیا مگر ایک اور ہم سبق ابوالحسن مرادی کے دمشق پہنچنے کی توقع تھی، وہ کتابوں سے بھرے ہوئے چار (۴) اسفار لے کر جس میں صحیحین، بیہقی کی تصانیف اور عوالی واجزاء تھے پہنچ گئے، انہیں بڑی خوشی ہوئی اور یہ کتابوں کی نقل میں منہمک ہو گئے، سب کتابیں نقل کیں تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے انہیں پوری دنیا مل گئی۔ (۳) ابن عساکر نے اتنی کتابوں کی نقل وتصحیح ومقابلہ کیا اور کتابیں جمع کی تھیں کہ معاصرین میں سے کسی حافظِ حدیث نے نہیں کی تھیں (۴)۔

موصوف نے چالیس (۴۰) برس تک پڑھایا، کتابیں لکھیں اور کتب خانہ بنایا تھا، ان کے کتب خانے میں مقابلہ اور صحت کردہ نسخے محفوظ تھے (۵) ابنِ عساکر نے سب سے پہلے دمشق میں دارالحدیث بنایا اور اس میں اپنا کتب خانہ وقف کیا تھا (۶)۔

۱- طبقات الشافعیۃ: ۷/ ۲۱۵، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۲۳۶، وفیات الاعیان: ۱/ ۲۳۵، البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۲۹۴، طبقات الشافعیۃ: ۲/ ۲۱۶، خریدۃ القصر وجریدۃ العصر، قسم الشام: ۱/ ۲۷۴۔

۲- طبقات الشافعیۃ: ۷/ ۲۱۶، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۷۸، معجم الادباء: ۵/ ۱۴۰۔

۳- طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۷/ ۲۱۹، ۲۲۰۔

۴- البدایہ والنھایہ: ۱۲/ ۲۹۴، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۳۰، الدارس فی تاریخ المدارس: ۱/ ۱۰۱۔

۵- معجم الادباء: ۵/ ۱۴۵، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۳۳۱۔

۶- الدارس فی تاریخ المدارس: ۱/ ۱۰۰۔

۱۲-کتب خانہ ابوالحسن مرحب حنبلی:

ابوالحسن علی بن عساکر مرحب بطائحی حنبلی (۴۹۰-۵۷۲ھ/۱۰۹۷-۱۱۷۷ء) شیخ القراء، محدث، لغوی، نحوی، ادیب و مصنف تھے (۱) موصوف کا اتنا بڑا کتب خانہ تھا کہ اس کو مدرسہ شیخ عبدالقادر جیلانی (۲) اور مسجد ابنِ جرادہ (۳) میں وقف کیا تھا۔ مدرسہ جیلانیہ کے کتب خانہ میں ان کی کتابیں آج بھی موجود ہیں (۴)۔

۱۳-کتب خانہ گوہر خاتون:

گوہر خاتون ملک شاہ سلجوقی کی دختر نیک اختر کی شادی سلطان علاء الدولہ مسعود بن ابراہیم المتوفی ۵۰۴ھ/۱۱۱۰ء سے ہوئی تھی (۵) یہ بڑی نیک دل خاتون تھی، خیر کے کاموں میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ اس نے ایک مدرسہ نیشاپور میں بنوایا اور اس میں کتب خانہ وقف کیا تھا۔ یہ کتب خانہ خزانۃ الخاتونیہ، کتب خانہ مہد عراق اور کتب خانہ مدرسہ مہد عراق کے نام سے موسوم تھا۔ ظہیر الدین بیہقی المتوفی ۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء نے اس میں تاریخ آل محمود کی کچھ جلدیں مطالعہ کی تھیں (۶)۔

۱۴-کتب خانہ حارثی مقدسی:

ابوالحسن مرتضیٰ بن ایوب حارثی مقدسی المتوفی (۵۷۲ھ/۱۱۷۶ء) نے اپنا کتب خانہ مدرسہ جیلانیہ بغداد میں وقف کیا تھا (۷)۔

۱۵-کتب خانہ ابوالمظفر شیبانی:

عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ شیبانی حنبلی (۴۹۹-۵۶۰ھ/۱۱۰۵-۱۱۶۵ء) فقیہ، قاری، لغوی، عروضی، مؤرخ، ادیب، مصنف، علم و اہلِ علم کا قدردان تھا۔ اس کی مجلس علماء، ادباء، شعراء اور دیگر ارباب

۱-المنتظم:۱۰/۲۶۷، البدایہ والنھایہ:۱۲/۲۹۶، معرفۃ القراء الکبار:۲/۴۳۴، العبر:۴/۲۱۵، المنتظم:۱/۴۴۶، شذرات الذھب: ۴/۲۴۲، معجم الادباء:۵/۳۷۳، ۳۷۴، بغیۃ الوعاۃ:۲/۱۷۹-۱۸۰، انباہ الرواۃ:۲/۲۹۸، نکت الہمیان:۲۱۴۔

۲-معجم الادباء:۵/۲۷۴، غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء:۱۰/۲۶۷، کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ:۱/۳۴۷۔

۳-البدایہ والنھایہ:۱۲/۲۹۶۔ ۴-مدارس بغداد فی العصر العباسی:۱۵۳۔ ۵-راحۃ الصدور وآیۃ السرور:۱۴۰۔

۶-تتمۃ صوان الحکمۃ:۱۷۹، ۱۸۴ (حواشی) ۷-مدارس بغداد فی العصر العباسی:۱۵۳۔

کمال سے خالی نہیں تھی (۱)۔ ابنِ خشاب بغدادی المتوفی ۵۶۷ھ نے جب موصوف کی کتاب ''مقدمۃ النحو'' کی شرح لکھی تو اسے ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار بطور انعام دیے تھے (۲) خلیفہ مقتفی باللہ عباسی نے ۵۴۴ھ میں موصوف کو وزیر بنایا پھر مستنجد باللہ کے تاحیات وزیر رہے۔

کتابوں کا بہت شوق تھا۔ بہت عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا۔ علماء وفضلاء ان کے کتب خانہ کے لیے کتابیں لکھتے تھے۔ حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ ''ابو محمد بن عبدالرحمن اندلسی نے ۵۵۶ھ میں ''المغرب عن بعض عجائب المغرب'' انہی کے کتب خانے کے لیے لکھی تھی'' (۳)۔

ابو محمد اندلسی ۵۱۶ھ میں بغداد آیا تو ابنِ ہبیرہ کے یہاں چار برس مہمان رہا تھا۔ جب ۵۵۵ھ میں آیا تو بھی اس کا مہمان رہا، بہت خاطر مدارت ہوئی، اس کے حسنِ سلوک کا موصوف نے آغاز کتاب میں ذکر کیا ہے (۴)۔ ابنِ ہبیرہ نے ۵۵۷ھ میں باب البصرہ کے پاس حنابلہ کے واسطے ایک مدرسہ بنوایا۔ بغداد میں حنابلہ کا یہ واحد مدرسہ تھا اس مدرسہ میں موصوف نے اپنا کتب خانہ وقف کیا تھا اور اس میں اس کا مدفن ہے (۵)۔

ابنِ ہبیرہ کی وفات کے بعد جب ابوجعفر احمد بن محمد بلدی وزیر بنا تو اس نے ان کی اولاد اور عزیزوں پر بہت سختی کی۔ ان کا سارا اثاثہ چھین لیا، وہ نان شبینہ کو محتاج ہوگئے، آخر کار انہوں نے ابنِ ہبیرہ کے مدرسہ کی موقوفہ کتابیں بیچنا شروع کر دی تھیں۔

اس خزانۃ الکتب میں ابواللیث سمرقندی کی کتاب ''البستان فی الرقائق'' کا نہایت خوشخط لکھا ہوا مطلا نسخہ موجود تھا جس پر دس دینار دو دانق اور ایک حبہ کے ہم وزن سونا چڑھا ہوا تھا، وہ بھی فروخت کیا گیا (۶) ابنِ ہبیرہ نے اپنی کتاب ''الافصاح'' کا نسخہ نقل کرا کر مستنجد باللہ کے کتب خانہ میں داخل کیا تھا (۷) اس کے خزانۃ الکتب میں اس کی مدح میں شعراء نے جو قصائد لکھے تھے وہ چار مجلدات میں محفوظ تھے۔ کسی دشمن نے اسے خرید کر

۱- وفیات الأعیان: ۲/ ۲۴۶-۲۴۷، العبر: ۴/ ۷۳، کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۲۶۰، مرآۃ الزمان: ۸/ ۲۵۶۔

۲- معجم الأدباء: ۱۲/ ۵۷۔ ۳- کشف الظنون: ۷/ ۱۲۷، ۱۱۲۸، خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۸۲-۱۸۳۔ ۴- ایضاً۔

۵- البدایۃ والنھایۃ: ۱۲/ ۲۵۱، المنتظم: ۱۰/ ۲۱۷، الکامل فی التاریخ: ۱۱/ ۳۲۱، مدارس بغداد فی العصر العباسی: ۱۶۲۔

۶- مرآۃ الزمان، ق: ۱، ۸/ ۲۶۲، مدارس بغداد فی العصر العباسی: ۱۶۲۔

۷- کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۲۵۲، المنہج الأحمد: ۲/ ۲۸۷۔

پانی سے دھو ڈالا تھا(۱) سبط ابن الجوزی کا بیان ہے کہ ۶۵۴ھ میں یہ مدرسہ اور کتب خانہ برباد ہو چکا تھا(۲) ابن المارستانیہ نے موصوف کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی (۳)۔

۱۶-کتب خانہ ابن الجوہری:

شرف الدین ابوالعباس احمد بن مسعود بن ابراہیم المعروف بابن الجوہری (۰۰-۶۴۳ھ /۰۰-۱۲۴۵ء) عالم و حافظ حدیث تھے۔ علم کے لیے سفر کیا۔ راتوں کو جاگے، اتنا لکھا کہ بیان سے باہر ہے۔ اجرت پر کتابیں نقل کرائی تھیں اور اپنی پوری جائیداد اس علم کی طلب میں خرچ کی تھی (۴) جوانی میں انتقال ہو گیا۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو اپنی تمام کتابیں مدرسہ نوریہ میں وقف کر دیں، موصوف کے کتب خانہ میں اتنی کتابیں تھیں کہ ان کے معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھیں۔ صدریہ ایک مکان تھا، اسے ابن المنجا نے ان سے خرید کر مدرسہ بنایا اور وقف کیا تھا (۵)۔

۱۷-کتب خانہ باتکین ناصری:

شمس الدین ابوالمظفر باتکین بن عبداللہ رومی ناصری (۵۶۰-۶۴۰ھ/۱۱۶۵-۱۲۴۲ء) مستنجد باللہ کی کنیز عائشہ کا غلام اور فوجی تھا۔ عالم و شاعر تھا۔ بیس برس تک بصرہ کا عامل رہا۔ بصرہ میں جو مدرسے منہدم ہو چکے تھے، ان کو بنوایا، آباد کیا۔ حنابلہ کا یہاں کوئی مدرسہ نہ تھا، ان کے لیے مدرسہ بنایا۔ علمِ طب کا مدرسہ (میڈیکل کالج) کھولا، اس کے دور میں علم کا یہاں بڑا چرچا رہا۔ دُور دُور سے علماء یہاں آنے لگے تھے (۶) جامع بصرہ کی دہلیز کے پاس دو حجرے بنوائے، ان میں سے ایک میں کتب خانہ بنوایا تھا اور تمام مدرسوں میں کتابیں وقف کی تھیں (۷)۔

۱-کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ:۱/ ۲۸۳۔ ۲-مرآۃ الزمان، ق:۱، ۸/ ۲۴۰۔ ۳-خزائن الکتب القدیمہ:۱۸۲۔

۴-تذکرۃ الحفاظ:۴/ ۴۔ ۵-الوافی بالوفیات:۸/ ۱۶۷، الدارس فی تاریخ المدارس:۱/ ۱۱۱۔ ۶-الحوادث الجامعہ:۱۸۱۔

۷-ایضاً، الجامع المختصر:۹/ ۷۵-۷۷۔

۱۸- کتب خانہ ابوالقاسم مقدسی:

شہاب الدین ابوالقاسم عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراہیم مقدسی دمشقی شافعی (۵۹۹-۶۶۵ھ/ ۱۲۰۲-۱۲۶۷ء) ان کے ابرو پر بڑا نشان تھا۔ اس لیے ابوشامہ کے لقب سے مشہور تھے۔ قاری، محدث، حافظِ حدیث، مفسر، فقیہ، اصولی، مؤرخ، ادیب، شاعر، لغوی، خطاط، کثیر التصانیف مصنف تھے۔(۱) دارالحدیث اشرفیہ میں شیخ الحدیث اور تربۃ الاشرفیہ میں شیخ القراء کے منصب پر ممتاز تھے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ تھا جسے انہوں نے خزانہ عادلیہ دمشق میں وقف کیا تھا۔ اس نے یہ پابندی لگائی تھی کہ کوئی کتاب خزانہ عادلیہ سے باہر نہ لے جائی جائے، پھر اس میں آگ لگی اور سب جل گیا۔(۲)

۱۹- کتب خانہ ابوطالب حلبی:

شریف الدین ابوطالب عبدالرحمن بن عبدالرحیم بن الحسن عجمی حلبی شافعی (۶۵۸ھ/ ۱۲۵۹ء) حلب کے امیر اور علمی خانوادے کے فرد فرید تھے۔ فقیہ، محدث و مدرس تھے(۳) ظاہریہ میں پڑھاتے تھے۔ حلب میں ایک نہایت شاندار مدرسہ بنوایا، اس میں خزانۃ الکتب وقف کیا(۴) اور ان کتابوں پر اپنا نام لکھا تھا یہ کتب خانہ حدیث، تفسیر، فقہ، نحو وغیرہ ہر فن کی کتابوں پر مشتمل تھا، جن میں امام شافعی کی ''المسند''، ''کتاب الام'' اور کئی دیگر تصانیف، ائمہ تفسیر ثعلبی وغیرہ کی تفسیریں اور ''النہایہ، الحاوی الکبیر، کتاب الابانہ، التنبیہ، الذخائر، الشامل''، حدیث میں صحاح ستہ اور فقہ میں تمام فقہی مذاہب کی کتابیں تھیں۔ رافعی اور نووی کی کتابیں ابھی تک حلب نہیں پہنچی تھیں، اس لیے ان کی کتابیں اس میں نہ تھیں، اس میں چالیس (۴۰) نسخے کتاب التنبیہ کے تھے۔ امام غزالی کی جملہ تصانیف، ان تمام کتابوں کے نام ان کے رشتہ داروں کے پاس بھی ایک رجسٹر میں لکھے ہوئے موجود تھے تیمور کے حملہ میں یہ کتب خانہ ضائع ہوگیا(۵)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس کتب خانے کا کیٹلاگ بھی کتابی صورت میں موجود تھا۔

۱- البدایہ والنہایہ: ۱۳/ ۲۵۰، طبقات الشافعیہ: ۱/ ۱۱۸۔ ۲- شذرات الذھب: ۵/ ۳۱۹، ذیل علی الروضتین: ۳۹۔
۳- العبر: ۵/ ۲۴۷۔ ۴- البدایہ والنہایہ: ۱۳/ ۲۲۵۔ ۵- اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء: ۴/ ۴۲۴۔

۲۰- کتب خانہ بادرائی:

نجم الدین ابو محمد عبداللہ بن محمد بن الحسن شافعی بادرائی (۵۹۴-۶۵۶ھ/ ۱۱۹۷-۱۲۵۸ء) محدث، فقیہ، فرائض کے ماہر اور خازنِ کتب تھے۔ آخری زمانے میں انہیں بغداد کا قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا۔ ۶۳۹ھ میں جامعہ نظامیہ میں مدرس بنایا گیا، خلعت پہنائی گئی، شاہی کتب خانے کا خازن بنایا گیا۔ اساتذہ جامعہ نظامیہ کے طور طریق اور پابندیوں سے مستثنیٰ قرار دے کر انہیں مدرسہ میں آمد و رفت کی خصوصی اجازت دی گئی تھی۔ (۱)

بادرائی کو کتابوں کا شوق تھا، ان کے پاس عمدہ کتب خانہ تھا، دمشق میں موصوف نے دار اسامہ میں شافعیہ کے واسطے ایک مدرسہ بنوایا جو مدرسہ بادرائیہ کے نام سے مشہور تھا (۲)۔ یہ دمشق کا سب سے بہتر مدرسہ تھا، اس کے افتتاح میں سلطان صلاح الدین اور دوسرے اعیانِ مملکت نے شرکت کی تھی (۳) اس کتب خانہ کی کتاب الحاوی کے نسخہ کا سبکی ''طبقات الشافعیہ'' میں حوالہ دیتے رہتے ہیں (۴) ۶۴۷ھ/ ۱۲۴۹ء میں خلیفہ مستعصم باللہ نے موصوف کو شام و حلب میں سفارت کے عہدہ پر بھیجا تھا (۵)۔

۲۱- کتب خانہ شمس الدین بطال:

شمس الدین ابو عبداللہ (محمد) بن احمد بن محمد رکبی یمنی المعروف ببطال (۰۰-۶۳۳ھ / ۰۰-۱۲۳۳ء) قاری، محدث، فقیہ، لغوی، شاعر، مصنف، عابد و زاہد تھے۔ چودہ (۱۴) برس مکہ میں رہے تھے، ان کا ذاتی کتب خانہ تھا۔ بطال نے اپنی بستی ذی یعمر میں ایک مدرسہ بنوایا، اس میں اپنی جائیداد اور کتب خانہ وقف کیا تھا۔ (۶) حسن صغانی لاہوری کی قیامِ یمن کے زمانہ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی اور ایک نے دوسرے سے استفادہ کیا تھا (۷) یمن اور نواحِ یمن سے طلبہ ان کی خدمت میں آکر اکتسابِ کمال کرتے تھے، بطال درس و تدریس، تصنیف و تالیف کی مصروفیات کے باوجود ایک قرآن روزانہ ختم کرتے تھے (۸)۔

۱- الحوادث الجامعہ: ۱۴۷-۱۴۸، خزائن الکتب القدیمہ: ۱۲۲۔ ۲- ذیل مرآۃ الزمان: ۱/ ۷۲، طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ۵/ ۵۹۔
۳- ذیل علی الروضتین: ۱۹۸، البدایہ والنہایہ: ۱۲/ ۱۷۹، النجوم الزاہرہ: ۷/ ۵۷۔ ۴- طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ۷/ ۲۸۱۔
۵- الحوادث الجامعہ: ۴/ ۳۱۴-۳۱۵۔ ۶- تاریخ ثغر عدن: ۲/ ۲۰۱۔ ۷- ایضاً۔ ۸- ایضاً۔

۲۲- کتب خانہ ضیاء الدین مقدسی:

ضیاء الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد بن احمد مقدسی دمشقی حنبلی (۵۶۹-۶۴۳ھ/ ۱۱۷۳-۱۲۴۵ء) فقہاء و محدثین کے خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ محدث، فقیہ، حافظِ حدیث، عابد و زاہد، جرح و تعدیل کے امام وکثیر التصانیف مصنف تھے(۱)۔ تحصیلِ علوم کے لیے خراسان، عراق، مصر و حجاز کا سفر کیا، بہت کتابیں لکھیں اور لکھوائیں اور مختلف اسلامی ممالک سے خریدی تھیں۔ عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا، بنیادی نسخے جمع کیے تھے(۲)۔ بہت آسانی سے کتابیں عاریتاً دیتے تھے(۳)۔ سفح قاسیون دمشق کے باب المظفری میں "دار الحدیث الضیائیۃ المحمدیۃ" کے نام سے ایک مدرسہ بنایا۔

اس میں اپنا کتب خانہ وقف کیا(۴) پھر اس خزانۃ الکتب میں ۱- شیخ موفق الدین، ۲- بہاء الدین عبدالرحمن، ۳- حافظ عبدالغنی، ۴- ابنِ رجب حنبلی، ۵- ابنِ سلام، ۶- ابنِ معالی، ۷- شیخ علی موصلی جیسے نامور علماء نے اپنی کتابیں اور کتب خانے وقف کیے تھے(۵)۔ اس کے مصارف کو پورا کرنے کے لیے جائیدادیں وقف کی گئی تھیں، لیکن غازان کے حملہ میں یہ قیمتی کتب خانہ لٹ گیا تھا(۶)۔

۲۳- کتب خانہ مؤرخ ابن النجار:

محب الدین ابو عبداللہ بن محمود بن حسن بغدادی شافعی المعروف بابن النجار (۵۷۸-۶۴۳ھ/ ۱۱۸۳-۱۲۴۵ء) حافظ، محدث، ادیب، شاعر، نحوی و قاری اور مؤرخ تھے۔ جامعہ مستنصریہ میں حدیث پڑھاتے تھے۔ چالیس (۴۰) سے زیادہ تصانیف یادگار چھوڑی تھیں(۷)۔ تحصیلِ علوم کے لیے خراسان، اصفہان، شام، مصر وغیرہ کا سفر کیا اور تین ہزار شیوخ سے سماع کیا۔ جن میں چار سو (۴۰۰) خواتین اس پایہ کی محدثہ تھیں، جن سے موصوف نے سندیں لی تھیں(۸) بہت سماع کیا اور اتنا لکھا تھا کہ بیان سے باہر ہے(۹)

۱- تذکرۃ الحفاظ: ۴/۱۴۰۵۔ ۲- الوافی بالوفیات: ۴/۶۵۔ ۳- تذکرۃ الحفاظ: ۴/۱۴۰۶، کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ: ۲۳۸۔ ۴- ایضاً، الدارس فی تاریخ المدارس: ۲/۹۲-۹۴۔ ۵- البدایہ والنھایہ: ۱۳/۱۷۰، ایضاً۔

۶- الوافی بالوفیات: ۴/۶۶، الدارس فی تاریخ المدارس: ۲/۹۲-۹۴۔ ۷- معجم الادباء: ۷/۱۰۳، الوافی بالوفیات: ۵/۱۰، شذرات الذھب: ۵/۲۲۷۔ ۸- طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۵/۴۱، تذکرۃ الحفاظ: ۴/۱۴۲۹۔ ۹- العبر: ۷/۱۸۰۔

حدیث کی کتابوں کے اصل نسخے اور مسانید جمع کی تھیں (۱) بہت بڑا کتب خانہ تھا (۲)۔

اس کی وسعت وعظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ موصوف نے ایک ہزار دینار کی قیمت کے دو خزانۃ الکتب جامعہ نظامیہ بغداد میں وقف کیے تھے اور اس وقف نامہ کی توثیق خود خلیفہ مستعصم نے اپنے دستخطوں سے کی تھی (۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ وقف کے کتب خانہ پر خلیفہ وقت دستخط کرتا تھا، گویا اس کی رجسٹری ہوتی تھی۔ اس دور میں کتابوں اور کتب خانوں کی ہمت افزائی وقدردانی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال پیش کی جاسکتی تھی۔

موصوف نے بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا تھا لیکن وہ محض جمعِ کتب کے قائل نہ تھے اس سے استفادہ کو کتب خانہ کی جان سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے:

إِذَا لَمْ تَكُنْ حَافِظاً وَاعِياً
فَجَمْعُكَ لِلْكُتْبِ لَا يَنْفَعُ

(ترجمہ): "تم جب علوم کے حافظ اور انہیں محفوظ رکھنے والے نہیں، پھر کتابوں کا اکٹھا کرنا تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔"

أَتَنْطِقُ بِالْجَهْلِ فِي مَجْلِسٍ
وَعِلْمُكَ فِي الْبَيْتِ مُسْتَوْدَعٌ (۴)

"کیا تم مجلس میں بیٹھ کر جہل کی باتیں کرو گے۔ اور تمہارا علم گھر میں امانت رکھا رہے گا۔"

۶۲۴ھ میں بغداد آئے تو انہیں محلہ ظفریہ میں رباط شیخ الشیوخ میں قیام کی پیش کش کی گئی۔ فرمایا، میرے پاس تین سو (۳۰۰) دینار موجود ہیں، اس میں قیام درست نہیں، وارث کوئی تھا نہیں، مرتے وقت بیس دینار، تن کے کپڑے اور کتب خانہ چھوڑا تھا (۵)۔

اس طرح بعض ادوار میں بعض بلاد میں مدارس اور ان میں کتب خانوں کی کثرت رہی ہے۔ چنانچہ عہدِ

۱- معجم الأدباء: ۷/ ۱۰۳، الوافی بالوفیات: ۵/ ۱۰۔ ۲- ایضاً، الحوادث الجامعہ: ۲۰۵۔
۳- البدایہ والنھایہ: ۱۳/ ۱۶۹، الوافی بالوفیات: ۵/ ۱۰، تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۴۲۹۔
۴- معجم الأدباء: ۷/ ۱۰۴۔ ۵- الحوادث الجامعہ: ۲۰۶۔

ایوبی (۵٦۴-٦۴۸ھ/۱۱٦۸-۱۲۵۰ء) میں:

دمشق میں قرآن مجید کی تعلیم کے سترہ (۱۷) حدیث کی تعلیم کے اٹھارہ (۱۸)، شافعیہ کے ستاون (۵۷)، حنفیہ کے اکیاون (۵۱)، حنابلہ کے دس (۱۰)، مالکیہ کے چار (۴) مدرسے اور طب کے تین (۳) مدرسے تھے۔

ان میں نو (۹) مدرسے مالدار خواتین نے بنوائے ہوئے تھے۔ رباطات، خانقاہیں، زاوے اور تکیے اس کے علاوہ تھے، جہاں تعلیم کا علیحدہ انتظام تھا (۱)۔

عہدِ عباسی میں بعض شہر مدارس کی کثرت میں بہت مشہور تھے مثلاً ساوہ جورّے اور ہمدان کے مابین ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ کثرتِ مدارس و رباطات میں شہرت رکھتا تھا (۲)۔

موصل میں اٹھائیس (۲۸) مدرسے، اٹھارہ (۱۸) دارالحدیث اور ستائیس (۲۷) خانقاہیں تھیں اور ان سے متصل کتب خانے بھی تھے (۳)۔

بعض شہروں میں بعض مقامات میں کسی خصوصیت کی بناء پر مدرسے زیادہ بنائے جاتے تھے، چنانچہ دمشق میں جبل قاسیون میں جہاں انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں، کثرت سے مدرسے اور خانقاہیں آباد تھیں (۴)۔

عہدِ عباسی میں کثرت سے مدارس بنائے گئے، لیکن آپس کے اختلافات، سیاسی انقلابات اور حملہ آوروں کی لوٹ مار سے مدارس بھی تباہ ہوتے رہے، اس لیے تاریخ نگار زیادہ تفصیل میں نہیں جاتے۔ ان کی طرف اشارے کر کے گزر جاتے ہیں (۵)۔ تاہم طبقات و بلاد کی تاریخ میں عصرِ عباسی کے مشہور مدرسوں کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ ابوالقاسم جنید شیرازی نے "شدالازار فی حط الاوزار عن زوار المزار" میں علماء و صوفیہ کے حالات میں شیراز کے، مقریزی نے کتاب الخطط (٦) میں مصر کے، ابنِ عساکر نے مقدمہ تاریخ دمشق میں (۷) شام کے، ابن الجوزی نے "المنتظم" میں (۸) اور ابن القوطی نے "الحوادث الجامعہ" میں حوادث اور وفیات کے

۱- محاضرات المجمع العلمی: ۱/۱٦۲-۱٦۳۔ ۲- آثار البلاد: ۳۸۷۔ ۳- دولۃ الاتابکہ فی الموصل: ۳۱۵، الدیارفی تاریخ الموصل: ٦٦۔ ۴- معجم البلدان: ۴/۲۹۵، وفیات الأعیان: ۱/۱۹۷۔ ۵- الکامل فی التاریخ: ۱۰/۲۵۱۔ ٦- المواعظ والاعتبار: ۲/۳٦۲۔ ۷- تہذیب تاریخ دمشق: ۱/۲۲۲، ۲۲۳۔ ۸- المنتظم: ۸/۲۳۸۔

ذیل میں، عماد السلام نے ''مدارس بغداد فی العصر العباسی'' میں، بغداد کے الفارسی نے ''کتاب السیاق'' میں علماء کے تذکرہ میں نیشاپور کے مدارس کا ذکر کیا ہے۔

علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، ان میں حسن بن احمد اربلی المتوفی ۷۲۶ھ کی کتاب مدارس دمشق و ربطها و جوامعها و حماماتها (۱) ''تاریخ المدارس'' زیادہ مشہور ہیں اور نعیمی کی ''الدارس فی تاریخ المدارس'' زیادہ مشہور ہیں۔ نعیمی نے ''الدارس فی تاریخ المدارس'' میں شام و مصر کے مدارس کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ ناجی معروف نے ''علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی'' میں عصرِ عباسی کے دو سو (۲۰۰) مشہور مدرسوں کا تذکرہ کیا ہے، ان وجوہ سے مدارس عصرِ عباسی کا احاطہ مشکل ہے لیکن اس سے ان کی کثرت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

عہدِ عباسی کے مدارس کی اس غیر معمولی ترقی کا اثر اندلس پر بھی ہوا، گو مؤرخ المقری نے یہ لکھا ہے کہ:

''لیس لأ هل الاندلس مدارس، تعینهم علی طلب العلم بل یقرء ون جمیع العلوم فی المساجد'' (۲) اندلسیوں کے یہاں مدارس نہ تھے جو طلبِ علم میں ان کی مدد کرتے بلکہ وہ تمام علوم مساجد میں پڑھتے تھے۔

لیکن مؤرخ موصوف کا مذکورۂ بالا بیان پانچویں چھٹی صدی ہجری تک درست کہا جا سکتا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں ہسپانیہ میں مشرقی طرز کے مدارس و جامعات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، چنانچہ علی بن محمد بن علی غافقی المعروف بالشاری (۵۷۱-۶۴۹ھ/ ۱۱۷۵-۱۲۵۱ء) نے بہت سی نفیس، اہم اور بنیادی کتابوں کا ذخیرہ فراہم کیا تھا جو ان کے معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھا، بلکہ متقدمین میں بھی بہت سے اہلِ علم کے پاس ایسا عمدہ ذخیرہ کتب نہ تھا، انہوں نے اپنے شہر سبتہ میں ایک مدرسہ بنایا، تمام ضرورت کی کتابیں اس میں جمع کی تھیں۔ بلادِ مشرق کے مدارس کے طرز پر اس کی تکمیل کا ارادہ تھا کہ شورش اور ان کی جلاوطنی کی وجہ سے یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا (۳)۔

۞ ۞۞

۱- الاعلام: ۲/ ۱۹۵۔ ۲- کشف الظنون: ۱/ ۲۷۔ ۳- أزهار الریاض فی أخبار عیاض: ۲/ ۲۰۶، ۲۰۷۔

(ج) جامعات کے کتب خانے

نظام الملک طوسی کی مدارس سازی کی تحریک جامعات سازی کی تحریک تھی۔ حکومت ان کے انتظامی و مالی امور میں شریک تھی، انتظامی امور میں اس امر کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ جو نصاب مقرر کیا گیا ہے، پڑھانے میں اس کی پابندی کی جائے، حکومت انہیں اپنے مقررہ بجٹ سے چلاتی تھی، اساتذہ کا تقرر بادشاہِ وقت کرتا تھا(۱) ان میں مخصوص مکتبِ فکر کی تعلیم دی جاتی اور خاص مکتبِ فکر کے علماء کو تدریس کے منصب پر ممتاز کیا جاتا تھا، ان میں بہت ہم آہنگی تھی، اساتذہ کا لباس بھی مخصوص تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صفت میں خازن بھی ان کے شریک تھے، چنانچہ اساتذہ کی طرح خازن کو بھی خلعت دیا جاتا تھا(۲) نظام الملک طوسی کے قائم کردہ مدارس کو مدارس و جامعات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے(۳) اور وہ جامعات نظامیہ مندرجہ ذیل تھیں۔

۱- جامعہ نظامیہ بغداد اس کا افتتاح (۴۵۹ھ/ ۱۰۶۷ء) میں،
۲- جامعہ نظامیہ نیشاپور کا افتتاح ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں کیا گیا تھا۔ (۴)
۳- جامعہ نظامیہ بلخ۔
۴- جامعہ نظامیہ ہرات۔
۵- جامعہ نظامیہ اصفہان۔
۶- جامعہ نظامیہ بصرہ۔
۷- جامعہ نظامیہ موصل۔
۸- جامعہ نظامیہ مرو۔
۹- جامعہ نظامیہ آمل طبرستان۔
۱۰- جامعہ نظامیہ جزیرہ ابن عمر۔ (۵)

حکومت کے مخصوص بجٹ کے علاوہ ان کے مصارف کو پورا کرنے کے لیے بڑے بڑے اوقاف تھے،

۱- القسم الأخیر من کتاب طہ: ۱۵۲-۱۵۳۔ ۲- کتاب عتبۃ الکتبۃ: ۷-۸۔ ۳- تاریخ علماء المستنصریۃ: ۳/ ۳۴۴۔
۴- المنتظم: ۹/ ۶۸، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۴/ ۳۱۹، وفیات الأعیان: ۱/ ۱۴۴۔ ۵- علماء النظامیات: ۲۱-۲۰۸۔

کبھی زیادہ قیمت میں کتابیں خرید کر ان کے کتب خانوں میں پہنچائی جاتی تھیں (۱)۔ جامعہ نظامیہ بغداد کی تعلیم و تنظیم نے یورپ کے کلیات و جامعات کو متاثر کیا اور یورپ میں اس طرزِ تعلیم کو دانشگاہوں میں اپنایا گیا تھا (۲)۔

ان جامعات کے کتب خانوں میں جامعہ کے استادوں کے علاوہ شہر کے اربابِ ذوق اور اہلِ قلم بھی استفادہ کے لیے آتے اور یہاں بیٹھ کر کتابیں لکھتے تھے۔ چنانچہ فخر الدین ابو الفضائل ہندو شاہ بن سنجر المتوفی ۶۸۳ھ نے ''جامع الدقائق فی کشف الحقائق'' جامعہ بغداد کے کتب خانہ میں لکھی تھی (۳)۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان جامعات اور درسگاہوں کے کتب خانوں کے دروازے جن میں خاص مکاتبِ فکر کی تعلیم دی جاتی تھی ہر ایک کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ عام اہلِ علم اپنی تحقیقات کے لیے کتب خانوں میں بیٹھ کر مواد حاصل کرتے تھے اور ان پر نسلی، گروہی اور طبقاتی قدغن نہیں لگائی جاتی تھی۔

۱- کتب خانہ جامعہ نظامیہ بغداد:

جامعہ نظامیہ بغداد کے کتب خانے کو دو شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ایک کو دار الکتب العتیقہ اور دوسرے کو دار الکتب الجدیدہ کہا جاتا تھا (۴) اس میں پندرہ مُشرِف اور نو خازن رہ چکے تھے (۵) اس سے اس کی خدمات پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر جامعہ کے کتب خانے میں خازن و عملہ مامور تھا۔

۲- کتب خانہ جامعہ نظامیہ نیشاپور:

نظام الملک طوسی المتوفی ۴۸۵ھ نے بلادِ اسلامی میں جتنے جامعات قائم کیے تھے ان میں طلبہ، اساتذہ، محققین و اہلِ علم کے استفادہ کے لیے کتب خانے بھی قائم کیے تھے۔ چنانچہ جامعہ نظامیہ نیشاپور میں بھی خزانۃ الکتب بنایا اور علامہ ابو القاسم سلمان بن ناصر انصاری نیشاپوری المتوفی ۵۱۲ھ کو اس کا خازن مقرر کیا تھا (۶) اس کتب خانے سے ابو الحسن بیہقی نے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا، وہ ''تتمۃ صوان الحکمہ'' میں اس کا جا بجا حوالہ دیتا ہے:

''اس کتب خانے میں ہر فن کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔'' بیہقی نے ابنِ سینا کی ''کتاب الحیوان'' کا نسخہ

۱- طبقات الشافعیۃ الکبری: ۴/ ۳۱۳، ۳۱۴۔ ۲- کتاب الروضتین: ۶۳۔ ۳- المنتظم: ۹/ ۶۸۔
۴- علماء النظامیات: ۳۶۔ ۵- خزائن الکتب القدیمۃ: ۱۴۸۔ ۶- علماء النظامیات: ۳۲، ۳۵۔

جو اس نے فارسی میں لکھی تھی، یہیں دیکھا تھا(۱) ابنِ سینا کے تلمیذ حکیم ابوعبداللہ معصومی کی "کتاب فی المفارقات و اعداد العقول والأفلاک" بھی اس کتب خانے میں محفوظ تھی جسے جمال الملک بن نظام الملک منگوا کر مطالعہ کرتا تھا، پھر یہ نسخہ یہاں سے غائب ہوگیا تھا، جس پر بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب حکماء کی محبوب تھی۔ معلوم نہیں اسے عنقا لے اڑا، یا فنا کے ہاتھوں برباد ہوگئی(۲)۔

۴-خزانہ کتب جامعہ مستنصریہ:

خلیفہ مستنصر باللہ عباسی نے جامعہ مستنصریہ ۶۳۰ھ میں دجلہ کے بائیں کنارے پر تعمیر کرایا تھا۔ یہ اس کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں ہر علم وفن کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ خلیفہ نے اس کا افتتاح ایک سو ساٹھ (۱۶۰) بارِ شتر کتابوں سے کیا تھا، ان کتابوں کا فہرست سے مقابلہ کرنے اور انہیں کیٹلاگ کرنے کے لیے خازن عبدالعزیز بن دلف کے فرزند ضیاء الدین کو مامور کیا تھا(۳) یہ اسّی ہزار (۸۰،۰۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا(۴) اس میں مصاحف اور بنیادی کتابیں زیادہ تھیں(۵) اس زمانے میں اس کتب خانہ کی دُور دُور نظیر نہ تھی(۶)۔

نامور خلفاء، امراء، وزراء اور علماء وفضلاء اس کتب خانے کو دیکھنے آتے تھے، چنانچہ ۶۳۴ھ میں شاہ بہروز نور الدین ارسلان شاہ دار الکتب میں آیا، کتابوں کو دیکھا، بیٹھا اور چلا گیا(۷)

بغداد کے کتب خانوں میں یہ دار الکتب لائقِ دید رہا تھا۔ چنانچہ ۶۹۶ھ میں سلطان غازان نے جامعہ مستنصریہ کی زیارت کی اور کتب خانہ دیکھا تھا(۸) ادیب فخر الدین ابوالفضل عبداللہ خوارزمی المعروف بالبہشتی قاضی ہراۃ محمد کے ساتھ خزانہ الکتب دیکھنے آیا تھا(۹)۔

یہاں سے اہلِ علم کو کتابیں بھی مستعار ملتی تھیں، چنانچہ حکیم عیسیٰ بن قیس نے قانون شیخ کا اپنا ذاتی نسخہ جو جائز طور پر کتب خانہ میں داخل ہوا تھا منگوا کر نقل ومقابلہ کیا تھا(۱۰) یہ کتب خانہ مخصوص اوقات میں کھلتا اور سیل کیا جاتا تھا(۱۱)۔

۱-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ:۲/۲۲۳۔ ۲-تتمۃ صوان الحکمۃ:۹۶۔ ۳-تاریخ الخلفاء:۳۰۶۔
۴-عمدۃ الطالب فی أنساب آل ابی طالب:۱۲۹۔ ۵-خلاصۃ الذھب المسبوک:۲۸۸۔ ۶-البدایہ والنھایہ:۱۳/۱۵۹۔
۷-الحوادث الجامعہ:۸۹۔ ۸-تلخیص مجمع الآداب، ق:۴،۴/۸۳۲(حواشی) ۹-ایضاً، ق:۴،۳/۱۹۳۔
۱۰-تاریخ مختصر الدول:۲۷۴۔ ۱۱-الحوادث الجامعہ:۸۹۔

(د) طبی مدارس اور شفاخانوں کے کتب خانے

عہدِ عباسی میں طبی مدارس اور شفاخانوں کے ساتھ بھی دارالکتب بنانے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے قاہرہ میں ابنِ طولون نے جامع ابنِ طولون میں شفاخانہ کے ساتھ دارالکتب بنایا تھا جیسا کہ باب سوم میں گزر چکا۔

۱- کتب خانہ بیمارستان کبیر دمشق:

(ا) بیمارستان نوری۔

(ب) صیدلہ نوری۔

(ج) بیمارستان کبیر۔

سلطان نورالدین ابوالقاسم محمود بن زنگی (۵۱۱-۵۶۹ھ/ ۱۱۱۷-۱۱۷۳ء) نے بیمارستان کبیر میں کتب خانہ وقف کیا تھا(۱) دمشق میں تین شفاخانوں میں بیمارستان نوری، صیدلہ نوری اور بیمارستان قیمری میں طبی کتابیں وقف کی تھیں جہاں اہلِ علم آکر استفادہ کرتے تھے(۲)۔

۲- کتب خانہ دخوار دمشقی:

مہذب الدین بن عبدالرحیم بن علی المعروف بالدخوار دمشقی (۵۶۵-۶۲۸ھ/ ۱۱۶۵-۱۲۳۰ء) اپنے زمانے کا نامور طبیب، فلسفی، ہیئت دان، ادیب و مصنف تھا۔ موصوف کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ دخوار نے سو (۱۰۰) سے زیادہ مجلدات اپنے قلم سے نقل کی تھیں (۳) سلطان ابوبکر ایوب نے اس کو بیمارستان کبیر کا نگران مقرر کیا تھا(۴)۔

اس کا بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ شفاخانہ میں مریضوں اور اعیانِ مملکت کو دیکھنے کے بعد گھر آتا پڑھنے پڑھانے میں لگ جاتا تھا۔ طلبہ آتے، انہیں پڑھاتا، کتاب میں کوئی غلطی ہوتی اس کی تصحیح کراتا تھا، اس لیے ان

۱- تاریخ البیمارستانات فی الاسلام: ۲۰۱-۲۰۹۔
۲- خطط الشام: ۶/ ۱۹۲۔
۳- عیون الانباء: ۳/ ۳۹۰، الدارس فی تاریخ المدارس: ۲/ ۱۲۹۔
۴- ایضاً: ۳/ ۳۹۵۔

کے نسخے بہت صحیح ہوتے تھے۔ لغت اور طبی حوالے کی کتابیں پاس رکھتا تھا، جوہری کی ''الصحاح'' ابن فارس کی ''المجمل'' اور ابوحنیفہ دینوری کی ''کتاب النبات'' سامنے رکھی رہتی تھیں۔ دورانِ درس کوئی تشریح طلب لفظ آ جاتا تو ان کتابوں سے اس کی تصحیح و تشریح کرتا تھا(۱)۔ یہ سیف الدین آمدی کا شاگرد تھا۔ ان کی بیشتر کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود تھیں(۲)۔

طب و جراحی کے آلات جن کی طبیب کو ضرورت پیش آتی ہے سب دخوار کے کتب خانہ میں محفوظ تھے اور ایسے آلات جمع کیے تھے جو معاصرین میں سے کسی کے پاس نہ تھے(۳)۔ صرف فن اصطرلاب پر قدماء کے سولہ(۱۶) رسالے اس کے کتب خانے میں موجود تھے(۴)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتب خانہ کا کیٹلاگ Classified Order میں تھا یعنی کتابی صورت میں موضوعی ترتیب پر تھا۔ آخر عمر میں موصوف نے اپنے محل سرا کو جو سوق المناخلین دمشق میں واقع تھا، میڈیکل کالج بنا دیا تھا اور اس میں جراحی، فلکیات کے جملہ آلات اور کتب خانہ وقف تھا(۵)۔ اس طرح کالج کے ساتھ کتب خانہ کو بھی وابستہ کر دیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس کالج کے ساتھ کتب خانے کے اولین بانی مسلمان ہی تھے۔

۳۔ کتب خانہ نجم الدین لبودی:

نجم الدین ابوزکریا یحییٰ بن شمس الدین محمد بن عبدان لبودی المتوفی ۶۶۸ھ جو نامور ادیب و طبیب تھے، انہوں نے طبی مدرسہ لبودیہ دمشق میں وقف کیا تھا(۶)۔

❁ ❁❁

۱۔ عیون الانباء: ۳/۳۹۷۔
۲۔ ایضاً: ۳/۳۹۸، الدارس فی تاریخ المدارس: ۲/۱۲۹۔
۳۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء: ۳/۳۹۸۔
۴۔ ایضاً۔
۵۔ ایضاً: ۳/۳۹۹، الدارس فی تاریخ المدارس: ۲/۱۳۰، العبر: ۵/۱۱۱، البدایہ والنہایہ: ۱۳/۱۳۰۔
۶۔ مجلۃ المجمع العلمی العراقی (۱۹۶۰ء): ۷/۸۹۲۔

(ہ) رصدگاہوں کے کتب خانے

۱- نصیرالدین طوسی کا کتب خانہ:

ابتداء عہدِ عباسی میں کتابوں کی قلت و دشواری کے باعث رصدگاہوں کے ساتھ جداگانہ کتب خانہ نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ رصدگاہ شماسیہ کی ضروریات کی تکمیل بیت الحکمہ سے پوری کی جاتی رہی تھیں، لیکن بعد میں اس کے ساتھ جداگانہ کتب خانہ بھی بنایا جانے لگا تھا۔ چنانچہ مراغہ میں نصیرالدین طوسی نے جو چار لاکھ (۴،۰۰،۰۰۰) کتابوں پر مشتمل کتب خانہ بنایا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رصدگاہوں کی ضروریات کے پیشِ نظر علیحدہ کتب خانہ بھی بنایا جانے لگا تھا (۱)۔

اس باب کے پہلے حصے میں عوامی کتب خانوں میں اوقاف کے انیس، (۱۹) مسجدوں کے پندرہ، (۱۵) خانقاہوں کے چھ (۶)، مزاروں کے چھ (۶)، مجموعی طور پر باون (۵۲) عوامی کتب خانوں کا تذکرہ و نشاندہی کی گئی اور دوسرے حصے میں علمی کتب خانوں میں درسگاہوں کے ایک، مدرسوں کے تیئیس (۲۳)، جامعات کے تین (۳)، شفاخانوں اور طبی مدرسوں کے چھ (۶)، اور رصدگاہوں کے ایک (۱) کتب خانے پر روشنی ڈالی گئی ہے، عوامی و علمی ہر دو نوع کے کُل پچاسی (۸۵) کتب خانوں کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔

ان مدارس کے قیام سے علوم و ذخائر کتب میں تنوع، اختصاص و کثرت رہی اور پورے اسلامی قلمرو میں عوامی و علمی کتب خانوں کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ معاشرہ کی علمی و تعلیمی ضروریات ہر جگہ بآسانی پوری ہوتی رہیں۔ تصانیف کا سلسلہ ترقی کرتا رہا۔ علماء، محققین و مصنفین کو تخلیقی، تحقیقی کارناموں کے لیے ان عوامی و علمی کتب خانوں سے بیک وقت دوسو (۲۰۰) کتابیں ان کے قیام گاہ کے لیے دی جاتی رہی تھیں۔ چنانچہ یاقوت رومی کی شہرۂ آفاق کتابیں "معجم الادباء" اور "معجم البلدان" انہی عوامی ذخائر سے استفادہ کی بولتی ہوئی تصویریں ہیں۔

عہدِ عباسی میں ہر اقلیم، ہر شہر اور ہر بستی میں ان عوامی کتب خانوں کے پروان چڑھتے رہنے کا واحد ذریعہ ملوک، وزراء، امراء، عوام و خواص کا "اقرأ اور علّم بالقلم" کے نور کو پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، عوامل و

۱- فوات الوفیات: ۱/ ۲۷۳، تاریخ ابن کثیر: ۱۴/ ۱۰۶۔

محرکات کتب خانہ اور خلفاء عباسی کے عہد میں عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کا شعوری وغیر شعوری طور پر مسلم معاشرے میں کارفرمائی کا ثمرہ تھا۔

ان وجوہ سے عوام وخواص، خواتین اور مرد ہر جگہ مسجدوں، رباطوں، خانقاہوں، مزاروں، درسگاہوں، مدرسوں، دانش گاہوں، شفاخانوں، رصدگاہوں کے ساتھ کتب خانے بناتے، اور یوں یہ عوامی وعلمی کتب خانے برابر ترقی کرتے رہے تھے۔

اسلامی قلمرو کے تمام کتب خانوں کے ذخیروں کو رسد، سوق الکتب (کتابوں کے بازار) سے پہنچتی تھی اور یہ بازار ہر جگہ ان کی روز افزوں طلب کو پورا کرتے رہے تھے، اس لیے باب ششم میں کتاب سازی، وراقت، اسلامی قلمرو میں ان کے مراکز اور تجارت کتب وغیرہ سے بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔

قلم گوید کہ من شاہجہانم
قلم کش را بہ دولت می رسانم

"I AM THE KING OF THE WORLD
I CARRY THE MAN TO HONOUR
AND POWER WHO CARRIES ME"

THE AUTHOR

MAULANA Muhammad Abdul Halim Chishti is one of the distinguished class of ulama of the Indo-Pakistan subcontinent, haling from the Ulama of Deoband. Born in Jaipur in April 1929, he received his early education in the local Masjid-Madrisah and soon after joined the renowned Islamic education centre, Dar-ul-Uloom Deoband, where after completing a six year course of studies, he graduated in 1950. The same year he migrated to Pakistan and besides Master's degrees in Library Science and Islamiat, he received doctorate in Library Science in 1981 from the Karachi University.

His quest for knowledge developed into deep love for books and this led his to libraries, otherwise a place of retreat for scholars. He had had opportunities of serving as librarian in reputed institutions in and outside Pakistan. At present Jamiyah al-Uloomil Islamia, Binnori Town, Karachi (Pakistan) is utilizing his services as Mushrif (Director) for post-graduate studies (Specialization) in Hadith and Fiqh.

MAULANA Muhammad Abdul Haleem Chisti is a versatile writer and besides a large number of Thesis and essays he has a good many book to his credit. A few of them are:-

1. Arab libraries during Al-Jahiliyyah
2. Islamic Libraries
3. Commentary on Mirqat Al-Mafatih.

CHAPTER XI

EPILOGUE
ACHIEVEMENTS AND AFTER EFFECTS

Islam is a comprehensive and complete Code of Life bestowed by the Creater Himself on His VICEGERENT for regulating his activities. Its teachings are based on AL-KITAB (Quran-ul-Hakim) i.e. Wahy. As such Islamic Culture and Civilization represent faithful understanding and application of the Islamic teaching. These teaching created an upsurge in its followers to understand Universe and promote and substantiate ILM (Knowledge) through Qalam. As such acquisition of knowledge (ILM) according to one's capacity was taken to be binding of course with the provision of Farz-i-Ainفرض عین and فرض کفایہ Farz-kifayah.

This understanding of Islamic teachings led to widespread knowledge (ILM) so much so that every Mosque and Khanqah became a centre of learning. The services that these centres rendered towards the development of Culture and Civilization are written on the pages of history. As such Islamic Culture and civilization are a reflection of Islamic Faith and Beliefs.

The contribution of Islamic Civilization and Culture to World Civilization and culture hardly needs a mention. It would be enough to say that wherever we see "light" we find that its source is from Al-Kitab and the person who received it.

For this purpose, the men of letters started compiling bibliographies of their own works. This activity reached such a stage that bibliographies came to be known with other names also.

In this chapter, various names of bibliographies, definitions of bibliographies, famous bibliographers, description of continents and the terminology of bibliography have been discussed.

CHAPTER X

MANAGEMENT

Management of an institution however small it may be is its Life Blood. This chapter deals with management of Libraries and has two sections:-

i.In the first section, the discussion centres round financial matters relating to libraries, their budgets and provision of the materials needed, timings of the libraries, rules and regulations for lending books etc.

ii.In the second section, the responsibilities of the staff of the library have been discussed. The duties of the Treasurer, Caretaker, the precautions to be taken, the furniture needed for library and allied matters such as book binding, protection from white ants find a place in this chapter

Ism اسم Kunniyah لقب Laqab etc in the light of Quran-ul-Hakim.

Naming a things in instinctive in man. The intention is to distinguish it from the other and understand it on that basis. Human beings have been doing so and would continue to do so. The person so named is called by that name. sometimes along with his basic name, his Laqab لقبKhitab خطاب or کنیہ Kunniyah become so popular that instead of the basic name, he is called out by his Laqab / Kunniyah / Khitab. This is evident from the Quran-ul-Hakim. Further in some cases, the dominating characteristic becomes popular and the person concerned is called out by that "Characteristic", e.g. Muzammil, Mudassir, Sahibul Hoot, Samiri, Firaun, Abu Lahab, Zulqarmain. The women.

CHAPTER IX

BIBLIOGRAPHIES

During the Abbasid period, the rising number and variety of Uloom (Sciences) necessitated the compilation of bibliographies. The men of insight took this task in hand. The intention was clear. In brief, they wanted that availability and selection of books for libraries, scholars and institutions should be made easy and that every lover of books should know the latest additions and the trends of thought in the social life of the people.

which is divided in two sections:-

i.The first section deals with gradation on the basis of Uloom(Scineces)

ii.The second section deals with book classification on the basis of writing.

From this the of reader gets an idea of not only the Current Uloom but also the Uloom of the earlier period.

CHAPTER VIII

CATALOGUING

The next step after gradation of books in a Library is cataloguing. Cataloguing in fact, is the soul of a library. How conveniently a book can be made available to a reader, whether a layman or scholar, is the topmost object. The efforts made in this direction during the Abbasid period and the basic principles established for guidance in general have been discussed in the chapter.

NamesLaqab لقب K u n n i y a h کنیۃ etc. their kinds, their arrangements in a name and how these should be mentioned in a catalogue, the important portion in a name, alphabetical order, differences in the names of books, main features of the books have also been discussed in this chapter

then comparing them with the original ones. Such books were thereafter donated to Libraries. The travels of a book from writer to library have also been narrated.

CHAPTER VI

PAPER INDUSTRY

i. The first section deals with production of paper, kinds of paper, centres of paper industry, understanding about good and bad white paper.

ii. The second section deals with material for writing, pen inkpot, ink, arrangements for copying calligraphy, arrangements for writing in Madrasahs.

CHAPTER VII

ORGANIZING KNOWLEDGE AND ITS GRADATION

The increasing activity in respect of seeking and spreading knowledge during the Abbasid period necessitated its proper channelization and control. The learned Muslims thinkers took notice of this situation and made concentrated efforts in this direction, These efforts have been discussed in this chapter

i In this section public Libraries have been discussed: By Public Libraries are meant the Libraries maintained in the Mosques, Khanqahs and Auqaf institutions.

ii In the second section Literary Libraries have been discussed. By Literary Libraries are meant the libraries maintained in educational institutions, hospitals, medical schools and observatories.

The extent and scope of Libraries in the Abbasid period indicate the desire and efforts made during that period for the quest, acquisition and dissemination of knowledge not only for the existing generation but for the generations to come. Opportunities were made available to every category of the seekers of knowledge without distinction of caste and creed, commoners or men of rank.

SHAPING BOOKS
COPYING OF BOOKS

In the previous chapter it has been amply discussed as to how the upsurge for-acquiring knowledge during the Abbasid period became responsible for making collection of books and establishment of libraries as the most favourite hobby in every tier of social life. A good number of people used to spend their whole life in getting books and copying them with due care and

4.اشاعت SPREADING / Dis-seminating.

and very soon the people in general became accustomed to these habits .

Just as the learned persons brought out compilations in respect of various aspects of "AL-KITAB' (Al-Quran) and collections of Sunna and Asar (i.e. Qira'at, Tafsir, Hadis, Fiqh, Kalam, Tasawuf, Nahv, Lughat, History, Ansab, Philosophy, Arithmatic, Medicine etc) in every branch of ILM (knowledge) individual and special libraries came into existence. These Libraries are taken to be "PERSONAL" as they belonged to an individual, but the services which they rendered to the people in general, they deserve to be called Institutional or Public.

In this category of libraries, the Libraries of Quran-ul-Hakim Commentators, Jurisprudents, Justices, Sufis, etc. have been discussed.

The above mentioned Libraries ultimately became public Libraries through sale or Waqf or bequests while a few of these Libraries continued as Family Libraries. As such in Islamic Libraries this category of Libraries carries much importance.

CHAPTER V

INSTITUTIONAL AN D LITERARY LIBRARIES

This chapter has two sections:

while the latter being 42 totalling 59. Forty two (42) Libraries falling in the second category belong to twenty Royal lineages having affiliations with the Caliphs of Baghdad (Fatimids of Egypt, Banu Hamadan, Banu Umar and the Omayyid Caliphs of Spain numbering nine.)

In the two sections of this chapter 59 Libraries have been discussed in all. This is enough to indicate the influences which the special interest of Abbasid Caliphs in the establishment of Libraries i.e. spread of knowledge produced throughout the then Islamic world.

A detailed analysis of these libraries in the light of the principles concluded by the author of the thesis will definitely need a few volumes.

CHAPTER IV

PERSONAL PUBLIC, TECHNICAL AND SPECIAL LIBRARIES

The people who responded to ISLAMI'S behest اقراء READ; and .... ILM in writing with the core of their heart became deeply engaged in the following activities:-

1. قراءت READING / Mannerly
2. کتابت WRITING / Mannerly
3. حفاظت PRESERVING / Maintenance

WIDE POPULARITY OF KNOWLEDGE:

ILM (Knowledge) is a special prerogative of Man,It is why man was given preference over Angels. In all instincts and habits, man appears to be common with animals.(1)

Although in the matter of eating, drinking walking and other instincts man is on the same footing as animals, but in the matter of thinking and appreciation of right and wrong man has been given a distinctive character. As such Quest for Knowledge is inhernt in man and this is naturally followed by his inherent desire to brood over IT and thereafter spread it to people in general.

CHAPTER III

LIBRARIES OF ABBASID CALIPHS

This chapter has two sections:

i.In the first section an analysis of the education and cultural activities during the Abbasid period has been given and after that Libraries of seventeen caliphs have been discussed.

ii. In the second section, the Libraries of those Rulers (also called Khulafae) who had affiliations with the Caliphs of Baghdad have been detailed: the former being 17 in number

1. XVII / 70 Al-Quran.

the establishment and publicity of Libraries during the Abbasid period as also three principles for location of libraries have been discussed. In addition, thirty guiding principles for identification of Library itself have been mentioned. The numerical strength of Libraries during the Abbasid period has also been elucidated.

The second section deals with "Introduction" in which the aims and objects of the study, selection of the subject matter, previous study and the analysis of the sources along with the method of presentation have been elucidated.

CHAPTER II

Spread of Knowledge, its Preservation through Dictation (املاء) and Evolution of Libraries.

This chapter has two sections:

The first section deals with the wide popularity of seeking knowledge and the evolutionary stages of libraries emphasizing the Importance of ILM (Knowledge) and the four elements (basic factors) of Libraries, i.e. Ilm, writing, Books and Reading.

The second section deals with the Libraries of the Prophets of Allah, their efforts in the field of libraries as well as the circumstances leading to the establishment of libraries and their effects on the social life of the people.

About this Book

فسانہ گشت و کہن شد حدیث اسکندر
سخن نو آر کہ نو را حلاوتے است دگر

The story of Alexander has since become a matter of PAST; brings out a fresh one, as the New One has a strange taste .(Farrukhi)(1)

This thesis under the heading 'Islamic Libraries' covers the whole Abbasid period from 1333 A.H. to 656 A.H. or 749 A.D. to 1258 A.D. in eleven chapters briefly discussed hereafter.

CHAPTER I

"Preface and Introduction"

In the first section of the chapter it has been discussed that Libraries being the Fountain Head of intellect grow as an integral part of Culture and Civilization. In the case of Islamic Libraries, the establishment of Libraries, their increasing number and variety have their origin in Allah's Command اقرا and the resultant all embracing movement for learning the encompassed every nook and corner of the Abbasid Caliphate.
The author has identified 60directions in which the social life of the Muslim people had its impact. Seven guiding principles for

1. Court poet MAHMOOD GHAZNAVI (about1000 A.D)

*یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست

کتب خانۂ چند ملت بشست

Cultural Manifestations of *"Iqra wa 'Allama Bil qalam"* During The Islamic Era

(Study Of Abbasid Period Only)

(133 A.H. .... 656 A.H. / 749 A.D. .....1258 A.D)

A comprehensive thesis embracing istorical, analytical, valuable and rare information......

due to

ALLAH'S Command اقراء "READ". Therefore a tremendous impact on culture and civilization which necessitating the establishment of Libraries, general and personal, technical and Exclusive books on differnt fields of study, institutional and public as well as purely literary and scholary ones side by side with compilation of books, biographies, cataloguing of books and management of Libraries itself.

اقراء باسم ربک الذی خلق

(Read in the name of the Lord Who createth)

1/96- Al-Quran

* The prophet who did not learn Quran-ul-Hakim from any tutor, washed away the Libraries of all nations through his knowledge .... Saadi.

اقرأ و ربك الأكرم
الذى علّم بالقلم

THE CLOT:

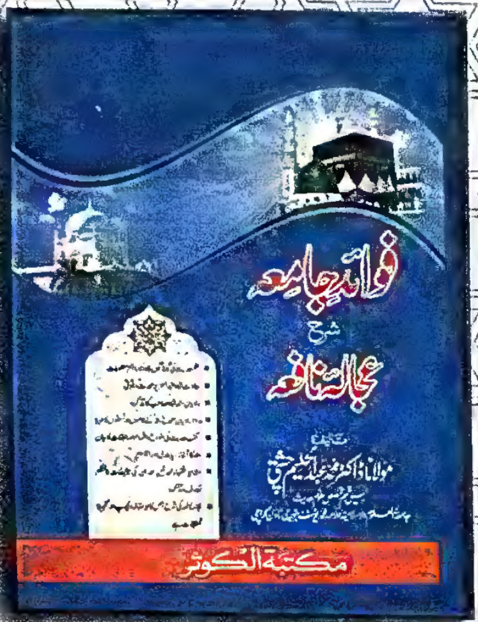
Read And thy Lord is the
Most Bounteous
Who teacheth by the pen.
(Chapter:96,Verse:3-4)

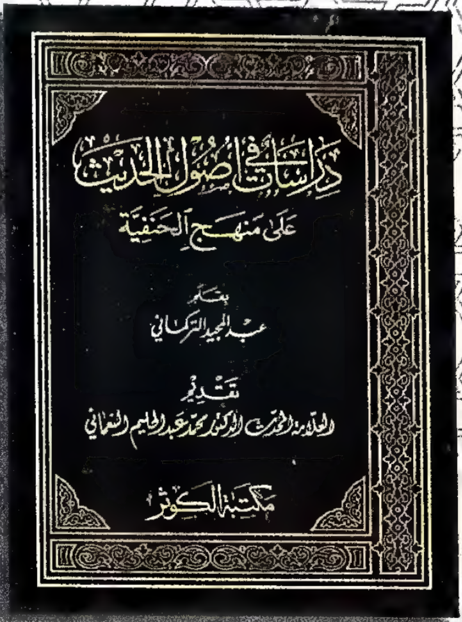
Cultural Manifestations of "Iqra wa 'Allama Bil Qalam" During The Islamic Era

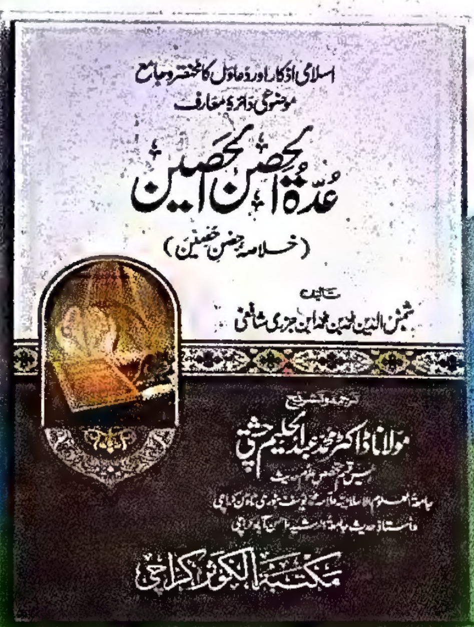
(Study Of Abbasid Period Only)

By:
MAULANA MUHAMMAD
ABDUL HALEEM CHISHTI
(Dr.)

مکتبۃ الکوثر کی دیگر مطبوعات







مکتبۃ الکوثر